نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

مرتب

صبیح رحمانی

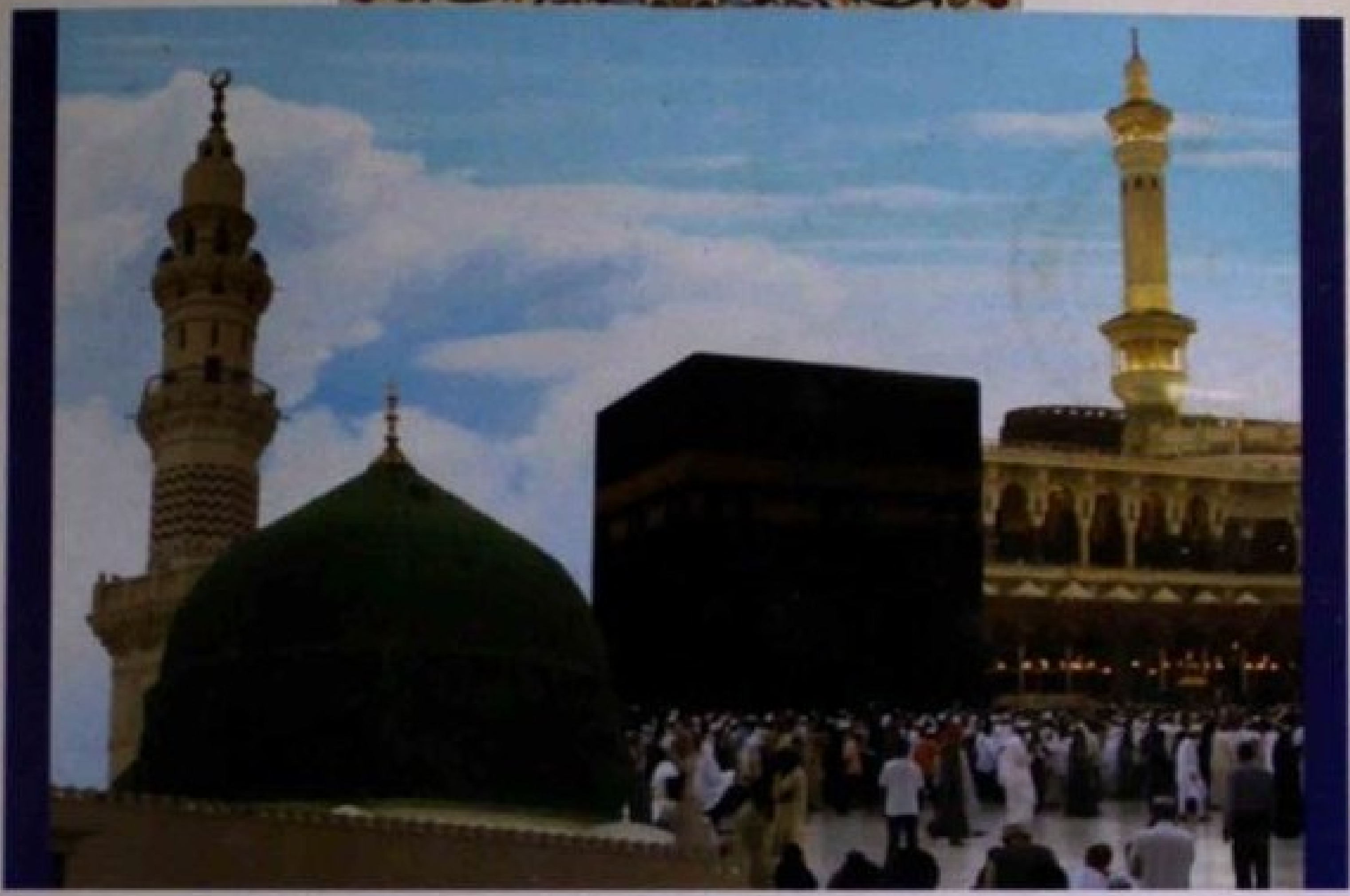

Starting Soon

From	Direct Flight To
Lahore:	Jeddah, Madina & Riyadh
Karachi:	Jeddah & Madina
Peshawar:	Jeddah & Riyadh
Islamabad:	Jeddah

SHAHEEN AIR

Call: 111-80-80-80 www.shaheenair.com

49382
Class No 104/071
Book No 00004179

نعت رنگ

نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ

شمارہ نمبر 22 ستمبر 2011

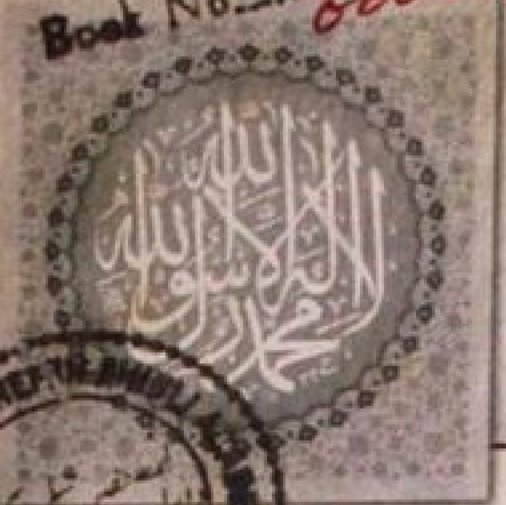

مرتب

سید صبیح الدین رحمانی

مجلس مشاورت

ڈاکٹر ظفر اقبال، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر معین الدین عقیل
عزیز احسن، پروفیسر محمد اکرم رضا، پروفیسر محمد اقبال جاوید
ڈاکٹر افضال احمد انور، ڈاکٹر شبیر احمد قادری

مجلس منتظمہ

ڈاکٹر طارق شریف زادہ، عاطف معین قاسمی
ذکریا شیخ اشرفی، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، طاہر قریشی
شوکت علی، داؤد عثمانی

شمارے کی قیمت

پاکستان	۳۰۰	روپے
سعودی عرب	۲۵	ریال
یو اے ای	۳۰	درہم
امریکہ	۱۰	ڈالر
برطانیہ	۷	پاؤنڈ

بیرون ملک نمائندے

اطہر عباسی :	جدہ (سعودی عرب)
نور امروہوی :	ڈیلاس (امریکہ)
سمیعہ ناز اقبال :	لیڈز (برطانیہ)
ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط :	کل گاؤں (ہندوستان)
ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی :	علی گڑھ (ہندوستان)
ڈاکٹر عبدالرحمن عبد :	نیویارک (امریکہ)
ڈاکٹر تقی عابدی :	ٹورنٹو (امریکہ)
مقصود احمد تبسم :	(متحدہ عرب امارات)
محمد عبدالرحمن صدیقی عابد :	ٹوکیو (جاپان)
ندیم صدیقی :	ممبئی (ہندوستان)
سعید شیخ :	ہیگ (ہالینڈ)
افروز عالم :	(کویت)

B-50, Sector-11/a, North Karachi
Pakistan - 75850
Mobile : 0333-2457575
E-mail : Sabeehrehmani@gmail.com
www.naatrang.net
www.naatresearchcenter.com

مرتب وناشر صبیح رحمانی نے اشرفی انٹر پرائزز سے چھپوا کر مرکزی دفتر B-50 سیکٹر 11/A نارتھ کراچی 75850 سے جاری کیا

نعت ریسرچ سینٹر کی مطبوعات

1- اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر		ڈاکٹر عاصی کرنالی	600/-
2- اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ		رشید وارثی	350/-
3- نعت میں کیسے کہوں	(تنقید)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	200/-
4- غالب اور ثنائے خواجہ	(تنقید)	صبیح رحمانی	200/-
5- نعت کی تخلیقی سچائیاں	(تنقید)	عزیز احسن	150/-
6- ہنر نازک ہے	(تنقید)	عزیز احسن	150/-
7- اردو نعت اور جدید اسالیب	(تنقید)	عزیز احسن	120/-
8- نعت نگر کا باسی	(تنقید)	صبیح رحمانی	150/-
9- جادۂ رحمت کا مسافر	(تنقید)	ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی	80/-
10- بہشت تضامین	(شعری مجموعہ)	حافظ عبدالغفار حافظ	250/-
11- خیر البشر	(میلاد نامہ)	نور بانو محجوب	200/-
12- نعت اور تنقید نعت	(تنقید)	ڈاکٹر ابوالخیر کشفی	300/-
13- فن اداریہ نویسی اور نعت رنگ	(تنقید)	ڈاکٹر افضال احمد انور	200/-
14- نعت رنگ اہل علم کی نظر میں		ڈاکٹر شبیر احمد قادری	300/-
15- فہرست کتب خانہ نعت ریسرچ سینٹر	(کتابیات)	محمد طاہر قریشی	300/-
16- زبور حرم	(کلیات نعت)	اقبال عظیم	450/-
17- شہ لولاک	(شعری مجموعہ)	امان خان دل	150/-
18- جادۂ رحمت	(انگریزی مجموعہ)	جسٹس منیر مغل	200/-
19- اشاریہ نعت رنگ	(بیس شمارے)	ڈاکٹر سہیل شفیق	
20- سرکار کے قدموں میں	(انگریزی ترجمہ)	سارہ کاظمی	500/-
21- شہپر توفیق	(شعری مجموعہ)	عزیز احسن	200/-
22- قوسین	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-
23- نزول	(شعری مجموعہ)	شفیق الدین شارق	100/-
24- آنکھ بنی کشکول	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	100/-
25- آپ	(شعری مجموعہ)	حنیف اسعدی	150/-
26- کرم و نجات کا سلسلہ	(شعری مجموعہ)	عزیز احسن	150/-
27- نعت اور سلام	(شعری مجموعہ)	وحیدہ نسیم	20/-
28- ممدوح خلائق	(شعری مجموعہ)	آفتاب کریمی	200/-

﴿تقسیم کار﴾ کتاب سرائے: غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 03214163595 - 03009401474

Accession No. 49382
Class No. 104/071
Book No. 0000479

رشید وارثی (مرحوم)

کی

نعت شناسی

کے نام

امت کی مشکلات کا حل صرف ایک ہے
اپنائیں ذوق وشوق سے سب اسوۂ نبی
(عزیز احسن)

دھنک

ابتدائیہ	ڈاکٹر ریاض مجید (مہمان مدیر)	۷
اپنی بات	صبیح رحمانی	۱۵

تمجید

پتھروں کو بھی نمی دیتا ہے	احمد صغیر صدیقی	۲۹
کتاب ہستی تھی سادہ سادہ	اسد ثنائی	۳۰

مقالات

نعتِ نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت	ڈاکٹر شعیب نگرامی	۳۳
اردو نعت میں ضمائر کا استعمال (ایک تنقیدی جائزہ)	ڈاکٹر اشفاق انجم	۴۴
دکنی میں نعتیہ شاعری	ڈاکٹر محمد علی اثر	۵۹
نعتیہ شاعری میں متنی رشتوں کی تلاش	عزیز احسن	۹۳
رحمت و شفقت محسنِ انسانیت نعت کے آئینے میں	گوہر ملسیانی	۱۰۸
موجِ نور (ایک قابلِ تحسین نعتیہ انتخاب)	پروفیسر محمد اقبال جاوید	۱۵۸
دیارِ مغرب کے اردو شعرا کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط	۱۷۱
سفینۂ عشق۔ توصیف محمد کا نشان	ساجد نظامی	۲۰۷
اردو کے چند اہم پاکستانی انتخابِ نعت	شہزاد احمد	۲۱۹

فکر و فن

سیّدنا طاہر سیف الدین کے قصیدے فضیلۃ محمد رسول اللہ کا ایک تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی	۲۸۵
علامہ احمد یار نعیمی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر سراج احمد قادری	۳۰۹
ناز مانک پوری کا ارمغانِ عقیدت۔ رہبرِ اعظم	پروفیسر محمد اکرم رضا	۳۲۰
نظمی مارہروی کی نعت گوئی	غلام مصطفیٰ رضوی	۳۳۰
صبا اکبرآبادی کی نعت گوئی	عزیز احسن	۳۳۵
ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی	ڈاکٹر افضال احمد نور	۳۴۴

امان خان دل کی نعتیہ شاعری کے آئینے میں | پروفیسر شفقت رضوی | ۳۵۱
ستیہ پال آنند کی ایک نعتیہ نظم | پروفیسر قیصر نجفی | ۳۶۳

نعت شناسی

ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت شناسی | پروفیسر محمد اکرم رضا | ۳۷۳
ڈاکٹر اسحٰق قریشی کی نعت شناسی | ڈاکٹر شبیر احمد قادری | ۳۸۷
گوہر ملسیانی کی نعت شناسی | پروفیسر محمد اکرم رضا | ۴۱۶

مطالعات نعت

حاصلِ مطالعہ | عارف منصور | ۴۵۳
عہدِ نبوی کی نعتیہ شاعری۔ ایک تعارف | غلام محی الدین | ۴۷۵
نعت گوئی اور اس کے آداب۔ ایک مطالعہ | ڈاکٹر غفور شاہ قاسم | ۴۸۳

مدحتیں

شفیق احمد شفیقؔ فاروقی (مدینہ منورہ)، مظہر صدیقی (مالیگاؤں بھارت)، ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)، شاہ محمد سبطین شاہ جہانی (اسلام آباد)، محمد اکرم رضاؔ (گوجرانوالہ)، قمر وارثی (کراچی)، سلیم اختر فارانی (گوجرانوالہ)، ایس ایم عقیل (کرناٹک، بھارت)، ماجد خلیلؔ (کراچی)، منظر عارفی (کراچی)، رشید امینؔ (اسلام آباد)، امان خان دِل (نیویارک)، مقصود احمد تبسم (متحدہ عرب امارات)، نور محمد جرال (امریکا)، عزیز احسن (کراچی)، سید ضیاء محی الدین گیلانی (ہڑپہ)، نعیم بازید پوری (جدہ) | ۴۹۱

خطوط

پروفیسر عمران (لاہور)، پروفیسر ڈاکٹر منور غازی (سعودی عرب)، عباس رضوی (کراچی)، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (لاہور)، گوہر ملسیانی (خانیوال)، ڈاکٹر سراج احمد قادری (بھارت)، کامران جاوید عرفانی، مستجاب ظافر (کراچی)، سمیعہ نازؔ لیڈز (یوکے)، احمد صغیر صدیقی (کراچی) | ۵۱۹
نعت ریسرچ سینٹر | ۵۵۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فروغ کے حوالے سے ''نعت رنگ'' کو جو منفرد سعادت نصیب ہوئی ہے وہ اردو کے کسی اور جریدے کو حاصل نہیں ہوئی۔ بیسویں صدی کے آخری عشروں میں اس کا اجراء نعت کے رجحان ساز معیار اور تاریخ ساز اعتبار کا باعث بنا۔ اِس زمانے کو حافظ لدھیانوی نے 'نعت کا زمانہ'، (خدا کا شکر مجھے نعت کا زمانہ مِلا)، اور حفیظ تائب نے اس عہد کو ''بہارِ نعت''، (یہ ان کے انتخاب نعت کا عنوان ہے)، سے تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ نعت کی صنف آغازِ اردو ہی سے اپنی خوشبو کا سراغ دیتی رہی ہے مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نعت کی تخلیق، تدوین، تشہیر اور تنقید کا مربوط انداز میں آغاز بیسویں صدی کے آخری ربع میں ہوا۔ [اس سے پہلے پچاس کی دہائی میں سیّد رفیع الدین اشفاق صاحب، کا نعت پر پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ''اردو نعتیہ شاعری''، (ناگ پور یونی ورسٹی)، لکھا جا چکا تھا مگر وہ ۱۹۷۸ء کے آخری مہینوں میں اشاعت پزیر ہوا]، اس آغاز کو ایک مستقل جہت عطا کرنے اور بڑھاوا دینے میں لاہور سے ماہ نامہ ''نعت'' (مدیر: راجا رشید محمود)، اور کراچی سے مجلّہ ''نعت رنگ'' (مدیر: صبیح رحمانی)، کی کوششیں قابلِ تحسین ہیں۔ اِن دونوں رسالوں نے اپنے ادارتی مزاج کے مطابق نعت کو آگے بڑھایا۔

'نعت' ماہ بہ ماہ باقاعدگی سے چھپ رہا ہے۔ اِس کا تسلسل قابلِ رشک ہے۔ اِس رسالے نے مختلف حوالوں سے نعت کی جمع آوری، تخلیق، مختلف نعت گو شاعروں کے احوال اور کلام سے تعارف کے ساتھ مختلف امورِ نعت میں نعت کاروں کو منسلک اور باخبر رکھا ہوا ہے۔ شمارہ بہ شمارہ اس کی خدمات اپنی نوعیت کے حوالے سے لائق تحسین ہیں۔

''نعت رنگ'' کے کچھ مقاصد، آغاز کار ہی سے اور طرح کے ہیں۔ تخلیقِ نعت اور تعارفِ شعراو کتبِ نعت کے علاوہ اس جریدے نے تنقیداتِ نعت کے حوالے سے جو گراں قدر کام پیشِ نظر رکھا ہوا ہے ہمارے رسائل میں اس سے پہلے اس انداز کا تنقیدی کام اس تسلسل سے کہیں اور کبھی نہیں ہوا... ''نعت رنگ''، نے اخلاص اور توجہ سے اِس باب میں نہ صرف یہ کہ سنجیدہ تنقیدات کو ایک مستقل

فورم مہیا کیا بلکہ تاکید و توجہ سے ایسے مطالعاتِ نعت کو ایک معیار نما صورت بھی عطا کی..."نعت رنگ" کی اشاعت کا یہ ایک اہم اور اوّلین مقصد تھا جس کا اظہار اس کے پہلے شمارے ہی میں کیا گیا تھا۔ یہ سطریں دیکھیے:

> (نعتِ رنگ)...فروغ نعت کے اس عہد زریں میں کوئی بڑا کارنامہ نہیں لیکن نعت نگاری کی طرف رجوعِ عام کے اس اہم دور میں نعت کو رطب و یابس اور شعرا کے غیر محتاط رویوں سے محفوظ رکھنے کی پہلی سنجیدہ اور باقاعدہ کوشش ضرور ہے۔ (ابتدائیہ "نعت رنگ"، شمارہ ۱: تنقید نمبر اپریل ۱۹۹۵ء، ص ۸)

گزشتہ سولہ سالوں میں صبیح رحمانی نے ان ادارتی مقاصد کو اپنی آنکھوں سے کبھی اوجھل نہیں ہونے دیا جس کا اظہار آغاز ہی میں کر دیا گیا...یہ ایک بہت بڑا کام ہے...اور ہمیشہ رہے گا کہ نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ادب و احترام کے جملہ تقاضوں کے ساتھ ساتھ ادب کے اعلیٰ معیارات سے کیسے ہم آہنگ رکھا جائے! "نعت رنگ" کے گزشتہ ۲۱ شماروں میں چھپنے والی تنقیدات میں سیکڑوں بار اِس عزم کا نہ صرف اعادہ نظر آتا ہے بلکہ بحیثیتِ مجموعی ایک ایسی فضا بھی نظر آتی ہے جس میں اِس صنف کو "احترام رو، اور فن آشنا"، رکھنے کی سنجیدہ اور مسلسل کوشش نظر آتی ہے۔ (احترام ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور فن...اعلیٰ شاعری کے جملہ اسالیب، محاسن اور معیاراتِ فن کو ملحوظ رکھنے کا...)۔

عقیدت نگاری (Devotional Poetry) کسی بھی زبان، عہد اور علاقے کی ہو اس میں موضوع کی آداب طلب نزاکتوں اور فن کے معیار خواہ تقاضوں کو ملحوظ اور متوازن رکھنے میں بڑے بڑے شاعروں سے سہو ہوا ہے۔ ہمارے ہاں غزل کے پسندیدہ چلن کے سبب ردیف و قافیہ کے التزام سے جہاں موضوعات کی فراہمی اور ان کے سمٹاؤ میں از خود بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہاں لغزشوں کے امکانات بھی ہمہ وقت موجود رہتے ہیں۔ ہم قافیہ شکار شاعر جب کبھی خود 'شکارِ قافیہ' ہوتے ہیں تو عقیدت آثار شاعری (حمد، نعت، منقبت، سلام وغیرہ)، میں توازن اور احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے ہمہ پہلو اور ہمہ وقت مطلوب رویوں سے دُور نکل جاتے ہیں..."نعت رنگ"، میں چھپنے والی تنقیدات کا بین السطور مقصد اسی شعور کی فراہمی ہے۔ ہم عقیدت نگاروں (نعت لکھنے والوں، نعت کی تحسین کرنے والوں، نعت پر تنقیدی اور اشاعتی کام کرنے والوں، نعت خوانی اور نعتیہ مجالس کے انعقاد کا اہتمام کرنے والوں) کو اس بارے میں محتاط رہنا چاہیے، نیز نعت کو محض ایک

موضوع کے اظہار کا وسیلہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ اِس اظہار کو سخن اور فن کا درجہ دینے کے لیے ہمہ پہلو کوشاں بھی رہنا چاہیے اور اس صنف میں بین الاقوامی معیاراتِ فن اور ادبیاتِ عالیہ کے حامل نمونے تخلیق کرنے کی خواہش رکھنی اور اس کے لیے کوشش بھی کرنی چاہیے...مقدور بھر خواہش اور استعداد بھر کوشش...کہ عقیدت نگاری کے راستوں کا رخت یہی خواہش اور کوشش ہے۔ یہ قدرت اور استعداد بھی عطائے ربی کرتی ہے۔ اِس رحمت کے حصول کے لیے اخلاص سے دعا گو بھی رہنا چاہیے۔

صبیح رحمانی کی محنت اور توجہ قابلِ تعریف ہے۔ انہوں نے اپنی استعداد سے بڑھ کر کاوش کی ہے اور اپنی ذات میں ایک ادارے کا کام کیا ہے۔ تنقیداتِ نعت کے باب میں ''نعت رنگ'' کی کارکردگی کو دیکھ کر ان کے لیے دِل سے دعا نکلتی ہے۔ ان کی محنت اور مختلف مسالک سے جڑے ہوئے لوگوں کو ساتھ لے کے چلنے کے شائستہ رویوں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تنقیدِ نعت جیسے نازک معاملات و مسائل سے جڑے ہوئے ہیں اور نعت کے فکری و فنی مسائل کے بارے میں مستقل غور و فکر کرتے رہتے ہیں...''نعت رنگ'' کی ادبی میراث اور اب تک کی کارکردگی کا اندازہ ایک اور طرح بھی کیا جاسکتا ہے۔ آپ ایک لمحے کے لیے سوچیے کہ اگر اس جریدے کا اجرا نہ ہوا ہوتا تو آج ہم تنقیداتِ نعت کی کن کن باریکیوں اور خوش سلیقگیوں سے محروم ہوتے؟

صنفِ نعت کو ادبی معیارات سے ہم آہنگ رکھنے کے لیے اِس جریدے نے نعت کے امکانات کے حوالے سے مسلسل توجہ طلب فکری جہات اور فنی اطراف کی جس انداز میں نشان دہی کی ہے اور اس صنف میں آداب و احترام اور فکر و فن کے گوشوں کی طرف جس قرینے سے ہماری توجہ مبذول کرائی ہے۔ اِس مبارک کاوش کا صحیح تخمینہ مستقبل کے ناقدینِ نعت ہی لگائیں گے؟

صبیح رحمانی نے ''نعت رنگ''، کے ابتدائیوں میں دوسروں کی گزارشات شامل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ یہ ان کا ذاتی صفحہ ہوتا ہے، جس میں اب دوسروں کے خیالات و محسوسات کی آواز بھی سنائی دے گی۔ نعت...موضوعِ محض سے معجزۂ فن تک''، کے چند صفحات اِسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ یہ دراصل ایک خود کلامی ہے۔ اپنے اعترافِ عجز کے ساتھ نعت کے حوالے سے کچھ کرنے کی خواہش اور کوشش کا اعادہ۔ اس دعا کے ساتھ کہ:

بجا کہ عمر ہے کوتاہ، طبع ہے سیماب
دعا یہ ہے ترے دیں سے وفا زیادہ ہو!
ہر آتا پل مجھے تیرے قریب کرتا جائے
نفس نفس تری حبِ وِلا زیادہ ہو! (ریاض مجید)

اظہاریہ

نعت... ''موضوعِ محض'' سے ''معجزۂ فن'' تک

میر تقی میر کا معروف شعر ہے:

کیا تھا شعر کو پردہ سخن کا
سو ٹھہرا ہے یہی اب فن ہمارا

بات کو ''شعر'' اور ''سخن'' کو ''فن'' کے درجے تک لے جانا ہی وہ عمل ہے جو لفظوں کے اندر جذبے کی گرمی اور تاثیر کا جادو بھر دیتا ہے یہ پراسرار عمل لفظوں کو گویا کرتا ہے جب کوئی ماہرِ فن خونِ جگر سے اپنے جذبوں کو آمیز کر کے کاغذ پر اتارتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کی تحریر میں سوز و سرور کا اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی تاثیر بھی دوام آشنا ہو جاتی ہے علامہ اقبال کا یہ مصرع:

معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے:

اردو زبان میں نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آغاز ہی سے ہمارے شاعروں کا پسندیدہ موضوع رہی ہے مختلف زبانوں اور علاقوں کے شاعروں نے اپنے اپنے طور پر اس موضوع کو فن بنانے کے لیے مقدور بھر کوششیں کی ہیں لیکن جیسا کہ فارسی کا مشہور ضرب المثل نما مصرع ہے:

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد

ایک لفظ کے تصرف سے یوں پڑھیں تو یہ اور زیادہ حقیقت پسندانہ لگے گا:

کارِ مدحت کسے تمام نہ کرد

اپنی تمام تر صلاحیتوں کے اظہار اور فنی استعداد کے استعمال کے باوجود نعت گوئی اور ثناگری کا فن ہر زمانے میں اپنے تشکیلی مراحل میں رہے گا۔ یہ ہر دور میں تکمیل رو ضرور رہا ہے مگر اسے فکری کمال اور فنی معراج تک پہنچانے کا دعویٰ کبھی کسی نے نہیں کیا۔ کوئی یہ دعویٰ کر بھی نہیں سکتا اور نہ کسی کو یہ دعویٰ زیب دیتا ہے۔ اسی حوالے سے مرزا غالب نے کیا خوب صورت اور حقیقت زاد مقطع لکھا ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

نعت کے باب میں اظہارِ عجز کے باوجود ہر نعت نگار کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے

Accession 4454
Class No. 104/071
Book No. 0000479

مطالعے، مشاہدے اور محسوسات سے حاصل ہونے والے نتائج، تجربے، زبان و بیان کی بہترین صلاحیتوں سے، اپنی نعت گوئی کے تخلیقی ماحول کو پر تاثیر بنانے کی کوشش کرے اور نعت نگاری کے فکری وفنی پہلوؤں کو ہر زاویے سے نکھارنے اور سنوارنے کے لیے نہ صرف تخلیقی صلاحیت اور دستیاب لسانی واسلوبیاتی وسائل کو پوری توجہ اور اخلاص سے بروئے کار لانے کی کوشش کرے بلکہ اپنی سعی مشکور خواہ سے اپنے نعت پارے کو ایک معجزۂ فن بنادے۔ مگر ایسا ہوا کم ہے ہماری نعت میں زیادہ تر رسمی تذکار سیرت وروایتی اظہارِ محبت کی تکرار محسوس ہوتی ہے۔

تذکارِ سیرت اور اس کی تکرار بھی ایک مبارک وظیفہ ہے۔ اس کے اثرات و برکات بعض صورتوں میں نعت خوانی اور نعت گوئی سے بھی زیادہ مسلم، موثر، اور یقینی ہیں کہ تذکار میں سادگی اور اخلاص زیادہ ہوتا ہے فن کی طرف آنے میں جو محنت ومہارت ضروری ہوتی ہے اس میں بعض اوقات ان سچے جذبوں (سادگی واخلاص)، میں نام ونمود کے عناصر بھی غیر محسوس اور غیر ارادی طور پر شامل ہوجاتے ہیں جو بہر حال نہ پسندیدہ ہوتے ہیں اور نہ ان کے نتائج اتنے موثر ہوتے ہیں جتنے اخلاص سرشت ان اوراد ومشاغل کے ہوتے ہیں جنھیں سادگی سے ادا کیا جائے۔

کچھ باتیں اس لیے نہیں کی جاتیں کہ وہ ہوتی نہیں بلکہ اس لیے بھی کی جاتی ہیں کہ وہ ہماری توجہ میں رہیں اور سننے والوں کے ساتھ کہنے والا بھی ان کو دہراتا رہے۔ ہم سب نعت نگاروں کی یقیناً یہ خواہش ہے کہ ہم نعت کے فن میں بہتر سے بہتر تخلیقی کارکردگی کا مظاہرہ کریں اور حضور اکرم ﷺ سے محبت وعقیدت کے ہر اظہاریئے کو 'معجزہ فن' کے کمال تک لے جائیں مگر اس 'خواہش' کے حصول کے لیے ہم میں سے کئی شاعروں کے ہاں اس کے مطابق کوشش نظر نہیں آتی۔ اس ضمن میں ہم سے غیر محسوس طور پر ایک کوتاہی ہورہی ہے۔ مجھے اخبارات ورسائل میں چھپنے والی کئی نعتوں میں کہیں کہیں غیر ارادی طور پر ہی سہی، روا رکھے جانے والے ایک سرسری پن کا احساس ہمیشہ رُلاتا ہے۔

نعت کے فن پر ملنے والے تنقیدی جملوں، مضمونوں مقالوں اور تاثرات سے شروع ہی میں اس بات کو بہ تکرار بیان کیا جاتا رہا ہے کہ نعت محض ایک موضوع نہیں ایک فنی کل (whole) ہے ایک ایسی تخلیقی اور نامیاتی وحدت، جس میں خیال، لفظ، اسلوب ہیئت آہنگ اور دوسرے اسلوبیاتی وسائل اور شعری محاسن، ایک موثر فنی اکائی کی طرح تخلیق یاب ہوتے ہیں نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرکزی ومحوری موضوع آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت کا اظہار اور آپ کی شخصیتِ ستودہ

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH (U.P.)
دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، یوپی

صفات کا تذکار ہے۔ اس موضوع سے ہزاروں مضامین نے جنم لیا آپ کے پیغام، اسلامی شعائر، دینی اقدار بھی کچھ نعت کے فکری نظام کا حصہ بنے اور اس کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی طور پر اُمتِ مسلمہ کے افراد اور مملکتوں کو درپیش امور و مسائل بھی شعری قرینے اور تخلیقی انداز سے نعت کے مضامین میں شاملِ ہوتے گئے خصوصاً حصولِ ثواب اور برکت طلبی کے جذبے کے ساتھ ساتھ مشکلات وآلام اور مصائب وآشوب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا تبار سے استغاثہ اور استمداد کے موضوعات بھی 'عقیدت' کے اس اظہار اور سیرت طیبہ کے اس تذکار ہی شامل ہوتے گئے۔

ورڈز ورتھ نے شاعری کو تمام علمِ انسانی کی جان اور اس کی لطیف ترین روح سے تعبیر کیا ہے نعت کی شاعری اہلِ ایمان کے لیے اس سے بھی آگے کی چیز ہے کہ انسانی علوم کے ماحصل کا تخلیقی اظہار اپنے لطیف ترین تلازمات کے ساتھ جملہ فکری وفنی محاسن سے آمیز ہو کر اس صنف میں ظہور کرنے کے جتنے امکانات رکھتا ہے دوسری اصناف میں نہیں۔ ایسا اکثر نہ ہو، مگر عربی فارسی اور اردو کے علاوہ پاکستان کی دوسری زبانوں میں کہیں کہیں ایسے نمونے ضرور مل جاتے ہیں جو ان امکانات کا راستہ بجھاتے ہیں علامہ اقبال کی معروف نعتیہ نظم "ذوق وشوق" ایسے امکانی اور (ادبیات عالیہ کے حوالے سے) آفاقی عناصر سے لبریز ہے جس میں جذبات عقیدت کے ساتھ تہذیبی، تمدنی اور تاریخی حوالوں کی لو جھلکتی ہے۔ اس نظم کی عمدہ ڈرافٹنگ، بندوار فکری محاسن، ٹیپ کے (بار ردیف) اشعار کی بلیغ معنی آفرینی جو اوپر کے (غیر مردف) اشعار کے سلسلہ ہائے خیالات کو مربوط اور منضبط کرتی ہے اس کے ساتھ ساتھ نظم کے مخصوص آہنگ (مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن) (sizeable)... [جس میں مسجد قرطبہ کے (مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلن) کے جلالی آہنگ کے برعکس] جمالی پہلو نمایاں ہے... 'ذوق وشوق' کو معجزۂ فن کے درجہ پر فائز کر دیتا ہے۔

علامہ اقبال ہی کی نعتیہ عناصر پر مشتمل نظموں میں "حضورِ رسالت مآب میں" اپنے ڈرامائی اسلوب اور مکالماتی انداز کی حامل ایسی نظم ہے جو مختصر ہوتے ہوئے بھی اپنی معنویت اور تکنیک کے لحاظ سے بہت موثر نظم ہے خصوصاً اس کا آخری شعر جس میں نظم کی بلیغ تہ داریت کو ایک بے اظہار مگر واضح استمداد اور استغاثہ کی صورت دی گئی ہے۔ اردو نعتیہ شاعری میں یہ مؤثر جذباتی تحرک (emotinal vibration) کی ایک عمدہ مثال ہے جو اپنے استعاراتی بہاؤ اور تلازماتی وسعت میں قاری کو اُمتِ مسلمہ کے ایک اہم تاریخی منظر نامے میں لے جاتی ہے۔

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

طرابلس کے مکانی ماحول سے ''حضورِ رسالت مآب ﷺ'' کی ماورائے زمانہ تک وسیع فضا تک جہاں اقبال یہ مکالمہ کر رہے ہیں ایک جہانِ محسوسات پھیلا ہوا ہے جس کی معنویت یک سطحی (Flat) انداز کی نہیں تلازمہ در تلازمہ بلیغ تہہ داریت کی حامل ہے یہ نعتیہ نظم مختصر ہونے کے باوجود اپنے فکری وفنی محاسن اور سیاسی و تاریخی تلازموں کی اہمیت کے سبب ایک جداگانہ مضمون کی متقاضی ہے۔

علامہ اقبال کی یہ نظم اردو نعتیہ شاعری کے تخلیقی تناظر میں بلاشبہ ایک عمدہ اور مثالی نظم ہے (Vintage poem) ہے جس کا مطالعہ، نعت کے قاری کو مدتوں ایک تجیدی اداسی (celesdial pathos) میں محصور رکھتا ہے... دیکھیے اقبال نعت کے موضوع کو فن کے کس مقام پر لے گئے ہیں؟

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان مادی طور پر بہت ترقی کرنے کے باوجود بھی نہ اپنی مرضی سے کوئی شے یا خیال سوچ سکتا ہے اور نہ ہی اپنی سوچوں کے خدوخال میں حسب خواہش کوئی منفرد ردّوبدل کرسکتا ہے یہ ایک جبلی اور نفسیاتی جبر ہے کہ وہ وہی کچھ سوچ سکتا ہے جو سوچ رہا ہوتا ہے۔ جس طرح کا مزاج اور ذہنی استعداد اسے قدرت کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اس کے فکروفن کا سارا سفر اِسی عطا شدہ تخلیقی واسلوبیاتی وسائل کے دائرے میں طے ہوتا ہے علامہ اقبال جیسے بڑے شاعروں اور فنکاروں کا فن عطائے خداوندی میں شمار ہوتا ہے۔ محسوسات اور اظہار کے جس مقام پر اقبال کھڑے ہیں وہ ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ مگر یہ بات بھی درست ہے کہ ریاضت، مہارت، زبان و بیان کے محاسن کے حصول کے لیے مسلسل تگ ودو اور فکروفن میں تازہ کاری کے لیے کوشاں رہنے کا اپنا صلہ اور اجر ہے جو تخلیق کو کچھ حد تک نکھارتا اور اظہار کو تھوڑا سا سنوارتا ضرور ہے۔ میرزا سودا کے لفظوں میں پتھر کو صیقل کرنے سے پتھر زیادہ سے زیادہ آئینہ بن جائے گا مگر جوہر یا موتی نہیں کہ اس کی اصل اس کی فطرت سے وابستہ ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہنر سے دور ہے بد اصل کی فطرت کہ آئینہ
خمیرِ سنگ سے بنتا ہے تو جوہر نہیں ہوتا

نعت کے باب میں ہمیں کس انداز سے کوشاں رہنا چاہیے؟ اس کے لیے کوئی باقاعدہ نظامِ تخلیق تو وضع نہیں کیا جاسکتا ہر نعت نگار کا اسلوب اور اس کی تخلیقی استعداد دوسروں سے مختلف ہوتی ہے مگر یہ بات کبھی کبھار اداس کرتی ہے کہ نعت کے معاصر منظر نامے میں کئی نعت نگار ایک جیسے موضوعات کے بیانیہ دائرے میں سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ خیالات، تراکیب، ردیف وقوافی کی تکرار، بحور و اوزان کی یکسانیت نے بہت سی نعتیہ شاعری کو ایک جیسا کردیا ہے نعت کے فن میں موضوعات و مضامین کی یہ یکسانیت کچھ فطری بھی ہوسکتی ہے کہ نعت کا فکری دائرہ جتنا بھی وسیع

ہو جائے نعت نگار کا مائل بہ مرکز ہونا اور رہنا اس صنف کا لازمۂ فن ہے۔ یہ مرکز وہ نسبتِ طیبہ ہے جو اس صنف کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ سلم کے تذکارِ مبارک سے جوڑے رکھتی ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کی نعت میں سچے تخلیقی تجربوں کی نادرہ کاری کم کم نظر آتی ہے۔

نعتیہ مضامین کے اظہار میں تازہ کاری کے لیے مقدور بھر کوشاں رہنا ہم سب کے لیے ضروری ہے تازہ تراکیب نئے نئے اسمائے مبارکہ کی تخلیق اور تلاش، آہنگ و اوزان کے تجربے، بلیغ اور پُر تاثیر شعری زمینوں کی دریافت، جدید شعری اصناف کو نعتیہ مضامین کے لیے رواج دینے کی کوشش دوسری زبانوں کے نعتیہ کلام کے تعارف و تراجم اور طویل یک کتابی نعتیہ نظموں کی منصوبہ بندی، سیرت طیبہ کے تذکارِ مبارک کے ساتھ جدید دور میں امتِ مسلمہ کو درپیش مسائل اور ان کے حل کے لیے اِس صنف میں ایک پُر تاثیر قرینے سے استغاثہ و استمداد کے مضامین کی آمیزش، ذاتی کردار سازی سے جہاں بانی تک کے پھیلے ہوئے مضامین و موضوعات کو اسلوبیاتی محاسن کے ساتھ نعت سے منسلک رکھنے کی کوشش تخلیقِ نعت کے مراحل میں ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے...نعت کی صنف آج ہم سب سے ہمہ جہت توجہ چاہتی ہے۔

محسن کاکوروی امیر مینائی، مولانا احمد رضا خاں، ظفر علی خاں، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری، بہزاد لکھنوی، حافظ لدھیانوی، صوفی محمد افضل فقیر، حفیظ تائب، عبدالعزیز خالد، ابوالخیر کشفی، مظفر وارثی، عاصی کرنالی...کیسے کیسے نعت کاروں نے خونِ جگر سے اس صنف کی آبیاری کی ہے؟ نعتیہ مضامین کے اظہار کے حوالے سے اِن اکابرینِ نعت کے فکر و فن کا گہرا اور مستقل مطالعہ ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔

محبت کے جذبے ازلی و ابدی ہوتے ہیں...غیر مبدل...مگر ان کا اظہار سچا تخلیقی تجربہ اور تازہ کاری چاہتا ہے کہ اِس سے تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے نعت میں احترام رسالت مآب کا جذبہ ہمہ پہلو اور مسلسل توجہ طلب مسئلہ ہے۔ نعت کے مضامین و موضوعات کے اظہار میں ترجیحات نظر انداز نہیں ہونی چاہیں جذبے کا انہماک مبارک مگر جذبہ اطاعت نژاد اور محبت تقلید سرشت ہونی چاہیے عقیدت کا اظہار جس بھی والہانہ پن سے ہو اس کا وفور اگر عقیدے کو مسخ کر جائے تو یہ ایسی کوشش اور محنت کس کام کی؟ گفتار و کردار اور قول و عمل کی مغائرت کسی شعبہ حیات میں کبھی بھی پسندیدہ نہیں رہی۔ نعت کے نازک اور مبارک فن میں اچھے ثمرات کیسے پیدا کر سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم نعت کاروں کو اخلاص کی نعت اور تخلیقی نادرہ کاری کی صلاحیت سے نوازے۔ آمین!

ریاض مجید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

''نعت رنگ'' ایک بار پھر خاصی تاخیر کا شکار ہو گیا۔ سوچتا ہوں کہاں تک اس تاخیر کے لیے معذرت کے بے جان لفظ تلاش کیے جائیں! حالات و واقعات وہی ہیں جن کا اعادہ وقت کا کوئی مثبت استعمال نہیں ہے۔ غالب نے کہا تھا:

حالِ دل لکھوں کب تک جاؤں ان کو دکھلاؤں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خونچکاں اپنا

''نعت رنگ'' ایک موضوعی جریدہ ہے۔ سو اس کے مشمولات میں تنوع پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ''نعت رنگ'' میں ہر بار تازگی کا کوئی نہ کوئی پہلو ایسا سامنے آتا رہے جس میں قارئین کا تجسس برقرار رہے۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے ''نعت رنگ'' میں جاری دیگر سلسلوں کے درمیان نعت شناسی کو شامل کیا تھا اور اسے خاصی اہمیت دی تاکہ نعت پر مستقل کام کرنے والے پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی اس فضا میں تازہ دم رہیں اور نئے نعت کار بھی اپنے بزرگوں کے محنت، لگن اور قبولیت کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ رہتے ہوئے اپنے سفر کا آغاز کریں۔ ہمیں خوشی ہے ''نعت رنگ'' نے معاصر نعت شناسوں کی حوصلہ افزائی کا جو سلسلہ شروع کیا اسے پسند کیا گیا۔

زیرِ نظر شمارے سے ہم ایک اور نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جس میں ہر شمارے میں ایک مہمان مدیر کو بطورِ خاص ''نعت رنگ'' کی محفل میں شامل کیا جائے گا اور ان سے درخواست کی جائے گی کہ وہ ''نعت رنگ'' کے اب تک کے سفر کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری رہنمائی فرمائیں کہ نعت گوئی پر تنقید، تحقیق اور تخلیق کے کارواں کو مستقبل میں کن بلند منازل کی جانب پیش قدمی کرنی چاہیے کون سے مسائل ہماری فوری توجہ چاہتے ہیں اور کن پہلوؤں پر خصوصی توجہ سے نعت فہمی کا دائرہ مزید وسیع کیا جا سکتا ہے۔

ہمیں خوشی ہے ڈاکٹر ریاض مجید ہماری اس محفل میں مہمان مدیر کی حیثیت سے شریک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف ہمارے ادبی مناظرنامے کی ایک اہم اور توانا آواز ہیں بلکہ بطور نعت شناس بھی نہایت معتبر اور قابلِ احترام ہیں۔ انھوں نے عصرِ حاضر کے نعت نگاروں کو جن امور کی طرف متوجہ کیا ہے ان پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے نعت کے فنی وفکری محاسن کے دائرے کو وسیع تر کرنا ہماری اوّلین ترجیح ہونا چاہیے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کی اس رہنمائی پر ممنون ہیں۔

''نعت رنگ'' کے دیگر سلسلے اور لکھنے والے آپ کے لیے نئے نہیں اس لیے ان کا تعارف یا مضامین کے حوالے سے کسی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں۔ آپ ان تمام قلم کاروں کی صلاحیتوں، حیثیتوں اور کارناموں سے بخوبی واقف ہیں۔ ہاں ڈاکٹر شعیب نگرامی ''نعت رنگ'' کی محفل میں پہلی بار شریک ہو رہے ہیں، وہ جدہ میں مقیم ہیں اور ایک مذہبی اسکالر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ان کا مضمون ''نعتِ نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت'' ایک خاص مسلک و مکتب فکر کی واضح ترجمانی اور بعض مقامات پر سخت بیانی کے باوجود ایک اہم اور توجہ طلب مضمون ہے۔ ''نعت رنگ'' کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ہم نعت پر ہونے والی گفتگو اور اس ضمن میں چھڑنے والے مباحث کو اُمتِ مسلمہ کے مختلف مکاتیب فکر اور مسلک سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان مکالمہ بنا سکیں اور ''نعت رنگ'' کے شمارے اس امر کے گواہ ہیں کہ ہم اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں سو ڈاکٹر شعیب نگرامی کا مضمون بھی اس حوالے سے ہماری خصوصی کا مستحق ہے۔

وفیات

''نعت رنگ'' ۲۱ اور ۲۲ کے درمیان اشاعتی وقفہ کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا اور اس عرصے میں نعت کے منظرنامے سے کئی اہم اور عہد آفریں شخصیات اُٹھ کر موت کی تاریکی میں گم ہو گئیں۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ ان احباب کی یاد مدتوں دل کا زخم بنی رہے گی لیکن جب نظر ان کے کارہائے نمایاں پر پڑتی ہے تو کچھ حوصلہ ہوتا ہے کہ ان کے کام کی روشنی ہمیشہ باقی رہے گی اور ہمارے لیے رہنما بھی:

بقول اقبال عظیم:

دے گئے اقبال ہم کو زندگی
زندۂ جاوید کچھ مرحوم لوگ

پروفیسر شفقت رضوی (مرحوم)

اردو کے ممتاز محقق، نقاد، افسانہ نگار اور نہایت اہم نعت شناس پروفیسر شفقت رضوی ۲۸ ردسمبر ۲۰۰۹ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔ ان کا بنیادی شعبہ تدریس تھا لیکن انھوں نے شروع سے اپنی تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنی تحقیقی، تنقیدی اور تخلیقی صلاحیتوں پر بھی بھرپور توجہ دی۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے لیکن جلد ہی تحقیق وتنقید کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنے انہماک اور دل جمی کے ساتھ کام کیا کہ مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً چوبیس کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ ان میں دکنیات پر پانچ، حسرت شناسی پر آٹھ اور متفرق موضوعات پر آٹھ کتب شامل ہیں جب کہ نعت شناسی کے حوالے سے ان کی کتب "اردو میں نعت گوئی"، "اردو میں حمد گوئی" اور "نعت رنگ کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ" شامل ہیں۔ شفقت رضوی نہایت منکسر المزاج اور گوشہ نشیں طبیعت کے مالک تھے۔ میری ان سے ملاقات ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ میں نے انھیں "نعت رنگ" کے دو شمارے پیش کیے اور پھر ایک تعلق قائم ہوگیا۔ میں گاہے گاہے انھیں نعت کے حوالے سے کتب فراہم کرتا رہا اور پھر اللہ کی رحمت سے وہ نعت شناسی کی طرف متوجہ ہوئے اور تواتر سے اس موضوع پر لکھنے لگے۔ وہ نہایت غیر جانب دار اور جارح مبصر و نقاد کے طور پر سامنے آئے جس کے لیے شعبۂ نعت کے اکثر احباب ذہنی طور پر تیار نہ تھے، کیوں کہ یہاں تو دل جوئی کا موسم صدیوں سے ڈیرے ڈالے ہوئے تھا سو میں نے اور شفقت رضوی نے کئی دیرینہ دوست کھو دیے انھوں نے "نعت رنگ" کے لیے بہت لکھا طویل جائزے، مضامین، تبصرے، دریافت کے عنوان سے کئی اہم اور نادر نعتیہ شہ پاروں کی تلاش اور تعارف ہر شمارے میں ان کی کوئی نہ کوئی تحریر شائع ہونے لگی اور یوں نعتیہ ادب کو ایک معتبر اور صاحب الرائے نعت شناس مل گیا۔ ۲۰۰۴ء میں ان کی کتاب "نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ" زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی جس میں انھوں نے "نعت رنگ" کے پندرہ شماروں کے مشمولات کا تنقیدی جائزہ لیا اور اس جائزے میں تنقیداتِ نعت پر خصوصی توجہ دی۔ "نعت رنگ" میں نعت کے فنی اور فکری مسائل پر چھڑنے والے مختلف مباحث پر گہری نظر ڈالتے ہوئے آپ نے فریقین کے موقف کو واضح کیا اور پھر آخر میں تجزیہ کرتے ہوئے اپنی رائے بھی پیش کی۔ یوں یہ کتاب نعتیہ ادب میں تنقید پر تنقید کے ادبی وتنقیدی رویوں کو سامنے لاتے ہوئے ایک اہم اور حوالہ جاتی کتاب قرار پائی۔ آخر میں شفقت رضوی نے پندرہ شماروں کا اشاریہ بھی شامل کتاب کیا جس سے کتاب مزید وقیع اور مصنف زیادہ معتبر ہو کر نمایاں ہوئے۔ کچھ عرصے بعد انھیں اپنے بچوں کے ساتھ امریکا منتقل ہونا پڑا۔ اس

تبدیلی کے لیے نہ وہ قلبی طور پر آمادہ تھے نہ ذہنی طور پر، امریکا سے اکثر ان کے خطوط موصول ہوتے رہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ وہاں خوش نہیں ہیں۔ زندگی بھر کام کی دھن اور لگن میں وہ قرطاس و قلم سے ایسے وابستہ ہو چکے تھے کہ اب اس سے وقتی جدائی بھی انھیں ناآسودہ کر دیتی تھیں۔ میں اکثر انھیں یہاں سے کتب ارسال کرتا جس پر اپنی رائے کا اظہار وہ اپنے خطوط میں کرتے تھے۔ گویا یہ علمی تحفے انھیں وہاں تر و تازہ رکھنے کا کام سرانجام دیتے تھے لیکن وہ وہاں بھی خاموش نہیں بیٹھے بلکہ انھوں نے اپنی یادداشتیں مرتب کرنا شروع کر دی اور اس کے کچھ حصے انھوں نے ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری صاحب کو ارسال بھی کیے اور "نعت رنگ" کے لیے بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ برکت اللہ بھوپالی اور حسرت کی صحافیانہ زندگی پر بھی انھوں نے کتابیں وہیں مرتب کی پھر اچانک ان کی طبیعت کی خرابی اور وطن واپسی کی خبر آئی۔ ڈیفنس میں اپنے ایک دوست پروفیسر انیس زیدی کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وطن کی محبت انھیں واپس کھینچ لائی ہے اور یہاں رہ کر مزید کام کرنے کے آرزومند ہیں۔ مجھ سے کہا کہ کوئی موضوع دو، میں حج پر جانے والا تھا میں نے انھیں کافی مرادآبادی کی کتب کی عکسی نقول دی اور کہا اس پر کام کریں۔ بخوشی راضی ہو گئے کوئی بیالیس دن بعد میں واپس لوٹا تو معلوم ہوا کہ طبیعت بہت خراب ہے اور آئی سی یو (ICU) میں ہیں۔ ہسپتال گیا مگر ملاقات نہ ہو سکی گھر چلا آیا، اسی رات یہ اطلاع آ گئی کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اپنے کسی خط میں انھوں نے مجھے ایک شعر لکھا تھا جو آج ان کے نصب العین کے طور پر ذہن میں تازہ ہو رہا ہے:

کچھ ایسے کام کر لو جو تم کو زندہ رکھیں
صدیاں کشید کر لو لمحوں کی زندگی سے

شفقت رضوی اپنے اس نصب العین میں کامیاب رہے اس کا گواہ صرف میں ہی نہیں ہماری پوری ادبی دنیا ہے۔

مظفر وارثی (مرحوم)

مظفر وارثی اپنی نعت پر اپنے والہانہ پن، اپنی مترنم بحور اور خوب صورت اور تازہ کار شعری اسلوب کی وجہ سے ایک جداگانہ شناخت رکھتے تھے۔ ایک تخلیق کار کی حیثیت سے انھوں نے اپنے شعری وجود کو منوانے کے لیے غزلیں کہیں، فلمی گیت لکھے، قطعات کہے ہر وہ کوشش و کاوش جو ایک شاعر وادیِ حرف و لفظ میں زندہ نقش قائم کرنے کی تمنا میں کرتا ہے مظفر وارثی نے بھی کیں، لیکن قدرت ان کے اس سارے شعری سفر کو راستہ بنا کر منزلِ ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرار دیا

اور یہیں سے مظفر وارثی کی خوش بختی نمایاں ہوتی چلی گئی۔ انھیں مدحت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے چن لیا گیا تھا اور اس کے اشارے انھیں خواص وعوام کے انداز پزیرائی سے ملنا شروع ہوئے تھے۔ وہ بہت جلد ہی اس شعور کو پاگئے کہ نعت ہی ان کے قلم کی آبرو ہے۔ ۱۹۷۲ء میں مظفر وارثی نے خود کو نعت کے لیے وقف کر دیا اور قدرت نے عزت، شہرت، نیک نامی اور مقبولیت کی نعمتوں سے ان کا دامن مالا مال کر دیا۔

غزل میں بھی مظفر وارثی حق بات کہتے تھے
مگر پھر بھی ہماری نعت غزلوں کی تلافی ہے

اس خلوص اور یقین نے ان کے اندازِ ثنا گوئی کو مزید نکھار عطا کیا اور انھوں نے بابِ حرم نورِ ازل، الحمد، کعبۂ عشق، دل سے درِ نبی تک، میرے اچھے رسول، صاحب التاج اور اُمی لقبی کے نام سے اپنے کئی شعری نذرانے کتابی صورت میں پیش کر کے اپنی عقیدتوں کو نمایاں کیا۔ ان کی نعت گوئی نعتیہ ادب میں بیان کی تازگی، عشق کی سرشاری اور والہانہ پن کے باب میں ہمیشہ حوالہ بنتی رہے گی۔ ان کی آواز کی مٹھاس اور مخصوص و دل نشیں ترنم ان کی نعت کے وسیع تر ابلاغ میں معاونت کے ساتھ ساتھ مقبولیت میں اضافے کا باعث بنا اور ان کی آواز میں ان کی نعتیہ نظمیں اور نعتیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ حکومتی ایوانوں سے لے کر اسکولوں اور کالجوں تک ان کی گونج سناتی دیتی تھی خواص اور عوام میں مقبولیت اور پزیرائی کی کوئی ایسی دوسرے مثال ہمارے سامنے نہیں۔

''نعت رنگ'' سے انھیں خاص محبت تھی اور اس کا اظہار انھوں نے کئی جگہ تحریری طور پر بھی کیا اور اکثر خطوط میں اپنی محبتوں، مشوروں اور رہنمائیوں سے نوازتے رہے۔ جب میں بطورِ پروڈیوسر کیوٹی وی (Qtv) میں آیا تو میں نے عصرِ حاضر کے بارہ مقبول نعت گو شعرا پر پروگرام ریکارڈ کرنے کا ارادہ کیا، اسی سلسلے کا ایک پروگرام مظفر وارثی صاحب کے ساتھ بھی ریکارڈ ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ باوجود علالت کے اس پروگرام میں تشریف لائے اور آخر تک موجود رہے۔ یاد کرتا ہوں تو اس محفل کا تقدس اور روحانیت آج بھی قلب پر سکینت بن کر برسنے لگتے ہیں۔ ساری محفل میں سرشاری کی ایک فضا قائم تھی۔ مظفر وارثی صاحب نعت خوانوں سے اپنی نعتیں سن کر خود بھی اشکبار ہوتے رہے اور حاضرین وسامعین کو بھی رُلاتے رہے۔ پروگرام کے اختتام پر جب میں ان سے ملا تو وہ دیر تک میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر میری طرف دیکھتے رہے۔ گویائی سلب ہو چکی تھی لیکن آنکھوں کی نمی اور چہرے کا اطمینان مجھ سے مخاطب تھے۔

لکھی ہے ہر ورق پہ محمد کی داستاں
پڑھتا رہے گا وقت جسے وہ کتاب ہوں

میری آنکھیں بھی بھیگ گیں۔ پھر ۲۸؍جنوری ۲۰۱۱ء کو اسلام آباد میں خبر ملی کہ باغِ رسالت کا یہ خوش نوا عندلیب اس یقین کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ہے۔

مجھ کو نہ کر سکے گی جدا ان سے موت بھی
دریائے کائنات ہیں وہ میں حباب ہوں

پروفیسر جعفر بلوچ (مرحوم)

دوستو جشن تعیش میں نہ لے جاؤ مجھے
مجھ کو فقرِ شہ والا سے حیا آتی ہے

وادیٔ نعت میں اس طہارت فکر ونظر اور نازک خیالی کے ساتھ داخل ہونے اردو کے ممتاز اور پختہ کار نعت گو جعفر بلوچ ۲۷؍اگست ۲۰۰۸ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ بیعت ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ جسے جدید اردو نعت کے نمائندہ مجموعوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں بے ساختگی، ردیفوں کی ندرت، قوافی کی جدت گہری اور معنی خیز رعایتیں اور تراکیب کی تازہ کاری انھیں ایک صاحب اسلوب شاعر کی حیثیت سے نعتیہ منظرنامے پر نمایاں کرتی ہیں۔ جعفر بلوچ بطور نعت شناس بھی خاصے فعال رہے، اس حوالے سے ان کے اکثر مضامین ''شام وسحر'' کے نعت نمبروں، سیارہ کی مختلف اشاعتوں اور ''نعت رنگ'' کے صفحات پر آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' سے بھی ان کا گہرا تعلق رہا۔ انھوں نے ''نعت رنگ'' میں اور ''نعت رنگ'' پر بہت کچھ لکھ کر ہمیشہ اپنی محبتوں سے نوازا۔ آج بھی ان لمحات کو یاد کر کے آنکھیں بھر آتی ہیں جب ڈاکٹر تحسین فراقی، پروفیسر حفیظ تائب، پروفیسر جعفر بلوچ اور میں، لاہور میں اکٹھے ہو کر کہیں کھانے پر جاتے اور گھنٹوں ''نعت رنگ'' اور نعت کے فروغ کے امکانات پر گفتگو رہتی۔ تب کھلتا کہ جعفر بلوچ کی تنقیدی نظر بھی اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر کتنی گہری ہے۔ نعت کا یہ عظیم خدمت گزار جاتے ہوئے کتنی خوب صورت تمنا کو زادِ راہ کے طور پر ساتھ لے گیا، اللہ اکبر!

میرا ہو یہی سرورق نامہ اعمال
نعت آپ کی مجھ کو علم فتح مبیں ہو

ڈاکٹر عاصی کرنالی (مرحوم)

اس شہر میں ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں صدیاں
اک لمحہ گزر جائے اگر بے خبری کا

مدینۃ الرسول کے ادب پر مبنی یہ نازک سا شعری احساس ہر بار حاضری کو ادب کی نئی لطافتوں سے ہم کنار کرتا ہے اور یوں عاصی کرنالی کے حضوری تجلی آثار موسموں میں چپکے سے میرے ہمراہ ہو لیتے ہیں کسی نعت گو کے لیے یہ انعام کم نہیں کہ وہ اپنے شعر کے ساتھ سفر کرتا ہوا آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں زائرین کے دل و دماغ میں موجود رہ کر حاضری دیتا رہے۔

عاصی کرنالی کو مرحوم لکھتے ہوئے دل کٹتا ہے، کتنے زندہ دل اور خوش مزاج آدمی تھے جو ایک بار ان سے مل لے ان کا ہو جاتا تھا۔ شوخی، ذہانت، جملے بازی، خوش اخلاقی اور دل جوئی جیسے اوصاف نے مل کر عاصی صاحب کو باغ و بہار شخصیت بنا دیا تھا۔ تنقید، تحقیق، افسانہ نگاری، خاکہ نگاری، سفرنامہ، غزلیں، مناقب، مراثی، انھوں نے جس طرف رُخ کیا اپنے جوہرِ تخلیق سے گلستاں آباد کیے مگر نعت ان کے مزاج میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ ان کے سرمایہ تخلیق کا غالب حصہ ہمیں نعت ہی پر مشتمل نظر آتا ہے۔ ''مدحت''، ''نعتوں کے گلاب''، ''حرفِ شیریں'' اور ''آوازِ دل'' ان کی نعتوں کے مجموعے اور ان کی عقیدتوں کا شعری منظرنامہ ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ کتب نعت پر ان کے مقدمے، مضامین اور فلیپ موجود ہیں۔ معاصر رسائل و جرائد میں نعتیہ ادب پر ان کے مضامین گاہے گاہے شائع ہوتے رہے۔ ''نعت رنگ'' کے آغاز ہی سے وہ اس تحریک کا حصہ رہے اور قلمی سرپرستی کرتے رہے۔ ان کے کئی مضامین ''نعت رنگ'' میں بھی شائع ہوئے۔ شعبۂ تدریس سے وابستہ تھے، مگر نعت سے اخلاص دیکھیے کہ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ یہ مقالہ ''اقلیم نعت'' نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔ ۲۰ رجنوری ۲۰۱۱ء کو اپنی تخلیقی زرخیزی سے دینی شاعری سنوارنے اور نکھارنے والا یہ خوب صورت اور صاحبِ اسلوب شاعر اپنی نعت گوئی کو اپنی عاقبت کا توشہ بنا کر یقین کی اس روشنی کے ہمراہ قبر کی تاریکی میں جا سویا:

کفن میں رکھ لیا تھا ایک کاغذ نعتِ روشن کا
یہ کاغذ قبر کی ظلمت میں عاصیؔ میرے کام آیا

عبدالعزیز خالد (مرحوم)

عبدالعزیز خالد بھی ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء کو ہم سے جدا ہو گئے وہ اردو کے منفرد شاعر تھے۔ کئی زبانوں سے واقفیت اور کئی تہذیبوں کے گہرے تاریخی اور سماجی مطالعے نے ان کے شعری اسلوب کو ایک ایسا منفرد رنگ و آہنگ عطا کیا تھا جس کی مثال ہمیں اردو کے شعری سرمائے میں اس سے پہلے نظر نہیں آتی۔ انھوں نے عوامی مقبولیت اور حصولِ شہرت کے لیے کسی خارجی معیار کی پروا نہیں کی وہ موضوع بھی اپنی مرضی کا تلاش کرتے تھے اور اظہارِ خیال کا اسلوب اور لہجہ بھی اپنا ہی رکھتے تھے۔ نعت گوئی کے حوالے سے بھی عبدالعزیز خالد کا کام خاصا وقیع ہے۔ انھیں اس موضوع سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ان کے نعتیہ شعری مجموعے فارقلیط، ماذ ماذ، منحمنا، حمطایا اور عبدہ اردو نعت کے کینوس کو وسیع تر کرنے کی کامیاب کاوشیں ہیں۔ عبدہ میں انتساب کے نام سے شامل ایک طویل نظم میں سے چند مصرعے ملاحظہ فرمائیں۔

میں نے لکھا ہے مجبو اس کتاب نعت کو

اہل دل اہلِ نظر اہل محبت کے لیے
اہل دانش اہل درد اہل درایت کے لیے
اہل نور اہل شعور اہل شہادت کے لیے
اہل حق اہل یقیں اہل امانت کے لیے
سرفروشانِ وقار آدمیت کے لیے
عاشقانِ حسن و احسان و صداقت کے لیے
داعیانِ دعوت احیائے اُمت کے لیے
وارثانِ ورثہ توحید و طاعت کے لیے
کشتگانِ نام و ناموس رسالت کے لیے

ہے یہی فرد عمل مری قیامت کے لیے
پیش کرتا ہوں جیسے مہر نبوت کے لیے
ارزہ تصدیق تم بھی دستخط اس پر کرو

آیئے ہم سب اردو کے اس منفرد نعت کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہوئے ان کی اس

خواہش کو پورا کریں۔

شبنم رومانی (مرحوم)

کریں زیارت سرکار کی دعائیں ہم
مگر وہ ہاتھ وہ آنکھیں کہاں سے لائیں ہم
بس اک لباس ہمارا لباس عشق رسول
رتوں کے ساتھ بدلتے نہیں قبائیں ہم
بس ایک راہ ہماری، صراط مصطفوی
کبھی بھٹک کے نہ جائیں گے دائیں بائیں ہم

جب بھی شبنم بھائی یاد آتے ہیں ان چند شعروں کی گنگناہٹ مجھے اپنی روح میں محسوس ہوتی ہے۔ شبنم رومانی جتنے خوب صورت اور نازک احساسات کے شاعر تھے اتنی ہی خوب صورتی اور نفاست ان کی شخصیت اور کردار میں تھی نوجوان شعرا کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی انھوں نے خود پر فرض کرلی تھی اور یہ فرض وہ اپنے ادبی رسالے ''اقدار'' سے آخری عمر تک ادا کرتے رہے۔ تمام عمر رومانی غزلیں لکھیں لیکن پیر فاروق رحمانی مدظلہ کی صحبت اور قربت نے انھیں نعت کی طرف بالالتزام متوجہ کیا۔ نعت وہ پہلے بھی کہتے تھے مگر رحمانی سلسلے میں بیعت ہونے کے بعد ان کی نعت فکری سطح پر مزید گہری اور فنی سطح پر اور زیادہ روشن ہوگئی تھی۔ انھوں نے غزلیہ انداز میں بھی خوب صورت نعتیں لکھیں مگر ان کی نعتیہ نظموں نے مجھے ہمیشہ زیادہ متاثر کیا۔ ۱۹۹۵ء میں شبنم بھائی، محسن بھوپالی، عزیز احسن، شمس وارثی، وضاحت نسیم اور مجھے ایک ساتھ حج کی سعادت ملی اور مکہ مکرمہ میں ایک خصوصی مشاعرے میں ہم سب نے نذرانہ نعت پیش کیا۔ سب شعرا نے اپنی باری پر کلام پیش کیا، شبنم بھائی صدر مشاعرہ تھے انھوں نے بحیثیت صدر مشاعرہ کلام پیش کرنے سے پہلے ایک بار پھر مجھے پڑھنے کا حکم دیا اور دیر تک مجھ سے نعتیں پڑھواتے رہے، درحقیقت یہ ان کا چھوٹوں سے پیار اور ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک تعلق کا اظہار تھا، وہ بعد میں بھی کئی مقامات پر اس محبت کا اظہار کرتے رہے۔ اکثر مجھ سے اپنے نعتیہ مجموعے کی اشاعت پر بات کرتے جس کا نام انھوں نے ''عطر خیال'' سوچا ہوا تھا۔ میں نے ان کی نعتوں کا ایک گوشہ ''نعت رنگ'' شمارہ ۲ میں شائع کیا گیا تھا جسے بہت پسند کیا گیا خدا کرے ان کے متعلقین ان کے نعتیہ سرمائے کو جلد شائع کروانے کی سعی فرمائیں۔ ۱۷ فروری ۲۰۰۹ء کو شبنم بھائی

ہم سے جدا ہوئے خدا کرے انھیں ان کے مرشد کی یہ بشارت منزل نجات تک پہنچا دے۔ آمین

کہا یہ مجھ سے مرے مرشد گرامی
کہ جا! یہ نعت ہی پروانہ نجات ہوئی

راغب مراد آبادی (مرحوم)

راغب مراد آبادی کا شمار عصر حاضر کے قادرالکلام شعرا میں ہوتا تھا۔ مختلف اصناف شاعری میں ان کا بہت سا کام سامنے آتا رہا مگر ان رُباعی گوئی اور عروض دانی کا ایک زمانہ معترف تھا، نعت ان کا محبوب موضوع رہی۔ سونعتیہ اشعار (۱۹۷۸ء) مدحت خیرالبشر (۱۹۷۹ء) غالب کی زمینوں میں نعتیں) مدح رسول (۱۹۸۳ء صنعت غیر منقوطہ میں نعتیں اور رُباعیاں) بحضور خاتم الانبیاء (۱۹۸۶ء) بدرالدجیٰ (۱۹۹۱ء) ایک انتخابِ نعت "محمدؐ" (۱۹۹۳ء) جس میں ۱۶۷ شعرا کی نعتیں شامل ہیں اور جادۂ رحمت (۱۹۹۳ء منظوم سفرنامہ حرمین۔ رباعیات) آپ کی وہ کتب ہیں جو نعتیہ ادب کے فروغ میں آپ کی خدمات کی یادگار کے طور پر ہمیشہ روشن رہیں گی۔ ۱۹/ جنوری ۲۰۱۱ء کو ہم سے جدا ہونے والے راغب مراد آبادی کا یہ شعر انھیں ہم سے کبھی جدا نہیں ہونے دے گا:

میں کہ اے راغب انھی کا ہوں غلام کمتریں
ان کے قدموں سے لپٹ جاؤں تو ٹھکرائیں گے کیا

خواجہ شوق (مرحوم)

عظمت آقا کا قد ہے کتنا اونچا دیکھنا
عمر بھر دیکھا کیے پھر بھی نہ آیا دیکھنا

یہ خوب صورت شعر حیدرآباد دکن بھارت کے معروف نعت گو شاعر خواجہ شوق کا ہے جو حیدرآباد، دکن کے اساتذہ فن میں شمار کیے جاتے تھے۔ شاعری کی فنی، ادبی اور تہذیبی اقدار پر ان کی گہری نظر تھی ان کی غزلوں کا مجموعہ چشم نگراں (۱۹۸۴ء) میں شائع ہوا لیکن جلد ہی وہ نعت نگاری کی طرف مائل ہوگئے وہ اسی کو اپنا فن اور زندگی بنا لیا۔ ۱۹۹۵ء میں ان کا پہلا مجموعہ نعت "صلِ علیٰ" شائع ہوا جب کہ دوسرا مجموعہ "سلموا تسلیما" ۲۰۰۸ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۱ء کو یہ نہایت اہم نعت گو اہل محبت کو شعور کی یہ روشنی تقسیم کرتا ہوا۔ دنیا سے رخصت ہوا:

روح میں ان کی محبت کا اُجالا بھر لو
ایک دن جسم کو مٹی میں فنا ہونا ہے

نور احمد میرٹھی (مرحوم)

نور احمد میرٹھی کو علم و ادب سے گہرا شغف تھا، وہ میدانِ تحقیق و تالیف کے اَن تھک مسافر تھے ان کی ترتیب و تالیفات پر مبنی کئی کتب منظر عام پر آچکی ہیں لیکن نعتیہ ادب پر تذکرہ نگاری کے حوالے سے ان کے کام کو تاریخ ادب کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ انھوں نے پہلے ''نورِ سخن'' کے نام سے غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کا ایک انتخاب ۱۹۸۸ء میں پیش کیا پھر تذکرہ نگاری کی جانب متوجہ ہوئے اور ''بہر زماں بہر زباں'' کے نام سے غیر مسلم نعت گو شعرا کا ایک عالمی تذکرہ مرتب کیا جو پہلی بار ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن مزید اضافوں کے ساتھ ۲۰۰۶ء میں سامنے آیا جو ایک ہزار آٹھ (۱۰۰۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں ''گلبانگ وحدت'' (غیر مسلموں کی حمدیہ شاعری کا تذکرہ اور انتخاب) ۲۰۰۷ء میں اور ''بوستانِ عقیدت'' (غیر مسلم شعرا کا رثائی کلام و تذکرہ) ۲۰۰۷ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ اس طرح دینی شاعری کے حوالے سے تذکرہ نگاری نور احمد میرٹھی کا ایسا اختصاص بن جاتی ہے جس کی کوئی اور مثال ہمارے سامنے نہیں ہے۔ نور میرٹھی نے متعدد نعتیہ کتب کی اشاعت میں معاونت کے ساتھ ساتھ کئی مجموعہ ہائے نعت پر دیباچے اور فلیپ بھی لکھے جس سے آپ کی تنقیدی بصیرت بھی نمایاں ہوئی، بلاشبہ نور احمد میرٹھی نے جو کام کیا وہ اداروں کا تھا مگر وہ کام آپ نے تن تنہا سرانجام دیا نعتیہ ادب کے فروغ میں نور احمد میرٹھی کے نام اور کام کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انور مسعود کا شعر یاد آتا ہے:

انوؔر مرے دیوان میں ہے نعت پیمبر
کیا توشہ عقبیٰ ہے مرے رختِ سفر میں

نور احمد میرٹھی بھی اسی توشہ آخرت کو لے کر ۱۸؍جون ۲۰۱۱ء کو اس سفر پر روانہ ہوئے جو ہم سب کا نصیب ہے۔

ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی (مرحوم)

مدح نبی میں شعر کا کہنا آسان بھی دشوار بھی ہے
جوشِ عقیدت بھی غالب ہے حد ادب دیوار بھی ہے

ڈاکٹر جمیل عظیم آبادی کا یہ خوب صورت شعر نہ صرف ان کی دلی کیفیت کا آئینہ نہیں بلکہ ہر عہد کے نعت نگاروں کا اعتراف ہے لیکن یہ اعتراف ڈاکٹر صاحب کے ہاں جس خوب صورتی،

سادگی اور بے ساختگی کے ساتھ سامنے آیا ہے اس پر داد دینی ہی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی متعدد شعری کتب شائع ہوئیں جن میں "وحدت و مدحت"، "المدثر" اور "الرحمٰن" حمد و نعت کے مجموعے ہیں۔ نعت گوئی سے ڈاکٹر صاحب کو دلی لگاؤ تھا، اسی لیے وہ نہ صرف خود حمد و نعت کی روشن فضاؤں میں رہتے تھے بلکہ انھوں نے اپنے دوستوں اور متعلقین کے لیے بھی ایک ایسا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی وجہ سے ان نورانی فضاؤں کا دائرہ دن بہ دن وسیع ہوتا رہا۔ "مجلس احبابِ ملت" کے نام سے ڈاکٹر صاحب نے اور ان کے احباب نے ایک بزم قائم کی جو گزشتہ تقریباً ۲۵ سالوں سے سالانہ نعتیہ مشاعروں کا اہتمام کرتی ہے اور ان مشاعروں میں پڑھے جانے والے کلاموں کو ایک گلدستہ کی شکل میں جمع کر کے "انوارِ حرم" کے نام سے شائع کر دیا جاتا تھا۔ "انوارِ حرم" کے ۱۹ شمارے نعت ریسرچ سینٹر میں محفوظ ہیں جس میں کراچی کے نام ور شعرا کے بے شمار نعتیہ کلام جمع ہیں اس طرح ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف خود اپنی نعت گوئی کے ذریعے فروغِ نعت میں حصہ ڈالا بلکہ مجلس احبابِ ملت کے نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کر کے ہزاروں شعرا کی عقیدتوں کو محفوظ کرنے کا سامان بھی کیا۔ ۹ مئی ۲۰۱۱ء کو ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہوا۔

شکر ہے کہ نعت گو میں نام اپنا ہے جمیل
مغفرت کا آخرت میں قیمتی سامان ہے

سجاد سخن (مرحوم)

سجاد سخن ایک طویل عرصے تک اپنی نظموں اور غزلوں کی دل آویزی اور قادرالکلامی کے حوالے سے جانے جاتے تھے۔ میں نے اپنے شعری سفر کے آغاز میں جن مشاعروں میں سجاد سخن کے ساتھ پڑھا، اساتذہ کو بھی ان کا احترام کرتے دیکھا لیکن اس احترام کے باوجود سجاد سخن کی درویشانہ طبیعت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، انھیں کبھی مشاعروں میں تقدیم و تاخیر کے معاملے میں الجھتے نہیں دیکھا گیا۔ ان کا نام جہاں پکارا جاتا وہ پڑھتے اور ان کے پڑھنے سے احساس ہو جاتا کہ کوئی ہے جس کے پاس کہنے کو بھی بہت کچھ ہے اور بیان کا سلیقہ بھی، سو وہ مشاعرے میں اپنے حصے کی داد سمیٹتے رہے۔ ادھر چند برسوں پہلے دبستانِ وارثیہ کے نعتیہ مشاعروں اور اختر لکھنوی و قمر وارثی کی صحبت نے ان کے اندر ایک بڑی تبدیلی پیدا کی۔ رومانوی نظمیں لکھنے والا شاعر دربارِ رسالت مآب ﷺ میں اپنے اشعار کے ذریعے حاضری کی لذت سے آشنا ہونے لگا اور یہ حاضری حضوری میں بدلنے لگی:

ایسا لگتا ہے ہر اک نذرانہ مدحت کے بعد
مجھ پہ طیبہ کی مسافت کے دریچے کھل گئے
اے سخن فیض درود و مدحت سرکار سے
مجھ پہ خود میری حقیقت کے دریچے کھل گئے

اور ان دریچوں سے آنے والی روشنی نے سجادؔ سخن کو جادۂ رحمت کا مسافر بنا دیا۔ ''رنگ روشنی خوشبو'' (۱۹۹۵ء)، ''ربّ العالمین'' (۲۰۰۱ء) اور ''حاضر وحضوری'' (۲۰۰۸ء) ان کے حمدیہ و نعتیہ شاعری کے مجموعے ہیں جو ایک کے بعد ایک سامنے آنے لگے اور وہ جادۂ رحمت پر سفر کرتے ہوئے یقین کی اس منزل تک آپہنچے:

مشتمل ہے ذکر آقا پر کتابِ زندگی
وقت نے کتنا بدل ڈالا نصابِ زندگی

۱۷ رجون ۲۰۱۱ء کو اچانک سجادؔ سخن کے انتقال کی خبر ملی۔ معلوم ہوا کہ ان کا کوئی تازہ حمدیہ مجموعہ بھی اشاعت کے لیے تیار ہے جسے وہ مکمل کر چکے تھے۔ سجادؔ سخن کے جانے کا ملال تو زندگی بھر رہے گا مگر خوشی اس بات کی ہے کہ وہ اپنا توشۂ آخرت تیار کر چکے تھے۔

مدحت سرکار کا زادِ سفر رکھتا ہوں ساتھ
جانے کب پرواز کر جائے عقابِ زندگی

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی (مرحومہ)

ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی نے ۱۹۸۰ء میں ''اردو نعت کے جدید رجحانات'' کے موضوع پر ڈاکٹر انجم الاسلام کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جو ۲۰۱۱ء میں سیّد معراج جامی نے بزمِ تخلیق ادب پاکستان کے زیراہتمام شائع کیا ہے۔ انھوں نے بطورِ نعت شناس اپنے تحقیقی مقالے کو پوری ذمہ داری اور محنت سے مکمل کیا اور اس مقالے کی اشاعت سے بلاشبہ تحقیقِ نعت کی راہیں مزید منور ہوگئی ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مرحومہ کا یہ مقالہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا لیکن ان محنت کی اجرا انھیں اللہ کریم کی بارگاہ سے ضرور ملے گا۔ ۲۶ رمئی ۲۰۰۹ء کو ڈاکٹر شوکت زریں چغتائی اس دارفانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کے مقالے کی اشاعت پر ہم ان کے اہل خانہ اور سیّد معراج جامی کے ممنون ہیں۔

نعت کے ان عظیم خدمت گزاروں کا یہ مختصر تذکرہ صرف اطلاعی نوعیت کا ہے۔ ورنہ ان میں سے ہر ایک کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ان پر علاحدہ علاحدہ نمبر مرتب کیے جانے چاہئیں۔ اُمید ہے کہ مستقبل میں کوئی صاحب ہمت اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے گا۔ گلزار بخاری نے کیا خوب کہا ہے:

جانے والوں کی کمی پوری کبھی ہوتی نہیں
آنے والے آئیں گے پھر بھی خلا رہ جائے گا

یقیناً یہ خلا کبھی پُر نہ ہوگا۔ آیئے ہم سب مل کر ان تمام نعت کاروں کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔

عزّوجلّ

پتھروں کو بھی نمی دیتا ہے
ساری توفیق وہی دیتا ہے

کور چشموں پہ جو کرتا ہے نظر
دیدہ ور دیدہ وری دیتا ہے

بے زبانی کو جو دیتا ہے وہ نطق
نغمہ و نغمہ گری دیتا ہے

شاخِ پُرخار پہ رکھتا ہے گلاب
فقر کو کج کلہی دیتا ہے

رحم ہی رحم ہے وہ ربِّ کریم
دونوں ہاتھوں سے سخی دیتا ہے

احمد صغیر صدیقی (کراچی)

تشنگی

کتابِ ہستی تھی سادہ سادہ
میں جب نہیں تھا
کہیں نہیں تھا
مشیتوں کے کواڑ سرکے
شعاعِ وحدت کی بوند ٹپکی
تجلیوں نے حصار باندھے
تو زندگی کے لوازمے بے حدود نکلے
سجے سجائے وجود نکلے
تری عنایت
کہ تو نے مجھ کو
بشر بنایا
کثافت جبر و جہل کو
منصب خلافت کا ظرف بخشا
اور انگلیوں کی گرفت کو بھی
کیا قلم آشنا
مگر میں
کتابِ ہستی کا ایک نقطہ
خدائے برتر
یہ حوصلہ دے
کہ نام ہی لکھ سکوں میں ترا

اسد ثنائی (حیدر آباد، بھارت)

مقالات

محور ہستی فقط ذاتِ رسول

دین و دنیا مصطفیٰ تا مصطفیٰ

(تابش دہلوی)

ڈاکٹر شعیب نگرامی۔ سعودی عرب

نعت نبوی اور توحید و رسالت کے مابین فرق کی اہمیت

نعت گوئی پر قلم اٹھاتے ہی یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ نعت گوئی کی ابتداء کب، اور کہاں سے ہوئی اور ہماری اردو شاعری میں اسے صنف سخن کا درجہ کیسے ملا...

علمائے لسانیات نے دنیا میں بولی جانے والی زبانوں کو متعدد گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔ سامی یا سامنک اور آرمین ان لسانیاتی گروپوں کی اہم ترین شاخیں ہیں۔ آرمین زبانیں غیر منقسم ہندوستان اور پورے یورپ میں بولی جاتی ہیں اور چوں کہ نعت گوئی کے مخاطب اوّل انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام ہوا کرتے تھے اور آرمین زبانوں کے علاقوں میں کسی نبی یا رسول کے بعثت کے علمی شواہد نہیں ملتے ہیں۔ اس لیے آرمین زبانوں میں صنفِ نعت کی تلاش تحصیل لاحاصل ہے۔

رہی سامی یا سامنک زبان اور اس سے نکلی ہوئی زبانیں جن کی تعداد علمائے لسانیات کے مطابق تریسٹھ ہے اور اس کا علاقہ پورا مشرق وسطیٰ اور براعظم افریقا کا بڑا حصہ ہے۔ سامی گروپ کی ایک قدیم ترین زبان عبری ہے جس کی ابتدا فلسطین سے ہوئی اور جو یہودیوں کی قومی زبان تھی اور آج بھی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں یہودیوں میں بے شمار انبیا کی بعثت کی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ توراۃ یہودیوں کا آسمانی صحیفہ تھا اور قرآن کریم کی گواہی کے بموجب یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے اس میں زبردست تحریف کی محرف شدہ توراۃ اس وقت ہمارا موضوع سخن نہیں ہے لیکن اس محرف شدہ آسمانی صحیفہ اور عبری لٹریچر میں انبیائے یہود کی تعریف و توصیف کی بجائے ان پر بداخلاقی اور بدکرداری کے گھناؤنے الزامات کا انبار ہے اور خاص طور سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نجی زندگی کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس کو پڑھ کر حیا کی آنکھیں بھی جھک جاتی ہیں۔ سامی زبانوں کی دوسری اہم ترین اور قدیم ترین زبان عربی ہے۔ جس کی ابتدا جنوبی عرب میں ہوئی اور پھر شمالی عرب بالخصوص مکہ مکرمہ میں آباد قبیلہ جرہم کے سردار کی بیٹی کے

ساتھ عبری بولنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد یہ زبان اپنی نشوونما کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد رحمت عالمؐ کی بعثت شریفہ سے ڈیڑھ سو سال قبل ایک مکمل ادبی زبان کی شکل میں معرض وجود میں آئی۔ مشہور عرب ادیب جاحظ نے اس ڈیڑھ سو سال سالہ عرصہ کو زمانہ جاہلیت سے تعبیر کیا ہے اور اس ڈیڑھ سو سال میں وہ اعلیٰ شعری ادب وجود میں آیا جس کو ہم جاہلی ادب کے نام سے جانتے ہیں اور جو آج بھی عربی ادب کے ہر طالب علم کے لیے چراغ راہ ہے۔

عربی زبان میں نعت گوئی کی ابتدا کا ذکر کرنے سے قبل دیکھیں کہ نعت ہے کیا...؟ نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی تعریف کے بھی ہیں لیکن اصطلاحاً ان اشعار کے مجموعے کا نام ہے۔ جس کو نعت گو اپنے خون جگر سے تیار کر کے محسن انسانیت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم گیر انسانیت دوست مشن کو نذرانہ عقیدت کے طور پر پیش کرتے ہیں صاحب اقتدار اور دوستوں کی مدح و توصیف اور نبی رحمتؐ کی مدح و توصیف میں بڑا فرق ہے اور یہ فرق ہمیں زمانہ جاہلیت اور اس کے بعد عربی زبان کے مدح کے قصائد اور نعتیہ قصائد جن کی ابتدا ہجرت شریفہ کے بعد شروع ہوئی۔ بڑی وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ نعت کا ذخیرہ عام مدح و توصیف کے مقابلہ میں کمیت، معیار اور قدر و قیمت ہر اعتبار سے بہتر و برتر ہے اور اس کے نفسیاتی اور عقلی اسباب ہیں۔ نعت گوئی کا تعلق دل کی گہرائیوں تک اترے ہوئے عقیدہ، فکر و شعور کی تمام طاقتوں پر اثر انداز ہونے والے ایمان، سعادت خوش بختی اور توفیق الٰہی کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔

یہ تمام عقلی، ایمانی اور جذباتی اسباب شاعر کی پوشیدہ طاقتوں کو ابھارتے، خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کرتے ہیں۔ افکار و معانی کی ایک دنیا شاعر کے سامنے آجاتی ہے۔ محبت و جذبات میں ابال آجاتا ہے۔ شاعر کا داخلی جذبہ موجزن ہو جاتا ہے۔ دین و ایمان کا تقاضا اُبھر کر آتا ہے اور پھر جس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نعت گو کے سامنے افکار و خیالات کا بحر ذخار سامنے ہوتا ہے اور وہ ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے لیکن اس کے برخلاف جو قصائد کسی صاحب اقتدار یا صاحب عزت و ثروت کی شان میں کہے جاتے ہیں وہاں مال و منصب کی طلب ہوتی ہے یا حالات کا تقاضا اور وقتی مصلحت اس قسم کے قصائد میں عربی میں متنبی فارسی میں فردوسی اور اردو میں ذوق کا نام لیا جاسکتا ہے۔

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ نعت گوئی کی ابتداء عربی زبان میں ہوئی۔ چوتھی صدی ہجری کے مشہور تنقید نگار ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''الشعر والشعراء'' میں لکھا ہے کہ پہلا نعتیہ قصیدہ مکی شاعرہ حضرت اُمّ معبدؓ نے رحمت عالم ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت شریفہ کے وقت کہا

تھا اور پھر ہجرت کے بعد مکہ کے کفار شعرا کی محسن انسانیت کے خلاف دشنام طرازیوں کے جواب کے لیے نعت گو شعرا کا جو اسکول قائم ہوا اس کے معمار حسان بن ثابتؓ، کعب بن زُہیر اور عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔

کعب بن زُہیر ایک قادر الکلام اور اصناف سخن پر حاوی ایک خاندانی شاعر تھے۔ ان کا نعتیہ قصیدہ ''بانت سعاد'' اس قدر مقبول ہوا کہ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں، عربی کی بائیس شرحوں کے علاوہ فارسی اور اردو میں بہت سے ترجمے اور شرحیں لکھی گئیں جن میں سب سے زیادہ اور سب سے مشہور شیخ احمد بن شمس الدین دولت آبادی کی عربی شرح ہے۔ اس کے بعد مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی عربی و فارسی شرح اور مولانا ذوالفقار علی کی منظوم شرح و ترجمہ ہے جو ۱۲۱۷ھ میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔

توحید خالص کی تینوں قسموں توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحید صفات کو ذہن میں رکھ کر عصر اسلامی کے نعتیہ کلام کا اگر آپ مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان قصائد کے کہنے والے، آغوش نبوت میں تربیت پانے والے نیک نفس لوگ تھے، جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے کردار و اخلاق سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی و رعنائی آ گئی۔ بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی، محبت و الفت کی خوش بو پھیل گئی اور سعادت کا بازار گرم ہوگیا۔ اندلس کے مشہور عالم ابن عبدالبر اور ابن کثیر نے آغوش رسالت میں پرورش پانے والے ان اصحاب رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روئے زمین پر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد سب سے برگزیدہ یہی لوگ تھے۔

عصر اسلامی کے بعد جب بنی امیہ کا آغاز ہوا تب نعت گوئی کی ڈگر ذرا مختلف راہ پر چل نکلی۔ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ کربلا میں جو سانحہ پیش آیا، رحمت عالم ﷺ کی نعت کے ساتھ اس کا ذکر مبالغہ آرائی کے ساتھ ہونے لگا۔ ان نعت گو شعراء کے سرفہرست کمیت الاسدی دعبل الخزاعی اور الشریف رضی تھے۔ قاہرہ یونی ورسٹی میں میرے تاریخ عربی ادب کے پروفیسر ڈاکٹر شوقی ضیف مرحوم نے کمیت الاسدی کے دیوان ''الہاشمیات'' کو عربی ادب کا پہلا سیاسی دیوان قرار دیا ہے۔ جس میں کمیت نے اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق خلافت کے لیے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ مذکورہ تینوں شعرا نے اپنے سیاسی اور عقائدی نظریات سے

قطع نظر رحمت عالم ﷺ اور اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کسی بھی فرد کو اُلوہیت کا درجہ نہیں دیا کیوں کہ وہ توحید کی تینوں قسموں اور ان کے معانی و مطالب سے بخوبی آگاہ تھے۔

عربی کی نعتیہ شاعری کو توحید خالص کی ڈگر سے ہٹا کر شرک کے غار میں دھکیلنے کے گنہ گار ساتویں صدی کے اندلسی الاصل شاعر ابن ہانی اور اسکندریہ کے نعت گو شاعر محمد بن سعید البوبصری تھے۔ جن کے بارے میں میرے ایک دوسرے استاد ڈاکٹر محمد النجار کہا کرتے تھے کہ مذکورہ دونوں شعرا نے شرکیہ نعت گوئی کا جو شجر خبیثہ لگایا تھا وہ آج بھی پھل پھول رہا ہے۔

عربی کے بعد جب ہم دوسری اسلامی زبان فارسی کے نعتیہ ذخیرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ایک ایسی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے جو فارسی کے نعتیہ کلام کا تجزیہ کرنے میں ہماری ممد و معاون ہوتی ہے اور وہ حقیقت خلافت عباسیہ کی ابتدا سے اس کے خاتمے یعنی تقریباً پانچ سو سال تک اہلِ فارس کی ادبی دنیا میں حکمرانی ہے۔ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ عربوں نے غیر ملکی فتوحات کو فتح کرلیا۔ خلفائے بنوامیہ نے عربوں کی سادگی اور عربوں کی تہذیب و تمدن کی بھرپور حفاظت کی لیکن اس کے برخلاف خلافت عباسیہ بالکل ایرانی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ خلفا بلاشبہ عربی النسل تھے لیکن خلافت کا کاروبار چلانے والے تمام تر ایرانی تھے۔ جنھوں نے کبھی بھی دل سے عربی ادب اور عربی تہذیب و تمدن کی بالادستی قبول نہیں کی اور ساتھ ہی انھوں نے تہذیب حجازی کو مٹانے کی جو کوشش کی اس کا ذکر المسعودی نے اپنی کتاب ''مروج الذہب'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ عصر عباسی کی عرب دشمن تحریک ''شعوبیت'' کے نام سے جانی جاتی ہے اور اس تحریک کا سب سے بڑا شاعر ''ابونواس'' تھا جو عربوں کے تہذیب و تمدن اور عربی کی شعری روایات کا سب سے بڑا دشمن بھی تھا۔ اس کا ایک شعر:

ولاتبک لیلیٰ ولا تطرب الی ھند
او اشرب علی الورد من خمر کاالورد

یعنی نہ لیلیٰ کو روؤ اور نہ ہند کے مشتاق بنو بلکہ گلاب کے پھولوں کی کیاریوں میں شراب گل رنگ بنو۔

لیلیٰ اور ہند نامی ان دو خواتین کا نام عربی شاعری میں اکثر آتا ہے لیکن ''ابونواس'' شعراء کو ان کے نام لینے سے بھی روکتا تھا۔ جو اس کی عرب دشمنی اور عرب تہذیب سے نفرت کی واضح دلیل ہے۔

فارسی شاعری پر محاکمہ ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن ان افکار و خیالات کی نشان دہی ضروری ہے جو فارسی کے نعتیہ کلام پر اثر انداز ہوئے۔ عہد عباسی کی ابتدا میں فارسی شاعری پر عربی تہذیب و تمدن کا بہت کچھ اثر رہا لیکن چوتھی صدی ہجری آنے تک اور بالخصوص شیراز میں آ کر اس کا ڈھانچا بالکل بدل گیا اور حافظ نے اس زور و شور سے غزل کا غلغلہ بلند کیا کہ اس گنبد لاجودی سے آفرین و مرحبا کی صدا آنے لگی۔ عجمی تصوف، یونانی فلسفہ کے تراجم اور الحاد و بے دینی کی اشاعت نے قدرتی طور پر وہ مضامین پیدا کر دیے جس نے اسلام کے نظام اخلاق کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ جس نے شریعت اور علما کے بخیے ادھیڑ دیے جس نے واعظ، زاہد اور محتسب کی پگڑیاں اچھال دیں۔ جس نے شراب اور پانی کو ایک کر دیا۔ غرضے کہ شیراز میں اسلام کا شیرازۂ اخلاق بکھر گیا۔ ملحدوں، زنادقہ اور صوفیا کی گرم بازاری سب سے زیادہ شیراز ہی میں ہوئی ہے۔ اس الحادی دور کی تفصیلات امام ابن قیم الجوزی نے اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں درج کی ہیں۔ شبلی نے اپنی کتاب ''شعرالعجم'' میں لکھا ہے کہ غزل کی رندی و مستی اور صوفیانہ عقائد و خیالات کی ادب پر حکمرانی کے دور میں دوسرے اصناف سخن کے ساتھ فارسی نعت گوئی کی بھی ابتدا ہوئی اور فارسی کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چند کو چھوڑ کر اکثر فارسی نعت گو شعرا کو نعت کی حد نہیں معلوم تھی۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ توحید و رسالت کے مابین کیا فرق ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان کیا حدیں ہیں اور کیا کہنے سے بندہ بندہ نہیں بلکہ خاکم بدہن خدا بن بیٹھتا ہے۔ اسی سے فارسی نعت گو شعرا کی اکثریت کے یہاں عقیدے کی طہارت نہیں ملتی ہے اور اس کی وجہ مصر کے مشہور ادیب احمد امین کے بقول فارسی کے نعت گو شعرا دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے باوجود اپنے موروثی مذہب ''مجوسیت'' اور وحدۃ الوجود کے شرکیہ عقیدے سے اپنا دامن نہ چھڑا سکے۔ ان شعرا کے سرفہرست، فرید الدین عطار، جلال الدین رومی اور عبدالرحمٰن جامی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ جلال الدین رومی نے اپنی ایک نعت میں اسبات کو ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ رسول عربی کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔

رومی کے ان مشرکانہ نظریات و عقائد کے باوجود ہمارے نام نہاد صوفیا ان کی مثنوی کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں اور تو اور اقبال جنھوں نے عمر بھر اپنی شاعری کے ذریعے غیر اسلامی نظریات و خیالات کے خلاف جہاد کیا۔ رومی کے سحر میں ایسے گرفتار ہوئے کہ ان کو اپنا پیر و مرشد قرار دے دیا۔ جب کہ میر حسن علی نے اپنی کتاب ''تصوف کا تنقیدی جائزہ'' میں عطار،

رومی اور جامی کو مشرکانہ نعت گوئی اور عقیدہ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں شمار کیا ہے۔

عربی و فارسی میں نعت گوئی کے رجحانات اور اس پر انداز ہونے والے فکری و سماجی اثرات کا انتہائی مختصر جائزہ لینے کے بعد دنیا کی تیسری اسلامی زبان اردو میں نعت گوئی اب ہمارا موضوعِ سخن ہے۔ برصغیر میں نعت گوئی پر مقامی اور بیرونی اثرات کی نشاندہی کرنے سے پہلے ہمیں برصغیر کے مذہبی و عقائدی حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا انتہائی ناگزیر ہے۔

برصغیر میں اسلام کی اشاعت کی سعادت ان اصحاب رسول اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حاصل ہے جو طلوعِ اسلام کے بعد مالابار، سندھ اور درہ خیبر کے ذریعے برصغیر آئے لیکن آفتاب اسلام کی یہ پہلی کرنیں مذکورہ علاقوں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ طلوع اسلام کے چار سو سال بعد درۂ خیبر سے ملک ہوس گیری اور جنگی صلاحیتوں سے مالا مال ایسے اسلام کے پیامبر آئے جو خود کتاب و سنت سے اچھی طرح واقف نہ تھے اور پھر توحید خالص کا وہ دین رحمت اسلام جو تمام ادیان اور نظم ہائے زندگی پر غالب ہونے کے لیے آیا تھا، برصغیر پہنچ کر مشرکانہ عقائد کے انبار میں دب کر رہ گیا اور کوہ فاران سے توحید خالص کا جو صاف و شفاف چشمہ رواں ہوا تھا گنگا اور جمنا کی آمیزش نے اسے گدلا کر دیا۔ نام نہاد مسلم صوفیا نے وحدۃ الوجود کے مشرکانہ نظریہ کے ذریعے توحیدی عقائد کو صرف شرک کی آلودگیوں میں ہی لت پت نہیں کیا بلکہ وہ کتاب و سنت کی تحقیر کے بھی مرتکب ہوئے۔ ملا بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التواریخ" کی جلد دوئم میں سلطنت مغلیہ کے ابتدائی عہد میں صوفیوں کی فکری آوارگی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صوفیوں، وحدۃ الوجود کا راگ الاپ کر ابن عربی کی تصانیف سے ایسی چیزیں لائے جن سے مذہبی آزادی اور توحید مخالف سرگرمیوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ انہوں نے ہمایوں کے ساتھ ایران سے آنے والے علما کا فکری اتباع کرتے ہوئے کتاب و سنت کی ایسی تاریخیں لکھیں کہ خود اکبر بھی حیران رہ گیا۔

کفر و شرک کی اس اندھیاری اور تصوف کے طوفان کی بلاخیزی میں عربی مدارس اور اس کا نصاب تعلیم اور زیادہ افسوس ناک تھا۔ ہم جس دور کی باتیں کر رہے ہیں اس میں اسلامی علوم کے چھ بڑے مرکز تھے۔ یعنی دہلی پنجاب، جونپور، لکھنؤ، گجرات، سندھ اور برہان پور، ان مراکز میں منطق الطیر، کلیلہ دمنہ اور انوار سہیلی نامی عربی زبان میں خرافاتی قصے اور کہانیوں کی کتابیں دینی کتابیں سمجھ کر پڑھائی جاتی تھیں۔ منطق فلسفہ اور فقہ حنفی اس کے بنیادی مضامین تھے اور قرآن و حدیث اس نظام تعلیم میں بطور تبرک شامل تھی۔ اس نصاب تعلیم پر مولانا اسلم جیراج پوری نے اپنی

کتاب مقالات اسلم میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نصاب تعلیم میں پڑھائے جانے والے اکثر مضامین مردہ علوم کی لاشیں ہیں جن کو ہمارے اساتذہ صدیوں سے اپنے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔

نام نہاد صوفیا کی فکری آوارگی اور عربی مدارس کے بانجھ نصاب تعلیم کے فروغ نیز موضوع و منکر روایات پر مبنی مشرکانہ عقائد کی تبلیغ سے ہماری نعتیہ شاعری اور میلاد کی محفلیں بُری طرح متاثر ہوئیں اور آج ٹی وی چینلوں کے خوش الحان نعت گو اور واعظ اس کی زندہ مثال ہیں جو اپنے گم راہ کن عقائد کی مارکٹنگ کے لیے دیومالائی قصوں کو احادیث کی عبا اُڑھا کر مسلمانوں کو سر سے پاؤں تک محیر العقول واقعات کے سحر میں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اقبال عظیم نے کہا ہے:

وہ لوگ جنھیں پاس شریعت بھی نہیں ہے
پہنے ہوئے بیٹھے ہیں مشیخت کے لبادے

عقائد کی اس بے راہ روی اور کتاب و سنت سے دُوری کے علاوہ عیسائی اور برہمنی افکار و عقائد نے بھی اردو نعت گوئی پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ انتہائی اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ نظریہ حلول، جس کا نعرہ سب سے پہلے ابومغیث حسین بن منصور حلاج متوفی ۳۰۹ھ نے لگایا تھا۔ حلول کا مطلب ہے کہ دو جسم اس طرح ایک ہو جائیں کہ اگر ان میں ایک کی طرف اشارہ کیا جائے تو دوسری کی طرف بھی سمجھا جائے جیسا کہ طلوع اسلام کے وقت عیسائیوں کے یعقوبیہ اور نسطوریہ نامی قوموں کا عقیدہ تھا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کے اندر حلول کرلیا اور ان کے اندر سما گیا۔ اس طرح اللہ عیسیٰ ہے اور عیسیٰ اللہ۔ حلول کا یہ نظریہ یونان اور ہندوستان کے فلسفیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے موجود تھا اور پھر بعد میں حلول کے اس نظریے سے ''وحدۃ الوجود'' کا نظریہ پیدا ہوا۔ جس کا نعرہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ نے لگایا۔ اس نظریہ کی رو سے جو خالق ہے وہی مخلوق بھی۔ اس نظریے کی رو سے بت پرست، صلیب پرست، آتش پرست اور نجوم پرست، سب موحد قرار پاتے ہیں، کیوں کہ جب حقیقت میں اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور اللہ ہی وجود مطلق ہے جو تمام موجودات اور ذرّہ ذرّہ میں موجود ہے تو پھر موحد اور مشرک برابر ہیں۔ ہندو ادبیات میں کرشن جی کے متعلق ہو بہو اسی عقیدہ کا ذکر ملتا ہے۔ جناب عبدالرحمٰن آزاد فتح پوری نے اپنی

کتاب ''رام راج'' میں گیتا کے اشلوک نمبر ا کے زیر عنوان اس عقیدے کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سہ ماہی سیماب کے گیارہویں شمارے بابت ماہ جنوری ۲۰۰۷ء کے صفحہ نمبر ۱۸ پر حمد باری تعالیٰ فلسفہ وحدۃ الوجود کی مشرکانہ فکر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ مذکورہ حمد کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

دائیں میں ہوں اور نہ بائیں میں ہوں
دائیں ہر جا ہر سو تم ہو
میں ایک جھوٹا سچا سجدہ ٹھہرا
مسجد مندر صوفی سادھو تم ہو

برصغیر کے صوفی نعت گو شعرا نے نبی رحمت ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ وہی سلوک کیا جو برہموں نے بدھ مذہب کے ساتھ کیا تھا یعنی انہوں نے گوتم بدھ کی تعریفوں کے پل باندھے اور ان کی منقبت میں اتنا لکھا کہ لوگ گوتم بدھ کی تعلیمات کو فراموش کر کے خود انہیں کو پوجنے لگے

امیر خسرو کے پیر بھائی میر حسن کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں:

اللہ کا محبوب ہے، کم پا یہ نہیں
واں جسم نہیں تو یاں سایہ نہیں
زینت یٰسں توئی زیبائش طٰہٰ توئی
صاحب معراج سبحان الذی اسریٰ توئی

پہلے شعر میں اشرف المخلوقات کو نوری مخلوق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی بنیاد ایک باطل اور بے بنیاد روایت ہے اور جس کے گھڑنے والے آپ کو کائنات کی اصل مانتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ رسول رحمت نعوذ باللہ کائنات میں صاحب تصرف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت میں آپ کا بھی حصہ ہے۔ دوسرے شعر میں توحید الوہیت کی نفی کرتے ہوئے رحمت عالم ﷺ کو سبحان الذی اسریٰ توئی کہا گیا ہے جبکہ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ'' ذات باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے اور تو اور اقبال جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے عمر بھر قرآنی تعلیمات کی ترجمانی کی انھوں نے رحمت عالم ﷺ کی عقیدت و محبت میں غلو کرتے ہوئے یہ رباعی (یہ رباعی نہیں ہے۔ نظم کے دو اشعار ہیں۔ ادارہ) کہہ ڈالی:

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

اس رباعی کا تیسرا مصرع محل نظر ہے جس میں رحمت عالم ﷺ کو وہی اوّل وہی آخر کہا گیا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولیت و آخریت کی نسبت اپنی ذات والا صفات کی طرف کی ہے۔ آیت شریفہ ہے ”ھوالاول و الآخر و الظاھر والباطن وھو بکل شیء علیم“

اسی قسم کا ایک شعر سحاب کے مذکورہ شمارے کے صفحہ پچیس پر شائع ایک نعت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ شعر ہے:

احمد و حامد حاشر و شاہد ظاہر و باطن اور مبین
آپ سراپا دانش و رحمت آپ سے اچھا کون

اسی طرح توحید الوہیت کی نفی کا ایک شعر سحاب کے صفحہ نمبر ۱ پر درج نعت میں پڑھا جاسکتا ہے۔ شعر کچھ اس طرح ہے:

قلب و جاں نے بھی مرے اب اوڑھ رکھا ہے وہی
رنگ ہے اللہ کا جو، ہے محمد کا بھی رنگ

علم غیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مختص ہے۔ رسول عربیؐ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس علم کی یقین دہانی کرتے ہوئے سورۃ الانعام میں یہ فرمایا کہ اگر میں علم غیب جانتا تو اپنے لیے ساری بھلائیاں رکھ لیتا لیکن سحاب کے مذکورہ شمارے کے صفحہ نمبر ۴۲ پر درج نعت کا شاعر کہتا ہے:

ایک نظر ہم پہ بھی ہو جائے حضور
آپ تو سب کی خبر رکھتے ہیں

۲۔ برصغیر میں اردو نعت گوئی ہندو میتھالوجی سے بری طرح متاثر ہوئی کیوں کہ اسلامی تہذیب جب برصغیر میں مقامی تہذیب سے دوچار ہوئی تو نعت گو شعرا نے ہندو دیوتاؤں کے فوق العادات قصوں کے مقابلے میں رحمت عالم ﷺ کی سیرت طیبہ اور ان کی شخصیت کی طرف محیر العقول واقعات منسوب کرنا شروع کردیے اور ساتھ ہی ہندو ادبیات میں دیوی دیوتاؤں

کی تعریف میں گائے جانے والے بھجنوں اور گیتوں نے اردو نعت اور اردو بھجن۔ یعنی قوالی پر گہرا اثر ڈالا، چناں چہ نعتیہ مضامین پر ہندومت کے ایسے عناصر داخل ہوئے جس سے اردو کی نعت گوئی کی لغت مطلق آشنا نہ تھی۔ مثال کے طور پر ہندی بھجنوں میں کرشن جی کے لیے استعمال کیے جانے والے ناموں سے رحمت عالم ﷺ کو مخاطب کیا گیا۔ چناں چہ گری دہر، گردھاری، شیام، کھنیا اور مرلی والے وغیرہ اشارے امجد حیدر آبادی کی ایک نعت میں پڑھے جاسکتے ہیں۔ اس طویل نعت کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

جگ جوتی سوامی اوتاری ترے روپ کے واری سیّدنا
من موہنی گردہر گردھاری ترے روپ کے واری سیّدنا

اس نعت میں سیّدنا مدینہ کملی والے اور بی بی خدیجہؓ کے ایسے الفاظ ہیں۔ اگر ان کو الگ الگ کر کے دیکھا جائے تو ان اشعار کا ماحول کرشن جی پر لکھے گئے ہندی گیتوں سے مختلف نہیں ہے۔

انسانی محبت و عقیدت کی ایک کیفیت جو ہندی شاعری سے اردو نعت میں منتقل ہوئی وہ محبوب کی تلاش اور جوگ لینے سے متعلق ہے۔

الیاس برنی نے اپنی ایک نعت میں عشق رسولؐ کے اظہار کے لیے جوگنی ہی کو علامت بنایا ہے ملاحظہ ہو:

اپنے پیا کی میں جوگنی بنی تو تن من دھن سب واروں گی
مورا پیا تو مدینے رہت میں تو تن من دھن سب واروں گی

اردو نعت پر ہندی ادبیات کی بہترین مثال کاکوروی کا قصیدہ لامیہ ہے۔ یہ قصیدہ اپنی نوعیت کا منفرد قصیدہ ہے جس کی پوری فضا ہندوستانی مذہبی ماحول و متعلقات و مناسبات سے عبارت ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برف کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

قصیدہ کا آخری شعر یہ ہے:

کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

اس قصیدے میں محسن کاکوروی نے حیرت انگیز حد تک ہندی الفاظ و متعلقات کو اپنے محل وقوع کی

مناسبت سے استعمال کیا ہے۔ اس قصیدے کی پوری فرہنگ پر ہندو ادبیات و معاشرت کی گہری چھاپ ہے۔ مثلاً کاشی، متھرا، گنگا جل، اشنان، گوکل، جمنا، تیرتھ، کنہیا اور بھبھوت کے الفاظ قصیدے کی پوری فضا کو ہندی روپ دیتے ہیں۔

نعت گوئی کے اس مختصر جائزے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نعت نہ صرف اپنی اس اصلیت روایت اور موضوعات سے ہٹ گئی جس کی بنا رحمت عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں مدینہ منورہ میں حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن زہیر اور عبد اللہؓ بن رواحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ڈالی تھی۔

قاہرہ یونی ورسٹی کے شعبہ عربی ادب کی صدر ڈاکٹر سہر قلماوی جو ہمیں عربی تنقید پڑھایا کرتی تھیں ان کا کہنا تھا کہ اگر عربی شاعری سے مدحیہ قصائد نکال دیے جائیں تو عربی شاعری صرف بیس فی صد باقی رہ جاتی ہے۔ کچھ یہی صورتِ حال ہماری نعتیہ شاعری کی بھی ہے کیوں کہ اگر ہماری نعتیہ شاعری کو نعت کے نام پر ہونے والی مشرکانہ شاعری سے پاک کر دیا جائے تو ہماری نعتیہ شاعری بھی بیس فی صد ہی رہ جائے گی اور یہ بیس فی صد نعت گو شعرا بھی جنھیں توحید و رسالت کے مابین فرق کرنے کا سلیقہ ہے ان کی نعتیہ شاعری کے فصیح و بلیغ لیکن محتاط الفاظ ہمارے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری ہمارے دلوں میں کیف سرور پیدا کرتی ہے اور ہمیں ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں رحمت الٰہی کا سایہ ہے اور جہاں ایمان و یقین کی عطر بیز ہوا چلتی ہے۔ جو مشام جاں کو معطر کرتی ہے اور یہ وہ شعرا ہیں جو حبیب صدیقی کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہیں:

دوستو! دامنِ توحید دل و جان سے تھامے رکھنا
نعت گو مدحِ رسالت میں بہت دُور نکل جاتے ہیں

ڈاکٹر اشفاق انجم۔ بھارت

اُردو نعت میں ضمائر کا استعمال

(ایک تنقیدی جائزہ)

"نعت رنگ" شمارہ نمبر ۲۱ میں جناب رشید وارثی (کراچی) کا مضمون "اردو نعت میں ضمائر کا استعمال" نظر نواز ہوا، پڑھ کر افسوس ہوا۔ وارثی صاحب کا رویّہ بڑا جارحانہ و معاندانہ نظر آتا ہے۔ ان کا ابتدائی جملہ ہے:

> تحریکِ پاکستان کے آغاز سے اب تک اردو ادب کا شاید ہی کوئی بدنصیب قابلِ ذکر شاعر ہو جس نے حمد و نعت میں خامہ فرسائی نہ کی ہو۔ (ص ۲۲)
>
> تحریکِ پاکستان کے آغاز اور قیامِ پاکستان کے درمیان عرصہ میں اردو نعت میں ضمائر کے استعمال کی بے جان سی تحریک ماند پڑ چکی تھی۔ (ص ۲۴)

ان بیانات کے ساتھ ہی آپ کا یہ بیان بھی توجہ طلب ہے:

> اسی جوش محبت اور عقیدت کا یہ فیضان ہے کہ اب سے تقریباً سو، سوا سو سال پہلے اردو نعت میں ضمائر کے استعمال کا مسئلہ پیدا ہوا۔ (ص ۲۲)

میں نہایت ادب سے کہنا چاہوں گا کہ "تحریکِ پاکستان کے آغاز" سے پہلے بھی اردو میں نعت گوئی کی روایت موجود تھی اور آج بھی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اردو شعرا ہوں اور نعت نہ کہی جا رہی ہو۔ اس تعلق سے پاکستان کی تخصیص کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ ایک سوال اور بھی ہے کہ اردو نعت میں ضمائر کے استعمال کا مسئلہ سو، سوا سو سال پہلے پیدا ہوا تو کہاں ہوا؟"

وارثی صاحب لکھتے ہیں:

> چوں کہ اردو زبان کے تمام مصادر اور اعداد کی طرح اس کی ضمائر بھی ہندی زبان سے لی گئی ہیں... بعض زیادہ احتیاط پسند مسلم شعرائے کرام نے اپنے ذاتی قیاس پر ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے لیے "تو، تم، تیرا" جیسی

ضمیروں کی جگہ ''آپ اور ان'' کا استعمال شروع کیا۔ (ص ۲۲، ۲۳)

در اصل اردو زبان میں تمام ضمائر اور مصادر ہندی زبان سے لیے گئے ہیں اس لیے جو لوگ ہندی، زبان کے زیرِ اثر شعر کہتے ہیں ان کے یہاں تعظیم کے لیے آپ یا تم جیسی ضمیروں کا استعمال نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس جو شعرائے کرام عربی زبان کے زیرِ اثر نعت کہتے ہیں ان کے یہاں ضمائر کی بجائے قرآن و حدیث کی پیروی میں تعظیم کے لیے کنیت یا القاب کا استعمال عام ہے۔ (ص ۲۷)

وارثی صاحب اس بات کا اعتراف تو کرتے ہیں کہ اردو کی تمام ضمائر و مصادر ہندی سے مستعار ہیں لیکن اردو کی صرف ونحو کا کہیں ذکر نہیں کرتے جو ہندی، فارسی کا آمیزہ ہے۔ اس میں عربی کا کسی صورت امتزاج نہیں ہوا ہے۔ انہوں نے یہ تو کہا ہے کہ ''جو لوگ عربی زبان کے زیرِ اثر نعت کہتے ہیں ان کے یہاں قرآن و حدیث کی پیروی میں تعظیم کے لیے کنّیت یا القاب کا استعمال عام ہے۔'' لیکن اردو پر عربی زبان و ادب کے اثرات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا (علاوہ ازیں کنّیت یا القاب اور ضمیر میں بہت فرق ہے۔) جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان و ادب پر صرف ہندی اور فارسی زبان و ادب کے ہی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ عربی کے الفاظ ضرور شامل تھے لیکن آج بتدریج ان کا استعمال اور تعداد کم ہوتی جا رہی ہے کیوں کہ شعراء و ادباء کی ایک بہت بڑی تعداد عربی سے نابلد ہے۔ ۱۸۵۷ء سے قبل اور اس کے بعد بھی کتنے ایسے شعراء ہوئے ہیں جو عربی سے واقف تھے (ہیں) جنہوں نے نعتیہ شاعری میں عربی اور اس کی روایات کو برتا ہے؟ صرف کنّیت یا القاب یا ضمیر ''تو'' کے استعمال کو ''اثر'' نہیں کہا جا سکتا۔ عربی فارسی زبانوں میں ''آپ'' جیسی کوئی ضمیر نہیں ہے جو اپنے بزرگوں یا قابلِ احترام شخصیات کے لیے استعمال کی جا سکے ان زبانوں میں بھکاری سے لے کر بادشاہ تک کے لیے ''انت'' اور ''تو'' جیسی ضمیریں استعمال کی جاتی ہیں جو ان دونوں زبانوں میں تو درست ہیں لیکن ہماری زبان، تہذیب و آداب سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں اس لیے اردو میں ضمیر ''آپ'' کے ہوتے ہوئے حضور ﷺ کے لیے ''تو'' کے استعمال کو نامناسب سمجھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ جس زبان میں ادب تخلیق کر رہے ہیں اس کے اصولوں اور اقدار کی پابندی بھی آپ پر لازم ہوگی۔ ہم اردو تخلیقات کو اردو ہی کے لسانی اصولوں اور اقدار و روایات پر پرکھیں گے کسی غیر زبان کے اصول و معیار پر نہیں۔

رشید وارثی صاحب کا یہ بیان بھی بڑا دلچسپ ہے:

> ہندی زبان کی ضمیر ''آپ'' اگر واقعی تعظیم کے لیے ہے تو اس کی جڑ بالکل کھوکھلی ہے کیوں کہ عام طور پر چھوٹے بچوں، شاگردوں یا خادموں کو تنبیہ کے لیے اس قسم کے الفاظ کہہ دیے جاتے ہیں جیسے ''آپ نالائق ہیں'' یا ''آپ بہت بدمعاش ہو گئے ہیں'' یا ''آپ کی ایسی تیسی'' وغیرہ
>
> (ص ۳۷)

ہندوستان اور پاکستان کی ادبی ولسانی اور تہذیبی اقدار ایک ہی ہیں۔ امتداد زمانہ اور تقسیم کے بعد پاکستان میں پنجابی زبان وتہذیب کے زیرِ اثر سماجی ولسانی اقدار میں کچھ تبدیلیاں ضرور واقع ہوئی ہیں لیکن لسانی اصول اور زبان کا بنیادی ڈھانچہ تبدیل نہیں ہوا ہے۔

ہمارا سماج کئی طبقات میں بٹا ہوا ہے، اعلیٰ طبقہ جو زبان وتہذیب کا معیار سمجھا جاتا ہے ان کے درمیان ''آپ اور ہم'' کی ضمیریں استعمال ہوتی ہیں، اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں ہے۔ دوسرا متوسط طبقہ ہے جو دوسروں کے لیے تو ''آپ'' کی ضمیر لیکن خود اپنے لیے ''میں'' کی ضمیر استعمال کرتا ہے۔ تیسرا طبقہ جو نسبتاً کم علم اور جہلا پر مشتمل ہے وہ ''تو، تیرا، تیری'' جیسی ضمیریں استعمال کرتا ہے۔

ضمیروں کے استعمال سے متعلق خود وارثی صاحب کی تحریروں سے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) ۱۹۰۷ء میں مولانا احمد علی باقی پوری علیہ الرحمہ کا نعتیہ کلام ''موجِ سلسبیل'' (نغمۂ محبت) کے نام سے طبع ہو کر منظرِ عام پر آیا یہ مجموعی طور پر ''ان'' کی زندگی کے ۶۲ برسوں پر محیط مجموعۂ کلام ہے، ''ان'' کے بعض منتخب اشعار ہدیۂ قارئین ہیں۔ (ص ۲۳)

(۲) یہ بزرگ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی، حضرت بیدم شاہ وارثی، حضرت اکبر وارثی میرٹھی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ریاض خیر آبادی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا حسرت موہانی کے ہم عصر بزرگوں میں سے ''تھے''۔ (ص ۲۳)

(۳) ''ہم''، راجا رشید محمود صاحب کی خدمت میں اظہارِ تشکر کے ساتھ اقتباسات کی صورت میں قارئین کرام کے اطمینان کے لیے ہدیہ ''کرتے ہیں''۔ (ص ۳۰)

(۴) اگر اقبال کے سامنے ''تو'' پر اعتراض کرتے تو شاید وہ یہ کہہ ''اُٹھتے'' ؟ (ص ۳۰)

(۵) یہ پانچ شعر ایک طرف اور آج کے اکابر کے بہت سے مجموعے ایک طرف اور پھر ''آپ'' خود

انصاف کیجیے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔ (ص ۳۲)

(۶) اقبال صاحب طلسم گنجینۂ معنی "تھے"، "ان" کا ہر لفظ علامت بکنار و اور گنج ہائے معانی در کنار ہے۔ (ص ۳۲،۳۳)

(۷) "آپ" کے اسمائے صفات میں سے ایک اسمِ مبارک یتیم بھی ہے۔ (ص ۳۷)

(۸) بنو تمیم کا وفد جو ستر اسّی افراد پر مشتمل تھا مدینہ منورہ گیا اور حضور کے حجرۂ مبارک سے باہر کھڑے ہو کر صدائیں لگانے لگا: یا محمد اخرج علینا، حضور کا نامِ اقدس لے کر کہنے لگا "اے محمد ہمارے پاس باہر "آیئے"، حضور ﷺ باہر تشریف لے "آئے"۔" (ص ۳۹)

(۹) البتہ مسئلہ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اگر یا محمد کہنے کے ساتھ "آپ" کی کوئی صفت ملائی جائے تو یہ کہنا درست ہو جاتا ہے۔ (ص ۴۰)

(۱۰) علامہ اقبال کی نظم کے کچھ اشعار ہدیہ کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ سے خطاب میں نظم کیے "تھے"۔ (ص ۴۰)

(۱۱) "تو" کا لفظ رب العزت کے لیے ہماری زبان میں بنیادی طور پر استعمال ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ صرف اللہ اور رسول کی نسبت سے ہماری زبان کا سب سے زیادہ محترم لفظ ہے۔ (ص ۳۲)

وارثی صاحب کے نزدیک جب ضمیر "تو" نہایت ہی محترم و مقدس لفظ ہے تو مندرجہ بالا عبارات میں درج بزرگوں کو "تو" کی بجائے "آپ" سے خطاب کیوں کیا ہے؟ جب کہ ان ہی کے مطابق "آپ" چھوٹے بچوں، شاگردوں اور خادموں کے لیے بطورِ تنبیہ استعمال ہوتا ہے، کیا یہ علماء و اکابر چھوٹے بچے، شاگرد یا خادموں میں شمار ہوتے ہیں؟ کیا ضمیر "تو" صرف شاعری میں محترم و مقدس ہے نثر میں نہیں؟ آخر یہ اردو ضمیر "تو" بنیادی طور پر ہے کس زبان کی! ہندی، فارسی یا عربی؟

عجیب مضحکہ خیز صورتِ حال ہے وارثی صاحب کی نظر میں "تو" شاعری میں مقدس و محترم لفظ ہے اور نثر میں مردود، اور نثر میں "آپ" محترم و مقدس ہے تو شاعری میں مردود!!

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کُجا!!

عبارات نمبر ۷، ۹ میں وارثی صاحب نے حضور ﷺ کے لیے ضمیر "آپ" استعمال کی ہے۔

عبارت نمبر ۸ میں بنو تمیم کے وفد کی آمد کا ذکر کیا ہے اور عربی عبارت "اخرج علینا" کا ترجمہ "اے محمد! ہمارے پاس باہر آیئے۔" کیا ہے جب کہ عربی قاعدے کے رو سے نعوذ باللہ ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا "اے محمد! ہمارے پاس باہر آ۔"

عبارت نمبر ۳ میں وارثی صاحب نے واحد متکلم کے لیے ضمیر "ہم" استعمال کی ہے یہ خالص ہندی ضمیر ہے جب کہ عربی، فارسی میں واحد متکلم کے لیے ایسی کوئی ضمیر نہیں ہے۔

ایک بات اور واضح کردوں کہ آپ جس زبان میں لکھتے ہیں، بات کرتے ہیں تو آپ کے لیے اسی زبان کے لسانی اصول وقواعد کا استعمال ناگزیر ہے۔ بڑے بڑے جید علماء اور عربی زبان کے ماہرین نے اردو میں بھی بہت کچھ لکھا ہے لیکن کسی ایک نے بھی عربی ضمائر، انت، انتما، انتم وغیرہ کہیں بھی استعمال نہیں کی ہے۔ ہر ایک نے انہیں ضمائر کا استعمال کیا ہے جو اردو زبان میں مستعمل ہیں۔

وارثی صاحب کے درج ذیل بیانات بھی ملاحظہ فرمایئے:

(۱) چوں کہ اردو زبان کے تمام مصادر اور اعداد کی طرح اس کی تمام ضمائر ہندی زبان سے لی گئی ہیں۔ لہٰذا اٹھارویں صدی کے اواخر میں اس کی بعض ضمیریں خداوند کریم اور اس کے حبیبِ پاک ﷺ کے لیے استعمال کرنے پر عوامی سطح پر اعتراضات نے جنم لینا شروع کیا۔ (ص ۲۳)

(۲) تحریکِ پاکستان کے آغاز اور قیامِ پاکستان کے درمیانی عرصہ میں اردو نعت میں ضمائر کے استعمال کی بے جان سی تحریک ماند پڑ چکی تھی کہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں سید انوار ظہوری نے اسے پھر سے توانا رکھنے کی کوششوں کا آغاز کیا۔ (ص ۲۴)

(۳) ماہ نامہ "نعت" لاہور کے ایڈیٹر محترم راجا رشید محمود نے "حضور ﷺ کے لیے لفظ "آپ" کا استعمال" کے عنوان سے ماہنامہ "نعت" لاہور کے شمارہ جولائی ۱۹۹۶ء میں تفصیل سے شائع کیا۔" (ص ۲۴)

(۴) نعت نمبروں میں سب سے پہلے ماہ نامہ "شام وسحر" لاہور نے نعت نمبر ۵ میں جو جنوری، فروری ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا، اعلان کیا کہ زیرِ نظر نعت نمبر میں ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ صرف وہی نعتیں بارگاہِ رسالت میں نذر کی جائیں گی جن میں رسالت مآب ﷺ سے تخاطب کے لیے صیغۂ واحد حاضر یعنی تو، تیرا، تجھے کی جگہ تعظیمی صیغہ استعمال کیا گیا ہو۔ (ص ۲۵)

(۵) انٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈائرکٹوریٹ، راول پنڈی کے ہفت روزہ "ہلال" نے ۳۰ مئی ۱۹۹۴ء کو جو "نعت نبی المکرّم" نمبر شائع کیا۔ اس کے پہلے صفحے پر لکھا "اس چمنِ زارِ نعت کے سارے پھول اور ساری نعتیں ہمارے قارئین کرام نے مرحمت فرمائیں لیکن ہم نے صرف وہی نعتیں شامل کی ہیں جن میں محبوبِ خدا حضرت محمد ﷺ کو "تو، تم، تمہارا، تیرا سے مخاطب نہیں کیا گیا۔ (ص ۲۶)

وارثی صاحب نے حضور ﷺ کے لیے ضمیر ''آپ'' استعمال کرنے والوں کی تحریک کو ''عوامی سطح کی تحریک'' قرار دیا ہے، میں ان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

محترم راجا رشید محمود، سیّد انوار ظہوری (جو میری دانست میں نعت کے حوالے سے پاکستان کے معتبر فنکار ہیں) ماہنامہ ''نعت''، ماہنامہ ''شام وسحر'' اور ہفت روزہ ''ہلال'' کے مدیران اور ادارے کے اراکین ''عامیوں'' میں شمار ہوتے ہیں؟ کیا انٹر سروسز ڈائرکٹوریٹ میں غیرادبی شخصیات اور عامیوں کو عہدے اور اسامیاں دی جاتی ہیں؟ اگر وارثی صاحب کی نظر میں محترم راجا رشید محمود، سیّد انوار ظہوری اور متذکرہ رسائل کے مدیران ''عامیوں'' میں تھے تو پھر آپ کے نزدیک ''خواص'' کون ہیں؟

صفحہ ۳۳ پر وارثی صاحب لکھتے ہیں:

> بات یہ ہے کہ رسولِ عربی ﷺ کی نسبت سے جس نے بھی ''تو'' کی یکتائی کو سمجھا اسے عشقِ یکتا سے نواز دیا گیا۔

کیا وارثی صاحب ''تو کی یکتائی'' اور ''عشقِ یکتا'' کی وضاحت وتشریح کی زحمت گوارہ فرمائیں گے؟

اس موقع پر ایک لطیف نکتے کی جانب قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ضمیر ''تو'' واحد حاضر مخاطب کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ کیا کوئی نعت گو یہ دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ جب وہ نعت کہتا ہے یا کہیں سناتا ہے تو حضور ﷺ وہاں حاضر وتشریف فرما ہوتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہاں ضمیر واحد غائب کا استعمال اولیٰ ٹھہرتا ہے اور اس کے لیے صرف ایک ہی ضمیر ہے اور وہ ہے ''آپ'' جو ضمیرِ اشارہ کا کام بھی دیتی ہے اور احترامِ رسالت بھی قائم رکھتی ہے۔

رشید وارثی صاحب لکھتے ہیں:

> لفظوں کی اہمیت اور معنویت پر غور کرنے کی ایک صورت اور معتبر صورت یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ وہ لفظ متروک ہو گیا ہے یا نہیں؟ اور اگر استعمال ہو رہا ہے تو کیا اس کے استعمال میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟... ''تو'' کا لفظ آج بھی محبوب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (ص ۳۰)

جہاں تک متروکات کا تعلق ہے ''ایدھر، اودھر، کبھو، کسو، لوہو'' وغیرہ الفاظ متفقہ طور پر متروک قرار دیے گئے ہیں ورنہ دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں کے اختلافات سے آپ واقف ہی ہوں

گے کہ ایک لفظ جو دہلی میں متروک ہوا وہ لکھنو میں مقبول اور جسے لکھنو والوں نے متروک کیا اسے اہل دہلی نے تسلیم نہیں کیا، اس کی ایک مثال لفظ ''تلک'' ہے جسے اساتذہ لکھنو بالخصوص، امام بخش ناسخ نے متروک قرار دیا لیکن اہل دہلی نے تسلیم نہیں کیا اور آج بھی یہ لفظ مستعمل ہے ''جہاں تلک یہ ستم کی سیاہ رات چلے'' نیز یہ بھی یاد رہے کہ ''تو'' ضمیر ہے نہ یہ متروک ہو سکتی ہے اور نہ تبدیل!!

ضمیر ''تو'' آج بھی محبوب کے لیے استعمال ضرور ہوتی ہے لیکن یہ محبوب ''غزل'' کا محبوب ہے اور بھی جانتے ہیں کہ اس زمانے میں غزل کا محبوب کون تھا! طوائفیں اور مغبچے!! اسی لیے میر صاحب اطبا کی بجائے ''عطار کے لونڈے سے دوا لیتے تھے۔'' اور قدما کی یہ روایت آج بھی برتی جا رہی ہے چاہے محبوبہ خاتونِ خانہ ہی کیوں نہ ہو۔

ایک بات اور عرض کروں پتہ نہیں آپ کو میرے اس نظریئے سے اتفاق ہوگا یا نہیں ''نبیٔ کریم حضرت محمد ﷺ اللہ ربّ العزت کے محبوب'' ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی وحدت میں شرکت کسی طور پسند نہیں کرتا، اسی طرح ''محبوبیت'' میں بھی شرکت اسے ناگوار ہوگی۔ ہاں! آپ حضور ﷺ کی ہستی مبارک سے عشق کر سکتے ہیں لیکن حضور ﷺ کو اپنا ''محبوب'' کہنے کی جسارت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ ہماری آپ کی اوقات ہی نہیں ہے کہ نبی رحمت ﷺ کو اپنا محبوب کہہ سکیں۔ کیا ہمارے اندر ایسی کوئی صفت ہے کہ محبوب ربّ العزت کو ہم بھی اپنا محبوب کہہ سکیں؟؟ میرے اندر تو قطعی نہیں ہے اپنا آپ جانیں!! اس بنا پر بھی میں حضور ﷺ کے لیے ضمیر ''تو'' کے استعمال کا مخالف ہوں کہ آپ 'اللہ' کے محبوب ہیں، جب خود اللہ تعالیٰ حضور انور ﷺ کو آپ کے نام کے بجائے یٰسین، طٰہٰ، مزمل و مدثر جیسے القاب سے یاد کرتا ہے تو پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کا نام لے کر یا ''تو'' سے مخاطب کریں! اسی لیے یہ تخاطب میرے نزدیک بے ادبی ہی نہیں بلکہ گستاخی ہے۔

''آپ'' کے علم برداروں سے وارثی صاحب نے بڑا دلچسپ سوال کیا ہے؟

> مجھے نہیں معلوم کہ ''آپ'' کے علم بردار نمازوں کے بعد اللہ سے کس صیغے میں دعائیں مانگتے ہیں۔ ایاک نعبد وایاک نستعین کا ترجمہ ہم نے تو یوں ہی پڑھا ہے ''تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ (ص ۳۰)

وارثی صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ قرآن حکیم میں سورۃ فاتحہ جس طرح آئی ہے ہم اسی طرح حرف بہ حرف عربی ہی میں پڑھتے ہیں جس میں ''ایاک نعبد و ایاک نستعین'' بھی شامل ہے ہم نمازوں میں قرآنی آیات ہی پڑھتے ہیں ان کا اردو ترجمہ نہیں کہ ''تیری اور تجھی'' کا

سوال پیدا ہو۔ نیز نمازوں کے بعد ہم وہی دعائیں مانگتے ہیں جو قرآن کریم میں آئی ہے اور اگر اپنے مقصد سے متعلق کوئی قرآنی دعا یاد نہیں ہے تو ہم اس طرح اردو میں دعا مانگتے ہیں۔"

اے اللہ مجھے مقدمے میں کامیابی عطا فرما، اے اللہ رشید احمد کو گھٹیا کے مرض سے نجات عطا فرما، اے اللہ حضور ﷺ کے لیے "تو" کی ضمیر استعمال کرنے والوں کو عقل وشعور عطا فرما۔ وغیرہ وغیرہ

وارثی صاحب کی ایک دلچسپ عبارت اور ملاحظہ فرمائیے یہاں بھی "آپ" کے علم برداروں سے خطاب ہے:

نماز میں التحیات پڑھتے ہوئے کہا جاتا ہے "السلام علیک ایھا لنبی" اور تنہا شخص بھی نماز پڑھ رہا ہو تو "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین" کہنے کا حکم ہے۔ (ص ۳۵)

وارثی صاحب! اللہ کا شکر ہے کہ ہم لوگ "التحیات" میں وہی عربی عبارت پڑھتے ہیں جو حضور ﷺ نے تعلیم فرمائی ہیں۔ آپ کس زبان میں پڑھتے ہیں؟ اردو میں؟؟ مجھے علم ہے کہ ایک وقت پاکستان میں "اردو میں نماز پڑھنے کی تحریک" شروع ہوئی تھی، کیا آپ اب تک اس تحریک سے وابستہ ہیں؟

"تو" کے تعلق سے وارثی صاحب، امام احمد رضا خان صاحب فاضل بریلویؒ کا ایک فتویٰ درج کرتے ہوئے "آپ" کے علم برداروں کو آگاہ کرتے ہیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH

مولانا احمد رضا خان بریلویؒ سے اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کی ضمیر استعمال کرنے کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے تحریر فرمایا "اللہ عزّ وجل کو ضمیر مفرد سے یاد کرنا مناسب ہے کہ وہ واحد، فرد اور وتر ہے اور تعظیماً ضمائرِ جمع میں بھی حرج نہیں ہے۔ بہر حال یوں ہی کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ص ۳۴)

اس تعلق سے میں یہ وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہماری بحث اللہ تعالیٰ کے لیے ضمیر "تو" کے استعمال پر نہیں ہے بلکہ بحث حضور ﷺ کے تعلق سے ہے۔

وارثی صاحب رقم طراز ہیں:

اردو نعت میں حضور اکرم ﷺ کے لیے "تو، تم، تیرا" جیسے ضمائر

استعمال کرنے پر اب تک صرف عوامی سطح پر ہی اعتراض سامنے آیا ہے ...
اس سلسلے میں کسی تحقیق و تدقیق یا مفتیانِ دینِ متین اور اکابرینِ ملت کے تعمل پر غور و فکر کرنے کی بجائے (اس بے تحقیق رویے پر) اظہارِ فخر بھی کیا جاتا ہے۔ (ص ۳۵)

جنابِ عالی! جب فتویٰ موجود ہے تو "اکابرینِ ملت کے تعمل پر غور و فکر" کی ضرورت ہی کیا ہے؟

"ادلۃ الاحکام الشرعیۃ" (شرعی احکام کے دلائل) کے لیے ۱۴ شرائط یا اصول مقرر ہیں،

(۱) قرآن (۲) احادیثِ رسول ﷺ ان میں قول، فعل، تقریر، وصف خلقی و خلقی شامل ہیں

(۳) اجماع (۴) اجماع الخلفائے راشدین (۵) قولِ صحابی (۶) اجماع اہلِ مدینہ

(۷) ہم سے قبل کی شریعتیں (شرعِ محمدی جن کی مخالف نہ ہو) (۸) استحسان (۹) مصالح مرسلہ

(۱۰) سد ذرائع (۱۱) استصحاب (۱۲) استقراء (۱۳) استدلال

(۱۴) العرف والعادۃ (عرف و عادت)۔

ان میں "عرف و عادت" پر غور فرمائیں تو فتویٰ از خود سامنے آجاتا ہے، اس کی تین مثالیں پیش کرتا ہوں:

(۱) کسی نوکر کو آپ نے کام پر رکھا اور اسے کہا کہ وہ آپ کے پاس ایک مہینہ کام کرے گا تو اس میں جمعہ کا دن داخل نہیں ہوگا اگرچہ شرط نہیں رکھی ہے کیوں کہ عرف میں جمعہ تعطیل کا دن ہے۔

(۲) ہمارے یہاں شداد، یزید، شمر جیسے نام نہیں رکھے جاتے جب کہ بذاتہٖ ان ناموں میں کوئی عیب نہیں ہے۔ (مجھے یقین ہے کہ پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوگا۔) اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ نام "عرف" میں گالی سے بھی بدتر سمجھے جاتے ہیں۔

(۳) کسی انسان نے کسی انسان کو ایک لفظ سے برا کہا اور مشتوم نے دعویٰ کیا کہ شاتم نے اسے گالی دی ہے تو اس لفظ کے باب میں عرف کی رعایت کی جائیگی۔

بعینہٖ ہماری سماجی و تہذیبی اقدار کے پیشِ نظر لفظ "تو" چھوٹے اور ادنیٰ لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس میں تحقیر و تضحیک کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اگر وارثی صاحب کے نزدیک "تو" واقعی محترم و مقدس لفظ ہے اور آپ کے وارثی ہونے سے یہ مراد لی جائے کہ آپ سلسلۂ وارثیہ میں کسی بزرگ سے بیعت ہیں تو ایک بار دورانِ گفتگو یا خط میں اپنے پیر و مرشد کو "تو" سے خطاب کر

کے دیکھیں اور ان کے ردِ عمل سے ناچیز کو بھی آگاہ فرمائیں۔ اور اگر وارثی صرف بطور Sirname استعمال کرتے ہیں تو اس "تو" کا تجربہ اپنے والدین اور بزرگوں پر کر کے دیکھئے آپ کو اس لفظ کی تحریم و تقدیس کا اندازہ ہو جائے گا۔

وارثی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> باعثِ تخلیق کائنات ﷺ کو ضمائرِ مفرد سے یاد کرنے میں آپ کی شانِ یکتائی، شانِ بے مثال اور شانِ یگانہ و بے ہمتا کا اظہار ہوتا ہے... مسجدِ نبوی زاد اللہ شرفہا میں باب السلام سے شروع ہو کر محراب میں سے ہوتے ہوئے باب البقیع تک طلائی حروف میں لکھے ہوئے اسماء النبی ﷺ میں پانچویں یا چھٹے نمبر پر آپ کا اسمِ صفت وحیدؔ تحریر ہے جس کے معانی ہیں یگانہ، یکتا، لاثانی۔ (ص ۳۵)

اللہ ربّ العزت اور نبی کریم ﷺ کے ۹۹۔۹۹ اسماء کے طغرے تمام عالم میں دستیاب ہیں "اللہ، واحد، خالق، متکبر جیسے اسماء کو چھوڑ کر تقریباً تمام اسمائے الٰہی (صفاتی) حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی معروف ہیں، لیکن ان میں فرق یہ ہے الٰہی صفات سے کامل طور پر کوئی متصف نہیں ہے جب کہ حضور ﷺ تمام مخلوقات میں تنہا ایسی ہستی ہیں جن پر ان تمام اسمائے صفاتی کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ اسمائے صفاتی دیگر انسانوں کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً لقمان علیہ السلام کو "حکیم" کہا جاتا ہے لیکن دنیا جانتی ہے کہ "حکمت و دانش" میں آپؑ، حضور اقدس ﷺ کے قد تک نہیں پہنچتے۔ اسی طرح امام احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کو "وحید العصر" کہا جاتا ہے مطلب یہی ہے نا کہ فاضل بریلویؒ اپنے عصر کے تمام علماء میں یکتا و لاثانی تھے۔ وارثی صاحب کو فاضل بریلویؒ کے لیے "تو" یا اِس جیسی کوئی ضمیر استعمال کرنی تھی کہ آپؒ کی شانِ یکتائی نمایاں رہے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیوں؟ برائے احترام یا بلحاظ زبان و تہذیب؟؟

رشید وارثی صاحب لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ کی وحدت پر ہمارا ایمان ہے لیکن اسی طرح نبوت کے سلسلے کی عظیم کڑی ہوتے ہوئے حضرت محمد ﷺ کی وحدت اپنی جگہ ہے... جس طرح اللہ کے اختیارات و منصب میں ہم کسی کی شرکت کے بارے میں سوچ نہیں سکتے، اسی طرح حضور ﷺ اپنے مرتبے میں تنہا ہیں۔ (ص ۳۱)

واحد، وحدت صرف اللہ کی ذات پاک سے متعلق ہیں اور اگر حضور ﷺ بھی وحدت کے حامل ہیں تو اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ کس طرح؟ یہ وحدت اللہ کے مقابل ہے یا انبیا اور انس و جاں کے درمیان؟؟ اگر مراد انسانوں اور جنوں کے بیچ ہے تو یہ وحدت نہیں 'یکتائی کہلائے گی، ایک ہی جنس کی کئی چیزوں میں جو سب سے نمایاں، سب سے خوبصورت اور بہترین ہو اسے ''یکتا'' کہا جاتا ہے جیسے خود وارثی صاحب نے ''دُرِ یتیم'' سے متعلق درج فرمایا ہے کہ ''یہ اپنی آب و تاب اور قدر و قیمت میں بے مثال ہوتا ہے۔'' (ص ۳۷) ظاہر ہے کہ ہزاروں، لاکھوں موتیوں کے درمیان ہی ''دریتیم'' کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم کی یہ آیت بھی پیشِ نظر رکھیے **لا نفرق بین احد...**

وارثی صاحب رقم طراز ہیں:

> شاہ عبد القادر سے مولانا مودودی تک قرآنِ حکیم کے تمام مفسروں نے، مولانا اشرف علی تھانوی کے استثنیٰ کے ساتھ اللہ کے لیے ''تو'' کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ کیا معاذ اللہ ان علما اور مترجموں کو گستاخی اور ''تو تکار'' کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ ذوقی اور لسانی معاملہ ہے۔ اللہ کی وحدت تقاضا کرتی ہے کہ اس کے لیے ''تو'' کی ضمیر استعمال کی جائے۔ (ص ۳۱)

وارثی صاحب! اوّل تو بحث یہاں حضور ﷺ کے لیے ''تو'' کے استعمال پر ہے (اللہ کے لیے نہیں) نیز ہم (میں اور ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب) نے ایسا کب کہا ہے کہ علما ''تو تکار'' کے مرتکب ہوئے ہیں؟ ہمارا بھی تو یہی کہنا ہے کہ اللہ کی وحدت تقاضا کرتی ہے کہ اسے ہر حال میں صیغۂ واحد یعنی ''تو'' سے خطاب کیا جائے۔ ضمیر ''آپ'' واحد، جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے، اس لیے ''جمع'' کی قباحت سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو ''آپ'' کی بجائے ہم لوگ ''تو'' سے خطاب کرتے ہیں اور چوں کہ حضور اقدس ﷺ کائنات میں اللہ کے بعد سب سے زیادہ بزرگ و مقدس ہستی ہیں اس لیے حضور ﷺ کے لیے ہم احتراماً ''آپ'' کا صیغہ استعمال کرتے ہیں جو آپ کے شایانِ شان ہے۔ نیز حضور ﷺ کی ہستی مبارک ''ذوقی و لسانی'' معاملے سے بالاتر ہے، آپ اپنے ذوق اور ''عقلِ سلیم'' پر حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین نہیں کر سکتے۔ اسی لیے آپ کے لیے ''تو'' کا صیغہ استعمال کرنا ہمارے نزدیک بے ادبی ہی نہیں بلکہ گستاخی ہے۔

وارثی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

بات یہ ہے کہ رسول عربی ﷺ کی نسبت سے جس نے بھی ''تو'' کی یکتائی کو سمجھا اسے عشقِ یکتا سے نواز دیا گیا۔ (ص ۳۳)

میں نہایت ہی ادب سے درخواست کرتا ہوں کہ وارثی صاحب اس ''تو'' کی یکتائی اور ''عشقِ یکتا'' کی تشریح و وضاحت فرمائیں تا کہ ہم جیسے کم علموں کی معلومات میں اضافہ ہو اور ایسے کچھ لوگوں کی نشان دہی بھی فرمائیں جنھیں ''تو کی یکتائی'' کی معرفت ''عشقِ یکتا'' تک پہنچا دیا ہو۔

وارثی صاحب فرماتے ہیں:

جب تخلیقی لمحوں میں ہمارا جذب دروں ہمیں عشق کے پر لگا کر اُڑاتا ہے اور جب یہ بزم کائنات ہمارے لیے بدل جاتی ہے تو یہ سارے القاب، یہ سارے آداب، یہ سارے لفظ ایک لفظ میں بدل جاتے ہیں ''تو'' میں... یہ چھوٹا سا یک رُکنی لفظ کائنات کا سب سے محترم اور مقدس لفظ بن جاتا ہے یہ ہمارے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ یہ ہماری خلوتوں کا آئینہ بن جاتا ہے وہ خلوت جس میں جمالِ مصطفیٰ ﷺ ہوتا ہے اور ہماری حیرانی! یہ ہمارے اختیار کی نہیں بلکہ سپردگی کی منزل ہوتی ہے۔ (ص ۳۴)

وارثی صاحب! یہ تخلیقی لمحات اور جذب دروں کیا ہوتا ہے؟... جو عشق کے پر لگا کر اُڑاتا ہے اور کائنات کو بدل دیتا ہے جہاں سارے القاب وآداب ایک لفظ ''تو'' میں بدل جاتے ہیں؟ ایسے تخلیقی لمحات اور جذبِ دروں کے حامل کتنے شعرا ہوئے ہیں (ہیں)؟ اور ایسی خلوت کتنے نعت گو شعرا کو میسر ہے جہاں جمالِ مصطفیٰ ﷺ بے حجاب پیشِ نظر ہوتا ہے؟

جنابِ عالی! اوّل تو خلوتِ رسول ﷺ تک رسائی ہی مشکل ترین مرحلہ ہے چہ جائیکہ دیدار کی نعمت کا حصول!! یہاں ''تو'' کی تو نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ مجلس تو وہ ہے کہ اغواث و ابدال تک نظر اُٹھانے کی تاب نہیں رکھتے، ان کی زبانیں تک گنگ ہو جاتی ہیں، شعرا کی کیا اوقات ہے؟ یہاں تو صرف اور صرف ادب و تہذیب اور احترام کا مطالبہ ہوتا ہے۔

وارثی صاحب! عشقِ حقیقی، عشقِ نبوی تو دور عشقِ مجازی کو بھی آپ نے سمجھا نہیں ہے۔
میرؔ کا یہ شعر تو نظر سے گزرا ہوگا:

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

جناب! عشق ادب سکھاتا ہے۔ جاں نثاری سکھلاتا ہے، بے ادبی نہیں!! صحابہ کے عشق نبوی کے سیکڑوں واقعات کتابوں اور تذکروں میں محفوظ ہیں آپ کے علم میں یہ تو ضرور ہوگا:

حضور اقدس ﷺ کا پسینہ ہی نہیں تھوک اور بلغم بھی صحابہ کرامؓ زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے نعمت کی طرح اپنی ہتھیلیوں پر لے کر اپنے چہروں اور بدن پر مل لیا کرتے تھے۔ آپؐ جس صحابی کی طرف متوجہ ہو جاتے وہ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا تھا اور جس کی طرف سے اعراض فرماتے تو اس کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔ ہوش وحواس کھو بیٹھتا تھا اور اپنے اندر اتنی بھی ہمت نہیں پاتا تھا کہ راست اس اعراض کا سبب دریافت کر سکے۔

وارثی صاحب! آپ کس ہوا میں ہیں کہ ایسی مقدس، مطہر و محترم ہستی کے لیے ضمیر ''تو'' کی حمایت کر رہے ہیں!! ایک بات اور آپ وارثی ہیں نا! وارث پاکؒ کی حیات و سیرت سے واقف ہی ہوں گے کہ حضرتؒ نے حج کے موقع پر ''برائے ادب'' اپنی جوتیاں اس خیال سے اتار دی تھیں کہ کہیں اس مقام پر نہ پڑ جائیں جہاں نبی مکرم ﷺ کے قدم مبارک پڑے تھے اور تا حیات آپؒ نے جوتیاں ہی نہیں پہنیں اور آج بھی سلسلہ وارثیہ کے اکابر ننگے پیر ہی رہتے ہیں اور اگر کبھی موسم کے اعتبار سے ضرورت محسوس بھی کی تو صرف ''کھڑاؤں'' پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ تعجب ہے وارثی ہو کر آپ ''تو'' جیسی بے ادبی کی حمایت پر کمر بستہ ہیں۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتے کی جانب قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

ضمیر ''تو'' واحد حاضر مخاطب کے لیے استعمال کی جاتی ہے، کیا کوئی نعت گو یہ دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ جب وہ نعت کہتا یا کہیں سناتا ہے تو حضور ﷺ وہاں حاضر ہوتے ہیں اور خود بھی نعت سماعت فرماتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہاں ضمیر واحد کا غائب استعمال ناگزیر ٹھہرتا ہے اور اس کے لیے صرف ایک ہی ضمیر ہے اور وہ ہے ''آپ'' جو ضمیر اشارہ کا کام بھی دیتی ہے اور احترامِ رسالت پناہ بھی قائم رکھتی ہے۔

میں نے اپنے نعتیہ مجموعۂ کلام ''صلوا علیہ وآلہٖ'' (جو نعت رنگ لائبریری میں موجود ہے) کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

آج بھی اکثر شعراء، سید الثقلین، حضور نبیِ اکرم ﷺ کو ''تو'' سے مخاطب

کرتے ہیں، میری نظر میں یہ گستاخی کی انتہا ہے۔ جس ذات پاک کو اللہ ان کے اسمِ مبارک کی بجائے یٰسین، طٰہٰ، مزمّل اور مدثّر جیسے القاب و خطابات سے یاد فرماتا ہے، ہم اس ذات کے لیے ''تو، تیرا، تیرے'' جیسے الفاظ استعمال کریں تو اس سے بڑی گستاخی اور کیا ہوگی؟ ہمیں اس طرزِ تخاطب سے ہر حال میں بچنا چاہیے اور اگر کوئی مجھ سے متفق نہ ہو تو میں یہی کہوں گا کہ وہ اپنے باپ دادا کو بھی ''تو'' سے مخاطب کیا کرے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

میں نے اس میں کہیں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نعت میں ضمیر ''آپ'' کے استعمال سے متعلق پہل میں نے کی ہے۔ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے جو کچھ اس تعلق سے فرمایا ہے وہ واقعی Communication Gap کی بنا پر ہے۔ جس کا ذکر آپ نے فرمایا ہے (ص ۳۹) اس کا اعتراف ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب بھی کریں گے، اس پر آپ کو اس قدر چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

اسی طرح میں نے یہ بھی لکھا:

> آج کی اردو شاعری فارسی کی گرفت سے آزاد ہو چکی ہے، اس لیے ہمیں اس طرزِ تخاطب سے بچنا چاہیے۔

اس بیان کے تعلق سے وارثی صاحب فرماتے ہیں:

> یہ پیراگراف پڑھ کر افسوس ہوا، خدا جانے ڈاکٹر صاحب (اشفاق انجم) کو فارسی جیسی علم و ادب اور علوم و فنون کی پرورش کرنے والی زبان سے اتنی پُرخاش کیوں ہے؟ آج ان کی فرمائش ہے کہ فارسی ضمائر سے اجتناب کرنا چاہیے کیوں کہ اس زبان میں لفظ آپ یا اس کا مترادف کوئی لفظ نہیں ہے تو کل عربی زبان پر بھی اسی بنیاد پر حملہ ہو سکتا ہے اور پھر قرآنی آیات اور احادیث کی عبارتوں پر۔ سوچ اور اندازِ فکر کی اس بے راہ روی کا ابھی سے انسداد ہونا ضروری ہے ورنہ کل یہ فتنہ، فتنۂ انکارِ عربی، فارسی اور پھر فتنۂ انکارِ قرآن و حدیث کا روپ دھار سکتا ہے۔ (ص ۴۰)

وارثی صاحب کا یہ بیان ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ'' کے مصداق ہے۔ میں نے حضور ﷺ کے لیے صرف ضمیر ''تو'' کے استعمال پر اعتراض کیا ہے اور جناب اسے ''زبان فارسی اور ضمائرِ فارسی'' پر منطبق کر رہے ہے۔ کیا وارثی صاحب بتائیں گے کہ ''تو'' کے علاوہ ''من، ما، شما، او، ایشان'' فارسی ضمائر

اردو میں کون استعمال کرتا ہے؟ اور یہ کس طرح استعمال کی جاتی ہیں؟ کیا یہ بھی بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے کہ فی الحال پاکستان میں کتنے فارسی نعت گوشعراء ہیں، کتنے اردو شعراء فارسی سے کماحقہ واقف ہیں اور کن کن شعرا پر فارسی زبان و ادب کے گہرے اثرات ملتے ہیں؟ (علامہ اقبال کے علاوہ) میں نے فیضؔ، ندیمؔ، راشدؔ، میراجی، ناصر کاظمی، شکیب جلالی، پروین شاکر، جون ایلیا، افتخار عارف، کوثر نیازی، ابن انشاء، حفیظ تائب، عزیز خالد، احمد فراز سے لے کر عدم، نگار، شفیق الرحمٰن، مشتاق یوسفی، کرنل محمد خان، منٹو، عطاء الحق قاسمی وغیرہ وغیرہ وغیرہ کو پڑھا ہے ان کے یہاں فارسی، عربی الفاظ تو ہیں لیکن فارسی، عربی ادبی ولسانی روایات کے اثرات نہیں ملتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد عربی الفاظ کا استعمال اب اردو میں بہت کم نظر آتا ہے۔ الّا علماء دین کے!! آج تو عوام کی عربی دانی کا یہ حال ہے کہ فتوؤں کی عبارتیں سمجھنے کے لیے بھی علما سے رجوع ہونا پڑتا ہے۔ ہماری بحث صرف اور صرف نعت میں حضور ﷺ کے لیے ضمیر "تو" کے استعمال سے متعلق تھی اس میں قرآن وحدیث کے انکار تک پہنچ جانا قطعی نامناسب بات ہے۔

ایسی ہی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیے، وارثی صاحب لکھتے ہیں:

> یہاں میں گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اشارۃً یہ عرض کروں گا، "جو چھپا تھا راز دل میں وہ زباں پر آگیا" اب اعتراض ہونے لگا 'السلام علیک یا رسول اللہ' پر۔ اس چلن میں بات وہی بتائی جارہی ہے جو "تو، تیرا" میں ہے۔ یہ کیسے خود کو مسلمان کہلانے والے اہلِ قلم ہیں جنھوں نے یہ اعتراض گڑھنے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ یہ عبارت خود سرورِ کائنات کی تعلیم فرمائی ہوئی ہے۔ (ص ۴۱-۴۲)

وارثی صاحب! عرض خدمت ہے کہ ہم "السلام علیک یارسول اللہ" عربی ہی عبارت میں پڑھتے ہیں اردو ترجمہ نہیں!! کہ ضمیر کا مسئلہ پیدا ہو۔ نیز اس عبارت پر نہ میں نے اور نہ ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب ہی نے کہیں کوئی اعتراض اُٹھایا ہے۔ آپ کی کم فہمی اور بدگمانی نے آپ کو اس حد تک پہنچا دیا کہ ہماری مسلمانی پر ہی وار کر بیٹھے، ہمیں اسلام سے خارج کرنے پر تل گئے، ویسے یہ تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اہلِ اسلام میں جہلا تک "مفتیانِ دین متین" کا منصب سنبھالے بیٹھے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اسلام سے خارج کردیتے ہیں اس بیماری کا تو آج تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوسکا ہے۔ بس ہم اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ ایسے مریضوں کے حق میں شفایابی کی دعائیں کرتے رہیں۔

پروفیسر محمد علی اثر ۔ بھارت

دکنی میں نعتیہ شاعری

(صنفِ غزل کے حوالے سے)

ہماری ادبی اور تہذیبی تاریخ کی جڑیں عہدِ ماضی میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ دکنی ادب سے مراد ہمارا وہ ادبی اور تہذیبی ورثہ ہے، جو آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے، تدریجی طور پر، دکن کے مختلف ادبی مراکز، جیسے گلبرگہ، بیدر، گولکنڈہ، بیجاپور اور اورنگ آباد کے علاقوں میں نشوونما پاتا رہا۔ دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کی طرح دکنی اردو میں بھی نثر کے علی الرغم، نظم کی تخلیق پہلے ہوئی۔ شاعری کے میدان میں سب سے پہلے مذہبی مبلغین اور صوفیائے عظام نے قدم رکھا۔ ان بزرگوں نے مختلف گیتوں، نظموں اور چکی ناموں کی صورت میں صوفیانہ شاعری کا بیج بویا جو دیکھتے ہی دیکھتے اردو شاعری کے ایک شجرِ سایہ دار کی شکل اختیار کر گیا۔

قدیم دکنی میں صوفیانہ شاعری کے اوّلین نقوش کب ابھرنے شروع ہوئے اس کا قطعی طور پر تعین مشکل ہے۔ بہمنی عہد کا وہ دور جس میں دکنی زبان میں تصنیف و تالیف کی روایت پڑنی شروع ہوئی یا شعر گوئی کا آغاز ہوا، تاریخِ ادب کا ایک تاریک دور ہے۔ اس دور کی عام تاریخ کے بارے میں کافی مواد قدیم تذکروں اور تاریخوں میں مل جاتا ہے۔ لیکن قدیم تاریخیں بالعموم زبان اور شعر و ادب کے تذکرے سے عاری ہوتی ہیں۔ اور پھر جہاں تک اس دور کی دکنی شاعری کا تعلق ہے، وہ ایک ایسی زبان کی شاعری ہے جو پہلی مرتبہ بولی کے مرحلے سے آگے بڑھ کر زبان کی منزل میں داخل ہو رہی تھی۔ اس لیے فطری طور پر اس دور کے مصنفین اور مؤرخین نے اس جانب کوئی توجہ نہیں کی۔ قدیم دکنی کی اولین تحریریں، دنیا کی اکثر زبانوں کے اوّلین تحریری نمونوں کی طرح صوفیوں اور مذہبی رہنماؤں کی تحریریں ہیں۔ موجودہ معلومات کی روشنی میں حضرت سیّد محمد چشتی خواجہ بندہ نواز گیسودراز (۷۲۱ھ/ ۱۳۱۲ء ۔ ۸۲۵ھ/ ۱۴۲۱ء) دکنی کے پہلے شاعر اور نعت گو بھی تھے۔ خواجہ صاحب عربی اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان زبانوں میں متعدد تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ ایک

عرصے تک ان سے منسوب رسالے ''معراج العاشقین'' کی وجہ سے انھیں دکنی اردو کے پہلے نثرنگار کی حیثیت سے شہرت حاصل تھی۔ اس کتاب کو بابائے اردو مولوی عبدالحق کے علاوہ ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے بھی مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ جامعہ عثمانیہ کے مشہور محقق ڈاکٹر حفیظ قتیل نے ''معراج العاشقین'' کی اندرونی شہادتوں کی مدد سے اس کتاب کے خواجہ صاحب سے انتساب کو غلط ٹھہرایا۔ ڈاکٹر قتیل کی تحقیق کے مطابق مذکورہ بالا کتاب دراصل بیجاپور کے ایک اور صوفی حضرت مخدوم شاہ حسینی بلکانوری کی تصنیف ''تلاوت الوجود'' کی تلخیص ہے۔ اور پھر اس کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی نے خواجہ صاحب سے منسوب تمام منظوم اور منثور دکنی رسائل کی بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے تغلیط کر دی۔ اور اپنی مرتبہ مثنویٔ نظامیؔ ''کدم راو پدم راو'' کو اردو کی پہلی مثنوی قرار دیا یہی وجہ ہے کہ اردو نعت پر تحقیقی اور تنقیدی کام کرنے والے بعض محققین نے دکن کے نعت گو شعرا میں اوّلیت کا سہرا ''کدم راو پدم راو'' کے مصنف نظامیؔ کے سر باندھا ہے۔ چناں چہ ڈاکٹر ریاض مجید نے اردو کے پہلے نعت گو کا اعزاز فخرالدین نظامی کو عطا کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> اس دور کی سب سے پہلی تصنیف جو اب تک دریافت ہوئی ہے فخرالدین نظامیؔ کی کدم راو پدم راو ہے لہٰذا اردو نعت کے اوّلین، باقاعدہ اور مستند نمونے کی تلاش میں ہمیں سب سے پہلے اسی مثنوی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔☆۱

پروفیسر محمد اکرم رضا نے نظامی بیدری کی زبان کو خواجہ صاحب کی زبان سے قدیم تصور کرتے ہوئے لکھا ہے:

> کدم راو پدم راو میں موجود نعت قدیم اردو کا نمونہ ہے اس میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ عام ہیں جب کہ خواجہ گیسو دراز کی نعت ان کی نسبت زیادہ عام فہم اور روز مرہ سے زیادہ قریب ہے۔☆۲

اسی طرح حفیظ تائب نے ڈاکٹر جمیل جالبی کی مرتبہ مثنوی کے حوالے سے لکھا ہے:

> ڈاکٹر جمیل جالبی نے کدم راو پدم راو، کے مقدمے میں تفصیلی بحث کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خواجہ گیسودراز سید اکبر حسین (کذا) کی کوئی اردو تصنیف نہیں لہٰذا فخرالدین کی مثنوی کدم راو پدم راو میں حمد کے بعد آنے والے نعتیہ اشعار کو اردو کا پہلا مستند نمونہ سمجھا جاتا ہے۔☆۳

اگر خواجہ صاحب سے منسوب نثری رسائل ''معراج العاشقین''، ''ہدایت نامہ''، شکارنامہ

وغیرہ کو ان کی تصانیف نہ بھی مانا جائے تو شاعر کی حیثیت سے ان کی مختلف النوع منظومات اور صوفیانہ گیتوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر زور، مولوی نصیر الدین ہاشمی، مولوی سخاوت مرزا اور ڈاکٹر جمال شریف نے خواجہ بندہ نواز کی شاعری کے نمونے پیش کرتے ہوئے ان کو اردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔ ان نمونوں میں حضرت کے نعتیہ اشعار بھی شامل ہیں۔ ذیل میں حضرت بندہ نواز کی مختلف النوع منظومات سے صرف نعتیہ اشعار کے نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

اے محمدؐ بجلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہوے گی سیس سپور نہ تیرا
واحد اپی آپ تھا اپس آپ نجھایا پرگٹ جلوے کار نے الف میم ہو آیا☆۴

مثلث

او معشوق بے مثال ہے نور نبیؐ نپایا نور نبیؐ رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپس کوں اپیں دکھانے کیسی آرسی لایا☆۵

نام لے اللہ محمدؐ کا اول کب کا سب کوں کہوں بر محل☆۶
پانی میں نمک ڈال نمک دیک ناد سے جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے
یوں کھوئی خودی اپنی خدا سات محمد جب گھل گئی خودی تو خدا بن نہ کوئی دسے☆۷
الف اللہ اس کا دستا میانے محمدؐ ہو کر بستا
سچے طلب یوں کو دستا گے ما بسم اللہ ہو ہو اللہ☆۸
(چکی نامہ)

لو لاک خلقت الافلاک خالق پالائے
فاضل افضل جیتے مرسل ساجد سجود ہو آئے
اُمت، رحمت، بخشش ہدایت تشریف لائے☆۹

نعت گوئی کے ان قدیم نمونوں سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ قدیم دکنی کا پہلا نعت گو فخرالدین نظامی مصنف مثنوی ''کدم راو پدم راو'' نہیں بلکہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ہیں۔ دکنی اردو کے صوفی شعرا اور مبلغین اسلام عربی اور فارسی زبانوں پر غیر معمولی عبور رکھتے تھے لیکن اپنا پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے مقامی بول چال کی زبان دکنی کو انھوں نے اپنی تقریر اور تحریر کا ذریعہ بنایا۔ دوسرے الفاظ میں مذہب کے زیر اثر قرآن حکیم اور احادیث نبوی کے ترجمے، تفاسیر اور فقہی مسائل کی تفہیم و تلقین سے لے کر سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا بیان ابتدا ہی سے ملتا ہے۔ سیرت

نگاری کے موضوعات میں حضور اکرم ﷺ کے فضائل و شمائل، میلاد و معراج اور معجزات و مغازی بھی شامل ہیں۔

نعت، اردو شاعری کی سب سے قدیم صنف ہے جو نظم، غزل، قصیدہ، مثنوی، رُباعی، مثلث، مخمس، مسدس جیسی قدیم ہیئتوں (Forms) کے علاوہ دوہا، ہائکو، سانیٹ نثری نظم جیسی جدید ہیئتوں میں بھی لکھی جاسکتی ہے۔ اس صنف سخن کی موضوعی شناخت پہلے ہے اور ہیئتی شناخت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ جہاں تک اردو ادب کے دکنی دور میں نعتیہ شاعری کے فروغ وارتقا کا تعلق ہے۔ بہمنی، قطب شاہی، عادل شاہی اور مغلیہ ادوار میں صنفِ نعت پر جس قدر طبع آزمائی کی گئی اور حضور ﷺ کے فضائل ومحامد اور سیرت طیبہ کے بیان میں جس قدر رنگا رنگ گل ہائے عقیدت پیش کیے گئے تاریخ ادب اردو کے کسی بھی دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اردو ادب کا دکنی دور دراصل مثنویوں کا دور ہے۔ دکنی اردو کے کم و بیش تمام شاعروں نے مختلف النوع موضوعات پر چھوٹی بڑی سیکڑوں مثنویاں لکھی ہیں اور ان میں سے شاید ہی کوئی مثنوی ایسی ہو جس میں حمد باری تعالیٰ کے بعد نعتِ رسولِ اکرم ﷺ کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔ یہاں اس بات کا انکشاف خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ دکنی کی متعدد مثنویاں ابھی تک غیر مطبوعہ حالت میں ہند و پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ یورپ و امریکہ کے ذخیرۂ مخطوطات میں بکھری ہوئی ہیں اور ان مثنویوں میں ہی سے بیش تر ایسی ہیں جو صرف و محض حضور ﷺ کی سیرت وفضائل کے کسی نہ کسی پہلو کو منور کرتی ہیں۔

اردو کی نعتیہ شاعری کے فروغ میں دکنی مثنوی کی اہمیت و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس نے لکھا ہے:

> (دکنی) مثنویوں کے نعتیہ اشعار سے دیگر شعرا کو نعت کہنے کی تحریک ملی جس کے نتیجے میں دیگر اصناف سخن مثلاً غزل، قصیدہ اور رباعی وغیرہ میں بھی نعتیہ مضامین کی شمولیت ہونے لگی۔ دکنی مثنویوں میں شعرا نے نعتیہ شاعری کی اتنی جہتیں اور اتنے امکانات روشن کیے ان کے اَقران و اَعقاب کے لیے ان کی روشنی میں نئے رنگ چمکانے نئے پہلو اور نئے اسالیب ایجاد کرنا آسان ہوگیا۔ ☆☆۱۰

جہاں تک صنفِ غزل کی محبوبیت اور ہر دل عزیزی کا تعلق ہے، ہر زمانے میں لوگ اس سے دلچسپی لیتے رہے اور ہر عہد میں اس کے سر پر مقبولیت کا تاج رکھا گیا۔ اس نے خواص کو بھی اپنا

گرویدہ بنایا اور عوام کے دلوں میں بھی گھر کیا ہے اور حال و قال کی محفلوں میں بھی ہنگامے برپا کیے ہیں۔ خانقاہوں اور سماع کی محفلوں سے محلاتِ شاہی تک اور دربارِ شاہی سے بازاروں تک ہر جگہ اس صنفِ سخن کے فدائی و شیدائی نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشید احمد صدیقی نے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا ہے۔

دکنی متغزلین کی نعت گوئی کا جائزہ لینے سے قبل اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دو ایک مستثنیات کو چھوڑ کر دکنی کے تقریباً تمام صاحبِ دیوان شاعروں نے اپنی نعت گوئی کا کمال یا تو مثنویوں اور قصائد میں دکھایا ہے یا پھر رباعی کی صنف میں مثلاً غواصی، علی عادل شاہ شاہی، نصرتی، ہاشمی، کے مطبوعہ دواوین میں کوئی نعتیہ شعر موجود نہیں۔ راقم الحروف نے اس مضمون میں صرف ان شعرا کی نعت گوئی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، جنھوں نے غزل کی ہیئت میں نعتیں تخلیق کی ہیں۔

بہمنی دور کے غزل گو شاعروں میں لطفی، مشتاق، قریشی وغیرہ کے نام ملتے ہیں لیکن ان کے کلام میں کوئی نعتیہ شعر نہیں ملتا۔ اسی طرح قطب شاہی دور کے اولین متغزلین فیروز، محمود، اور ملا خیالی کا کلام بھی نعتیہ اشعار سے عاری ہے۔

غزل کی ہیئت میں سب سے پہلے نعت لکھنے کا سہرا اردو کے پہلے صاحبِ دیوان سلطان محمد قلی قطب شاہ کے سر ہے۔ محمد قلی قطب شاہ مملکت گولکنڈہ کا پانچواں حکمران، شہر حیدر آباد فرخندہ بنیاد کا بانی چار مینار کا موسس، دکنی تہذیب و تمدن کا معمار اور رعایا پرور بادشاہ ہونے کے علاوہ رقص و سرود اور شعر و شراب کا دلدادہ بھی تھا۔ دکنی غزل پر اسی نے سب سے پہلے باقاعدہ طور پر طبع آزمائی کی تھی۔ وہ خواجہ حافظ شیرازی کا پہلا مترجم بھی ہے۔ اس نے حافظ کی پچاس غزلوں کا دکنی اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ محمد قلی کا مکمل دیوان عہد قدیم ہی میں اس کے بھتیجے، داماد، اور جانشین سلطان محمد قطب شاہ نے مرتب و مدون کیا اور اس پر دکنی زبان میں ایک منظوم مقدمہ بھی قلم بند کیا تھا۔ محمد قطب شاہ کے بیان کے مطابق ''کلیات محمد قلی'' پچاس ہزار ابیات پر مشتمل تھا۔ اس کے دیوان میں مثنوی اور رباعی کو چھوڑ کر سارا کلام غزل کی ہیئت میں ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وہ تخلیقات بھی جنھیں مرتب کلیات ڈاکٹر زور نے اور پھر ان کی تقلید میں ڈاکٹر سیّدہ جعفر نے عنوانات لگا کر نظم کے زمرے میں داخل کیا ہے، محمد قلی کی مربوط غزلیں ہیں جنھیں خود تخلیق کار بھی غزل ہی کہتا ہے۔ جیسے ''غزل سوری'' ''غزل مرگ'' وغیرہ۔☆۱۱

محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں نعت گوئی کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ مرتبین کلیات نے اس کی

دیگر منظومات کے علاوہ غزل کی ہیئت میں پانچ نعتوں کی نشان دہی کی ہے جن کے مطلع درج ذیل ہیں:

تجھ مکھ اجت کے جوت تھے عالم دِیہارا ہوا | تجھ دین تھے اسلام لے مومن جگت سارا ہوا☆۱۲

اسمِ محمد تھے اہے سو جگ میں خاقانی مجھے | بندہ نبیؐ کا جم رہے ہتی ہے سلطانی مجھے☆۱۳

چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے | آب کوثر کوں شرف ٹھنڈی کے پانی پور تھے☆۱۴

دیا بندہ کوں حق نبیؐ کا خطاب | حکم دے دیا نور جوں ماہتاب☆۱۵

خدا مج مہر سوں آپی کیا نبیؐ صدقے کیا رافع | مجے تختِ سلیماں جوں وہی آپی دیا رافع☆۱۶

ڈاکٹر زور اور ڈاکٹر سیدہ جعفر کی تقلید میں پروفیسر مسعود حسین خاں☆۱۷ ڈاکٹر ریاض مجید☆۱۸ اور ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری☆۱۹ نے بھی محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں کی تعداد پانچ بتائی ہے۔ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس نے دونوں مرتبینِ کلیاتِ محمد قلی سے اختلاف کرتے ہوئے تیسری تخلیق کو نعت کے زمرے سے خارج کر دیا ہے۔ اس لیے کہ اس غزل کے مطلع اور مقطع کو چھوڑ کر باقی اشعار میں محبوب مجازی سے عشقیہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہے☆۲۰۔ راقم کے خیال میں چوتھے نمبر پر جو غزل دی گئی ہے وہ بھی مکمل طور پر نعتیہ اشعار پر مشتمل نہیں ہے۔ درج ذیل اشعار نعتیہ کیسے ہو سکتے ہیں:

نہ بھاوے مج پیو بن ہور کچ | میں تیری ہوں چیری منجے آپ راب

پھرے پیم میداں ہی وہ شہسوار | سہیلیا سب چومیں اس کا رکاب☆۲۱

اس غزل میں مطلع اور مقطع کے علاوہ مزید تین اشعار نعتیہ ہیں۔ اس لیے اسے بھی نعتیہ غزلوں میں شمار کیا جائے تو محمد قلی کی جملہ نعتوں کی تعداد چار ہی ہوتی ہے۔ اور اگر عید میلاد النبی ﷺ (چھے نظمیں) عید بعثت نبیؐ (پانچ نظمیں) اور شب معراج (ایک نظم) کے موضوع پر کہی گئی نعتوں کو بھی شامل کر لیں تو جملہ نعتوں کی تعداد سولہ ہو جاتی ہے۔

قدیم دکنی کے غزل گو شعرا میں محمد قلی کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس کی کم و بیش تمام تخلیقات میں شاید ہی کوئی مقطع ایسا ہو "نبیؐ"، "علیؓ" یا بارہ اماموں کا تذکرہ نہ آیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کی ریختیوں میں بھی یہی التزام ملحوظ رکھا گیا ہے:

نبی صدقے قطب شہ مہر سیتی | نہ چھوڑے سیج پر منج کہ لکیلی

نبی صدقے کہی قطباں کی پیاری | رجھا دم دم ادھر پیالا پلاتی

یہی نہیں بلکہ بعض دیگر نظموں اور غزلوں کے مطالع، ردائف یا درمیانی اشعار بھی نعتیہ ہیں، مثلاً:

محمدؐ دین قائم ہے ہندو بھاراں بھگاؤ تم | سیاہی کفر کی بھاو اجالا جگ مگاؤ تم

نبی کی دعا تھے برس گانٹھ آیا　　خوشیاں کی خبر کے دمامے بجایا
بکرید عید آیا صلوٰۃ بر محمدؐ　　آنند علم اچایا صلوٰۃ بر محمدؐ
امت ہوں محمد کا کروں شکر خدا　　تو ہے منجے جم احمد مختار معاذ

محمد قلی قطب شاہ نے اپنے نعتیہ کلام میں سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد ﷺ کی مدحت وثنا کرتے ہوئے اپنے جذبات عقیدت کے پہلو بہ پہلو کمالِ فن کا بھی مظاہرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے نہ صرف بڑی خوب صورت اور نادر تشبیہات و استعارات سے کام لیا ہے بلکہ موضوعات و مضامین میں بوقلمونی اور رنگا رنگی پیدا کرنے کے لیے مختلف صنائع بدائع اور خصوصاً حسن تعلیل سے خوب کام لیا ہے:

درود لک اس نبی پر جو زنجس رب کے پیارے ہیں
جو فیروزی مہاڑیاں نو جنن کے تئیں سنگارے ہیں
سورج افشاں گر ہو کر نبی مند ہر دواراں پر
زر افشانی کیا یکسر سو جگ میں جھلکارے ہیں
دھرتی سورنگی فرش کی چوندھر سمندر حوض ہے
چھپر پلنگ سات آسماں پنکھا سو تج بارا ہوا

بعض نعتوں میں موسیقیت اور نغمگی کے احساس کو جگانے کے لیے محمد قلی نے مرصع نگاری سے کام لیتے ہوئے کہیں چار چار قافیوں کا استعمال کیا ہے اور کہیں کسی مخصوص حرف کے الفاظ کی تکرار سے ایک خاص کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس قبیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چندر غواص ہو آیا، گگن سمدر بھتر دھایا
نبی پرواز نے لیایا، ڈھلک موتیاں سو تارے ہیں
شاہاں غروری ٹھاوں تھے کرتے ہیں اپنے دھاوں تھے
مستی مری تج ناوں تھے کیتی ہے دیوانی مجے

پہلے شعر میں نعت کا قافیہ ''تارے'' اور ردیف ''ہیں'' ہے۔ اس کے علاوہ اس میں محمد قلی نے مزید تین اندرونی قوافی ''آیا'' ''دھایا'' ''لیایا'' کا بھی التزام رکھا ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ''دیوانی مجے'' قافیہ اور ردیف ہیں اور خط کشیدہ الفاظ ''ٹھاوں تھے'' ''دھاوں تھے'' ''ناوں تھے'' زائد قوافی و ردائف ہیں۔ اسی طرح درج ذیل شعر کے پہلے مصرع ''م'' کے الفاظ کی تکرار سے اور

دوسرے مصرع میں ''ع'' کے الفاظ کی تکرار سے شعری حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے:

محمد کی میم تھے مدد مانگ کر میں
علی عین عادل علم کوں اچایا

محمد قلی قطب شاہ کے نعتیہ کلام کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اس کی کلیات میں غزل کی ہیئت میں، مدحت نبیؐ کے موضوع پر تعداد اور تنوع کے لحاظ سے جتنے اشعار موجود ہیں، دکنی کے کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتے۔ خصوصاً مقطعوں میں اس نے جس انداز میں ''نبیؐ''، ''علی'' یا بارہ اماموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے اس کے تصورِ مذہب پر روشنی پڑتی ہے۔ بقول پروفیسر مسعود حسین خاں:

محمد قلی ایک ہی سانس میں فسق و فجور کی باتیں کرتا ہے اور پھر ان کے دوام کے لیے مقطع میں نبی یا علی سے استمداد کی دعا کرتا ہے۔☆۲۳

محمد قلی کو مذہب اسلام، بانیٔ مذہب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس لیے عقیدت ہے کہ ان کی مدد سے اسے حکومت، دولت، عروج، عیش و عشرت کی زندگی اور دنیاوی اعزازات نصیب ہوئے ہیں۔ لیکن مذہب کی حقیقی روح سے اس کی شخصیت اور شاعری دونوں عاری ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اپنی عیش پرستی، لذت کوشی اور ہوس ناکی کو بھی نبی اور علی کا صدقہ قرار دیتا ہے:

نبی صدقے بارہ اماماں کرم تھے   کرو عیش جم بارہ پیاریاں سوں پیارے
نبی صدقے قطب جم عیش کر عیش   کہ تج در پر کھڑے ہیں فتح و اقبال
صدقے نبی کے رات دن بھوت انندسوں   امرت ادھر پلاتے ہیں قطب کوں سندر لذیذ
تیرے میرے پاواں سکی جوں ناگ ناگن مل رہے   صدقے نبی گرتا قطب کرتا رہتے آپار عیش

یہی وجہ ہے کہ محمد قلی کے نعتیہ اشعار محض رسمی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس میں وہ اثر آفرینی، جذبات و احساسات کی پاکیزگی اور طہارت نظر نہیں آتی جو ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ کے نعتیہ کلام کا خاصا ہوتی ہے۔ وہ ایک پر گو اور قادر البیان شاعر ہے اور اردو کا پہلا صاحبِ دیوان۔ اس نے مشاہدات اور تجربات زندگی کی ترجمانی کے لیے غزل کی صنف پر سب سے پہلے باقاعدہ طور پر طبع آزمائی کی اور غزل کی ہیئت میں سب سے پہلے نعت کہنے کا اعزاز بھی اسی کو حاصل ہے۔

قطب شاہی دور کے صاحبِ دیوان شاعروں میں ایک اہم نام شاہ سلطان ثانی کا ملتا ہے جن کا سارا کلام تصوف و عرفان کے مضامین سے معمور ہے اور ہنوز غیر مطبوعہ حالت میں ہے۔ مولوی

سخاوت مرزا اور افسر صدیقی امروہوی☆۲۳ نے اس صوفی شاعر کا تعلق دبستانِ بیجاپور سے بتایا ہے۔ جب کہ مولوی نصیر الدین ہاشمی☆۲۴ ڈاکٹر زور☆۲۵ اور ڈاکٹر جمال شریف☆۲۶ نے اسے گولکنڈہ کا شاعر بتایا ہے۔آخر الذکر نے شاہ سلطان ثانی کی بعض غزلوں کے چیدہ چیدہ اشعار نمونتاً پیش کیے ہیں جن میں درج ذیل اشعار نعتیہ ہیں:

تس نور ذات رکھیا احمد و صفات — سو وصف کی زبان سیتی کن اچھر ہوا
تب احمدی صفات سوں مشغول ہو رہیا — اس مشغولی سبب نے آدم پسر ہوا
آدم پسر لگے کہ لگے یا پدر اوسے — اوس راز کے ہنر منے آدم پدر ہوا☆۲۷

مملکت گولکنڈہ کا ساتواں فرمانرواں اور محمد قلی قطب شاہ کا نواسہ سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۶ء-۱۶۷۲ء) اپنے نانا کی طرح دکنی اردو کا ایک قادر الکلام شاعر تھا۔ اس کو شعر و ادب کے علاوہ مختلف فنونِ لطیفہ سے بھی غیر معمولی لگاؤ تھا۔ محمد قلی کی طرح وہ بھی شاعروں، ادیبوں اور فن کاروں کا قدردان، مربی اور سرپرست بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں روم و شام اور ایران و توران کے صاحبانِ علم و ہنر گولکنڈہ میں جمع ہو گئے تھے۔ وجہی، غواصی اور ابنِ نشاطی جیسے دکنی کے باکمال سخنور اس کے دربار سے وابستہ تھے۔

عبداللہ قطب شاہ کا نامکمل دیوان ردیف ث تک، ۹۷ غزلیات پر مشتمل ہے۔ جس میں ۳۱ غزلیں ایک مرثیہ اور چند گیت موجود ہیں۔☆۲۸ ڈاکٹر زور کا بیان ہے کہ اس نے ابراہیم عادل شاہ کی "کتابِ نورس" کے جواب میں اسی موضوع پر ایک منظوم کتاب لکھی ہے۔☆۲۹ محمد قلی کی طرح عبداللہ قطب شاہ کے دیوان میں بھی غزل کی ہیئت میں حمد، نعت، منقبت حضرت علی کے علاوہ عیدِ مولود نبیؐ، عید رمضان، عیدِ غدیر، بسنت، نوروز، مرگ، محلات شاہی وغیرہ موضوعات پر نظمیں موجود ہیں، لیکن اس دیوان میں مرتبین نے ان مسلسل غزلوں پر کوئی عنوان نہیں لگایا۔

سلطان عبداللہ کو اپنے نانا کی طرح حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بے پناہ عقیدت تھی اور وہ بھی محمد قلی کی طرح اپنی ہر غزل کے مقطع کا آغاز "نبی صدقے" سے کیا کرتا ہے۔ چند مقطع ملاحظہ ہوں جن میں محمد قلی کی طرح وہ بھی دنیاوی ترقی جادو بیانی اور عیش کوشی کو بھی "نبی کا صدقہ" قرار دیتا ہے:

نبی صدقے عبداللہ نہ ہو دیگر ہر گز توں — کہ تج ہر دم مدد توفیق اللہ ہی دون سکتا
صدقے نبیؐ کے شاہ نو عبداللہ ہو توں — مقصود ہور مراد سیتی کامیاب تھا

شاہ عبداللہ جو ہے حضرت نبی کا سیوتی — ہر گھڑی صلوت بھیجے دیکھ کر تیرا جمالا
نبی صدقے عبداللہ سد توں شکر کر اس کا — جکوتی تجے تجکوں نوازیا ہور شاہی کا بدا دیتا
صدقے نبی اے شوخ الحز شاہ عبداللہ بھوگی گھڑ — تج جو بناں کے دوئی گڑ خوش دست کر ہلکائیا
ملیا سیج پر تج سوں موہن پیاری — نبی صدقے عبداللہ سلطان پیارا
نبی صدقے عبداللہ شہ لاکھ آرزو سیتی — لیا ہے لوٹ کرائے دھن مٹھا گڑ تیرے لب کا لب

ان مقطعوں کے علاوہ اس کے دیوان میں چار نعتیہ غزلیں بھی موجود ہیں جن کے مطلع درج ذیل ہیں:

خدا پیغمبری دے کر محمدؐ کوں جو سر جایا — ملک کل بر زمیں آیا جگ ایماں اس اپر لیایا
لکھ فیض سوں پھر آیا، دن دینِ محمدؐ کا — آفاق صفا پایا دن دینِ محمدؐ کا
جھلک مولود کا بھی جگ میں آیا — جگت سب اس جھلک تھے جگمگایا
نبیؐ مصطفٰے کا جو مولود آیا — جہاں صاف ہو سربہ سر جگمگایا

پہلی نعت سات اشعار پر مشتمل ہے، جس میں پیغمبر اعظم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سلطان عبداللہ کہتا ہے کہ اس موقع پر سارے ملائک زمین پر اتر آئے اور آپ پر سارا جگ ایمان لے آیا۔ دوشعر میں وہ کہتا ہے کہ فرشتے آپ ہی کا دم بھرتے ہیں، ستارے اپنے آپ کو تجھ پر نچھاور کرتے ہیں۔ عبداللہ کے خیال میں وہ زمین پر اوتار بن کر آئے ہیں۔ اس لیے آپ کو پوجتے ہوئے کوئی بھی عاجز نہیں ہوتا۔ جوش عقیدت میں سلطان عبداللہ نے یہاں نبی کریم ﷺ کے لیے "اوتار" اور "پوجنا" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی شان رسالت کے منافی ہیں۔ وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ میں آپ پر تصدق ہوتا ہوں کہ آپ کا نام دل و جان کے لیے زندگی بخش ہے۔ آپ کے قد مبارک کا زمین پر سایہ نہیں پڑتا تھا۔ بادل ہمیشہ سایہ فگن رہتا تھا اور آپ کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اس لیے دھوپ نہیں پڑتی تھی۔ اس نعت میں سلطان عبداللہ کہتا ہے کہ آپ نے کفر کی کثافت صاف کر کے کافروں کو نابود کر دیا اور دین اسلام کی بنیاد استوار کی۔ مقطعے میں وہ کہتا ہے کہ عبداللہ قطب شاہ نبی کا غلام ہے اور دنیا و عقبیٰ میں آپ سے امید کرم رکھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک بھنورا تصور کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ کا دیوانہ ہوں آپ کے اوصاف حمیدہ اور رخ زیبائے معطر کا گرویدہ بھی۔ اس نعت میں سلطان عبداللہ نے چار چار قوافی کا التزام رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں ہم قافیہ الفاظ کی صوتی جھنکار اور نغمگی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کے اشعار میں پائی جانے والی موسیقیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید لکھتے ہیں:

''صوتی ہم آہنگی'' بحر کی موسیقیت اور الفاظ کا ترنم عبداللہ قطب شاہ کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے بعض غزلوں میں اس نے موسیقیت پر اس قدر توجہ دی ہے کہ الفاظ کی معنویت کو قربان کر دیا ہے۔☆۳۰

ملک اس کاچ دم ماریں ستارے الپسیں وارے
نہ کوئی اس پوجنے ہاریں کہ وو اوتار ہو آیا
چلاوے جیوکوں اس کا ناوں بلبل میں نت اس پر جاوں
کہ کوئی روئے زمین پر چھاوں اس کے قد کی نیں پایا
میں عبداللہ ہوں داس اس کا دھروں دو جگ میں آس اس کا
بھنور ہو لیوں باس اس کا محمد ہو بجے بھایا

سلطان عبداللہ ایک ماہر موسیقی تھا۔ اس جانب اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے:

عبداللہ موسیقی کا احساس پیدا کرنے کے لیے لفظوں کو سجا کر استعمال کرتا ہے۔ بہت سی غزلوں میں صنعتِ لزوم مالایلزم کا استعمال کیا گیا ہے۔ ہر مصرعے میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال سے ایک لے ایک جھنکار پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عبداللہ کے دیوان میں غزلیں اسی صنعت میں ملتی ہیں۔☆۳۱

دیوان عبداللہ قطب شاہ کی دوسری نعت بھی سات اشعار پر مشتمل ہے۔ جس میں عیدِ مولود نبی ﷺ کی آمد پر ساری دنیا کے جگمگانے کا تذکرہ کیا گیا ہے، چند شعر دیکھیے:

عجب مجلس ہے عالی لاابالی — کہ جنت دیکھ لاجوں سر نوایا
نبی کا مولود آیا اس تھے جبریل — صدر پر آپنے پنکھا بچھایا
نبی کے صدقے عبداللہ سلطاں — مبارک یو خوشی خوش ہو گنایا

تیسری نعت شریف ''دینِ محمد کے دن'' کے موقع پر کہی گئی ہے۔ جس سے مراد غالباً عید بعثتِ نبوی ہے۔ یہ نعت صنعت مسمط کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے۔ مطلع کا قافیہ ''آیا'' ''پایا'' ہے اور ردیف ''دن دین محمد کا'' تمام اشعار میں اسی ردیف کا اہتمام ضرور ہے لیکن ہر شعر میں قافیے مختلف ہیں۔ اس غیر مردف مختلف القافیہ غزل کے ہر شعر میں تین تین قافیوں کی تکرار سے اس کے صوتی حسن میں اضافہ کیا گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

اسلام کر اتارا آیا جو نکل بھارا — چھپ کفر گیا سارا دن دین محمد کا
یوں عید ہمن ساجے، نصرت کے بجیں باجے — ہے جگ کے نبیؐ راجے دن دین محمدؐ کا
روشن ہوئے اسماناں جھمکائے رتن کھاناں — حظ لیویں مسلماناں دن دین محمد کا

سلطان عبداللہ کی چوتھی نعت کا موضوع بھی ''مولودِ نبی'' ہے۔ جس میں شاعر نے عید میلاد النبی کے بابرکت موقع پر اپنے جذبات شادمانی اور خوشی کا اظہار کیا ہے:

نبیؐ مصطفیٰ کا جو مولود آیا — جہاں صاف ہو سر بسر جگمگایا
فرشتیاں سوں مل جبرئیل آج خوش ہو — طبل عیش کا عرش پر خوش بجایا
محمدؐ کے صدقے تھے سب دور کر غم — عجب کچ خوشی مج الٰہی دلایا

سلطان عبداللہ کی چار نعتوں میں سے تین غیر مردّف ہیں اور ایک مختلف القافیہ مردّف۔ لیکن اس نے اکثر نعتیہ اشعار میں تین، تین یا چار چار ہم قافیہ الفاظ کے استعمال سے نہ صرف ترنم اور موسیقی کا جادو جگایا ہے بلکہ صوتی خوش آہنگی پیدا کرنے کے لیے الفاظ کو اس نے بڑے سلیقے سے استعمال کیا ہے۔نعتوں کے علاوہ دیگر غزلوں میں بھی نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ چند شعر دیکھیے:

حضرت رسول صاحب کا سو وہی ہے نائب — تو مظہر العجائب ہو بے نظیر آیا
صدقے نبیؐ کے دل دھوسب تھے علی سو یک ہو — شاہاں میں عبداللہ سو، روشن ضمیر آیا
محمدؐ ہور علی سوں دل، لگا گتا ہوں ہی تل تل — کنا لیوں ہوے نہ حاصل، مرا مقصود اے تارا
نبی کے صدقے عبداللہ، کدم کلا سنے کوں لا — تج بلا، لیا ملا، منگل گلا، چندر کلا
صدقے نبیؐ کے آرے، عبداللہ شہہ پیارے — چند سورج پہ وارے، اسپند ہو ستارا

دبستانِ گولکنڈہ کی نعتیہ شاعری کے مطالعے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اس عہد کے شاعروں نے سیّد العرب وعجم کی بارگاہِ اقدس میں نہایت ہی عجز وانکسار کے ساتھ نذرانہ نعت پیش کیا ہے۔اس دور کے بیش تر سخن وروں نے جیسا کہ اس سے قبل بھی مذکور ہوا ہے شاعری کی مختلف ہیئتوں جیسے مثنوی، قصیدہ، مخمس مسدس رباعی کے علاوہ معراج ناموں، ولادت ناموں، میلاد ناموں، شمائل ناموں، وفات ناموں کی شکل میں رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گل ہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔

جہاں تک غزل کی ہیئت میں نعت گوئی کا تعلق ہے، اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کو پہلی نعتیہ غزل لکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔☆۲۲ محمد قلی کے علاوہ اس دور میں صرف دو شاعر ایسے ملتے ہیں جنھوں نے غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھی ہیں۔ ایک تو شاہ سلطان ثانی ہیں اور

دوسرے سلطان عبداللہ قطب شاہ۔ اوّل الذکر کے صرف دو تین نعتیہ اشعار منظر عام پر آئے ہیں جب کہ آخرالذکر کے دیوان میں چار نعتیہ غزلوں کے علاوہ متعدد نعتیہ شعر موجود ہیں۔ جن شعرا کی غزل کے فارم میں نعتیہ غزلیں خاصی تعداد میں دست یاب ہوئی ہیں وہ دونوں (محمد قلی، سلطان عبداللہ) نہ صرف اورنگ سلطنت کے سلاطین تھے بلکہ اقلیم نعت کے بھی تاج دار تھے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ سلطان محمد قطب شاہ اور ابوالحسن تاناشاہ کے علاوہ اس دور کے دیگر سخن وروں نے بھی نعتیہ غزلیں کہی ہوں گی جو دستبردِ زمانہ کی وجہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ ☆۳۳

بیجاپور کے عادل شاہی کے دور کی نعتیہ شاعری میں بھی غزل کے مقابلے میں صنف مثنوی کا بھی بول بالا رہا۔ اس دور کے سلاطین کی غزلوں میں کوئی نعتیہ شعر نہیں ملتا البتہ دیگر مغزلین اور خصوصاً صوفی شعرا کے یہاں نعت گوئی کی مستحکم روایت ملتی ہے۔

بیجاپور کے قدیم ترین غزل گو شاعروں میں حسن شوقی کا نام غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا تعلق دکن کی نظام شاہی، قطب شاہی اور عادل شاہی تینوں سلطنتوں سے رہا لیکن اس کا زیادہ تر قیام عادل شاہی سلطنت میں رہا۔ حسن شوقی کی دو مثنویوں ''فتح نامہ نظام شاہ'' اور ''میزبانی نامہ'' کے علاوہ اس کی تیس غزلوں پر مشتمل دیوان کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کر کے شائع کیا جس میں صرف ایک شعر میں حمد و نعت کا مضمون باندھا گیا ہے۔ اس شعر میں شوقی کہتا ہے کہ شاہی اور گدائی خدا اور رسولِ خدا کی دین ہے۔ اور جسے دین و دنیا دونوں کے کام سے سابقہ پڑے اس کو دوسرے کام سے کیا غرض۔

شوقی خدا ہور مصطفیٰ شاہی گدائی تجہ دے
یہ دین دنیاں ہے جسے تس کام سیتی کام کیا ☆۳۴

حسن شوقی کے بعد دبستانِ بیجاپور کے نعتیہ غزل گو شاعروں میں ایک اہم نام شاہ محمد حسینی قادری معظم کا ہے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی شاہی (۱۰۶۷ھ۔۱۰۸۳ھ) کے عہد کے صوفی شاعر تھے۔ انھوں نے بیجاپور کے آخری حکمران سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ۔۱۰۹۷ھ) کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ بھی دیکھا۔ شاہ معظم حضرت امین الدین علی اعلیٰ اور حضرت قادر لنگا کوتال کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔ ایک نامکمل دیوان غزل کے علاوہ ان کی دیگر تصانیف میں ''شجرۃ الاتقیاء'' رسالہ وجودیہ، ''گلزارِ چشت''، ''گنج مخفی''، ''معراج نامہ''، ''قلندر نامہ''، ''گفتارِ عشق و عقل''، ''شرح شکار نامہ''، ''رسالہ وجود العارفین'' اور نظم سہ حرفی قابل ذکر ہیں۔ غزلوں کے علاوہ معظم کی تمام نظموں میں بھی

نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔

شاہ معظم نے اپنی غزلوں میں نہ صرف یہ کہ حمدیہ نعتیہ اور منقبتی مضامین شامل کیے ہیں، تصوف کے اور معرفت کے مضامین باندھے ہیں، دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کا تذکرہ کیا ہے اور روحانی تعلیمات کی تلقین کی ہے بلکہ محبوب مجازی کی محبت کے گیت بھی گائے ہیں۔ ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی نے ''کلام معظم'' کے عنوان سے ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا۔ جس میں معظم کی ۹۵ غزلیں، دو ریختیاں، چار نظمیں ایک قصیدہ ''معجزۂ رسالت پناہ'' چار مخمس، اور تین مسبع شامل ہیں۔☆۳۵ اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب ''دکھنی کلام اور اسلامی تہذیبی تاریخ'' کے عنون سے خواجہ معین الدین عزمی نے مرتب کر کے شائع کی ہے۔ جس میں معظم کی غزلیں بھی شامل ہیں۔☆۳۶

معظم کے دیوان میں دو نعتیہ قصائد ''معجزۂ رسالت پناہ'' ☆۳۷ اور ''در نعت محمد مصطفیٰ'' ☆۳۸ کے علاوہ غزل کی ہیئت میں سات نعتیں ہیں جن کے مطلع درج ذیل ہیں:

یوں اپنا اس کوں راج دیا لولاک کر سر تاج دیا
سب اُمت کی اولاج دیا یوں جتنا اس پر پیار کیا

[مرتب متن (ڈاکٹر خالدی) کو مطلع نہیں پڑھا گیا]

معراج میں نبیؐ سوں حق نے کیا ہے بات　　　نعمت جو کچھ دیا سو باتاں نبی کے سات ☆۳۹
مقبول تو خدا کا دل دار یا محمدؐ　　　توں نورِ گنج مخفی اظہار یا محمدؐ ☆۴۰
محمدؐ چھاؤں ہے حق کا کہتے ہیں جس کو پیغمبر　　　محمدؐ سچ یہ نائب ہے کہتے تو ہیں اسے رہبر ☆۴۱
مبارک ماہِ نو تجھ کو مبارک سر اُپر افسر　　　مبارک عیدِ نوروزی مبارک روز تجھ بہتر ☆۴۲
اے مالک دو عالم افسر تجھے مبارک　　　لولاک کا ترے سر چھتر تجھے مبارک ☆۴۳
معبود اپنے شوق سے کرتا ہے خود پیغبری　　　اپنا محمدؐ ناؤں رکھ القاب دے کر سروری ☆۴۴

مذکورہ بالا نعتوں کے علاوہ دیگر غزلوں میں بھی متعدد نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ چند شعر دیکھیے:

برحق نبیؐ کی دوستی امت شفاعت پائے گی
عالم کو یوں اقرار ہے پھر کیا کرے گا دیکھنا ☆۴۵
کیا باک ہے حشر کا بے دغدغا رہتا ہوں
بہ حق نبیؐ وسیلہ ستار ہے ہمارا ☆۴۶

نس دن ثنا خوانی ترا کرتا ہوں یوں میں جان کر
تو شافع روز جزا دے دان مجھ ایمان کا☆۴۷

معراج میں جا کر اپیں رایت ربی بولے نبیؐ
قرآن میں اخبار ہے کوئی سچ کتے کوئی جھوٹ کتے☆۴۸

معراج میں اس کو بلایوں شان و شوکت دیا
فرمان کو قرآن اور مسند کو منبر بولتے☆۴۹

شاہ معظم ایک قادر الکلام سخنور ضرور تھے لیکن ان کے ہاں غزل کی وہ روایت نہیں ملتی جو محمد قلی اور سلطان عبد اللہ اور غواصی سے ہوتی ہوئی حسن شوقی، شاہی، نصرتی اور ہاشمی تک پہنچی جس میں بقولِ ڈاکٹر حسینی شاہد:

حسن سے مراد جسم اور عشق سے مراد عیش کوشی تھی۔ مہکتے اور چہکتے جسموں کے اسرار اور کھل کھیلنے کے اطوار غزل کا محبوب موضوع تھے۔☆۵۰

یہ دربار شاہی کی روایت تھی۔ لیکن اس روایت سے بہت پہلے اردو میں غزل کی ایک اور روایت موجود تھی جسے خانقاہی روایت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ روایت مشتاقؔ، لطفیؔ، فیروزؔ، شہباز حسینی سے ہوتی ہوئی برہان الدین جانمؔ، امین الدین اعلیٰ سے ہوتی ہوئی شاہ معظم تک پہنچتی ہے۔ جس کا نقطۂ عروج سراج کے ہاں نظر آتا ہے۔ مولوی محمد اکبر الدین صدیقی نے دسویں اور گیارھویں صدی کی اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں صوفیائے کرام نے اپنے (نثری) رسائل کے ساتھ شاعری کے ذریعے تصوف کے فن کو عام کرنے کی کوشش کی چناں چہ میراں جی شمس العشاق برہان الدین جانم پیر ہاشم علوی قادری اور گیارھوں صدی میں شاہ من عرف شاہ تراب فی الحال شاہ قادری شاہ صادق اورنگ آبادی کے بھی دیوان دستیاب ہوگئے ہیں ان میں تغزل سرے سے ندارد ہے اور سب تصوف ہی تصوف ہے۔☆۵۱

شاہ معظم کی نعتوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں زبان و بیان پر بے پناہ قدرت حاصل ہے۔ ہر قسم کے موضوع و مضامین کو بڑی ہنر مندی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں زیادہ تر مدحت رسول ﷺ، آپ کی تعلیمات، سیرت طیبہ اور آپ کے معجزات وغیرہ کا ذکر

ہوا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تجھ نور سے دو عالم روشن ہوا منور　　معدن ہے نور تیرا انوار یا محمدؐ
محمد کو مقرب کر بلا تو سین سے نزدیک　　محمد کو بلایا ہے دیکھو معراج میں داور
مبارک تاج یو تیرا سدا لو لاک کا تجھ کو　　مبارک تخت یو تیرا مبارک تجھ یو چھپر
خاتم نبیؐ کیا ہور تجھ کوں دیا نبوت　　قرآن اور یو مسجد منبر تجھے مبارک
شق القمر کر سہ نے تر لوک کوں مائل کیا　　شیریں سخن اظہار کر سب کی کیا ہے دلبری
شمس الضحیٰ بدرالدجی بولا جس کی شان میں　　کونین سے برتر دیکھو سر پر ہے افسر بولتے
اخلاق اس کے دیکھ کر خاتم النبی مرسل کیا　　لولاک کا چھتر دیا اس کو سرور بولتے

شاہ معظم نے بعض نعتوں میں صنائع بدائع اور تشبیہ واستعارے کا برمحل استعمال کر کے اپنی فن کاری اور ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ ایک غزل میں انھوں نے محبوب مجازی کے خدوخال، ناز وادا اور لب ورخسار کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے چہرے کے سیہ خال کو نبی کی مجلس میں موجود حبشی بلالؓ سے تشبیہ دی ہے:

دلبر کے مکھ اُپر کا کالا یوں خال مج کوں
مجلس میں جیوں نبیؐ کے حبشی بلال دستا

بعض نعتیہ اشعار میں شاہ معظم نے محمد قلی قطب شاہ اور سلطان عبداللہ کی طرح ایک سے زائد قوافی وردائف کا استعمال کر کے غزل کے صوتی آہنگ کو دوبالا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں صنعت ترصیع اور مسمط کے بڑے خوب صورت نمونے موجود ہیں:

یوں اپنا اس کوں راج دیا لولاک کیرا سر تاج دیا
سب امت کوں او لاج دیا یوں جتنا اس پر پیار کیا
حق مانگا خلقت کرنے کوں اور نعمت لا کر دھرنے کوں
اس دین کوں قائم کرنے کوں لو مظہر ایک انوار کیا
ادراک، عقل، عرفان دیا فرمان اسے قرآن دیا
سب دھیان دیا اور گیان دیا یوں حق اس چونسار کیا
کیا ناوں مبارک سرور ہے، سچ حق کا وہ تو دلبر ہے
راہ راست دکھانے رہبر ہے تب علم لدنّی بار کیا

کیں نبی ہوا کیں علی کتے، کیں قطب ہوا کیں ولی کتے
کیں خفی کتے کیں جلی کتے یو معنی اپرم پار کیا

درج ذیل نعت کے تمام گیارہ مصرے (اولی اور ثانی) لفظ محمد سے شروع ہوتے ہیں:

محمدؐ کے سبب سارا ہوا ہے عرش اور کرسی — محمد کے برکت سب ہوا ہے نور یہ اظہر
محمدؐ کوں سیادت اور دیا القاب او سرور — محمد ہو کے آیا ہے اپیں خود ذات بدلا کر
محمدؐ کوں معظم نے پچھانا خود ہی قادر کر

۹ ر اشعار پر مشتمل درج ذیل نعت کے دونوں مصرعے مبارک کے الفاظ سے شروع ہوتے ہیں:

مبارک تاج یو تیرا سدالولاک کا تجھ کو — مبارک تخت یو تیرا مبارک تجھ کو یو چھپر
مبارک دین کا تیرے طبل بجتا رہے نس دن — مبارک تجھ کو امت اور مبارک ان کو تو رہبر
مبارک تجھ شہنشہ کو غلاماں لاکھ ہیں کیتے — مبارک شہ کی خدمت میں معظم یک رہے کم تر

شاہ معظم نے ایک غزل، شاہ صادقؔ اورنگ آبادی کی غزل کے جواب میں لکھی ہے جس میں دو نعتیہ شعر بھی موجود ہیں۔ آخرالذکر اپنے دور کے ایک معروف صوفی اور صاحب دیوان شاعر تھے۔☆۵۲ شاہ فی الحال، شاہ کمال اور دیگر صوفی شاعروں نے شاہ صادقؔ کا تذکرہ کیا ہے۔☆۵۳

معظم کی یہ غزل ان کے دیوان کے علاوہ دوسری قلمی بیاضوں میں بھی ملتی ہے جس سے ان کی شہرت کا اندارہ ہوتا ہے۔☆۵۴ شاہ صادقؔ اورنگ آبادی کا مطلع اور معظم کا جواب اس طرح ہے۔

سوال:

سائل ہوں میں عزیزاں اس کا جواب بولو
من عرف ہور فقد کے کیتے ہیں باب بولو

جواب:

سائل ہوے عزیزاں اس کا جواب ہے یو
من عرف ہور فقد کے سب چار باب ہے یو

یعنی چار مراتب وجود، واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود اور عارف الوجود۔☆۵۵

نعتیہ اشعار ان کے جواب یہ ہیں:

مجھ کوں دیکھے سو حق کوں دیکھے کہے محمدؐ
پس کافراں بھی دیکھے پس کیا ثواب بولو
(صادق)

جواب:

یک وقت پو محمدؐ بولے تھے من رانی
برحق رسول سمجھے ان کو ثواب ہے یو
(معظم)

اس جواب کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر حسینی شاہد نے لکھا ہے۔ معظم کہتے ہیں کہ ''من رانی'' میں رسول پر ایمان لانے کی شرط مضمر ہے۔ رسول کی بات پر یقین وہی کرے گا جو رسول پر ایمان لاتا ہے۔ اس لیے من رانی ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے۔ دیکھنے میں رسول اللہ ﷺ کو کفار بھی دیکھتے تھے۔ لیکن جو رسول کو رسول ہی نہیں مانتا اس کے لیے رسول کے اندر خدا کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔☆۵۶

سوال:

دیدار خواب میانے حق آپنا کھیا ہے
کیوں دیکھنا سو حق کوں تعبیر خواب بولو
(صادق)

جواب:

یک وقت پر نبیؐ نے بولے تھے لی مع اللہ
ہونا خفی میں غائب واصل کوں خواب ہے یو
(معظم)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ میں اللہ کے ساتھ ہوتا ہوں اور وہاں کسی فرشتے کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی۔ شاہ معظم اس حوالے سے کہتے ہیں کہ واصل کا اس طرح فنا ہو جانا ہی کمالِ معرفت ہے۔☆۵۷

محمد حسینی معظم کے بعد اور ولی دکنی سے قبل قاضی محمود بحری (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء) درمیانی

زمانے کے ایک ایسے سخنور ہیں، جنھوں نے ایک طرف اپنی مثنویوں میں تصوف اور معرفت کی اس روایت کو جلا بخشی جس کا نقطۂ آغاز حضرت میراں جی شمس العشاق ہیں اور دوسری طرف غزلوں میں اپنے پیش رو غزلین کی زبان و بیان اور رنگ سخن کو زندہ رکھا۔ وہ ایک پرگو شاعر تھے بقول جمیل جالبی قادرالکلام ایسے کہ سقوط بیجاپور تک اردو اور فارسی میں پچاس ہزار شعر تخلیق کیے۔ جب عالم گیر نے (م ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۵ء) میں بیجاپور کو فتح کر کے سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بنادیا تو بحریؔ نے حیدرآباد کے لیے اپنا رختِ سفر باندھا تو راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کر کے سارے مال و اسباب کے ساتھ ان کا کلام بھی لوٹ لیا۔☆۵۸ "کلیاتِ بحری" مرتبہ حفیظ سیّد زیادہ تر وہ کلام ہے جو ۱۶۸۵ء کے بعد کا ہے۔ بحریؔ نے اردو کلیات کے علاوہ مثنوی "من لگن" اور "بنگاب نامہ" کے علاوہ فارسی نثر میں "عروس عرفان" کے نام سے ایک تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہے۔

"کلیاتِ بحری" میں غزل کی ہیئت میں ایک مکمل غیر منقوط نعت کے علاوہ دیگر غزلوں میں بھی کہیں کہیں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ غیر منقوط نعت شریف کا مطلع اور مقطع ملاحظہ کیجیے۔ مقطع میں انھوں نے اپنا نام "محمود" اس لیے لایا کہ تخلص (بحریؔ) غیر منقوط نہیں:

محمدؐ گر مدد ہوگا ہمارا — سگل دکھ درد رد ہوگا ہمارا
موحد کا معمہ کھول محمودؔ — او احمد گر احد ہوگا ہمارا☆۵۹

اس نعت کے پیشِ نظر بحریؔ کو اردو میں پہلی غیر منقوط نعت لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔ بقولِ ڈاکٹر ریاض مجید:

> حمد و نعت کے مضامین سے عبارت یہ پوری غزل غیر منقوط الفاظ پر مشتمل ہے ایسی حالت میں کہ اردو زبان اور شاعری ہنوز عالم طفلی ہی میں تھی۔ غیر منقوط الفاظ کا التزام کرنا اور پھر اس مشکل صنعت میں نعت کے اشعار کہنا آسان کام نہیں تھا۔ اس پوری غزل کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بحری کو الفاظ اور زبان پر قدرتِ کامل حاصل ہے۔☆۶۰

بحریؔ کی غزلوں سے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کی غم یو عجم سب مل کر عج سوں پھرے تو — منجہ سراو جو سلطانِ عرب ہے یارب☆۶۱
میں گنہ گار بڑا ہوں اے دوست — دوستی مصطفیٰ کی بخش نجات☆۶۲
جو دیکھے جالگیا نسبت نبی کے نورسوں مہرا — رہے جھل اوٹ کر آپس کے حق میں آگ ہور پانی☆۶۳

معظم اور بحری کے معاصر بیجاپوری غزل گو شعرا میں محرمی اور شغلی کے نام قابلِ ذکر ہیں جن کے دیوان میں چند نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔

محرمی کا نام جان محمد تھا اور وہ حضرت امین الدین اعلیٰ (م ۱۰۸۵ھ) کے خلیفہ تھے۔ ''قطب المشائخ'' سے ان کا سنہ وفات (۱۰۹۳ھ) نکلتا ہے☆۶۴ محرمی نے ملک الشعرا نصرتی، شاہ صادق اور فی الحال شاہ قادری کی زمینوں میں بھی غزلیں لکھی ہیں۔ ذیل میں محرمی کے نعتیہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

خدا حور محمد علی تھے یو جگ تج کر جو دیکھے تو نئیں کوئی جدا
نبی کوں چھوڑ جے کوئی کہے کا رب ارنی کر ندا او لن ترانی کا۔۔۔یو اس کے اُپر دستا
نبیؐ سو پیر ہے میرا اسی تھے محرمی ہوں میں اسے بجیا سو حق بجیا سخن یو سب پودر دستا☆۶۵

حضرت شاہ عالم شغلی بیجاپوری (۱۰۳۰۔۱۱۱۴ھ) عادل شاہی دور کے ایک باکمال صوفی شاعر تھے۔ ایک نامکمل دیوانِ غزل کے علاوہ ایک مختصر مثنوی ''پند نامہ'' ان سے یادگار ہے۔ شغلی حضرت شاہ نعمت اللہ قادری کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔☆۶۶ سقوط بیجاپور کے بعد کچھ عرصہ تک انھوں نے بیدر میں قیام کیا اور پھر مدراس کے علاقے وڈی گرام پونڈی پہنچے۔ جہاں حضرت شاہ سلطان ثانی نے انھیں خرقہ خلافت عطا کیا۔ شغلی کا دیوان ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ راقم نے ان کی ۸رغزلیں ماہ نامہ ''سب رس'' ☆۶۷ میں شائع کیں اور پھر بعد کو اپنی تحقیقی تصانیف ''دکنی شاعری تحقیق و تنقید''، ''نوادرات تحقیق'' ☆۶۹ میں علی الترتیب گیارہ اور آٹھ غزلیں مرتب کر کے شائع کی ہیں۔ ان غزلوں سے شغلی کے نعتیہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

اللہ، رسول میانے، قرآں ہوا ہے ثالث
جوں خوف اور رجا میں ایماں ہوا ہے ثالث
جو آپ کوں بوجیا سو سچی رب کوں او بوجیا
یوں بولے نبیؐ تج کوں طلب ہے سو حرف خذ☆۷۰

قدیم دکنی شاعری میں صنعت سوال و جواب کے نہج پر غزلیں لکھنے کا بھی رواج رہا ہے۔ شغلی نے تصوف و عرفان کے موضوع پر ایک سوالیہ غزل لکھی تھی۔ جس کے جواب میں فی الحال شاہ قادری نے غزل لکھی ہے۔ شغلی کے درج ذیل شعر میں نعتیہ مضمون ہے:

اے دوست اللہ ہور رسول فرمائے تیوں کرنا قبول
نیں تو پڑے گا کیوں وصل کیوں پائے گا نجات بول

جواب شاہ فی الحال:

فرمائے ہیں اللہ نبیؐ توحید میں ضد ہے نہ دو
تعطیل تین تشریک تین بوجا نہیں سو دور بوج
ہر شے کوں اللہ بولنا نہ بولنا اس دو میں ہے
توحید علم مصطفےٰ اے صاحب مقدور بوج☆۷۱

وؔلی محمد وؔلی اورنگ آبادی نہ صرف دکنی اردو کے بلند پایہ غزلین میں شمار ہوتے ہیں۔ اور وہ دکنی اردو کے عظیم المرتبت غزل گو شعرا محمد قلی، غواصی، حسن شوقی، شاہی اور ہاشمی کے سچے جانشین ہیں بلکہ اردو شاعری کے دائرے کو وسیع تر کرنے میں انھوں نے ناقابلِ فراموش خدمات بھی انجام دی ہیں۔ ادبی اور لسانی سطح پر ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تین سو سال قدیم دکنی شاعری کی روایت شمال سے ملا کر ایک وحدت میں منسلک کر دیا اور اپنے سفرِ دہلی کی وجہ سے شمالی ہند میں اردو شاعری کا چراغ روشن کیا۔ ان کے کلام میں دکنی غزلیں نہ صرف اپنے نقطۂ عروج پر نظر آتی ہیں بلکہ شمالی ہند کے سفر کے بعد فارسی شاعری کے زندہ اور توانا عناصر کے امتزاج سے انھوں نے اردو شاعری کے دھارے کو ایک نئے رخ کی طرف موڑ کے اس کے دامن کو وسیع کیا۔

وؔلی کے کلیات میں دو نعتیہ قصیدے، تین نعتیہ رباعیاں، دو مثنویاں ہیں۔ آخر الذکر صنفِ سخن میں چند نعتیہ اشعار بھی موجود ہیں۔ ان کی بعض غزلوں کے اشعار میں بھی نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مخمسات میں بھی نعتیہ عناصر موجود ہیں۔ یہاں ان کی غزلوں سے چند نعتیہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

لامکاں پر بنا احمد جو بنا بٹھلایا
تب ملائک نے وہیں صلوا علیکم گایا
حور و غلمان ترانے سوں وہ نغمے بولے
قاب قوسین کا نوشہ تو ہے سب کو بھایا
تھے براتی وہاں آدم سوں لگا تا عیسیٰ
اور جبرئیل امیں گوندھ کے سہرا لایا☆۷۱/۱
حق نے لولاک لما حق میں محمد کے کہا
ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا
اسم اللہ دو میم احمد ہے
حق سیتی حق کوں حق نما پایا☆۷۲
خاکساری ہے حق انگے منظور
خاک درگاہِ مصطفیٰ کی قسم☆۷۳
ہم کوں شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذرِ گناہ بس ہے☆۷۴
مغفرت میں تیرو وؔلی سہل بلا ریب ہے کیوں
نام احمد کا جو لب پر ترے ہر دم آیا☆۷۵

حافظ سید محمد فراقی بیجاپوری ثم ویلوری (م ۱۱۴۲ھ) ولی دکنی کے بے تکلف احباب میں شمار ہوتے تھے۔ ولی نے اپنے ایک شعر میں فراقی کے مصرع پر گرہ لگائی ہے۔☆۷۶ اور ایک شعر میں جہاں فراقی کا تذکرہ کیا ہے وہیں اپنے شاعرانہ مرتبے کا فراقی سے تقابل بھی کیا ہے:

ترے اشعار ایسے ہیں فراقی
کہ جس پر رشک آوے گا ولی کوں☆۷۷

فراقی دکنی اردو کے ان خوش نصیب سخنوروں میں سے ایک ہیں جن کا ذکر شمالی ہند کے مختلف تذکروں جیسے "تذکرہ شعرائے اردو" (میر حسن) "مخزن نکات" (قائم چاند پوری) "مجموعہ نغز" (قدرت اللہ قاسم) وغیرہ میں ملتا ہے۔☆۷۸ مولوی نصیر الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر کی فتح دکن کے بعد فراقی نے کچھ عرصے تک اورنگ آباد میں قیام کیا اور پھر جنوبی ہند پہنچ کر ویلور میں سکونت اختیار کرلی۔☆۷۹

فراقی کی ایک ضخیم غیر مطبوعہ مثنوی "مرات الحشر" کے علاوہ دو نعتیں اور چند غزلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ کتب خانہ سالار جنگ کی ایک قلمی بیاض میں غزل کی ہیئت میں ایک نعت ملتی ہے جسے مرتب فہرست مخطوطات مولوی نصیر الدین ہاشمی "نظم فراقی" کا عنوان دے کر اس کے اشعار کی تعداد ۴۸ بتائی ہے۔☆۸۰ اس نعت کے ہر مصرعے کو کاتب نے دو حصوں میں لکھا ہے۔ اور یہ غزل ۲۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس نعت شریف میں فراقی اپنے گناہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری جوانی "مستی اور شادمانی" اور میری ہر رات خواب غفلت میں گزر گئی۔ وہ نبی کریم سے استمداد طلب کرتے ہوئے دیدہ نم کہتا ہے کہ میری زندگی "حسرت" میں گزر گئی لیکن اب میں نے گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ نبیؐ جی مجھے آپ کا سہارا کافی ہے:

ہمیشہ مجھ سے عاصی کوں نبی جی آسرا تیرا
جہنم کے خلاصی کوں نبی جی آسرا تیرا

گنہ سے ہاتھ دھوتا ہوں بدی سوں عمر کھوتا ہوں
و لے نس دن یوں روتا ہوں نبی جی آسرا تیرا

گئی مستی جوانی کی ہوس میں شادمانی کی
ز حسرت نامرگانی کی، نبی جی آسرا تیرا

گنوایا رات سونے میں سو غفلت کے بچھونے میں
کہ پڑیو خاک جینے میں نبی جی آسرا تیرا

تو ساقی حوض کوثر کا ملاتی ہور ہر نہر کا
فراقی بھی ہے تج گھر کا، نبی جی آسرا تیرا☆۸۱

فراقی کی دوسری نعت ۶ رباعیات پر مشتمل ہے جس میں شاعر زیارت مدینہ کی آرزو کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہتا ہے کہ:

میں مدینے میں تولد ہوتا اور محمدؐ کی گلی میں فنا ہوتا تو کیا ہوتا؟

عبث خوبرویوں کی گلیوں میں عمر صرف کرنے کے بجائے اے دل تو زیارت مدینہ کے لیے جاتا تو تو کیا ہوتا؟ مجنوں نے ناحق لیلیٰ کو دل دے کر رسوائی مول لی۔ اگر اس نے میرے نبی سے محبت کی ہوتی تو کیا ہوتا؟ اے رب ازل کے دین میں میری حیثیت ایک مفلس اور بھکاری کی ہے اور اگر میں نبی کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا؟ فراقی کو علم منطق اور معانی میں مہارت حاصل ہے اور اگر وہ ''علمِ حدیثِ مصطفےٰ'' میں عبور رکھتا تو کتنا بہتر تھا۔

مدینہ میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا — محمدؐ کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
عبث خوباں کی گلیوں میں عمر صرف کرا اے دل — مدینے کی زیارت کو گیا ہوتا تو کیا ہوتا
ارے مجنوں ہوا بدنام توں لیلیٰ کوں دل دے کر — اگر میرے نبیؐ کو دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا
ازل کے دین میں یارب اگر مفلس بھکاری ہوں — نبی کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا
نظر ہے علم منطق ہور معانی میں فراقی کوں — اگر علمِ حدیثِ مصطفےٰ ہوتا تو کیا ہوتا☆۸۲

ان نعتوں کے علاوہ فراقی کی دیگر غزلوں میں بھی ایک نعتیہ شعر ملتا ہے:

اگر پا کی سیادت کی اچھے تو کام آوے
رویہ نیک لے ایسا کہ راضی مصطفےٰ اچھنا☆۸۳

فراقی کے ان نعتیہ اشعار کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے ایک سچے عاشقِ رسول کی طرح اپنے جذبات اور مشاہدات کی ترجمانی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسے نعت گوئی کے فن اور ادب پر بھی مہارت حاصل ہے۔ اوّل الذکر نعت کی نہ صرف ردیف ''نبی جی آسرا تیرا'' بولتی ہوئی ہے بلکہ اس میں صنعتِ مسمط کا التزام واہتمام کر کے اس میں صوتی جھنکار پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اس میں موسیقیت پیدا ہوگئی ہے۔

مرزا داؤد بیگ داؔؤد اورنگ آبادی (متوفی ۱۱۶۸ھ)☆۸۴ ایک بلند پایہ صاحبِ دیوان غزل گو تھے۔ بقول ڈاکٹر خالدہ بیگم وہ سراؔج اورنگ آبادی سے کم پلہ نہ تھے مگر ان کو سراج کی سی مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ سراج نے غزلوں کے علاوہ مثنویاں لکھیں اور تصوف وعرفان میں شہرت حاصل کی۔ ان کے عقیدت مندوں اور مریدوں کا حلقہ وسیع تھا۔ داؔؤد محض ایک غزل گو شاعر تھے اور ان کی غزلیں اتنی بلند پایہ ہیں کہ ان کی استادی میں اشتباہ کی گنجائش نہیں۔☆۸۵

داؔؤد نے خود کو وؔلی ثانی لکھا ہے اور اپنے کلام میں سراؔج پر چوٹ بھی کی ہے نیز ان کے

کلام میں سراج کے مقابلے میں دکنی زبان کے عناصر زیادہ ہیں اس لیے قیاس کہتا ہے کہ وہ عمر میں سراج سے بڑے تھے۔☆۸۶ داؔور کا شاعرانہ کمال یہ ہے کہ انھوں نے ولؔی کے کلام سے وسیع پیمانے پر استفادہ کیا ہے۔ وہ کھلے دل سے ولؔی کے گن گاتے ہیں اور پیروئ ولؔی کو باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔ کئی اشعار میں انھوں نے ولؔی کے وسیع پیمانے پر اثرات قبول کرنے کا تذکرہ کیا ہے:

کہتے ہیں اہلِ سخن اس شعر کو سن کر　　تجھ طبع میں داؤؔد ولؔی کا اثر آیا
علی کی قسم ہے سن شعر میرا　　کہے عالم ولؔی ثانی بھی ہے

جہاں تک داؤؔد اورنگ آبادی کے کلام میں نعتیہ اشعار کا تعلق ہے اردو میں نعت گوئی پر تحقیق کرنے والے کسی محقق نے، چاہے وہ ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا داؤد کی غزل کے اس پہلو کو اجاگر نہیں کیا حالاں کہ ۱۹۵۸ء میں "دیوانِ داؤد" کی اشاعت عمل میں آچکی تھی۔ اور اس کی غزلوں میں جگہ جگہ نعتیہ اشعار بھی موجود ہیں:

گر چاہتے ہو عشق میں ذکرِ صمد کرو　　احمد کا میم لے کے اسے بھی احد کرو☆۸۷
بعد حمد و ذکرِ اللہ الصمد　　شغل ہے نعتِ رسول اللہ کا
فرض ہے نعتِ رسول اللہ بعد　　منقبت کہنا ولی اللہ کا☆۸۸

داؤؔد کے نعتیہ کلام کے زیادہ تر اشعار میں نعت و منقبت حضرت علی کے مضامین ایک ساتھ ملتے ہیں:

بامر مصطفیٰ سلطانِ لولاک　　علی برحق امیر المومنیں ہے
کیا دینِ محمد جگ میں روشن　　علی خورشید ربّ العالمیں ہے☆۸۹
ہے طفیلِ مصطفیٰ داؤد کوں　　آسرا تیری شفاعت کا علی☆۹۰
جو نبی و علی کوں جانا دو　　عارفاں کے نزیک احول ہے☆۹۱
ہوں عندلیب دینِ محمد کے باغ کا　　ہیں چار یار میری نظر میں چہار گل☆۹۲
جیوں کتاب حق ہیں چاروں یار بعد مصطفیٰ　　ہے علی مصحف اونھوں میں شمار اے دوست دار
صاحبِ ایماں کوں رکھنے یاد میں　　جانشین مصطفیٰ کہتا ہوں میں تقریر وار☆۹۳

داؤد کے ہاں صنعت ایہام میں بھی ایک نعتیہ شعر ملتا ہے:

محمد مصطفیٰ کی یاد سیتیں
مرا دل قلعۂ احمد نگر ہے

داؤد اورنگ آبادی کے مزید نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

جہاز دل اگرچہ غرق ہے دریائے عصیاں میں
میسر ہے ولے ساحل محمدؐ کی شفاعت کا
سر اوپر جس کے افسر سایۂ اولاد احمد ہے
اسے کیا باک ہے داؤد خورشید قیامت کا☆۹۵

ہوں مرید حیدر اے داؤد شکر
ہے علی مرشد محمد پیر ہے☆۹۶

شاہ تراب اٹھارویں صدی عیسوی کے ایک پرگو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ ان کا اصل نام تراب علی تھا لیکن انھوں نے شاہ تراب کے نام سے شہرت حاصل کی۔ شاہ تراب نے ایک ضخیم دیوان کے علاوہ متعدد منظومات اپنی یادگار چھوڑی ہیں جیسے "ظہوکی"، "من سمجھاون"، "گلزار وحدت"، "کنج الاسرار"، "مرجن و ملا"، "گیان سروپ"، "آئینہ کثرت" اور مثنوی "رام چندر اور دل آرام" وغیرہ۔ اس قادرالکلام شاعر کا تذکرہ نعتیہ شاعری کے کسی بھی محقق نے نہیں کیا۔

شاہ تراب ایک صاحب جذب و حال صوفی تھے معرفت و سلوک نہ صرف ان کی زندگی کا خاصہ ہے بلکہ ان کے شعری اظہار کا ذریعہ بھی۔ ان کا دیوان اول تا آخر مسائل تصوف کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان کی غزلوں میں دیگر صوفی شاعروں کی طرح نعتیہ اشعار کا پایا جانا ایک فطری بات ہے۔ یہاں چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

محشر کے معرکے میں تراب دل بے تاب — واں تجھ کو نگہبان شہ عرب و عجم ہے☆۹۷
تمیز معنی اسرارِ وحدت — محمد مصطفیٰ شاہِ عرب ہے☆۹۸
کیوں نہ دے گا گلشن کثرت کا نو بہار — وحدت میں آشکار محمد کا نور ہے☆۹۹
جس کی شانِ خاص میں لولاک ہے — باعثِ ایجاد نہ افلاک ہے☆۱۰۰
لا الہ ثبوتِ الا اللہ — ہور محمد تو ہے رسول اللہ☆۱۰۱
شرف پایا یک دم سپہر بریں — ہوا جو محمد کوں معراج راج☆۱۰۲
جیوں نقطے سیتیں ظاہر حروفات تجی ہیں — نہیں نور احمد ہور او بالذات نور اللہ☆۱۰۳

ولی دکنی کے بعد سراج اورنگ آبادی قدیم اردو غزل کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ سراج (۱۷۱۵ھ۔۱۷۶۳ء) نے غزل کے علاوہ کم و بیش تمام اصناف سخن جیسے قصیدہ مثنوی رباعی ترجیع

بند وغیرہ پر طبع آزمائی کی۔ ان کا مزاج صوفیانہ تھا جس کا اثر ان کی شاعری پر بھی پڑا۔ یہی سبب ہے کہ ان کے کلام میں کیف و مستی کی حرارت نظر آتی ہے۔ ان کی حمد و نعت منقبت اور غزل میں کہیں کہیں نعتیہ اشعار بھی موجود ہیں۔☆۱۰۴ نمونتاً یہاں غزل کی ہیئت میں چند شعر درج ہیں:

یا محمد تجھ کرم سیں ہوں سدا امیدوار
جلوۂ ایمان دے اور بھید کہہ انسان کا
تو احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے
زیب پایا تجھ صفت سیں ہر ورق قرآن کا
کر شراب عشق سیں بے ہوش مجھ کوں اے حبیب
دے مجھے بھر کر پیالہ نشۂ عرفان کا☆۱۰۵

شاہ قاسم کی ایک اور مکمل نعتیہ غزل ملاحظہ کیجیے:

ہو تم قبلۂ دو جہاں یا محمدؐ — شہنشاہِ کون و مکاں یا محمدؐ
مری بزم دل کو کرو جلد روشن — اے خورشیدِ راز نہاں یا محمدؐ
کرم کیجیے اب میری بے کسی پر — ہو تم تکیۂ بے کساں یا محمدؐ
میں ہوں نقش پا کمتریں یک تمہارا — دو جگ میں دو امن و اماں یا محمدؐ
مجھے تندرست آبرو سیں جہاں میں — رکھو شاد و خوش نوجواں یا محمدؐ
چھڑاؤ مجھے غم کی جاں کندنی سیں — کہاں تک رہوں فلیم جاں یا محمدؐ
یہ شاہ قاسم کمتریں آج بے کس — تمھیں چھوڑ جاوے کہاں یا محمدؐ☆۱۱۲

شاہ قاسم کی دیگر غزلوں میں بھی متعدد نعتیہ اشعار موجود ہیں یہاں صرف چند شعر نمونتاً پیش کیے جا رہے ہیں:

قاسم سخن میں مجھ کو عطائے رسول ہے
نہیں شعر میں میرے کسی استاد کی طرح☆۱۱۳
مرا اب کون ہے قاسم مگر اللہ ہے وارث
بحال بے کسی ہر دم رسول اللہ ہے وارث☆۱۱۴
دینِ محمدیؐ ہے بدل نقش کالحجر
قاسم علی یوں چاہیے اسلام کی نشست☆۱۱۵

دو جگ کیا ہے ذات محمدؐ کے واسطے
پیدا عدم سیں کام ہے اوس کارساز کا☆۱۱۶
جلوہ گر کیوں نہ ہو عالم میں سخن قاسم کا
ہیں مدد پنجتن و فضل نبیؐ المدنی☆۱۱۷
شاہ قاسم مصطفیٰؐ کے کمتریں بندوں میں ہے
شیخ عبداللہ انصاری کے فرزندوں میں ہے☆۱۱۸
ہے مجھ پہ فضل خدا، مصطفیٰؐ، علی کا کرم
جو کچھ کہ فیض ہے قاسم انو کی ذاتوں سیں☆۱۱۹
یہ فیض و حب الٰہی ہے مجکو شہ قاسم
کب کے ساتھ ہوا نیں مجھے سخن کا شوق☆۱۲۰
شاہ قاسم پر ہے فضلِ مصطفیٰؐ
کیوں نہ ہووے میرے سخن کوں جگ میں شرف☆۱۲۱

سیّد شاہ ابوالحسن قربیؔ ویلوری (۱۷۰۹۔۱۷۸۶ء) جنوبی ہند کے نامور صوفی اور خواجہ میر درد اور سراج اورنگ آبادی کے ہم عصر تھے۔ قربیؔ نے تصوف اور شاعری ورثے میں پائی تھی۔ ان کے والد سیّد شاہ عبداللطیف نقوی اپنے عہد کے ایک معروف صوفی اور شاعر تھے۔ قربیؔ نے اپنی ابتدائی روحانی تعلیم انھیں سے حاصل کی اور پھر سلسلہ قادریہ میں شیخ فخرالدین مہکری کے مرید ہوے۔☆۱۲۲ قربیؔ فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی اردو تصانیف میں دیوان غزلیات کے علاوہ ''معراج نامہ''، ''نمک نامہ''، ''چکی نامہ''، ''بدعت نامہ'' اور ''ہدایت نامہ'' کا پتا چلتا ہے۔

جہاں تک قربیؔ کی نعتیہ شاعری کا تعلق ہے۔ اردو میں نعت گوئی کی سبھی کتابیں ان کے تذکرے سے عاری ہیں۔ دیوان قربیؔ میں ابتدائی دو حمدوں کے بعد تین غزلیں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک سچے عاشق رسول تھے اور ان کے نعتیہ اشعار جذبۂ عشق رسول سے سرشار ہیں۔ یہاں ان کی نعتوں سے چند شعر نموناً پیش کیے جاتے ہیں:

جو جگ منے ہے پیدا جو چیز ہے ہویدا
ہے اس کے مکھ کی شیدا او اصل ہے دلا کا

شاہ جہاں وہی ہے نور عیاں وہی ہے
مقصودِ جاں وہی ہے عشاق بے نوا کا
قربیؔ تو بے نوا ہے دل میں تری ہوا ہے
قرباں ترا ہوا ہے دے قرب اُسے خدا کا☆۱۲۳

☆

ہے محمدؐ حبیب مولا کا ہے ازل سوں قریب مولا کا
رغبت اس کی متابعت کا کر مصطفیٰ ہے رغیب مولا کا☆۱۲۴
عین اعیانِ دو عالم ہے محمد مصطفا مہر موج استقامت ماہ بُرج اصطفا
دانش مطلق کا منبع یا محمدؐ توںچ ہے
قربیؔ قرباں کو تیرے علم مطلق کر عا☆۱۲۵

نعتیہ غزلوں کے علاوہ مناجات میں بھی مدحتِ نبی میں کہے گئے ابیات موجود ہیں دو تین شعر ملاحظہ ہوں:

محمد کا صدقہ مجھے کر عطا نہ محروم کر مجہ کرم سوں ندا
یارسول اللہ یاہادی الورا توںچ ہے شمس الضحیٰ بدرالدجیٰ
یارسول احوال تمام
تجہ پہ ظاہر ہے کہوں کیا والسلام

مولانا باقر آگاہ ویلوری (۱۲۲۰ھ) حضرت شاہ ابوالحسن قربیؔ کے مرید اور شاگرد رشید تھے۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی مثنوی ''ہشت بہشت'' دکنی اردو کی اس پر لکھی ہوئی دوسری مثنویوں میں سب سے زیادہ وقیع، مبسوط، مفصل اور مستند روایات کی حامل ہیں۔ ان کی دیگر منظومات میں بھی خاصی تعداد میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں لیکن ان کے ''منتخب دیوان غزلیات'' میں صرف ایک نعتیہ شعر ملتا ہے جو درج ذیل ہے:

ہمارا مقصد کونین آگاہ
محمدؐ ہے محمد ہے محمد☆۱۲۶

شاہ صادق قادری اورنگ آبادی، شاہ عبداللطیف قادری کے مرید تھے۔ انھوں نے تصوف کے موضوع پر ایک مثنوی ''شمس الحقائق'' تصنیف کی تھی۔ مولوی اکبرالدین صدیقی مرحوم

نے "شاہ صادق کا ایک نایاب دیوان" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔☆۱۲۷ جس کے منتخب اشعار میں دو ایک نعتیہ اشعار بھی موجود ہیں۔ یہ وہی شاہ صادق ہیں جنھوں نے وجیہ الدین وجدی کی شعری صلاحیتوں کو دیکھ کر کسی فارسی مثنوی کو دکنی میں ترجمہ کرنے کی ترغیب دی تھی۔ چناں چہ وجدی نے انھیں کی فرمائش پر "باغ جاں فزا" (مخزن عشق) ۱۱۴۴ھ میں تصنیف کی تھی۔☆۱۲۸

شاہ صادق کے نعتیہ اشعار دیکھیے:

قول نبیؐ شریعت فعل نبی طریقت
حال نبیؐ حقیقت دیکھ آئینہ درس کا☆۱۲۹

صادقؔ قادری یوں کہے حضرت نبیؐ
منزل بلا ہوے جھپتی بھاگ خدا کی طرف☆۱۳۰

سیّد شاہ عبدالقادر فی الحال (۱۲۱۲ھ) کرنولی، شاہ صادقؔ، کمالؔ شاہ من عرفؔ اور شاہ تراب کے ہم عصر تھے۔☆۱۳۱ ان کے والد سید قدرت اللہ قادری کرنول کے ایک مشہور صوفی اور شاعر تھے۔ کنگال ان کا تخلص تھا اور اسی مناسبت سے انھوں نے کنگال شاہ کے نام سے شہرت پائی۔ شاہ فی الحال نے بھی غالباً اپنے والد کے تخلص کی مناسبت سے اپنا تخلص فی الحال اختیار کیا۔ شاہ فی الحال نے دیوان غزلیات کے علاوہ درج ذیل مثنویاں اور متفرقات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔☆۱۳۲ فی الحال کے دیوان میں ایک نعتیہ غزل کے علاوہ متعدد نعتیہ شعر ہیں:

۱۔ ارشاد نامہ	۲۔ بود نامہ (اوّل)	۳۔ بود نامہ (دوم)
۴۔ پیت نامہ	۵۔ چکی نامہ	۶۔ شادی نامہ

اس سے قبل بھی ہم "سوال شغلی جواب فی الحال" کے عنوان سے فی الحال کے چند نعتیہ اشعار پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ان کے "کلیات" سے مزید چند نعتیہ اشعار درج کر رہے ہیں:

تجہ حسن کے مصحف منے ہے اسم بسم اللہ کا
نقطے میں اس کے ہے صفت نور رسول اللہ کا☆۱۳۳

قل ہو اللہ ہے صفت ذات رسول اللہ کی
ظاہر و باطن میں ہے کل بھید اسم اللہ کا☆۱۳۳

نشۂ بے خودی سے باخود ہو
احمد مصطفیٰ ہوا پیدا☆۱۳۴

تو لا ہو الااللہ میں معشوق کا دیدار
تب وصل تجھ کوں ہوے گا احمد حبیب اللہ کا☆۱۳۵

☆

عالم دل میں مصطفیٰ پایا
ذات احمد میں خدا پایا☆۱۳۶

خدا مصطفیٰ ہور بندہ ہے ظاہر ہر اک شے منے دیکھ اے مرد غافل
تو ہادی کامل سے تحقیق کرلے نہ کر عمر ضائع نہ ہو سنگ و خارا☆۱۳۷

چلے ہم تو سے میں میں ہیں محمدؐ		ہمارا کام ہاتے ہات ہوتا☆۱۳۸
جہاں ہے اسم اللہ کا دیکھو اس میں خدا دستا		اس کلمے کے کل میانے محمد مصطفیٰ دستا☆۱۳۹
کہ دیدارِ خدا ہرگز نہیں اندھے دلاں کے تئیں		نبیؐ کے موں کے درپن میں خداہی جابجا دستا☆۱۳۹
نورِ حق سے ہے محمد نورِ احمد کل جہاں		جا کے ہے دریا ستے نالا ملا تو کیا عجب☆۱۴۰
یا نبیؐ توحید میں ثابت رکھو		سر کیا ہے معرفت کا تاج آج☆۱۴۱
فی صفات اللہ دیدار خدا		مصطفیٰ فرمائے ہیں اے دین دار☆۱۴۲
جو تھا بے چوں اسی کے تئیں ہمیں یاراں خدا سمجھے		لیا جب میم کا برقعہ تو محمد مصطفیٰ سمجھے☆۱۴۳
مرا ہادی رسول مصطفیٰ ہے		کہ جس سے رازِ مطلق کا عطا ہے
نبیؐ کی گردِ پا اس چشم دل کو		سدا الحق مرے تئیں حق نما ہے☆۱۴۵

آخر میں شاہ فی الحال کی نعتیہ غزل کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں:

خدا باقی ہے میں باقی ہوں رہبر		جہاں باقی ہے از فیض پیمبر
خدا نیں ہے محمد نیں ہے، میں نیں		دو عالم نیں ہے اے مرد قلندر
خدا تحقیق ہے احمد ہے میں ہوں		جہاں ہے میں کی صورت میں منور
خدا ہے عین و احمد عین و میں عین		جدا ہو ایک ہے بے شک مقرر
خدا غیر و محمد غیر و میں غیر		دو جگ ہے غیر کی صورت میں اظہر
خدا گنج و محمد گنج و میں گنج		کہ اس میں ہے ہزار و گنج و گوہر
خدا ہے ایک احمد ایک میں ایک		یہ تینوں مل جدا ہیں اے برادر
خدا ہے بھید احمد بھید و میں بھید		جہاں ہے بھید کا الحق سمندر

خدا ہے پیر و محمد پیر و میں پیر ۔۔۔ خصوصاً قدرت اللہ شیخ اکبر☆۱۳۶

محمد قلی قطب شاہ سے فی الحال شاہ تک غزل کی ہیئت میں نعتیہ شاعری کے اس جائزے سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ دکنی شاعری میں از اوّل تا آخر صنف مثنوی کا بول بالا رہا۔ اس دور میں مختلف النوع موضوعات پر جتنی مثنویاں تخلیق ہوئی ہیں، اس کی نظیر اردو شاعری کے کسی بھی دور میں نہیں ملتی۔ حضور اکرم ﷺ کی مدحت و ثنا، سیرت مبارکہ، آپ کی تعلیمات، غزوات، معجزات اور اخلاق و شمائل پر لکھی گئی بے شمار مثنویوں سے قطع نظر دکنی اردو کی تقریباً ہر مثنوی میں حمد کے بعد نعتیہ اشعار کا اہتمام بالالتزام ملتا ہے۔ مثنویوں اور قصائد کے بعد غزل کی صنف میں نعتیہ شاعری کا وافر ذخیرہ ملتا ہے لیکن کسی نے بھی آج تک اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا۔ سلطان محمد قطب شاہ نے سب سے پہلے غزل کی ہیئت میں نعتیں کہی ہیں اور اس کے علاوہ اس کے ضخیم دیوان کا تقریباً ہر مقطع ''نبی صدقے'' سے شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید وششٹ نے ''محمد قلی اور نبی کا صدقہ'' کے عنوان سے ایک کتاب ہی لکھ دی۔ محمد قلی قطب شاہ کے سلطان عبداللہ قطب شاہ نے اپنے نانا کی تقلید میں نہ صرف نعتیہ غزلیں لکھیں بلکہ اپنے مقطعوں میں بھی ''نبی صدقے'' کے الفاظ کا اہتمام کیا۔ نعتیہ غزلوں کی بنیاد دربار شاہی میں رکھی گئی تھی اور یہ صنف جب خانقاہوں تک پہنچی تو صوفیائے کرام نے جن میں شاہ معظم، قاضی محمود بحری، جان محمد محرمیؔ، شاہ عالم شغلیؔ، سید محمد فراقیؔ، شاہ تراب چشتی، شاہ ابوالحسن قربیؔ، شاہ قاسمؔ، اور فی الحال شاہ قادری نے بطور خاص دکنی غزل کے سرمائے کو نعتیہ ادب سے مالا مال کر دیا۔

حوالے و حواشی

☆۱۔ ڈاکٹر ریاض مجید۔ اردو میں نعت ص ۱۷۶ ☆۲۔ ''شام و سحر''۔ نعت نمبر شمارہ ۶۔ ص ۶۸

☆۳۔ ''نقوش''۔ نعت نمبر۔ جلد دہم۔ ص ۱۶۹

☆۴۔ ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ جلد اول۔ ص ۱۳۶، ڈاکٹر ریاض مجید۔ اردو میں نعت۔ ص ۱۳۶، ڈاکٹر نسیم الدین فریس۔ دکنی ادب کے مطالعے کی جہتیں۔ ص ۹۵، مولوی عبدالحق۔ اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام۔ ص ۲۳، جمال شریف۔ دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے۔ نظر ثانی محمد علی اثر۔ ص ۶۸، راجا رشید محمود۔ اولیات نعت۔ شمولہ ''سفیر نعت''۔ ۲، ص ۱۱۵

☆۵۔ جمال شریف، دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے۔ نظر ثانی محمد علی اثر۔ ص ۶۴ راجا رشید محمود۔ اوّلیات نعت۔ ''سفیر نعت'' (۲) ص ۱۱۵ انسیم الدین فریس۔ دکنی ادب کے مطالعے کی جہتیں۔ ص ۹۳

☆۶۔ دکن میں اردو شاعری ولیؔ سے پہلے۔ ص ۱۶۷ سید شاہ ندیم اللہ حسینی ''شہباز'' (بندہ نواز نمبر) مئی ۱۹۶۰ء

☆۷۔ دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے۔ ص ۱۶۷ نصیر الدین ہاشمی۔ مقالات ہاشمی۔ تاج کمپنی لاہور۔ ۱۳۵۶ھ ص ۱۶۔ ۱۷

☆۸۔ ڈاکٹر زور۔ تذکرۂ اردو مخطوطات (جلد اول) ترمیم و اضافہ محمد علی اثر۔ ص ۱۳۱/ ڈاکٹر زینت ساجدہ۔ دکنی گیت۔ مشمولہ عثمانیہ۔ دکنی ادب نمبر (۱۹۶۳ء) ص ۲۱۸/ محمد نسیم الدین فریس۔ تحقیقات۔ ص ۲۱ / دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے۔ ص ۶۲ ، سفیر نعت۔ ص ۱۱۵، اردو میں نعتیہ شاعری، ص ۱۲۷

☆۹۔ قاضی اسد ثنائی۔ مقالات نعت۔ ص

☆۱۰۔ پروفیسر مسعود حسین خاں۔ محمد علی قطب شاہ۔ ص ۴۵۔

☆۱۱ تا ۱۵۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ۔ ص ۳۰۲۔ ۳۰۰

☆۱۶۔ محمد قلی قطب شاہ۔ ص ۳۷۔ ☆۱۷۔ اردو میں نعت ص ۱۸۶

☆۱۸۔ اردو شاعری میں نعت ص ۱۰۰

☆۱۹۔ نسیم الدین فریس۔ شاہان دکن کی نعتیہ شاعری ص ۔۱۵

☆۲۰۔ کلیات محمد قلی۔ ص ۳۰۳ ☆۲۱۔ محمد قلی قطب شاہ۔ ص ۳۱

☆۲۲۔ حضرت شاہ سلطان ثانی۔ "اردو ادب" (سہ ماہی)

☆۲۳۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی۔ (ج ۳) ص ۔۱۷۵۔

☆۲۴۔ دکن میں اردو۔ ص ۱۱۶ ☆۲۵۔ دکنی ادب کی تاریخ۔ ص ۴۳۔

☆۲۶۔ دکن میں اردو شاعری ولی سے پہلے ص ۔۲۹۴ ایضاً ص ۲۹۶

☆۲۷۔ دیوان عبداللہ قطب شاہ کو ابتداً پروفیسر سید محمد صاحب نے مرتب کیا تھا۔ بعد کو اس کا جدید ایڈیشن راقم الحروف نے ڈاکٹر عطاء اللہ کے اشتراک سے ۲۰۰۰ء میں شائع کیا۔

☆۲۸۔ دکنی ادب کی تاریخ۔ ص ۷۰ ☆۲۹۔ تنقید شعر۔ ص ۱۶۳

☆۳۰۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ اردو۔ (جلد اول) دہلی ۱۹۷۷ء۔ ص ۳۵۹

☆۳۱۔ اصغر حسین لدھیانوی نے اپنے مضمون "تذکرہ عندلیبان رسول" میں لکھا ہے کہ "فراقی" نے غزل کی ہیئت میں نعت کا آغاز کیا" شام وسحر" (نعت نمبر) ص ۲۷

☆۳۲۔ قطب شاہی دور کا یہ ایک بڑا ادبی سانحہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کا تعمیر کروایا ہوا "خداداد محل" جس میں ایک فقید المثال کتب خانہ جل گیا اور اس کے ساتھ ہی اس دور کی متعدد قلمی کتابیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ (بحوالہ علی گڑھ تاریخ ادب اردو۔ ص ۳۵۰)

☆۳۳۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ "دیوان حسن شوقی" انجمن ترقی اردو۔ کراچی (پاکستان)۔ ۱۹۷۱ء۔ ص ۱۳۶

☆۳۴۔ ابو النصر محمد خالدی۔ کلام معظم۔ ادارہ ادبیات اردو۔ حیدرآباد۔ ۱۹۸۰ء/ ڈاکٹر حسینی شاہد نے اپنی کتاب "شاہ معظم" انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش۔ ۱۹۷۸ء میں خالدی صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے معظم کی متعدد ریختیوں کی نشاندہی کی ہے اور اس پر تفصیل سے بحث بھی کی ہے۔ ص ۱۹۱

☆۳۵۔ دکنی کلام اور اسلامی تہذیبی تاریخ۔ مرتب خواجہ معین الدین عزمی۔ حیدرآباد

☆۳۶۔ کلام معظم۔ ص ۷۷

☆۳۷۔ ایضاً ص ۸۱ ☆۳۸۔ ایضاً ص ۳۰ ☆۳۹۔ ایضاً ص ۴۰ ☆۴۰۔ ایضاً ص ۴۵

☆۴۱۔ ایضاً ص ۴۷ ☆۴۲۔ ایضاً ص ۵۰ ☆۴۳۔ ایضاً ص ۵۵ ☆۴۴۔ ایضاً ص ۲۶

☆۴۵۔ ایضاً ص ۱۵ ☆۴۶۔ ایضاً ص ۴۳ ☆۴۷۔ ایضاً ص ۳۳ ☆۴۸۔ ایضاً ص ۲۹

☆۴۹۔ ایضاً ص ۴۷

☆۵۰۔ ڈاکٹر حسینی شاہد۔ شاہ معظم۔ ص ۱۸۲

☆۵۱۔ محمد اکبرالدین صدیقی۔ بجھتے چراغ۔ حیدرآباد ۱۹۷۵ء۔ ص ۱۴۲
☆۵۲۔ ایضاً شاہ صادق کا ایک نایاب دیوان۔ ص ۲۲۰۔
☆۵۳۔ شاہ منظم۔ ص ۳۵ ☆۵۴۔ ایضاً۔ ص ۳۵ ☆۵۵۔ ایضاً ص ۳۹ ☆۵۶۔ ایضاً ص ۴۰
☆۵۷۔ ایضاً ص ۴۰
☆۵۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول) دہلی ایڈیشن۔ ص ۵۲۱
☆۵۹۔ ڈاکٹر حفیظ سید۔ کلیات بحری۔ ص ۱۲۷
☆۶۰۔ ڈاکٹر ریاض مجید۔ اردو میں نعت گوئی۔ اقبال اکادمی۔ لاہور (پاکستان) ۱۹۹۰ء۔ ص ۲۳۶
☆۶۱ کلیات بحری ص ۱۳۹ ☆۶۲۔ ایضاً ۱۵۰ ☆۶۳۔ ایضاً ص ۱۹۱
☆۶۴۔ محمد اکبرالدین صدیقی۔ بجھتے چراغ ص ۱۴۰
☆۶۵۔ ایضاً ۱۳۶ ☆۶۶۔ ڈاکٹر محمد علی اثر۔ دکھنی شاعری تحقیق وتنقید۔ ص ۸۶
☆۶۷۔ سب رس۔ حیدرآباد۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء ☆۶۸۔ دکھنی شاعری تحقیق وتنقید۔ ص ۸۷۔۹۳
☆۶۹۔ ڈاکٹر محمد علی اثر۔ نوادرات تحقیق۔ ص ۱۰۴۔۱۱۳۔
☆۷۰۔ ایضاً ص ۱۱۲
☆۷۱۔ ڈاکٹر وحید کوثر، دکنی کلیات حضرت فی الحال شاہ قادری کی تنقیدی تدوین۔ ص ۱۷۸
☆۱/۷۱۔ ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری، اردو شاعری میں نعت، ص ۱۵۱
☆۷۲۔ اردو شاعری میں نعت گوئی، ص ۳۳۴ ☆۷۳۔ ایضاً، ص ۳۳۵
☆۷۴۔ نورالحسن ہاشمی، کلیات ولی، ص ۲۷۴
☆۷۵۔ ایضاً ص ۵۹ اردو شاعری میں نعت مرتبہ اسمٰعیل آزاد فتح پوری، ص ۱۴۷
☆۷۶۔ ڈاکٹر محمد علی اثر۔ تحقیقی نقوش۔ ص ۳۳
☆۷۷۔ ایضاً ص ۳۳ ☆۷۸۔ ایضاً ص ۳۱
☆۷۹۔ دکن میں اردو ص ۳۷۵
☆۸۰۔ نصیرالدین ہاشمی۔ فہرست اردو مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد ص ۳۹۶
☆۸۱۔ تحقیقی نقوش۔ ص ۳۹۔ ☆۸۲۔ اکبرالدین صدیقی۔ بجھتے چراغ ص ۱۷۶
☆۸۳۔ ایضاً ص ۱۲۶۔
☆۸۴۔ ڈاکٹر خالدہ بیگم۔ دیوان داور۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ۱۹۵۸ء۔
☆۸۵۔ ایضاً ص ۳ ☆۸۶۔ ایضاً ☆۸۷۔ ایضاً ص ۶۵ ☆۸۸۔ ایضاً ص ۹
☆۸۹۔ ایضاً ۷۹ ☆۹۰۔ ایضاً ص ۹۹۔ ☆۹۱۔ ایضاً ص ۸۰ ☆۹۲۔ ایضاً ص ۴۷
☆۹۳۔ ایضاً ص ۳۷ ☆۹۴۔ ایضاً ص ۶۹ ☆۹۵۔ ایضاً ص ۱۰ ☆۹۶۔ ایضاً ص ۷۸
☆۹۷۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش۔ دیوان شاہ تراب۔ انجمن ترقی اردو۔ ۱۹۸۳ء ص ۳۹۴
☆۹۸۔ ایضاً ص ۳۶۴ ☆۹۹۔ ایضاً ص ۴۴۳ ☆۱۰۰۔ ایضاً ص ۳۸۳ ☆۱۰۱۔ ایضاً ص ۳۶۳
☆۱۰۲۔ ایضاً ص ۱۰۶ ☆۱۰۳۔ ایضاً ص ۱۹۲ ☆۱۰۴۔ ایضاً ص ۳۶۲
☆۱۰۵۔ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ کلیات سراج۔ ص ۲۷۹۔
☆۱۰۶۔ اردو شاعری میں نعت صفحہ نمبر ۱۱۵

☆۱۰۷۔ایضاً ص۱۵۵
☆۱۰۸۔سخاوت مرزا۔دیوان قاسم۔انجمن ترقی اردو کراچی۔۱۹۷۵مقدمہ
☆۱۰۹۔ایضاً ص۶۵
☆۱۱۰۔سخاوت مرزا کا خیال ہے کہ شاہ قاسم آخر عمر میں حیدرآباد آئے تھے اور انھوں نے یہیں وفات پائی (دیوان قاسم ص ز)
☆۱۱۱۔سخاوت مرزا۔دیوان قاسم ص ۲۔۳
☆۱۱۲۔ایضاً ص۷۶ ☆۱۱۳۔ایضاً ص۶۸ ☆۱۱۴۔ایضاً ص۶۰ ☆۱۱۵۔ایضاً ص۴۷
☆۱۱۶۔ایضاً ص۲ ☆۱۱۷۔ایضاً ص۱۹۱ ☆۱۱۸۔ایضاً ص۱۵۸ ☆۱۱۹۔ایضاً ص۱۲۳
☆۱۲۰۔ایضاً ص۱۰۵ ☆۱۲۱۔ایضاً ص۱۰۰
☆۱۲۲۔پروفیسر نجم الہدیٰ۔تصوف اور کلام قربی۔دی آزاد پریس سبز باغ پٹنہ۔۱۹۸۳ء ص ۴۸
☆۱۲۳۔ایضاً ص۹۹ ☆۱۲۴۔ایضاً ص۱۰۰ ☆۱۲۵۔ایضاً ص۱۰۰
☆۱۲۶۔علیم صبا نویدی۔باقر ویلوری کے ادبی نوادر۔مدراس ۱۹۹۵ء۔ص ۸۱
☆۱۲۷۔اکبرالدین صدیقی۔بجھتے چراغ۔حیدرآباد ۱۹۷۵ء۔ص ۲۲۰
☆۱۲۸۔محمد بن عمر۔وجیہ الدین وجدی۔حیدرآباد ص۱۰۲
☆۱۲۹۔بجھتے چراغ ص ۲۲۹ ☆۱۳۰۔ایضاً ص۲۲۱

عزیز احسن۔ کراچی

نعتیہ شاعری میں متنی رشتوں کی تلاش

ساختیاتی مفکرین نے کسی بھی متن کو آزاد اور بالکل نیا (Original یا انوکھا) متن ماننے سے انکار کردیا ہے۔ ان کے خیال میں معنی کا بہاؤ متن کی تجدید کا باعث بنتا رہتا ہے اور کسی بھی متن کو کسی زبان کے پہلے سے لکھے ہوئے موجود متن کی روشنی میں پڑھ کر متنی رشتوں (Textual Relati_nship) کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔

دوسری بڑی اہم بات یہ ہے کہ کسی متن کی معنویت کے تعین میں مصنف کے منشا کو قطعی دخل نہیں۔ کسی بھی متن کی قرأت کے عمل سے اس کی معنویت پرت پرت کھلتی اور قاری کے ذہنی آفاق کو روشن کرتی جاتی ہے۔ معروف فرانسیسی ساختیاتی مفکر رولاں بارتھ (Roland Barthes) کی فکر میں بنیادی نکتہ ہی ''متن کی کثیر المعنویت'' ہے۔ وہ ادب کی تعریف بھی اس طرح کرتا ہے ''ادب اشیا و عوامل کی معنی خیزی کا پیغام ہے، محض معنی کا نہیں۔'' معنی خیزی یعنی طرح طرح کے معنی پیدا کرنے کا عمل جسے بارتھ نے Signification کا نام دیا ہے۔

رولاں بارتھ کے اس نظریے کی روشنی میں اگر ہم اپنے ادبی سرمائے کا بالعموم اور نعتیہ شعری سرمائے کا بالخصوص مطالعہ کریں تو ہم پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ بارتھ نے بیس ویں صدی میں (پیدائش ۱۹۱۵ء وفات ۱۹۸۰ء) جس نکتے کی طرف توجہ مبذول کروائی تھی اس کے مظاہر اردو ادب میں پہلے سے موجود تھے۔

خیال کے چراغ سے چراغ جلنے کا عمل دنیائے ادب میں کوئی نیا نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس عمل کو کسی ادبی نظریے کی شکل دینے میں رولاں بارتھ نے پہل کی۔

بین المتنیت یا Intertextuality کا عمل ہمارے شعری منظرنامے پر دھنک کی طرح

بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ الگ بات کہ ہماری روایت نے اس عمل کو، توارد، نقالی، سخن وزدی کا نام دے کر اسے بدنام تو کیا لیکن اس عمل سے گریز کی راہ ممکن نہ ہوسکی۔ ایک بات البتہ محسوس کی گئی کہ جب کسی شاعر نے کسی موجود متن کو اس طرح اپنایا کہ اس کے معنی کے آفاق وسیع تر ہو گئے تو اس کوشش کو ہر سطح پر سراہا گیا۔

نئی لسانیات اور ساختیاتی تنقید میں تجدید متن نے ایک الگ مفہوم پیدا کیا ہے۔ یہاں موجود متن کو نئے انداز سے شعری بنت میں لانا حسن وخوبی کے ذیل میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کسی موجود متن کے منشا (جو کسی مصنف نے اپنے بنے ہوئے متن سے جوڑ رکھا تھا) سے انحراف اب قاری کا حق ہوگیا ہے۔ اب قاری کسی بھی متن کی قرأت سے اپنی مرضی کے معانی تراش سکتا ہے۔ پُرانے اور موجود متن سے نئے اور من مانے معانی کا اخذ کرنا بھی اردو ادب میں کوئی نئی چیز تو نہیں تھی تاہم اس کو بغیر نام دیے عمل میں لایا جا رہا تھا۔

اردو شعرا نے بیشتر فارسی اشعار کا یا تو ترجمہ کرنے کی کوششیں کیں یا کسی فارسی شعری متن کو نئے اسلوب میں لکھا۔ ترجمے کی کوششوں کو تو بعض نے سراہا بعض نے معیوب جانا تاہم تجدید متن کی ان کوششوں کو جن میں معانی کے آفاق پھیلتے ہوئے محسوس کیے گئے، حریفوں نے بھی استحسان کی نظر سے دیکھا، مثلاً یاس یگانہ چنگیزی نے غالب پر سرقے کا الزام لگایا لیکن تجدید متن کی اس خوبی کی اس نے بھی داد دی جس میں موجود متن کے معانی میں وسعت پیدا ہوگئی تھی یا شعری متن کے مفہوم میں بلندی کے آثار داخل ہو گئے تھے۔ غالب نے کہا تھا:

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

یگانہ نے لکھا ''بڑا بانکا شعر ہے۔ مگر یہ خیال شیخ علی حزیں کے ایک شعر سے پیدا ہوا جسے ترقی دے کر غالب نے نقل کو اصل سے بڑھا دیا ہے۔'' علی حزیں کا شعر تھا:

چہ لذت بو داز قاتل حزین نیم بسمل را
کہ درخوں می تپید و آفریں می گفت بر دستش

حزین نیم بسمل کو قاتل کے حملے سے کیا لذت حاصل ہوئی کہ اپنے ہی خون میں تڑپنے کے باوجود وہ قاتل کے زور بازو کو داد دے رہا ہے۔

ہماری شعری دنیا میں غزل ایک ایسی صنف ہے جس میں ایک ہی مضمون کے مختلف شعری

متون، مختلف انداز میں بُنے گئے ہیں۔ نعت کی طرف آیئے تو اس میں چوں کہ محبوب (محمد رسول اللہ ﷺ) ایک ہے اور نعت آپ کے جمالِ صوری اور حسنِ معنوی یعنی صورت اور سیرت دونوں کی عکس بندی کی کوشش ہے، لہٰذا ہر شاعر ایک ہی مضمون کو اپنے زاویۂ نظر، اپنے جوہرِ تخلیق اور اپنے اسلوب کی حدود میں رہ کر لکھتا ہے اس لیے ایک ہی متن کے بہت سے اشعار جمع کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن متن کی اس یکسانیت کو نہ تو توارد کا نام دیا جاسکتا ہے نہ سرقے کا اور نہ ہی مکھی پہ مکھی مارنے کا۔ تاہم جس شاعر نے اپنے متن کو شعری لوازمات برتتے ہوئے اچھے اسلوب اور فصیح زبان میں لکھا ہوگا وہ اچھا شعر قرار دیا جائے گا۔ ایسی کوشش کو تجدیدِ متن کی کوشش سے تعبیر کیا جائے گا۔

ایسے اشعار کی مثالیں دینے سے قبل ایک بات کی وضاحت اور ہوجائے!... رولاں بارتھ کا مشہور قول ہے۔ The Text is read without the father`s signature ''متن اپنے باپ (خالق یا مصنف) کے دستخط کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔'' مطلب یہ ہوا کہ متن کی قرأت کے لیے مصنف کا منشا جاننا ضروری نہیں اور نہ ہی کسی متن کو مصنف کے یک رخے معنی پہنائے جاسکتے ہیں۔

والٹر جے سلاٹوف Walter j. Slatoff کے بقول:

> متن کے ہیئتی خصائص ہمیشہ کے لیے مقررہ ردِعمل یا متعینہ افہام و تفہیم کی ضمانت نہیں دے سکتے۔

(ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات ص ۲۷۲۔ بحوالہ (۱۹۷۰) With Respect to Readers

والٹر جے سلاٹوف کے اس قول کے معنی اس مثال سے سمجھے جاسکتے ہیں کہ غالب نے نواب تجمل حسین خاں کے قصیدے میں یہ شعر لکھا:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

اس شعر کو نواب تجمل حسین خاں نے اور ان کے عہد کے لوگوں نے تو نوابی قصیدے کا جزو جانا اور اسی طرح اس کی معنوی حیثیت متعین کی لیکن بعد کے ادوار میں کسی نے اس شعر میں نعت کا رنگ دیکھ لیا اور اب اکثر اس شعر کو نعت کا شعر تصور کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شعر کو نعتیہ شعر قرار دینے سے شاعر کا منشا مجروح ہوتا ہے، لیکن قاری نے اس شعر کے معنیاتی طیف کو اپنے تاثر کے مطابق محسوس کیا اور اسی تاثر نے اسے اس نتیجے پر پہنچایا۔

ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی مرحوم کے لاشعور میں بھی غالباً ادب کی یہی تھیوری تھی جس کی

روشنی میں انھوں نے ''غزل میں نعت کی جلوہ گری'' کے موضوع پر قلم اُٹھایا۔ لیکن چوں کہ انھوں نے اس مضمون کو معنیاتی بوقلمونی کے روایتی تصورات کے تحت لکھا تھا اس لیے اس نظریے کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر وہ رولاں بارتھ کے جدید نظریے کے حوالے سے اپنی بات واضح کرتے تو شاید کسی کو اس کی مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی۔ ویسے پورے نظریے کی مخالفت کے لیے اہل دانش کو اس تھیوری کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور بات بہت دُور نکل جاتی۔

کشفی صاحب نے جتنے اشعار مثال کے طور پر پیش کیے وہ سب کے سب مصنفین کے منشا کے برعکس نعتیہ شعری ادب کے کھاتے میں ڈال دیے تھے۔ ان کے مضمون کا پہلا شعر خود کشفی صاحب کے بیان کے مطابق شاعر (احسان دانش) نے غزل کا شعر قرار دیا تھا اور کشفی صاحب کی نشان دہی پر غور کرنے کے بعد نعتیہ شعر کے طور پر قبول کیا تھا۔ اب وہ شعر اور کشفی صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:

ہوائیں ماری ماری پھر رہی ہیں
ترا نقش کف پا ڈھونڈنے کو

کشفی صاحب لکھتے ہیں:

> شعر سن کر میں نے بے ساختہ کہا کہ نعت کا کیسا اچھا شعر ہے۔ مرحوم (احسان دانش) نے فرمایا میں نے تو یہ شعر نعت میں نہیں کہا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ تخلیق ایک بے حد پیچیدہ اور طلسماتی عمل ہے۔ ضروری نہیں کہ فن کار کو تخلیق کے ہنگام اپنے عمل کے تمام محرکات وعوامل کا علم اور شعور ہو۔ تخلیق میں تو ہمارا پورا وجود شامل ہوتا ہے۔ شعور بھی اور لاشعور بھی۔ یہی نہیں بلکہ ہمارا معاشرتی اور اجتماعی شعور بھی اس عمل میں شامل ہوتا ہے۔۔
>
> پھر بات کا رخ کسی اور طرف مڑ گیا۔ خاصی دیر کے بعد احسان دانش مرحوم چونکے، میری طرف مڑے اور کہنے لگے... تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔
>
> (''نعت رنگ'' شمارہ ۹، ص ۱۳)

آج میں کشفی صاحب کے محولہ اشعار کو ان کے منشا کے مطابق (مصنفین کے منشا کے خلاف) نعتیہ اشعار ماننے کو تیار ہوں۔ کیوں کہ آج میرے پیش نظر **Reader-Oriented Criticism or Reader Response Criticism** ''قاری اساس تنقید'' کی کسوٹی ہے۔ جو مجھے یہ باور کرنے پر مجبور کر رہی ہے:

کسی متن کے بارے میں یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں
یا آنے والے زمانوں میں قارئین اس کو کس طرح پڑھیں گے۔
(ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات۔ گوپی چند نارنگ۔ ص ۲۷۲)

ہم اکثر روایتی شاعر کے کسی شعر کو اس شعر کی لفظیات کی معنوی چکا چوند کے پیش نظر کسی بھی پیش آمدہ صورت حالات پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اچھے نثر نگار اپنی بات میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے یہ عمل اکثر و بیش تر کرتے رہتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی مثال ہی میری بات سمجھنے کے لیے شاید کافی ہو۔

ایک مرتبہ ''سٹی گورنمنٹ کالج'' ناظم آباد، کراچی میں چھوٹی سی شعری نشست ہوئی تھی۔ میں اس کالج کے پہلے بیچ میں شامل ہونے کے باعث اس کالج کا ''اولڈ بوائے'' ہوں۔ پروفیسر وسیم فاضلی صاحب کے حکم پر میں بھی اس شعری نشست میں شریک ہوا۔ اتفاق سے نظامت کے فرائض بھی مجھے ہی انجام دینے پڑے۔ بھارت سے عرفان صدیقی مرحوم آئے ہوئے تھے۔ کراچی کے حالات کچھ زیادہ اچھے نہیں تھے۔ اس دن پاکستانی شاعروں نے بھی کچھ ایسی شعری تخلیقات پیش کیں جن میں بین السطور ہجرت کے تجربے کو تلخ تجربہ قرار دیا گیا تھا۔ عرفان صدیقی نے بھی جو شاعری سنائی اس میں غزل کے روپ میں شکایت زمانہ تھی۔ اختتام پر میں نے عرض کیا ''دونوں جانب کے شعراء کو سن کر جو تاثر میں نے قبول کیا ہے اس کے اظہار کے لیے مجھے مومن خاں مومن کا شعر مستعار لینا پڑ رہا ہے۔ مومن نے کہا تھا:

ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

عرفان صدیقی مرحوم نے اس تاثر کے اظہار پر کچھ احتجاج کیا لیکن پاکستانی شعرا نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

اس واقعے کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ مومن یا اس کے عہد کے کسی قاری کے حیطۂ خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہ شعر سیاسی عدم اطمینان کی کیفیات اور ماحول کی ناسازگاری کے حوالے کے طور پر بھی کبھی پڑھا جاسکتا ہے۔

اب ذرا وہ مصاریع ملاحظہ ہوں جو کسی شاعر نے کسی قدیم شاعر کے مصرعے پر گرہ لگانے کی غرض سے موزوں کیے ہیں اور اصل شاعر کے منشا کے برعکس نعتیہ شعر کے قالب میں ڈھال کر ہم

سے داد وصول کی ہے۔

ایاز صدیقی نے غالب کی منتخب غزلوں پر نعتیں کہی ہیں اور اکثر مواقع پر غالب کے مصرعوں پر ایسی ایسی گرہیں لگائی ہیں کہ غالب کے مصرعوں کی معنیاتی تقلیب دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

آقا نے مجھ کو دامنِ رحمت میں لے لیا
"میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا"

(ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی)۔ غالب نے موت میں اخلاقی محاسن کے فقدان کے باعث ہونے والی شرمندگی سے نجات ڈھونڈی تھی لیکن ایاز صدیقی نے پہلا مصرع اس انداز سے کہدیا کہ غالب کے مصرعے کا تناظر ہی بدل گیا۔ یہاں حضور اکرم ﷺ کی رحمت کا وہ پہلو بھی سامنے آگیا جو "اَلطَّالِحُ لِی" (برے میرے ہیں) کی حدیث میں پوشیدہ ہے:

ارض طیبہ پر قدم تو کیا، نظر جمتی نہ تھی
"ذرہ ذرہ روکش خورشید عالم تاب تھا"

(کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے ورنہ یاں)۔ غالب نے اپنے جنون نارسا کی کوتاہیوں کا ذکر کر کے صحرائے عشق کے ذرے ذرے کو سورج کا حریف قرار دیا تھا اور یوں خود کو ملامت کی تھی۔ ایاز صدیقی نے ارض طیبہ کے ذرّے ذرّے سے پھوٹنے والی تجلیات کا احوال رقم کر کے غالب کا مصرع اپنا لیا ہے۔

شدت تشنگی دید بیاں ہو نہ سکی
"گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا"

(نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضموں غالب)۔ اس شعر میں ایاز صدیقی کوئی نعتیہ قرینہ پیدا نہ کر سکے کیوں کہ ان کا مصرع غالب کے مصرعے ہی کا دوسرا ملفوظی پیکر لگتا ہے۔ غالب کے مصرعے سے بھی تشنگی ذوق کا خاطر خواہ انداز میں بیان نہ کر سکنے پر افسوس مترشح ہے اور ایاز صاحب نے بھی بیان دید کی تشنگی کا جی کھول کر تذکرہ نہ کر سکنے پر اپنا احساس عدم آسودگی لکھا ہے۔ ایاز صدیقی کا یہ شعر نعت کے تسلسل سے الگ ہو جائے تو غزل کا شعر ہی معلوم ہوگا۔ اس کے باوجود متن کی تقلیب کا تاثر پیدا ہو رہا ہے۔

آیا ہوں آج آپ کا دربار دیکھ کر
"حیراں ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر"

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
(غالبؔ)

اس شعر میں ایاز صدیقی نے پہلا مصرع اس خوبی سے لگایا ہے کہ دوسرے مصرعے میں کیا جانے والا لفظی تغیر (جلتا ہوں کی جگہ حیراں ہوں) بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ایاز نے نعتیہ تاثر اس قرینے سے پیدا کیا ہے کہ غالب بھی انھیں داد دیتے۔ یہ شعر تجدید متن کی بہت اچھی مثال ہے۔

سوئے طیبہ لیے جاتی ہے حضوری کی لگن
"جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو"

(لیے جاتی ہے کہیں ایک تمنا غالب)۔ غالب کے "کہیں" کو "سوئے طیبہ" سے بدل کر ایاز صدیقی نے غالب کا مصرع نئی معنویت کے ساتھ اپنا لیا ہے۔

سبز گنبد کی زیارت کو ترستا ہوں ایاز
"واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے"

(کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم)۔ غالب نے خالص غزل کا شعر کہا تھا۔ ایاز صدیقی نے "سبز گنبد" کا حوالہ دے کر شعر کو نعتیہ تناظر دیدیا اور متن کی تجدید و تقلیب کی اچھی مثال پیش کی۔

غالب نے اور ایاز صدیقی کے تضمینی عمل سے قبل تک غالب کے کسی قاری نے بھی غالب کے ان مصرعوں کو نعتیہ شعری تناظر میں نہیں دیکھا ہوگا، لیکن اب ان اشعار کی تجدید متن اس طرح ہوئی ہے کہ معنیاتی تناظر بھی بدل گیا ہے اور مصرعوں کی قرأت کا اسلوب بھی یکسر تبدیل ہو گیا ہے۔ میں نے متن کے تغیر کو ظاہر کرنے کی غرض سے غالب کے وہ مصرعے بھی لکھ دیے ہیں جن کی جگہ ایاز صدیقی نے نعتیہ شعری تناظر میں مصرعے لگائے ہیں۔ ظاہر ہے ایاز صدیقی نے غالب کے شعروں کو غالب کے منشا کے مطابق قطعی نہیں پڑھا ہے۔ پھر انھوں نے غزل کا مزاج قائم رکھتے ہوئے ایسے محبوب کے ذکر کا بیڑا اُٹھایا ہے جس کے لیے پوری نعتیہ شاعری میں ایک مصرع ہی ضرب المثل کے طور پر دُہرایا جا سکتا ہے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

راغب مراد آبادی نے غالب کے ایک مصرعے پر گرہ لگا کر اس مصرعے کو اس طور اپنایا

کہ ادب کے باذوق قاری اور بلند پایا نقاد ابوالخیر کشفی بھی کہہ اٹھے:

غالب کا یہ شعر بہت خوب صورت ہے لیکن راغب صاحب کی تضمین پڑھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے غالب کا دوسرا مصرع سو سال سے زیادہ عرصے سے اس مصرعے کا منتظر تھا۔ غالب نے وحدۃ الوجود کی بات کی تھی۔ ذات رب میں فنا ہو کر ہی مقام بقا پر پہنچنا مقصود حیات ہوسکتا ہے، لیکن جہاں تک ہماری پہچان اور تشخص کا سوال ہے۔ اس کا رشتہ حضور ﷺ سے ہے۔

اب راغب کا وہ شعر ملاحظہ ہو جس کی تعریف اتنے خوب صورت پیرائے میں کی گئی ہے:

جو سب سے محترم بعد خدا ہے
''ہم اس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا''

تجدید متن کی یہ مثالیں قدیم متون کو نئے تناظر میں پڑھنے، بجھنے اور تخلیقی عمل سے (جداگانہ اسلوب میں) گزارنے کے نتیجے میں سامنے آئی ہیں۔

اب ذرا وہ کاوشیں ملاحظہ ہوں جو کسی ایک ہی مصرعے کی تضمین میں اور تقریباً ایک جیسے متن کی بنت میں مختلف شعرا نے کی ہیں۔ سید علی حیدر نظم طباطبائی کی غزل کا ایک مصرع تھا:

ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی

اس مصرعے کو طرحی مصرع ٹھہرا کر نعتیہ مشاعرہ کیا گیا۔ شعراء کرام نے اس ایک مصرعے کی قرأت اس طور کی کہ کچھ نعتیں تو غیر مردف ہوئیں۔

یعنی ان نعتوں کا قافیہ ہی ''آئی''، ''پائی'' ٹھہرا۔ کچھ شعراء نے نسیم، سلیم، کو قافیہ بنا کر آئی کو ردیف کے ذیل میں رکھا۔ کچھ شعراء نے ''اٹھا، پیدا'' وغیرہ قافیئے کے طور پر استعمال کیے اور ردیف کو دوحرفی بنا دیا یعنی ''نسیم آئی'' دیگر شعراء نے ''ابرتر، معتبر'' کو قافیہ فرض کیا اور ''اٹھا، نسیم آئی'' کو ردیف میں شامل کیا۔

اب مصرع طرح کی قسمت کس کس طرح چمکی اس کا انداز بھی دیکھتے چلیے۔

۱۔ چمن میں رحمۃ للعالمیں کی آمد آمد ہے
''ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی''

(محمد بشیر رزمی، لاہور)

۲۔ جہاں میں رحمت عالم نے جب کی بزم آرائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(جمیل عظیم آبادی، کراچی)

۳۔ ولادت میرے آقا کی بہار جاوداں لائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(رفیع الدین ذکی قریشی، لاہور)

۴۔ جب آئے آپ عالم میں تو لی موسم نے انگڑائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(صدیق فتح پوری، کراچی)

۵۔ ابد تک ان چراغوں نے ترے در سے ضیاء پائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(قاری غلام زبیر نازش، گوجرانوالہ)

۶۔ بہ فیض عید میلا دالنبیؐ ہر شے دمک اٹھی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(خلش بجنوری، لاہور)

۷۔ محمد مصطفیؐ کی دیکھئے گایوں پزیرائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(ڈاکٹر عطاء الحق، انجم فاروقی، لاہور)

DARULMUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH
دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ

۸۔ شعاع نور ختم المرسلینؐ ہی کے توسل سے
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(عابد اجمیری، لاہور)

۹۔ سلگتے منظروں کو آپ نے بخشی وہ زیبائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(صادق جمیل، لاہور)

۱۰۔ رسول پاک جب تشریف لائے بزم امکاں میں
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(حافظ محمد صادق، لاہور)

۱۱۔ ولادت باسعادت جب ہوئی میرے پیمبر کی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(حافظ محمد صادق، لاہور)

۱۲۔ یہ کون آیا کہ خود فطرت نے بڑھ کر کی پذیرائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(ضیا نیر، لاہور)

۱۳۔ ملی سرکارؐ کی آمد سے ہر اک شئے کو رعنائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(رفاقت علی رفاقت سعیدی، کاموکے)

۱۴۔ حلیمہ اپنے گھر میں جب وہ رحمت کی گھٹا لائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(ڈاکٹر محمد ارشاد بھٹی، کاموکے)

۱۵۔ بہار بے خزاں آئی عرب کے خشک صحرا میں
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(منصور فائز، لاہور)

۱۶۔ انھی لفظوں کی برکت نے ہی مجھ سے نعت لکھوائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(اعجاز فیروز اعجاز، لاہور)

۱۷۔ جناب رحمت للعالمین تشریف جب لائے
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اُٹھا، نسیم آئی"

(محمد سلطان کلیم، لاہور)

۱۸۔ پڑھا ہوگا درود پاک بلبل نے کہ گلشن میں
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(ثاقب علوی، کاموکے)

۱۹۔ مرے سرکارؐ کے اس گلشن عالم میں آتے ہیں
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(راجا رشید محمود، لاہور)

۲۰۔ لیا دست عقیدت میں جو میں نے خامۂ مدحت
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(راجا رشید محمود، لاہور)

۲۱۔ حرا سے جب سوئے مکہ نبوت کی شمیم آئی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(محمد حنیف نازش قادری، کاموکے)

۲۲۔ نبیؐ پاک کی مکہ میں جب ذات رحیم آئی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(رفیع الدین ذکی قریشی، لاہور)

۲۳۔ بہاروں کے پیمبر کی جو گلشن میں ہوئی آمد
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(سحر فارانی، کاموکے)

۲۴۔ جو گھر میں آمنہ کے رحمت رب کریم آئی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"

(یونس حسرت امرتسری، لاہور)

۲۵۔ "ہنسے غنچے، کھلے گل، ابر تر اٹھا، نسیم آئی"
نبی تشریف لائے دہر میں باد شمیم آئی

(حافظ غلام رسول ساقی، گوجرانوالہ)

۲۶۔ درود مصطفیؐ محمود ہونٹوں پر جونہی آیا
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

(راجا رشید محمود، لاہور)

۲۷۔ نوید جانفزا مولود پیغمبرؐ کی سنتے ہی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

(راجا رشید محمود، لاہور)

۲۸۔ جو بعثت مصطفیؐ صل علی کی حق نے فرمائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

۲۹۔ جو ہاتف نے خبر سرکارؐ کی آمد کی پھیلائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

۳۰۔ بہار گلشن امکاں سر فاراں جو مسکائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

۳۱۔ جہان آب و گل میں تھی نبیؐ کی جلوہ آرائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

۳۲۔ یہ تھی مولود محبوب خدا کی کار فرمائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

۳۳۔ ربیع الاوّل آیا تو خزاں محمود شرمائی
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، نسیم آئی"

(گرہ بند نعت، راجا رشید محمود، لاہور)

۳۴۔ تجھے دیکھا تو سب کو اپنے ہونے کا یقیں آیا
"ہنسے غنچے، کھلے گل، ابرتر اٹھا، بہار آئی"

(غضنفر جادو چشتی، گجرات)

ایک مصرعے پر گرہ لگانے کی ۳۳ مثالیں ہیں۔ صرف ایک شاعر نے نسیم آئی کے بجائے بہار آئی لکھ کر مشق سخن کی ہے۔ ان تمام مثالوں میں صرف نو مصرعے (نمبر شمار ۵، ۸، ۹، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۶ اور ۳۰) ایسے ہیں جن کا متن ولادت، آمد، مولود، یا حلیمہ سعدیہ کے گھر حضور اکرم ﷺ کی

تشریف آوری سے مختلف ہے۔ باقی تمام تضمینی مصرعے ایک ہی متن یعنی آمد، بعثت یا حضرت حلیمہ کے گھر میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے حوالے سے شعری بنت میں آئے ہیں۔ اس طرح کی مشق سخن سے نعت گو شعرا کا اجتماعی رویہ جھلکتا ہے کہ غنچوں کے ہنسنے، پھولوں کے کھلنے، ابر تر کے اُٹھنے اور نسیم کے چلنے کی سرشاری کے مضمون کو صرف اور صرف حضور ﷺ کی آمد، آپ کی ولادت باسعادت اور آپ کی بعثت کے تناظر ہی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ایسے تمام مصرعوں کی بنت میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہے لیکن سارے مصرعے ایک ہی متن کے مختلف اسالیب کے آئینہ دار ہیں یعنی آج کی تنقیدی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب مصرعے ایک ہی متن کے رشتے میں منسلک ہیں ان میں Inter-Textual Relationship قائم ہے۔ ظاہر ہے شعرا نے نظم طباطبائی کے دوسرے مصرعے کو نہ تو جاننے کی سعی کی ہوگی اور نہ ہی اس شعر کے مکمل متن کی پیروی کا خیال رکھا ہوگا۔ اس طرح تمام شعرا نے یہ ثابت کردیا ہے کہ متن کی قرأت کے ضمن میں وہ اصل شاعر کے منشا کے نہ تو پابند ہیں اور نہ ہی اس کے بُنے ہوئے متن کا صدفی صد تتبع کرنے کے لیے تیار ہیں۔ راجا رشید محمود صاحب نے تو پورا ''گرہ بند نعت'' ہی سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آمد کے متن کی روشنی میں قلم بند فرمادیا۔

ایسی شاعری میں مسابقت کے ہزار ہا پہلو ہوتے ہیں اس لیے ان تمام شعری کاوشوں میں بہتر Poetic discourse یا شعری مکالمہ اسی شاعر کا ہوسکتا ہے جس نے زبان و بیاں اور اسلوب کی طرفگی کے ساتھ ساتھ طرحی مصرعے کے معنوی تیوروں کا خیال رکھا ہے۔ جن شعرا نے سرکار ﷺ کی آمد کے مضمون سے ذرا مختلف بات کی ہے ان کا متن کہیں بہتر ہوگیا ہے اور کہیں سیاق سے ہٹ بھی گیا ہے۔ بہرکیف مجھے فی الحال شعرا کی تضمینی کوششوں کو درجہ بندی کے خیال سے نہیں پرکھنا ہے، صرف متنی رشتوں کے حوالے سے بات کرنی ہے۔ ایک ہی متن کے مختلف شعری لونی عکس Shades کو درج بالا مثالوں میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

بین المتنی تناظر میں تجدید متن کی ایک مثال تابش دہلوی کا یہ شعر ہے:

میں عاصی آپ سرتاپا شفاعت
یہ رشتہ آپ سے محکم بہت ہے

اس شعر کا متنی رشتہ ساجد اسدی کے اس شعر سے قائم ہوتا ہے:

ہے درخشاں ایک پہلو یہ مری تقدیر کا
واسطہ ہے ان کی رحمت سے مری تقصیر کا

اور ساجد اسدی کا یہ شعر غالب کی زمین میں ہے۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غزل ہے جس کا مطلع نعتیہ ہے:

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

اور مقطع ہے:

دل و دیں بردی و ہوش و خرد و صبر و قرار
دگراز خسرو بے دل چہ تمنا داری؟

خسرو کی اس غزل کا مطلع پچھلی سات صدیوں سے زیادہ مدت سے ہمارے نعتیہ شعری منظرنامے پر اپنے معنوی رنگ بکھیر رہا تھا لیکن اس کے متن کی تجدید نہیں ہوسکی تھی، یا اس خوبی سے اس متن کی تجدید نہیں ہوسکی تھی جس خوبی سے جمیل نقوی مرحوم و مغفور کے شعری عمل میں ممکن ہوئی ہے۔ جمیل نقوی نے اس مطلع کے متن کو اس طور اپنایا ہے اور اس کو اس قدر وسعت دیدی ہے کہ یہ متن ہی ان کا ہوگیا ہے، فرماتے ہیں:

آپ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار
حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا کے سوا

اس ضمن میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں:

> ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' کہنے والے نے بھی حسن یوسفؑ، دم عیسیٰؑ اور ید بیضا کو مثال کے طور پر پیش کیا تھا اور ان اجزاء سے دوسرے ان کے محاسن کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ''خوباں'' کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے، مگر جمیل نقوی نے ''کے سوا'' کے ٹکڑے سے مضمون چمکا دیا ہے۔

تجدید متن کی اس بہترین مثال کے بعد میں مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ نعتیہ شاعری کے گلشن میں ایک متن کے ہزار ہا پھول کھلے ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل فراہم کرتے ہیں کہ ''ماترک الاوّل للاخو شیاء'' (پہلوں نے دوسروں [بعد میں آنے والوں] کے لیے کچھ نہیں چھوڑا''۔ ہاں جودت طبع سے رائج متون میں اسلوبیاتی اور فکری سطح پر اضافے ممکن ہیں اور یہی رشتے تلاش کرنے کے لیے میں نے نعتیہ ادب کا کچھ مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہوسکتا ہے مستقبل میں نئی تھیوری کی روشنی میں مجھ سے بہتر نقاد کچھ زیادہ گہرے نتائج فکر پیش کرنے کے قابل ہوجائیں اور

یوں نعتیہ ادب میں بھی سنجیدہ مسائل پر غور و فکر کی طرح ڈالی جاسکے!

کتابیات

۱۔ ایاز صدیقی، ثنائے محمد ﷺ، (ایاز صدیقی، ۳۰۲۔ بی گلگشت، ملتان) ۱۹۹۳ء۔
۲۔ تابش دہلوی، تقدیس (ادب کاہ ناظم آباد، کراچی ۱۹۸۵ء)
۳۔ جمیل نقوی، ارمغان جمیل (الیٹ پبلیشرز لمیٹڈ، ڈی۔۱۱۸ ایس آئی ٹی ای کراچی) ربیع الاول ۱۴۰۵ء
۴۔ راجا رشید محمود، ماہ نامہ ''نعت''، جلد ۱۶، شمارہ ۹ (اظہر منزل، چوک گلی نمبر ۱۰ ر ۵، نیو شالا مار کالونی، ملتان روڈ، لاہور) اکتوبر ۲۰۰۳ء
۵۔ ساجد اسدی، پیامبر مغفرت (ا۔جی ۴۔۱۰، ناظم آباد، کراچی) ۱۹۷۵ء
۶۔ صبیح رحمانی، نعت رنگ، شمارہ ۹ (۲۵۔ ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹس، فیز ۵، شادمان ٹاؤن، نمبر ۲ شمالی کراچی، مارچ ۲۰۰۰ء
۷۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت (ایک ادبی و فلسفیانہ مخاطبہ)، (اختر مطبوعات، اے۔۷۰ بلاک ۱۷، فیڈرل بی ایریا، کراچی) ۱۹۹۹ء
۸۔ غلام رسول مہر، نوائے سروش ا مکمل دیوان غالب مع شرح ا (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) س۔ن
۹۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات (ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، بھارت) دسمبر ۱۹۹۳ء

گوہر ملسیانی۔ خانیوال

رحمت و شفقت محسنِ انسانیت ﷺ
نعت کے آئینے میں

اصنافِ ادب میں صنف نعت درحقیقت محبت و الفت، عقیدت و اطاعت اور ریاضت و ودیعت کا ایسا فن ہے جس میں اگر عشق و مستی کی گرمی درکار ہے تو قلب و نظر کی بے انتہا پارسائی و نرمی بھی درکار ہے بلکہ قرآن کریم کے فرمان کے مطابق خلوصِ دل سے نعت کہنے کی ہدایت ہے:

ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (الاحزاب، ۳۳۔۵۶)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے اہل ایمان تم بھی خوب ان پر درود اور سلام بھیجا کرو۔

یوں نعت حکم خداوندی کی اطاعت اور بقول پروفیسر محمد اقبال جاوید "نمازِ نیاز" بن جاتی ہے۔ جذبوں کی سرسراہٹ، سرمدی خیالوں کی جگمگاہٹ اور بادِ صبح گاہی کی گدگداہٹ نعت کے خمیر کی ٹمٹماہٹ میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو خانوادۂ عبدالمطلب سے طلوعِ سحر کی پیشانی پر ہویدا ہوئی۔ لب پر سلک عقیدت بن کر چمکنے دمکنے لگی، حضرت حسانؓ بن ثابت کی فکر رسا سے سخن کے آسمان پر ضیائے رخشندہ بنی۔ تخلیقی صلاحیتیں، جذبوں کی بشارتیں اور تحقیقی صداقتیں عہد بہ عہد اس کے افکار و انوار کی زینت بنتی رہیں۔ آج بھی یہ ضیا بار صنف سلطنت سخن پر حکمرانی کر رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر میں اس گلزار سدا بہار کے مختلف پھول رنگ و نور کی صدہا شعاعیں، اسلوب کی متنوع پُر بہار ردائیں اور نفیس خیالات کی پارسا ادائیں لیے عشق و عقیدت نبی رحمت ﷺ کو نکہت نشاں بنا رہے ہیں۔

سرورِ کائنات ﷺ کی تخلیق و بعثت کا ارادہ کرنے والی ہستی خود رب کائنات ہے۔ وہ ذات، وہ باری تعالیٰ "جس کی آیات کائنات کے ہر ذرّے میں نہاں، جس کی ذات کا، کوئی مثال

ادراک نہیں کرسکتی، جس کی صفات کا کوئی زبان احاطہ نہیں کرسکتی۔'' (نقوشِ سیرت از شیر محمد زمان چشتی، ص ۶۳) ربِّ کائنات خود اپنے قرآن میں فرماتا ہے:

کہہ دیجیے کہ سمندر میرے رب کے کلمات کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لیے روشنائی ہو، تو سمندر ختم ہوجائے گا، میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے، خواہ اس سمندر کے برابر اور لے آئیں، روشنائی کے لیے۔

(سورۃ الکہف، ۱۸:۱۰۹)

بلکہ اس تصور کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے کہا:

اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں قلم بن جائیں اور سمندر اس کی روشنائی ہو اور اس کے ساتھ مزید سات سمندر بھی ہوں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ (سورۂ لقمان ۳۱:۲۷)

یہ ایک ابدی صداقت ہے، جس کا اقرار ہر ذی شعور انسان کرتا ہے۔ ہم عموماً اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ کا ورد و وظیفہ کرتے ہیں۔ ان میں ''اللہ'' وہ اسم ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح اسمائے صفات میں بھی ایک ایسا نام ہے جو ذاتِ باری کی بنیادی ایسی صفت ہے جس کا مصداق اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ ہے ''الرحمٰن'' جسے ہم قرآن حکیم کی پہلی صورت میں اور ہر نماز میں بار بار پڑھتے ہیں:

الحمد للّٰہ ربّ العالمین. الرحمن الرحیم۔

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے سب جہانوں کا، بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''الرحمٰن'' کی وضاحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

اسمائے حسنہ میں وہ اسم جو اس نظامِ وجدانی کا مبدا ہے اور جس کے بعد اور کوئی اسم نہیں وہ ''الرحمٰن'' ہے۔ میں ''الرحمٰن'' کی عمومیت اور علوم و معارف بیان کرنے سے قاصر ہوں... اس کے فیضان کی حیثیت... کلی... ہے اور اس فیضان کا مبدا ذاتِ اقدس کی رحمانیت مطلقہ ہے۔

(نقوشِ سیرت ۶۳:۶۴)

رحمٰن ہے رحیم ہے وہ اللہ الصمد
غفار ہے کریم ہے وہ اللہ الصمد

اے رحمٰن و ارحم، اے نورِ حقیقت
اے خلاقِ اکبر، اے حسنِ عبادت
تری مہربانی، تری ہے عنایت
زباں کا تکلم، بصیرت، بصارت

خیالوں میں رفعت جو ذوقِ ثنا ہے
یہ تیری عطا ہے، یہ تیری عطا ہے
(گوہر ملسیانی)

یہ حقیقت سب پر آشکار ہے کہ اللہ تعالیٰ ربّ العالمین ہے۔ اسی نے اس کائنات کی ہر چیز انسان، حیوان، نباتات، جمادات، فلکیات، دشت و جبل، بحر و بر، سب پر اپنی رحمت فرمائی ہے۔ وہ "الرحمٰن و الرحیم" ہے وہ خالق اور رازق بھی ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر مہربان ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس دنیا کی کس شے کو کس چیز کی ضرورت ہے۔ کہاں پیاس ہے کہ کھیتیاں خشک ہو رہی ہیں۔ کہاں بھوک ہے کہ مخلوق کو خوراک کی ضرورت ہے۔ اس کی رحمت کا سمندر ہر وقت ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کہاں کسان اپنی فصلوں کے لیے بارش کی دعا مانگ رہا ہے، کہاں انسان و حیوان اپنی غذا کے لیے بے قرار ہیں۔ کہاں پھول مرجھا رہے ہیں اور گلستان ویران ہو رہے ہیں۔ کہاں پہاڑ پر سبزہ زرد ہو رہا ہے، کہاں دشت و صحرا میں جھاڑیاں مرجھا رہی ہیں، کہاں موسم خزاں میں درختوں کے پتے دوشِ ہوا پر ناچ رہے ہیں، کونپلوں کے لب بہار کی آمد کے لیے جمع ہو رہے ہیں تو اس کی رحمت جوش میں آجاتی ہے، آسمان پر رحمت کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں پھر چھم چھم بارش برسا جاتی ہیں۔ دھرتی سیراب ہوجاتی ہے، روئے زمین شاداب ہوجاتی ہے۔ ریگستان میں بیر بوٹیاں سرخ مخملیں لباس زیب تن کر کے خشک نرم ریت پر رینگنے لگتی ہیں۔ یہی خالق کائنات اپنی رحمت کا نقشہ کھینچ کر قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور ہوائیں بادلوں کو اپنی جگہ سے ابھارتی ہیں اور جس طرح اس کی مرضی نے انتظام کر دیا ہے، بادل فضا میں پھیل جاتے ہیں، پس تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے مینہ برسنے لگتا ہے اور تمام زمین سرسبز و شاداب ہوجاتی ہے پھر جب وہ اپنے بندوں پر جو بارش سے مایوس ہوگئے تھے، پانی برسا دیتا ہے تو وہ کامیاب و خرم ہو کر

خوشیاں منانے لگتے ہیں۔ (سورۂ روم ۳۰:۴۸)

علم و فکر کے اس شعبہ میں عمیق نظر ڈالیے تو معلوم ہو جائے گا کہ کائناتِ انسانی کا یہ عالم گیر نظام زندگی و شادابی اور افزائش و ارتقا کی خوبیوں سے معمور ہے۔ اس میں جہاں حرکت و حیات اور نشوونما ہے وہاں حسن و جمال اور آرائش و زیبائی بھی ہے۔ یہ سب کچھ رحمت خداوندی کی کبریائی بھی ہے۔

پروردگارِ عالم کا یہ لطف و احسان ہے، اس کی رحمت کا فیضان ہے کہ وہ اس کائنات کی ہر ہستی کی احتیاج کا سامان کر رہا ہے، یہی تو صفت رحمٰن ہے جس پر ہر انسان کا ایمان ہے۔ اس رحمانیت کو دیکھ کر آج کے حکیم و دانا، مفکر و صاحب علم الکلام، فلاسفر اور موجدان مغرب حیران و ششدر ہو رہے ہیں کیوں کہ رحمت کی یہ بارش مسلسل برس رہی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

> ہم دیکھتے ہیں کہ کائناتِ ہستی کی فطرت میں بناؤ ہے، اس کے بناؤ میں خوبی ہے، اس کے مزاج میں اعتدال ہے، اس کے افعال میں خواص ہیں، اس کی صورت میں حسن ہے، اس کی صداؤں میں نغمہ ہے، اس کی بو میں عطر بیزی ہے اور اس کی کوئی بات نہیں جو اس کارخانہ تعمیر و درستگی کے لیے مفید نہ ہو۔ پس یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی وسیع اور عام ہے، قرآن کہتا ہے کہ رحمت ہے اور خالق کائنات کی رحمانیت اور رحیمیت کا ظہور ہے۔
>
> (''جمالِ سیرت'' از کرنل وصی الدین احمد، ص ۱۱۱-۱۱۲)

ارشاد ربانی کچھ یوں بھی ہمارے سامنے اپنی رحمت کی وسعت کا اظہار کرتا ہے:

و رحمتی وسعت کل شیء. (الاعراف ۷:۱۵۶)

اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

جس طرح یہ صفت ''الرحمٰن'' صرف باری تعالیٰ کے لیے مختص ہے، اسی طرح یہ برگزیدہ وصف ''رحمت للعالمین'' بھی محبوبِ ربّ العالمین ﷺ کے لیے مختص ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے، اسی طرح ربّ العالمین نے محسن انسانیت ﷺ کے قلب مبارک میں اپنی مخلوق کے لیے محبت، شفقت اور رحمت کی صفات رکھ دیں۔ سرورِ عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ

اس رحمت کا بین ثبوت ہے کہ کمالِ رافت و رحمت ہر لمحہ، ہر واقعہ اور ہر بیان سے نور سحر کی طرح پھوٹتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ محبت، احسان، یہ شفقت، یہ نرمی اور یہ رقت آپ کی ہر ادا سے ظاہر ہے۔ یہ لطف، یہ کرم اور یہ فضل صرف عرب کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے ہر منطقے اور ہر خطے کے لیے ہے۔ گورے کے لیے ہے، کالے کے لیے ہے، عربی کے لیے اور عجمی کے لیے ہے۔ مشرق کے لیے ہے اور مغرب کے لیے ہے، اس دور کے ہر انسان کے لیے ہے اور حشر تک کے ہر فرد کے لیے ہے بلکہ سارے جہانوں کے لیے آپ کی رحمت ہے۔ خالقِ کائنات نے اسی لیے تو یہ فرمان جاری فرما دیا:

و ما ارسلنک الا رحمة للعالمین۔ (الانبیاء ۲۱:۱۰۷)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام جہانوں کے لیے رحمت کا ظہور ہو۔

یوں آپ کی ذات رحمۃ للعالمین بن گئی اور اس وصف میں یکتا ہو گئی۔

آپ کی بعثت رحمۃ للعالمین کے مرتبت کے ساتھ ایک ایسی صداقت ہے، ایسی حقیقت ہے، ایسی بشارت اور نوید ہے جو عالم عالمیان کو احساناتِ الٰہیہ بناتی ہے۔ (جمالِ سیرت، ص ۱۱۹)

تیرے کرم نے ڈال دی طرح خلوص و بندگی
تیرے غضب نے بند کی رسم و رہِ ستم گری
(جوش)

ان مباحث کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ محسن انسانیت عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ جغرافیائی حدود و قیود سے ماورا ہر سمت اور گوشہ کو محیط ہیں۔ ''آپ کی رحمت کا فیض بلا قید زماں، عالم حاضر و عالم مستقبل، ہر زماں، اہل زماں کے لیے جاری ہے۔ دوست کی دوستی، جاں نثار کی جاں سپاری، صاحت خیر و خلوص کی غم گساری، اعدائے کینہ پرور کا عناد، مجوسی و صابی کا فساد، خاکی کا عجز، عالی کا فخر، ابلہ کی سادہ لوحی، جینیس کی عبقریت، غریب کی غربت، قریب کی قربت... ہر کیفیت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت کا در کشادہ... ہر عالم میں رحمت محمدی ﷺ کی شان میں، آن بان میں، نہ کمی نہ تغیر اور کیسے ہو؟ کہ... شہنشاہِ ربّ العالمین نے خود محمد عربی ﷺ کو رحمت للعالمین کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ یہی عالمین کے کلمہ کی حکمت ہے، جامعیت ہے۔''

(نقوشِ سیرت، ص ۶۷-۶۶)

مظہر شانِ کبریا صل علیٰ محمدٍ
آئینۂ خدا نما صل علیٰ محمدٍ
حسرت موہانی

اس رحمت عالم کی عطا سب کے لیے ہے
سرکار کی شفقت کی ردا سب کے لیے ہے
(ابوالخیر کشفی)

رحمت عالم بنا کر سارے عالم کے لیے
عالم انوار سے بھیجا گیا بطحا کا چاند
(ہوش اکبرآبادی)

زمیں بھی تیری ممنونِ کرم ہے آسماں بھی ہے
تری رحمت یہاں بھی ہے، تری رحمت وہاں بھی ہے
(عاصی کرنالی)

وہ جو ہیں رحمت کونین ہر زمانے میں
سراپا لطف و کرم تا ابد ہے جن کا وجود
(اختر الحامدی)

تری رحمت کی وسعت اے تعال اللہ، تعال اللہ
چلے آئے سمٹ کر ہر دو عالم تیرے داماں میں
(عابد بریلوی)

اس کی شفقت ہے بے حد و بے انتہا، اُس کی رحمت تخیل سے ماورا
جو بھی عالم جہاں میں بنایا گیا اس کی رحمت سے اس کو بسایا گیا
(کرم حیدری)

آپ کا فیض جا بجا، آپ کا لطف کو بہ کو
سینہ بہ سینہ، دل بہ دل، خانہ بہ خانہ کو بہ کو
(خالد بزمی)

شعرائے کرم نے رحمت للعالمینی کی اس صفت جاوداں کو اپنے اشعار کی دولت بناتے ہوئے تخیلات کی بلند پروازی میں بھی حقائق جامعہ کا نور اپنے سامنے رکھا ہے۔ اس مضمون کی رعنائی، اس موضوع کی گہرائی اور اس وصف کی عالم آرائی کے ادراک سے ان کا کیسۂ اسلوب مالامال ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی رحمت کا بادل ہر کرۂ کائنات پر برستا ہے۔ وہ رحمت عالمین ﷺ ہیں، ان کے احسانات بھی کون و مکاں کی حدیں عبور کر جاتے ہیں۔ نعت کائنات ان

کے ان عطیات سے جگمگا رہی ہے۔ اگر ہم اپنی اس دنیا میں اس رحمت کی ضیائیں دیکھیں، عرب و عجم کی انسانیت کو متمتع ہوتے دیکھیں تو عقل حیران، عشق پریشان ہو جاتا ہے۔ مدحت نگاروں کی حسیت، ان کی عجز کی چاشنی، ان کے فکر کی چاندنی اور ان کے جذبے کی دل کشی، رحمت کی وسیع کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کی محبت میں کھلنے والے گل ہائے رنگا رنگ اپنی بھینی بھینی، میٹھی میٹھی، مشامِ جاں میں اتر جانے والی خوش بو سے ہر دل کو مہکا رہے ہیں، آیئے دیکھیے:

وہ ابر کرم، گنجِ عطا، بحرِ سخا ہیں
وہ رحمت کل ہیں وہ شہ ارض و سما ہیں
(افتخار احمد صدیقی بدایونی)

آپ کا آغوشِ رحمت وا ہوا سب کے لیے
ساری دنیا پر ہے دامانِ جہاں پرور کھلا
(عاصی کرنالی)

ہادی ملا ہے وہ کہ جو ہے رحمت تمام
احساں یہ خاص ہم پہ ہے ربِ غفور کا
(زہیر کنجاہی)

برسا ہے شرق و غرب پہ ابر کرم ترا
آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
(ظفر علی خاں)

تمام رحمت و بخشش، تمام لطف و کرم
متاعِ قلب گدایانِ بے نوا ہیں، رسول
(اقبال صفی پوری)

ساقیِ محفلِ الست رحمتِ عام سے تری
آ گیا اعتدال پر کیف مزاجِ زندگی
(صاحبزادہ سیّد فیض الحسن)

نسیم رحمت عالم ہے باغ ہستی میں
دلوں کو موسم گل باعث سرور ہوا
(منظور حسین منظور)

دو عالم ہیں منور آپ کے نورِ نبوت سے
دلوں کو ہے سکوں بس آپ ہی کے حسن رحمت سے

(منظور علی شیخ)

بحرِ سخاوت، کانِ مروت، آیۂ رحمت، شافعِ اُمت
مالک جنت، قاسم کوثر صلی اللہ علیہ وسلم
(امیر مینائی)

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرّۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
(اقبال)

کمالِ انسانیت کی مظہر ہستی، داعیِ اسلام ﷺ کی تربیت الہامی ہے۔ خود خالق ارض و سماوات نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی رہنمائی میں تربیت فرما کر مقامِ جلیلہ پر فائز فرمایا اور پھر کمالِ انسانیت اور کمالِ نبوت کا ایسا نمونہ بنا دیا کہ ہر وصف شمس و قمر کی طرح روشنی دیتا ہے اور جب اوصافِ حمیدہ کا مطالعہ قرآن و سنت کے حوالے سے کرتے ہیں تو صفاتِ عالیہ کی ایک کہکشاں پھیلی ہوئی پاتے ہیں، جس میں اوصاف کے مدارج کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ستارے اپنی شان دکھاتے ہیں۔ قرآن خود جب اس عظیم انسانیت کی سیرت، شخصیت، احساسات و جذبات کی تصویر پیش کرتا ہے تو اسوۂ حسنہ کا ہر پہلو دعوتِ اطاعت دیتا ہے۔ عالم ہائے فانی و جاودانی میں خصوصاً سرورِ کونین ﷺ کی صفت رحمت کے احوال کی نشان دہی کرتا ہے بلکہ سحر آگیں کتاب لوگوں کے لیے رحمت بنا دی گئی ہے۔ آپ پر اسے نازل فرما کر رحمت کی کل شکلیں واضح کر دی ہیں۔

او لم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم.ط ان فی ذلک لرحمة و ذکری لقوم یومنون۔ (العنکبوت ۲:۵۱)

کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو انھیں برابر سنائی جا رہی ہے جو لوگ یقین لکھنے والے ہیں بلاشبہ ان کے لیے اس نشانی میں سرتا سر رحمت اور فہم و بصیرت، ہے۔

یہ وہ ہدایت اور بارانِ رحمت ہے جو خالق کائنات نے رسولِ اکرم ﷺ کو عطا کی اور آپ نے اس رحمت کے ذریعے انسانیت کی مردہ روحوں میں حرکت و جنبش پیدا کر دی، انھیں تر و تازگی بخشی، جس سے اس دنیا کے بے کس اور بے نوا نمودِ زندگی سے تجدید حیات پا گئے۔

ہے جہاں بھی حکومت خدا کی، رحمتیں ہیں وہیں مصطفیٰ کی
سارے عالم ہیں چشم کرم میں، کس جگہ کملی والا نہیں ہے
(سیّد صبیح رحمانی)

عرب کے واسطے رحمت، عجم کے واسطے رحمت وہ آیا لیکن رحمت للعالمیں ہو کر
(ظفر علی خاں)

سرورِ عالم نے دی ہے فکر قرآن حکیم ذہن اہل دانش و بینش کو تاباں کر دیا
(گوہر ملسیانی)

اللہ اللہ خضر و کون و مکاں راہرو کے بوجھ اٹھانے آ گئے
(شکیل بدایونی)

جو تو نے دستِ کرم رکھ دیا زمانے پر وجود کون و مکاں نے سعادتیں پائیں
(عاصی کرنالی)

سنایا مژدۂ قرآں، دکھایا جادۂ منزل وہ لے کے رحمت باری جہاں کے رہنما آئے
(گوہر ملسیانی)

سب سے بڑھ کر آپ کا احسان ہے انسان پر نور کی دنیاؤں کا آیا اسے پختہ یقیں!
ہم کلامی کا شرف بخشا جو خالق نے اسے درمیاں میں آئی ذاتِ رحمت للعالمیں!
(عزیز احسن)

سردشت زیست برس گیا، جو سحابِ رحمت مصطفےٰ نہ خرد کی بے ثمری رہی، نہ جنوں کی تشنہ لبی رہی
(حفیظ تائب)

رحمت دو جہاں شہ ابرار آج گویا ہے پھر لب اظہار
(محمد مسعود اختر)

وہ نورِ جبیں سارے زمانے کا اجالا وہ نقش قدم سایہ فگن ہست و عدم پر
(حنیف اسعدی)

نعت کے گلشن میں مختلف رنگوں کے گلاب کھلے ہوئے ہیں لیکن محسنِ انسانیت ﷺ کی رحمت کا گلاب اپنا رنگ، اپنی بہار، اپنا وقار، اپنا افتخار اور اپنا معیار، الگ اور اعلیٰ نکھار رکھتا ہے۔ وہ شعرا جنھیں توفیق خداوندی ملی اور رحمت عالم ﷺ کی مدح سرائی میں خیالات کے نگینے، الفاظ و تراکیب کے قرینے اور اظہار و اسلوب کے خزینے ملے، انھوں نے رحمت کے ایسے گہر ہائے گراں مایۂ عقیدت خیر البشر ﷺ میں منتخب کیے کہ نعت کائنات، چمک دمک اٹھی۔ وہ اُس عشق و محبت کی وادی میں سرگرداں نظر آئے، جہاں ہر طرف رحمت للعالمین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی چاندنی

بکھری اور نکھری ہوئی ہے۔ ہر جذبہ اس رحمت خاص کا تمنائی اور ہر خیال شفقت شہ کونین ﷺ کا شیدائی نظر آیا۔ ہر دل سے اسی تاباں لطف و کرم کو پانے کی خواہش نکلتی دکھائی دیتی ہے:

رحمت خاص کی اُمید لیے بیٹھا ہوں
حسرتِ سوختہ سامانِ رسولِ عربی
(حسرت قریشی)

بے چارگاں کے واسطے تم رحمت تمام
زخمی دلوں کے واسطے راحت تمھارا نام
(سجاد باقر رضوی)

نظامی! رحمت عالم کی بارگاہ میں چل
وہیں نجات غم دوجہاں سے ملتی ہے
(طاہر نظامی)

میں بھی ہوں دیر سے تری رحمت کا منتظر
مل جائے وہ نظر جسے تیری عطا کہوں
(شہزاد احمد)

جو دل کہ ترے پیار کی لذت سے ہیں محروم
وہ بھی تری رحمت کے طلب گار ملے ہیں
(سرو سہارنپوری)

میں جہاں جہاں ہوا ہوں ترے نام سے سوالی
تری رحمتوں نے بڑھ کر مری آبرو بچا لی
(ساحر صدیقی)

اک ایک کر کے دیکھ لیے چارہ گر مگر
کیا ہوگا میرے درد کا چارا ترے بغیر
(اعظم چشتی)

جو تو نے دست کرم رکھ دیا زمانے پر
وجودِ کون و مکاں نے سعادتیں پائیں
(عاصی کرنالی)

مجھ کو کسی سے حاجت چارہ گری نہیں
ہر غم مجھے عزیز کہ غم خوار آپ ہیں
(احمد ندیم قاسمی)

مرا قلم موتیوں سے الفاظ لکھ رہا ہے
یہ معجزہ، رحمت کے ساگر کا معجزہ ہے
(محمد مسعود اختر)

ملا ہے مرسل رحمت کا داماں
غم دوراں سے اب کیا واسطہ ہے
(حفیظ تائب)

تاریخ عالم کے سب ابواب کا باریک بینی سے مطالعہ کیجیے۔ خسروانِ شرق و غرب کے

کارناموں کے اسباب و علل پر غور فرما لیجیے۔ سرخاب کا پر لگا کر اُڑنے والے شان و شکوہ کے مالک، امرا کی زندگی کے لمحات کا مشاہدہ کیجیے، یہاں تک کہ ربّ کائنات کے فرستادہ انبیا و رسل کی حیات طیبہ پر نظر ڈال لیجیے، کہیں بھی آپ جیسا رحیم و کریم، شفیق و قسیم، حبیب و ندیم اور رحمت للعالمین ﷺ نہیں ملے گا۔ آپ ایک ایسے شجر سایہ دار اور رحمت پروردگار ہیں کہ آپ کی رحمت و رافت بحر ناپیدا کنار ہے۔ مدحت کے نغمات الاپنے والا ہر شاعر اس ابدی صداقت کو اپنے اسلوب کی فصاحت و بلاغت میں نگینوں کی طرح جڑ کر ایسی مرصع کاری انجام دیتا ہے کہ رحمت کے علوم و معارف کو ہر مومن کی متاعِ عزیز بنا دیتا ہے۔ خود بھی رؤف الرحیم ﷺ کے در سے نعمت عظمیٰ پاتا ہے اور قاری کو بھی اس لطف و کرم کی بارش سے نہال کر دیتا ہے۔ شعرائے کرام کے ان اشعار میں رحمت عالم کی عظمت و عزیمت، شفقت و رحمت اور معرفت و حکمت کے پیش کردہ خیالات کی خوشہ چینی کیجیے:

وہ شاہبازِ وحدت / شاہِ جہاد و ہجرت
جس خوش لقا کا اسوہ / جس خوش ادا کی سنت
بے کس کی دست گیری / مظلوم کی اعانت
معذور کی کفالت / محروم کی وکالت
تا حدِ ظرف و وسعت / خلقِ خدا کی خدمت
بہبودِ نوعِ انساں / فوز و فلاحِ اُمت
وہ پیکرِ صداقت / جس کا علم صداقت
سلطانِ علم و عرفاں / خاقانِ حرف و حکمت
سالارِ عشق و مستی / سردارِ عزم و ہمت
کہتی ہے ساری خلقت / جس کو رسولِ رحمت

(عبدالعزیز خالد)

آزما کر میں نے دیکھے ہیں سبھی درد آشنا / کوئی بھی تجھ سا نہیں یا رحمت للعالمیں
گلشن ہستی میں نکہت بار ہے مثل گلاب / تیرا ہو حرف حسیں یا رحمت للعالمیں
ایک مدت سے ہے بارانِ کرم کی منتظر / میرے دل کی سرزمیں یا رحمت للعالمیں
تیری رحمت کی طلب ہر حال میں تائب کو ہے / رحمت للعالمیں یا رحمت للعالمیں

(حفیظ تائب)

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ
(اقبال)

سلام اس پر...... جو بے نواؤں کا آسرا ہے

جو سارے عالم کی ابتدا ہے
جو سب زمانوں کی انتہا ہے
(اطہر نفیس)

صنف نعت میں محبوبِ ربِّ جلیل ﷺ کی رحمت کا مضمون متقدمین سے متاخرین تک اور گزشتہ تین دہائیوں سے شعرائے کرام کی قلبی تمناؤں کا محور و مرکز رہا ہے۔ یہ ایسا نور ہے جو رحمت دوعالم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے آسمان سے روئے زمین پر اس طرح بکھر رہا ہے کہ آج بھی بشری کم زوریوں اور زندگی کی لاچاریوں کے اندھیرے کو دُور کر رہا ہے۔ یہ نور لازوال ہے۔ اس کی خصوصیات بے پایاں ہیں۔ یہ ہر شاعر کے ترانے کی روح بنتا ہے۔ اس نور سے عنایات کی ایسی کرنیں پھوٹتی ہیں کہ ساری دھرتی جگمگا اُٹھتی ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کی آیات سے ساون کے بادل کی طرح برستا ہے، ارشاداتِ نبی رحمت ﷺ کے ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ سے ٹپکتا ہے۔ یہ موضوع ہر شاعر کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ خیال و فکر سے لے کر جذبۂ اظہار تک اس موضوع کی ضیائیں شاعر کو تڑپاتی اور آرزوؤں کو گرماتی رہتی ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور انعام ہوسکتا ہے کہ قلب و زبانِ شاعر رحمت کی شیرینی، شفقت کی تابانی کی دولت سے مالامال ہوجاتے ہیں۔ جب نعت کے نغمے رحمت کی چاشنی لے کر منصۂ شہود پر آتے ہیں تو نہ صرف شاعر بلکہ قاری و سامع کو بھی نکہت نشاں کر جاتے ہیں۔

ہمارے لیے بزمِ رحمت میں آنا، یہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟
رسولِ مکرم کی اُمت پہ اُن کی عنایت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟
(اختر موہانی وارثی)

مرے اشکوں کی پرواہی کہاں دامانِ عالم کو
ارم بس دولتِ شفقت ملی ہے شہرِ طیبہ سے
درِ سرکارِ رحمت پر رسائی ہوگئی میری
مجھے ہر نصرت رحمت ملی ہے شہرِ طیبہ سے
(ارم حسانی)

تری سرکار بڑی ہے مولا تو تو رحمت کی جھڑی ہے مولا
(شیر افضل جعفری)

کعبے سے اٹھیں جھوم کے رحمت کی گھٹائیں مقبول ہوئیں تشنہ نصیبوں کی دعائیں
(اقبال عظیم)

حدتِ حشر میں گرمی سے بچانے کے لیے کوئی سایہ ہی نہیں دامن رحمت کے سوا
(بشیر داری)

کھلا ہے عام باڑا رحمت للعالمینی کا بقدر ظرف اس نعمت سے حصہ ملتا جاتا ہے
(جام نوائی بدایونی)

کرم ہوا ہے تو یوں بھی کرم ہوا اُن کا میں سوچتا تھا ابھی عرضِ مدعا کے لیے
(جعفر شیرازی)

درد کے واسطے ہوئی بارش رحمت نبی اشک بہ اشک، یم بہ یم، سیل بہ سیل، جو بہ جو
(درد کاکوروی)

اب بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقیں ہے کل بھی مجھے سرکار کی رحمت پہ یقیں تھا
(مظہر الدین)

جس سے خوش حاصل ہوئی ہے سرزمین زندگی وہ تلطف آشنا رحمت کا دریا آپ کا

☆

نظر اُن کے درِ اقدس پہ جمی رہتی ہے شان ہے جن کی غم دل کا مداوا کرنا

☆

میرے غم خانے کو ہے ان کی توجہ درکار جن کو آتا ہے تبسم سے اُجالا کرنا

☆

بھول جاتے ہیں درد و غم تائب سن کے لطف عمیم کی باتیں
(حفیظ تائب)

لطف خدائے پاک کی تصویر کھنچ گئی پھرنے لگے جب آنکھ میں احسانِ مصطفےٰ
(ظفر علی خاں)

وہ رحمت کونین کہ الطاف سے جس کے دنیا کے خداوند ہوئے ہم سے گنہگار
(یوسف ظفر)

سفر کے سارے مراحل میں، ان کی رحمت ہے خدائے پاک نے رکھا ہے سرفراز مجھے
(مسعود اختر)

قرآن حکیم میں کئی آیات میں اس کتاب کو سراپا رحمت قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کے انسان جس قدر فیضانِ رحمت کے محتاج ہیں، اس کی خبر خالق کائنات کو ہے، اس لیے پروردگار نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اللہ کی رحمت کل کائنات پر چھائی ہوئی ہے قرآن حکیم میں خالق ارض و سماوات نے اس رحمت کے لیے اپنے قرآن کو نازل کرنے کا پوری محبت سے ذکر کیا ہے:

یاایھا الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم و شفاء لما فی الصدور. و ھدی و رحمة للمومنین۔ (یونس ۱۰:۵۷)

لوگو! تمھارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کرلیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔

اس کو انسان کی رہنمائی کے لیے پیش کرنے والا رحمت للعالمین ہے تو یہ کتاب ہر انسان کو پیغامِ رحمت دیتی ہے اور اس کی دنیا و آخرت کی فلاح بنتی ہے۔ پھر رحمت للعالمین ﷺ کی ہدایت و شفقت، رحمت و محبت انسانیت کے لیے اخلاقی، سماجی اور معاشی و معاشرتی اقدار لے کر آئی، جب یہ انسان ایک اُمت بنے تو یہ اُمت رحمت کہلائے اور خدائے عزوجل نے اسے بہترین اُمت قرار دیا۔

کنتم خیر اُمة اُخرجت للناس۔ (آلِ عمران ۳:۱۱۰)

تم ہو (اے مسلمانو! وہ) بہترین اُمت جو نکلے انسانوں کی (رہنمائی) کے لیے۔

سرورِ کائنات ﷺ کی رحمت للعالمینی کا جو فریضہ خالق کائنات نے سونپا، وہ بھی سراسر رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و عرفان کے بحرِ بے کراں سے نوازا۔ قرآن کریم عطا فرما کر ہر قسم کی دنیوی اور روحانی، فکری اور وجدانی تجلیات فراہم کیں۔ آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی رحمت سے عالم و فاضل، مفکر و مدبر، شاعر و ادیب کو دنیائے فانی کے انسانوں کو بہارِ زیست کے حصول کا سلیقہ سکھانے کی تعلیم دی۔ دارِ ارقم وہ پہلی جامعہ ہے جو دعوتِ اسلام کے پانچویں سال قائم ہوئی۔

جب مکہ میں ظلم وستم کی آندھیاں چلنے لگیں، سردارانِ قریش نے اہل حق پر اپنی سختیاں تیز کردیں۔ مٹھی بھر اہل ایمان کو امان کی تلاش ہوئی تو رحمت عالم ﷺ بے قرار ہو اُٹھے۔ بنو مخزوم کا ایک حسین وجمیل نوجوان ابوعبداللہ ارقم بن ابی الارقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود درخواست گزار ہوا اور کوہِ صفا کے دامن میں اپنی وسیع حویلی کو حضور اکرم ﷺ کی نذر کردیا، مسلمان اس میں جمع ہوکر آپ سے ہدایت اور علم لدنی حاصل کرتے۔ مشرکین کی مجال نہیں کہ اس میں داخل ہوسکیں۔ رحمت للعالمین ﷺ کا چہرۂ مبارک جوشِ مسرت سے تمتما اُٹھا۔ آپ نے پیش کش قبول فرمائی۔ دارِ ارقم اہل حق کا مرکز بن گیا۔ جو ایمان لاتا کشاں کشاں اس مہکتی فضا میں چلا آتا۔ رحمت سرور عالم ﷺ سب کو اپنے دامن میں سمائے چلی جاتی۔ رات اپنی زلفیں بکھیر دیتی تو دارِ ارقم کی فضا رحمت کون و مکاں ﷺ کی تلاوت سے گونج اُٹھتی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین آپ کی تلاوتِ قرآن کے رموزِ کائنات پاتے۔ رحمت کا وہ کیسا سماں ہوگا کہ دارِ ارقم کی دیواروں سے باہر قریش کے سردار چھپ چھپ کر آتے اور تلاوت سنتے۔ جوں ہی ایک دوسرے کا سامنا ہوتا، شرمندہ ہوتے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی تلاوت، رحمت کا وہ بہتا دریا ہے جس سے سب سیراب ہوئے۔ محسنِ کائنات ﷺ کی اس رحمت کا تذکرہ آج بھی دعوتِ عمل دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے، اس آیت کریمہ پر غور فرمایئے:

لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب والحکمۃ۔

(آلِ عمران ۳:۱۶۴)

یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو انھیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔

قرآن کی رحمت کے حوالے سے رحمت للعالمین ﷺ کے فریضۂ دین کی بجاآوری میں کس قدر رحمت و شفقت ہے۔ حکمت و دانائی اور فکر و شعور سے منور رسولِ رحمت ﷺ کی تعلیم انسان کی دنیوی زندگی کا اثاثہ ہے۔ کیا وہ تمام ہدایات رحمت کا خزانہ نہیں ہیں؟ اسی رحمت نے آدمی کو اشرف المخلوقات بنایا۔ صاحب تخلیقات و تعلیمات بنایا۔ وہ اس کائنات میں خیر کثیر کا مالک بنا۔ کیا یہ ظلوماً جہولاً انسان پر بے پایاں رحمت، جاوداں شفقت نہیں؟ کیا اس رحمت کی بدولت

انسان ستاروں پر کمندیں نہیں پھینکتا؟ سمندروں کا سینہ نہیں چیرتا؟ فضاؤں کو تسخیر نہیں کرتا؟ وہی انسان جو پہلے تاریکیوں میں بھٹکتا، نانِ شبی کو ترستا، زمین پر مور و ملخ کی طرح رینگتا اور انسانیت کا اعلیٰ مقام پانے کے لیے تڑپتا تھا، آج رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت سے لبریز تعلیمات سے اس کائنات کا انسان معاشرتی، معاشی اور تہذیبی اقدار سے پوری طرح آشنا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے رنگ و نسل کے تفاخر کو اپنے پاؤں تلے کچل دیا ہے۔ کدورتوں کے بت پاش پاش کر دیے ہیں۔ سرکش و خودسر قعرِ مذلت میں جا گرے ہیں۔

رحمت و شفقت کی بادِ بہاری رواں دواں ہے۔ محبت کی کلیاں چٹکتی اور انس و محبت کے غنچے کھلتے ہیں۔ نعت کی سرزمین میں رحمت کے ایسے ایسے پھول مہکتے ملتے ہیں، جن کی نکہتیں ضمیر انسان کو بیدار کرتی اور اقدارِ محبت سے لبریز کرتی ہیں۔ تعلیماتِ رحمت کی کرنیں، شفقت و الفت کی ضیائیں اس جہانِ انسانیت کو تابانی عطا کرتی ہیں۔ آج یہ دور جسے ہم نعت کا دور کہتے ہیں ایسے مضامین کو اپنے اشعار میں سموئے ہوئے ہے، جن کا رنگ دل کش، جن کا اسلوب پُر بہار، جن کا پیغام دلربا ہے۔ آیئے اس چمنستانِ نعت کی رحمت کی کلیوں اور شفقت کے پھولوں سے مشامِ جاں معطر کریں:

شہہ دیں کے فکر و نگاہ سے مٹے نسل و رنگ کے تفرقے
نہ رہا تفاخر منصبی، نہ رعونت نسبی رہی
سرِ دشت زیست برس گیا جو سحابِ رحمت مصطفیٰ
نہ خرد کی بے ثمری رہی نہ جنوں کی تشنہ لبی رہی
(حفیظ تائب)

عصیاں سے تطہیر ملی — آپ آئے توقیر ملی
ٹوٹا گم راہی کا فسوں — وحدت کو تعبیر ملی
قول و عمل سے آقا کے — قرآں کی تفسیر ملی
(سیّد صبیح رحمانی)

اسوۂ رحمت عالم تو بلاتا ہے ہمیں — مشکلیں جو بھی زمانے کی ہیں آساں کرلیں
(شوکت ہاشمی)

اہل دنیا کو ملی ہے جن سے گوہر روشنی — نورِ حکمت سو بسو ہیں محسن انسانیت
(گوہر ملسیانی)

منارِ رشد و ہدایت، سحابِ رحمت و جود
مرے رسول کا اسوہ، مرے نبی کا وجود
نبی نے ضربتِ خلقِ عظیم سے توڑے
کدورتوں کے طلسمات، رنگتوں کے قیود
(حفیظ تائب)

سرکشوں نے آپ سے پایا شعورِ زندگی
خود سروں کو آپ نے بخشے مقاماتِ نیاز
(جعفر حسن جعفر)

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشکِ خضر بنا دیا
راہ زنوں کو دی ندا بن گئے شمعِ رہبری
(جوش ملیح آبادی)

آپ نے خائنوں کو بنایا امیں
تھے جو رہزن بنے رہنما آپ سے
دل مجلا ہوئے، سینے روشن ہوئے
پائی فکر و نظر نے جلا آپ سے
(ضیا محمد ضیا)

بندوں کو خدا کی رحمت کا مژدہ وہ سنانے آئے تھے
کس طرح رہیں ہم دنیا میں خود رہ کے بتانے آئے تھے
نیکی کا پڑھایا ہم کو سبق دکھلائی راہ بھلائی کی
جڑ کاٹی ساری بدیوں کی ڈھا دی دیوار برائی کی
(نیر دہلوی)

معارف کا خیاباں تازہ جس کی رشحہ باری سے
مکارم کا چمن شاداب جس کی آبیاری سے
شناسا جس نے عالم کو کیا توحید باری سے
دلوں کی کھیتیاں سرسبز جس کے فیض جاری سے
وہ دریائے کرم آیا وہ رحمت کا سحاب آیا
(اقبال سہیل)

رسولِ اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی تو قرآن بھی گواہی دیتا ہے:

و انک لعلی خلق عظیم (القلم ۶۸:۴) ''اور آپ بڑے خلق پر پیدا ہوئے ہیں۔''

آپ کے اخلاق کی رعنائیاں ہر شعبۂ زندگی میں روشن ہیں۔ آپ کے اسوہ کا ایک پہلو فیاض بھی ہے۔ فیاض لائقِ تحسین وصف ہے، جس میں رحمت کی لہریں رواں دواں ہیں۔

محسنِ انسانیت ﷺ کی ایک حدیث، اخلاقی محاسن کی اصل روح فیاضی کا کس قدر جامع تصور پیش کرتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''کیا تم جانتے ہو کہ سب سے بڑھ کر فیاض کون ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا، ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا، ''اللہ سب سے بڑھ کر فیاض ہے، پھر اولادِ آدم میں سب سے بڑھ کر میں فیاض ہوں۔ (بیہقی)

اللہ تعالیٰ ''الرحمٰن، الرحیم'' ہے اس لیے اس سے بڑھ کر کون فیاض ہو سکتا ہے۔ فیاضی حقیقتاً رحمت ہی کی ایک شکل ہے بلکہ رحمت میں فیاض کی ہر سطح موجود ہے۔ اب رسولِ مکرم ﷺ رحمت و ہدایت کی تعلیم خالقِ کائنات سے حاصل کرتے ہیں، لہٰذا آپ کو اللہ سے خاص قرب حاصل ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اس لیے بنی نوعِ انسان میں فیاضی یا رحمت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مدحت نگاروں نے آپ کے اس وصف کو بھی اپنی متاعِ عزیز بنا کر اہلِ فکر و شعور کے سامنے پیش کیا ہے:

بھیجا وہ نبی ہم میں جو رحمتِ عالم ہے
کچھ حد ہی نہیں ہم پر اللہ کے احساں کی
(یزدانی جالندھری)

شافعِ حشر ہیں پیغمبرِ رحمت میرے
کثرتِ فیضِ مشیت کی ضیا میرے حضور
(ندیم نیازی)

سارے عالم پہ برستا ہے ترا ابرِ کرم
موجزن ہو شعر ترے فیض کا دریا دیکھا
(قیس جالندھری)

سب پر ہے نگاہِ خاص ان کی
جاری ہے فیضِ عام اُن کا
(صابر ظفر)

کہا ہے کس نے کہ الطافِ حق کے قاسم کو
کمالِ رحمتِ باری کی انتہا نہ کہو
(انور صابری)

سربسر مہر و مروت، سربسر صدق و صفا
سربسر لطف و عنایت، سربسر خیرالبشر
جو پہنچتی ہی رہے گی سب عوالم تک مدام
ایسی لامحدود رحمت آپ کو بخشی گئی

جاودان و بے کراں ہے رحمت خیر الانام اک بہار بے خزاں ہے سنت خیرالانام ہے
(حفیظ تائب)

کہتے ہیں جس کو رحمت للعالمیں تمام وہ بے نظیر ذات رسول کریم ہیں
(عبدالحمید شوق)

دونوں جہاں پہ جن کے ہیں احساں، حضور ہیں انساں ہیں جن کے فیض سے انساں حضور ہیں
رحمت ہے جن کے نام پہ نازاں حضور ہیں قرآن بھی ہے جن کا ثناخواں، حضور ہیں
(منظر کلیمی)

وہ رحمت کا سمندر ہیں، مرے مولا، مرے آقا قیامت تک وہ رہبر ہیں، مرے مولا، مرے آقا
نہیں ثانی کوئی ان کا، سخاوت کے دبستاں میں محبت کے جو پیکر ہیں مرے مولا، مرے آقا

آپ کی عظمت بے پایاں ہے، آپ کی رحمت بے پایاں
آپ کی چاہت مشرق مغرب، آپ کی شفقت بے پایاں
(گوہر ملسیانی)

گزشتہ سطور میں رحمت للعالمین ﷺ کے فریضۂ رسالت میں رحمتیں بانٹنے کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں ایک رحمت جو اپنے صحابہ کرام میں خصوصیت کے ساتھ تقسیم کرتے تھے وہ حکمت کی تعلیم تھی۔ یہی حکمت قرآن حکیم کے ذریعے عالم انسانیت میں پھیل گئی۔ رحمت کا یہ نور اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر کئی مقام پر آیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کی فیاضی پر غور کیجیے:

یوتی الحکمة من یشاء و من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیراً۔ (البقرہ ۲:۲۶۹)

(اللہ) جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی، اُسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔

اس رحمت کے معانی کے بطن میں جھانکیے، علمی اور فکری زاویے سے دیکھیے۔ یہ حکمت، یہ رحمت حقیقتاً صحیح بصیرت کا نام ہے، صحیح قوتِ فیصلہ کا نام ہے۔ یہ ایسی دولت ہے کہ جس شخص کو خالق کائنات نے عطا کردی، وہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہے گا وہ کبھی بھٹکے گا نہیں، وہ پھونک پھونک کر قدم رکھے گا، وہ رضائے الٰہی کے حصول کی تگ و دو کرے گا۔ دنیوی کامیابی اس کے قدم چومے گی اور اُخروی فلاح اس کی منتظر ہوگی۔ حکمت کی تعلیم میں رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ صرف کیا۔ بنی نوع انسان پر ان کی رحمت کا ثمر دنیا کے ہر حصے میں تابانیاں

عطا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ سرورِ عالم ﷺ نے اپنے سحاب رحمت سے چھم چھم بارش برسائی ہے جو کشت انسانیت میں روئیدگی کا باعث بنی ہے۔ حکمت و معرفت کا تذکرہ ارشاداتِ نبوی ﷺ سے بھی ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اُسے دنیا میں زہد اور کم گوئی عطا ہوئی ہے تو اس کی قربت اختیار کرو کیوں کہ اُسے حکمت القا ہوتی ہے۔

(البیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکمت ایک بڑی نعمت ہے۔ اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک نور اور الہامی ادراک ہے۔ اس کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا ہے۔ حکمت دلوں میں عرفان اور ایمان اور ذہنوں میں فہم و بصیرت کی صورت میں جگہ بناتی ہے اور زندگیوں میں اس کا اظہار شرافت و پاکیزگی، فیاضی و رحمت، احسان شناسی و اعلیٰ خصلت اور عظیم کردار و انسانیت کی شکل میں ہوا کرتا ہے۔ سرورِ کونین ﷺ نے رحمت کے ان تمام دھاروں کو انسان کی زندگی میں رواں دواں کیا ہے۔ آپ کی رحمت کا یہ پہلو قدم قدم پر جگمگاتا ہے۔ یہ نہ صرف انفرادی قوت کو جلا بخشتا ہے بلکہ اجتماعی کامیابی کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ قومیں اسی نعمت حکمت اور رحمتِ معرفت سے دنیا میں سرفراز ہوئیں۔ نعت کے گلشن میں یہ گل ہائے پُرنور اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ شعرائے نعت نے بھی اس رحمت حکمت کے نور سے بزم ہائے نعت اور اپنی فکر و نظر کے دلوں کو منور کیا ہے:

اخوت، محبت، عبادت، ریاضت — عدالت، امامت، شجاعت، وجاہت
امانت، دیانت، شرافت، صداقت — محمد کی رحمت کی ہر اک عنایت
محمد کی عظمت کی رفعت مبارک
شہ دوسرا کی ولادت مبارک

(محمد احمد شاد)

نفس، حلاوت ایماں کا چشمۂ صافی — نگہ، لطافت عرفاں کے گلستاں کی طرح
خیال نزہت احساس کا جہانِ لطیف — مزاج، فطرتِ ہستی کے رازداں کی طرح
وہ فکر نو کہ جسے آپ سے نہیں نسبت — ہے اس کا سود بھی دل کے لیے زیاں کی طرح

(حفیظ الرحمٰن احسن)

کریں گے سدا نکتہ سنجانِ دنیا ترے خرمن فکر کی خوشہ چینی
(اثر لدھیانوی)

نبی کا درس ہے تسخیر کیجیے عالم علومِ نو سے حسیں انقلاب ہوتا ہے
(ابرار کرتپوری)

صحن دانش میں تری عظمت کی آج تک لاٹھ گڑی ہے مولا
(شیر افضل جعفری)

آپ کی چشم عرفاں کے فیضان سے، ساربان ریگ زاروں کے رہبر بنے
جو عمرؓ تھا وہ فاروقِ اعظم بنا، جو علیؓ تھا وہ شیر خدا ہوگیا
میں نے جس گام پر کھائی ٹھوکر مرا رحمت عالمیں ہی سہارا بنے
جس دوراہے پہ آکے میں بھٹکا وہیں آپ کا نقش پا رہنما ہوگیا
(انور جمال)

محمد مصطفےٰ مہر سپہر اوجِ عرفانی ملی جس کے سبب تاریک ذرّوں کو درخشانی
(حفیظ جالندھری)

جہالت کے اندھیروں سے نکالا جس نے انساں کو
نئی تابانیاں جس نے عطا کیں علم و عرفاں کو
(طاہر شادانی)

سلام اس پر جو بن کر رحمت للعالمیں آیا علم بردار دیں بن کر سپہ سالارِ دیں آیا
(خوشی محمد ناظر)

مقصد امکاں، مہبط قرآں، منبعِ احساں، مرجع دوراں
روح کے درماں، قلب کے مرہم صلی اللہ علیہ وسلم
ارض و سما میں آیۂ رحمت، روزِ جزا میں سایۂ رحمت
اس کے لوائے حمد کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
آئینۂ الطاف الٰہی، رحمت جس کی لامتناہی
جس کی ہدایت ارحم، ترحم صلی اللہ علیہ وسلم
(اقبال سہیل)

فکر کا ہر مرحلہ، آقا نے آساں کردیا
سب مسائل کے لیے قرآں کو آساں کردیا

ہر شعبۂ حیات کو دیتی ہے روشنی
تاباں کتابِ نور سے ہے سیرتِ رسول

رحمت دارین کی بعثت کا حسیں نکتہ ہے
حسن افکار جو قرآں کی ضیا میں پایا

(گوہرملسیانی)

نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ اقدس میں رحمت و شفقت کے وہ نگینے کس قدر پُرتاثیر، باعث توقیر اور سراجاً منیر کی تنویر ہیں جو معاشرے کے محتاج رہین امواج اور لقمۂ تاراج انسانوں کے علاجِ شافی کا سبب بنتے ہیں۔ محسن انسانیت ﷺ نے ضرورت مندوں، مسکینوں، بے کسوں اور بے نواؤں کی دست گیری اور دل گیری میں اپنے اخلاقِ کریمانہ سے دلوں کو موہ لینے والا کردار ادا کیا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے محض زبانی ہدایات سے احتیاج کو دور نہیں کیا بلکہ اپنے حسن عمل کی درخشاں مثالیں قائم کیں۔ قرآن حکیم میں ربّ کائنات نے فرمایا ہے:

و فی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ (الذاریات ۱۹:۵۱)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کا حق ہے۔

رسول اکرم ﷺ اسی حکم کی سراپا تصویر ہیں، آپ کی سیرت میں بہت سے واقعات اس پُرنور عمل کی تصدیق کرتے ہیں۔

کون سا صاحب ایمان ہے جو رحمت للعالمین ﷺ کے فقرا اور مساکین کے لیے فکرمند رہنے سے آگاہ نہیں ہے۔ حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک قوم نہایت پراگندہ حالت میں آپ کے پاس آئی، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ ابھی دن کا آغاز تھا، کچھ لوگ ننگے بدن، ننگے پاؤں تلواریں لٹکائے ہوئے آئے۔ سب مضر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی محتاجی دیکھ کر نبی رحمت ﷺ کا چہرہ بدل گیا۔ پہلے آپ اندر گئے، پھر نکلے اور بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دو۔ انھوں نے اذان دی، نماز تیار ہوئی، آپ نے نماز پڑھی پھر خطبہ پڑھا اور فرمایا:

اے ایمان والو! ڈرو اپنے مالک سے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے، پھر اس کی بیوی پیدا کی اسی میں سے پھر پھیلایا ان دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو۔ ڈرو اس اللہ سے اور دیکھے ہر آدمی جو اس نے بھیجا ہے کل کے روز کے لیے، یعنی قیامت کے لیے کیا سامان کیا ہے؟ صدقہ آدمی کا اشرفی سے، روپے سے ہے، کپڑے سے ہے، ایک

صاع گیہوں سے ہے، ایک صاع جو سے ہے، یہاں تک کہ کھجور کے ٹکڑے سے۔

پھر ایک شخص انصار صحابی ایک تھیلی روپوں کی لایا جو اس کی ہتھیلی میں نہیں سماتی تھی۔ پھر اور لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ یہاں تک کہ دو ڈھیر اونچے اونچے کھانے اور کپڑے کے ہوگئے۔ راوی کہتے ہیں اس موقع پر میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا۔ آپ کا چہرہ خوشی کی وجہ سے سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ (مسلم: ج۲، ص۹۵)

اسی طرح موسیٰ بن انس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کا کوئی سوال رد نہیں فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا ریوڑ عنایت فرما دیا، وہ شخص اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا کہ اسلام لے آؤ کیوں کہ محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ اپنے فقیر ہونے کی بھی پروا نہیں کرتے۔ (مسلم: ج۴، ص۳۶)

ان واقعات پر غور کیجیے کہ حضور اکرم ﷺ محتاجوں، غریبوں اور مستحقوں پر کس قدر شفیق و مہربان تھے۔ اگر آپ کے فقرا اور مساکین کی خبر گیری کے واقعات اور آپ کی رحمت للعالمینی کی صفات کو تحریر میں لایا جائے تو اس کے لیے کئی دفاتر درکار ہیں۔ نعت نگار شعرائے کرام نے محبوبِ کائنات ﷺ کے اسوۂ رحمت کے خزانے سے ایسے گہر ہائے گراں مایہ چنے ہیں کہ چمن زارِ مدحت چمک اُٹھا ہے۔ عقیدت کے جذبات جب شعر کا روپ ڈھالتے ہیں تو اسلوب و اندازِ بیان ہی نہیں، ایک ایک ترکیب، ایک ایک حرف اپنے اندر دنیائے رحمتِ کونین ﷺ سموئے ہوئے دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ان جواہر پاروں کا مشاہدہ کیجیے اور جوہری کی طرح پرکھیے کتنا کھرا جذبہ اور احساس ٹپکا پڑتا ہے:

تو سہارا بے کسوں کا، تو ہے مفلسوں کا والی
جو چمک رہی ہے قسمت، تری بندہ پروری ہے
(انجم وزیرآبادی)

دردمندانِ دوجہاں کا طبیب — وہ حکیم مریضِ حسرت و یاس
(صبا اکبرآبادی)

صغیروں کے حق میں نمو کی ضمانت — ضعیفوں کی قدآوری نام تیرا
(ضمیر جعفری)

شاہ و درویش بھرتے ہیں دم آپ کا   سب پہ برسا ہے ابر کرم آپ کا
(ضیا محمد ضیا)

بے کس کی دستگیری   مظلوم کی اعانت
معذوروں کی کفالت   محروم کی وکالت
تا حد ظرف و وسعت   خلق خدا کی خدمت
بہبودِ نوعِ انساں   فوز و فلاحِ اُمت
جس کا کلام مرہم   جس کا بیاں بشارت
کہتی ہے ساری خلقت   جس کو رسولِ رحمت

کندن بنائے مس کو
یزداں پکارے جس کو
یا ایہا الرسول!
یا ایہا النبی!
اپنا پکاروں خالد
اس کے سوا میں کس کو
(عبدالعزیز خالد)

بے کسوں کو پوچھتا ہی کون تھا   بے کسوں کے ناز اٹھانے آگئے
زحمت۔ بے جا و ظلم و جور سے   ناتوانوں کو بچانے آگئے
(شکیل بدایونی)

دہر زیرِ سایۂ لطف عمیم   خلق سب وابستۂ خلق عظیم
تجھ سے جویائے کرم عاصم اثیم   سخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم
رحمت للعالمینی یارسول
ہم شفیع المذنبینی یارسول
(میر تقی میر)

غریبوں بے نواؤں کا سہارا بن کے عالم میں   کیا آ کر رفو انسانیت کے چاکِ داماں کو
گدا کو ایسی استغنا کی دولت بخش دی تو نے   کہ خاطر میں نہیں لاتا وہ مفلس میر و سلطاں کو

ادھر عظمت عطا کی بوریائے فقر کو ایسی — کہ رشک آتا ہے جس کی شان پر تختِ سلیماں کو

(منظور حسین منظور)

مونس غم زدگاں ہے مرے خواجہ کی نظر — ہر گھڑی فیض رساں ہے مرے خواجہ کی نظر

حضور ساری خدائی کے واسطے رحمت — حضور سارے زمانے کے غم گسار و انیس

(حفیظ تائب)

اس رحمت و رافت، اس محبت و شفقت کی تاریخ جامع مکارمِ اخلاق، تاجدارِ حرم کے اسوۂ حسنہ کی تابانیوں سے آج بھی ضیابار ہے۔ یہ تجلیات اپنے اندر قرآن حکیم کی بے شمار کرنیں محفوظ کیے۔ اس دنیائے فانی میں جگمگ جگمگ کر رہی ہیں، گفتارِ خیر الوری، تصوراتِ مقتدائے انبیا اور جاں کا ہی پیکر صدق و صفا اپنے اندر ایسے لمحات رکھتی ہے جو نورِ سحر بن کر تاریکی شب چیرتے ہوئے رحمت کی شعاعیں پھیلا رہی ہے۔ دل جوئی، غریب پروری اور حق رسی آپ کی سیرت کے ضوفشاں دائرے ہیں۔ رحمت و عظمت کا ایک واقعہ یہاں درج کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گاؤں کا رہنے والا ایک شخص تھا جس کا نام زاہر بن حرامؓ تھا۔ وہ گاؤں سے نبی رحمت ﷺ کے لیے بطور ہدیہ کچھ (سبزی وغیرہ) لایا کرتا تھا۔ جب وہ جانے کا ارادہ کرتا تو نبی رحمت ﷺ اس کے لیے شہر کا سامان کر دیا کرتے۔ نبی مکرم نے فرمایا: زاہرؓ ہمارا گاؤں ہے اور ہم اس کا شہر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اس سے محبت رکھتے تھے حالاں کہ وہ ایک بدصورت شخص تھا، ایک روز حضور ﷺ بازار تشریف لے گئے تو زاہرؓ اپنا سودا بیچ رہا تھا۔ آپ نے پیچھے سے اُسے گود میں لے لیا۔ وہ آپ کو دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، یہ کون شخص ہے۔ جب مڑ کر دیکھا تو رسولِ رحمت کو پہچان لیا، پھر وہ پوری کوشش کرنے لگا کہ اپنی پیٹھ کو نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک سے چمٹائے رہے۔ ادھر رحمت للعالمین آواز لگانے لگے، "کون اس غلام کو خریدتا ہے۔" زاہرؓ نے عرض کیا کہ یارسول، بخدا آپ مجھے ناکارہ پائیں گے۔ اس پر محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا، "لیکن تم خدا کے نزدیک ناکارہ نہیں ہو۔" (شرح السنہ)

سبحان اللہ! قربان جایئے، رفیق خستگاں، خانۂ بے خانماں اور ہمدم۔ سینہ فگاراں پر کہ آپ کا مزاح بھی اپنے اندر کوثر و تسنیم کی مٹھاس اور شفقت و محبت کی اساس رکھتا ہے۔ صداقت و حقیقت اور لطافت و نظافت کے یہ جذبے جب تخلیق نعت کے شاعرانہ رویے سخن کی

کشتِ شاداب میں گل ہائے رنگا رنگ بن کر مہکتے ہیں تو قلب و نظر کو بھی احساسِ عقیدت کی ضیائیں عطا کرتے ہیں، شرط یہ ہے کہ شاعر، رحمت للعالمین ﷺ کے اسوۂ عظیم کی نزاکتوں، فضیلتوں، حقیقتوں، شہادتوں اور ظرافتوں میں پنہاں جاں گداز صداقتوں کا فہم و شعور رکھتا ہو۔ جنابِ عزیز احسن کی یہ بات ایک کسوٹی بن جاتی ہے کہ:

> شاعری میں آفاقی کشش (universal appreal) پیدا کرنے کے لیے بلالحاظِ موضوع شعر کو شعر بنانا ہوگا کیوں کہ شاعری کا کوئی قاری یا سامع موضوع کی معلومات حاصل کرنے کے لیے شاعری کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ تو شاعری پڑھنے اور سننے کا خوگر ہوتا ہے۔ اسی طرح نعت کا قاری یا سامع بھی اپنے شعری ذوق کی تسکین کے لیے نعت پڑھے گا۔ مجرد معلومات کے لیے تو وہ تاریخ و سیَر کی کتب بھی دیکھ سکتا ہے۔

(اردو نعت اور جدید اسلوب، از عزیز احسن، ص ۳۵)

سخن وروں نے صنفِ نعت میں کریم و مکرم، صاحبِ خیر و مقسم اور حلیم و حکیم ﷺ کے اوصافِ کریمانہ، جذباتِ رحیمانہ اور کردارِ شفیقانہ کی مختلف معاشرتی سطح پر پھیلی کرنوں کو مدحت کی زینت بنایا ہے یہ کاروانِ نعت گل ہائے عقیدت بانٹتا ہر عہد میں عشق و محبت سرورِ کائنات ﷺ کی شمعیں جلاتا چلا آ رہا ہے۔ نعت کا جدید عہد بھی رحمت کی گھٹاؤں سے شبنمی موتی حاصل کر رہا ہے۔ دل کی کلیاں چٹک کر رحمت کی خوشبو چاروں طرف پھیلا رہی ہیں۔

انسانیت کے درد کا درماں کیا گیا　　احسان و عدل، زیست کا عنواں کیا گیا
مظلوم عورتوں کو نئی زندگی ملی　　عفت ملی، حقوق ملے، روشنی ملی
اک انقلابِ تازہ بپا کردیا گیا　　نسل و وطن کا فرق فنا کردیا گیا
وہ رحمتِ تمام، وہ غم خوارِ بے کساں　　ہے جس کا نازِ فقر، وہ سلطانِ دوجہاں
(ذکی کیفی)

تا ابد روشن رہیں گے تیرے تابندہ اصول　　اے خدا کے ماننے والے، خدائی کے رسول
تیرے ہاتھوں میں بہارِ لالہ و گل کا نظام　　اے غریبوں اور ناداروں کے رکھوالے سلام
(ساغر صدیقی)

کہیں انسانیت کا جامہ پہنایا درندوں کو　　کہیں مردانگی کی روح پھونکی نازنینوں میں
(اسد ملتانی)

چارہ سازِ دردمنداں دست گیرِ بے کساں
باعثِ تخلیقِ عالم صاحبِ اُم الکتاب
(خورشید آرا بیگم)

خلق میں سربسر رؤف رحیم
آدمیت کا پاسباں یعنی
سر دامن ہے جس کا ابرِ کرم
وہی دلدارِ خستگاں یعنی
(تابش دہلوی)

تھے جتنے بے یقینی کے اندھیرے سب مٹا ڈالے
نئی قدروں سے روشن کر دیا انسان کا چہرہ
اس نے اس وقت زمانے پہ کرم فرمایا
جب جہاں دھوپ میں چیخ اٹھا تھا سایا سایا
سمندر جوش میں ایسا نہ ایسا موج میں دریا
گدایانِ کرم پر اس قدر ابرِ کرم برسا
(محسن احسان)

شفیع المذنبیں اور رحمت للعالمیں وہ ہیں
کرم سارے زمانے پر ہمیشہ جانِ رحمت کا
(عبدالرحمٰن عبد)

وہ دکھیارے دلوں کا چارہ گر ہے
وہ ٹوٹے حوصلوں کا آسرا ہے
(حسن اختر جلیل)

یتیموں کی مدد کی، بے کسوں کی دست گیری کی
کیا بیداد کو مسدود، کھولا در عدالت کا
(عبدالمجید صدیقی)

محتاج کون آپ کے الطاف کا نہیں
امیدگاہِ شاہ و گدا آپ ہی تو ہیں
یہ کس کی رحمت کے سائے سائے رواں ہوا کاروانِ ہستی
یہ کس نے ہمراہ کیس بشر کے، خضر قدم، خوش چلن بہاریں
(جعفر بلوچ)

شاخِ دنیا پر مزین تیری رحمت کے ثمر
بحر و بر میں ہر طرف تیری نبوت کے ثمر
جب سے دنیا کو تیرا زمانہ ملا
رحمتوں کا سبھی کو خزانہ ملا
(حنیف ساجد)

لباسِ حرف میں ڈھالوں میں کردارِ حسیں ان کا
امیں لکھوں، اماں لکھوں، غنی لکھوں، سخی لکھوں
محبت کا سلیقہ دے دیا وحشی قبائل کو
مٹا صدیوں کی رنجش کا اثر آہستہ آہستہ
یہاں بے مانگے ملتا ہے گدا کو
نہیں کوئی بھی در ایسا نظر میں
(صبیح رحمانی)

غلاموں پر رحمت و شفقت محسنِ انسانیت ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا ایک ایسا باب ہے جس میں لہو رنگ واقعات نے آپ کے قلبِ رقیق کو بے حد متاثر کیا، ایسے ایسے کرب ناک اور درد انگیز سانحات آپ کی زندگی میں رونما ہوئے کہ آں حضور ﷺ کی ڈاڑھی مبارک غم و اندوہ کے سبب آنکھوں سے برسنے والی برسات سے بھیگ جاتی، کلیجہ چھلنی ہو جاتا مگر حوصلہ و بردباری کی تلقین ان غلاموں اور لونڈیوں کو جذبۂ صبر سے لبریز کر جاتی۔

جب گل ہائے توحید کے پیغام کی خوش بو بادِ سحر گاہی کے دوش پر سوار ہو کر جگہ جگہ پہنچتی اور امیر ہوں یا غریب سب کے دلوں کو گدگداتی تو ایسے لوگوں کے دل کی کلیاں بھی کھل اٹھتیں جو بے یار و مددگار اور غلاموں، لونڈی یا پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس، شام و سحر مزدوری کرنے والے، دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے والے انسان نحیف و نزار تھے۔ سردارانِ قریش کی شبانہ روز سختیاں، بلالؓ ہوں یا عمارؓ، یاسرؓ ہوں یا خبابؓ، سمیہؓ ہوں یا ابوفکیہؓ سب کی زندگیاں اجیرن کرنے لگیں۔ موسم کی سخت گرمی، تپتی ریت اور سنگ لاخ زمین ان کے جسم و جاں سے خون نچوڑ لیتیں، ان مظالم کا مشاہدہ رسولِ رحمت ﷺ کو بھی خون کے آنسو رُلا جاتا۔ حضور اکرم ﷺ نے آلِ یاسر پر مصائب کے ٹوٹتے پہاڑ دیکھ کر فرمایا تھا:

''آلِ یاسر... ذرا صبر... ذرا صبر... تمھاری منزل جنت ہے۔''

حضور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک مرتبہ میں اپنے غلام کو زد و کوب کر رہا تھا کہ میں نے پیچھے سے آواز سنی:

''ابو مسعود! سن لے جس قدر تجھے اس غلام پر اختیار ہے، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کا تجھ پر اختیار ہے۔'' میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پیکر جود و کرم ﷺ تھے۔ آپ کی یہ بات میرے دل میں اُتر گئی، عرض کیا: ''یارسول اللہ! ﷺ میں نے اللہ کی رضا کی خاطر اس غلام کو آزاد کیا۔'' رحمت ہر دو جہاں، مظہر فیض اتم نے فرمایا:

''دیکھ اگر تو ایسا نہ کرتا تو دوزخ کی آگ کا ایندھن بنتا۔''

رحمت کے کتنے زاویے کتنے دائرے ہیں جو ہر دل گداز، صاحب عجز و نیاز کو اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔ لونڈی، غلام اور خادم کی خبر گیری اور نیک سلوک کے لیے حسین و جمیل ارشادات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

(۱) لونڈی، غلام تمھارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمھارا ماتحت بنا دیا ہے۔ جس کے پاس

لونڈی یا غلام ہو، وہ اُسے برابر کا کھلائے، برابر کا پہنائے، طاقت سے بڑھ کر اس سے کام نہ لے۔ مشکل کام میں آپ اس کو مدد دیں۔

(۲) لونڈی یا غلام کو آزاد کرنا اپنے آپ کو دوزخ سے چھڑا لینا ہے۔

(۳) ایک نے پوچھا، خدمت گار کو کہاں تک معاف کیا جائے، سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا، ''دن میں ستر دفعہ۔'' (مہرِ نبوت از قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، مشمولہ تجلیاتِ نبوت از مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، ص ۳۶)

مخزنِ شفقت، عینِ عنایت، مصدرِ رافت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک لحظہ اور ایک ایک نکتہ خواہ وہ مکی دور کا ہو یا مدنی دور کا ہو، ظلمتِ دہر میں روشنی کا مصدر، رحمت و رافت کا مظہر ہے۔ غلاموں، باندیوں، کنیزوں اور لونڈیوں کا یاور ہے۔

عصرِ حاضر بھی نہایت پُر آشوب ہے، کمزور قوم طاقتور حکمران کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہی ہے۔ بربریت کی تاریخ پھر دہرائی جا رہی ہے۔ وہ مراحل جو نبی رحمت، پیکرِ شفقت اور خزینۂ صداقت ﷺ کے زمانے میں دولتِ ایمان سے فیض یاب ہونے والوں کے لیے تلخ اور جور و ستم کا جنگل بنے ہوئے تھے موجودہ دور میں پھر اہلِ ایمان کی آزمائش کا سبب بنے ہوئے ہیں، آگ کے شعلے بھڑکتے ہیں اور مظہرِ رحمت مہرِ نبوت ﷺ کے غلاموں کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔ فکر و شعور کے نور سے منور، حساس طبائع، تخلیقی قوت کی نعت کے امین شعرائے کرام اس عہد کی بارود کی بارش میں موت کے گھاٹ اُترتے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو راحتِ قلبِ پریشاں، رحمتِ دو عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مظالم کی بوچھار کا منظر اپنے سامنے پاتے ہیں۔ محسنِ انسانیت ﷺ کے لبِ لعلیں سے نکلتی دعاؤں، دل کی گہرائی سے اُبلتی دلدوز صداؤں اور جاں گداز آہوں کی تاثیر سے اپنے تصورات و خیالات اور فکر و شعور کو حلم و حکمت کا مرقع بنا لیتے ہیں، پھر رحمت کے بحرِ مواج سے ہوائیں ایسے بخارات لے کر اُٹھتی ہیں جن میں گہر ہائے لطافت چمکتے دمکتے ہوتے ہیں جو چمنستانِ مدحت پر نچھاور ہو جاتے ہیں۔ شعرائے نعت اس جمالِ رحمت سے اسلوب کی دل کشی، فکر و نظر کی آگہی، انتخابِ الفاظ و تراکیب کی ساحری اور استعارات و کنایہ کی تازگی پاتے ہیں۔ یوں نعت درد کا درماں، ظلمتِ دہر میں ضوفشاں اور لطف و محبت کا بیاں بن جاتی ہے۔ سرورِ کونین ﷺ کی ہدایت و رحمت کے گل ہائے پُر بہار مہکنے لگتے ہیں۔ پھر نعت ہر زخم کا مرہم بن جاتی ہے، موجۂ دریائے رحمت بن جاتی ہے، دیکھیے:

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
(پنڈت ہری چند اختر)

جو ستم رسیدہ پڑا نظر، ہوئے آپ عاطف و چارہ گر
جسے بھوکا دیکھا بھرا شکم، زہے شانِ مہر حضور کی
(بے چین رجپوری)

سازِ بلال کی قسم، سوزِ جنید کی قسم
زخمۂ سازِ عشق ہے تیری ادائے دلبری
(سیّد فیض الحسن)

دل کی دھڑکن سینے کا دم
کم زوری کا بازوئے طاقت
وجد کی صورت کیف کا عالم
دکھیاروں کی دل کی فرحت
(انور جمال)

وہ جس نے نوعِ انساں کو غلامی سے رہائی دی
وہ جس نے پنجۂ مرگِ دوامی سے رہائی دی
جب انساں دامِ مرگ اس کے غلاموں پر بچھاتے ہیں
حرم کی طائروں کو شانِ صیادی دکھاتے ہیں
میں ایسے حال میں تنگ آ کے جب فریاد کرتا ہوں
اسی کا نام لیتا ہوں، اسی کو یاد کرتا ہوں
(حفیظ جالندھری)

غلاموں کو دیا اس شان سے پیغامِ آزادی
کہ گردش میں ہے تیرہ سو برس سے جامِ آزادی
(احسان دانش)

ہیں غم گسارِ حقیقی بھی اور رؤف و رحیم
یہ جانتے ہیں غلاموں کو اپنے نام بہ نام
(سیّد حمید الدین حمید)

آئے گا نہ ان سا کوئی انسان کا ہمدرد
اپنوں کے وہ مونس تو پرائیوں کے وہ غم خوار
مظلوم کے ناصر ہیں وہ مجبور کے حامی
بے یار و مددگار کے وہ یار و مددگار
(خالد بزمی)

اے نبیٔ محترم، اے چارہ سازِ رنج و غم
آپ کی ذاتِ گرامی منبع لطف و کرم

آپ ہی خیرالوریٰ اور رہبر خیرالامم باغِ جنت کی ضمانت آپ کے نقش قدم
بے سہاروں کی نوا ہے آپ جاہ و حشم
اے نبیؑ محترم، اے چارہ سازِ رنج و غم

بے بسی کی دھوپ میں ہیں آپ رحمت کی گھٹا ابنِ آدم کے لیے ہیں آپؐ بخشش کی ضیا
آپؐ کا فرمانِ اعلیٰ نویدِ جانفزا ہو عطا مجھ کو بھی آقا اب مدینے کی ہوا
میرے ویرانے سے بھی ہوں دُور سب رنج و الم
اے نبیؐ محترم، اے چارہ سازِ رنج و غم
(ظہیر احمد ظہیر)

سلام اس پر کہ جس نے کاٹ ڈالے طوق بندوں کے
سلام اس پر کہ آنسو جس نے پونچھے دردمندوں کے
سلام اس پر کہ جس نے مور کو شانِ سلیماں دی
سلام اس پر کہ ہر قطرے کو جس نے نبضِ طوفاں دی

راندہ لوگوں کو یہیں شانِ پزیرائی ملی آئے جب تیری غلامی میں تو دارائی ملی
(عاصی کرنالی)

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
(علامہ اقبال)

علامہ اقبال نے حضرت بلالؓ پر دو نظمیں لکھیں۔ دوسری میں اس غلامِ حبشیؓ کا مرتبہ اسکندر رومی سے بھی بلند رکھا ہے۔ یہ آخری بند دیکھیے:

لیکن بلال وہ حبشی زادۂ فقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر

ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے
(علامہ اقبال)

اس فیض عام کی تلاش میں ذہین وفطین، دلدادگانِ صنف نعت، شعرائے کرام سرگرداں ہیں۔ رحمت للعالمین ﷺ کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کے خواہاں ہیں۔ آقائے نامدار شہر طیبہ کے تاجدار، سیّدِ ابرار ﷺ کی رحمت وشفقت کے طلب گار ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ یہ وہ رحمت ہے جو سخن وری کا وقار ہے، جس میں خیالات وافکار کا لہلہاتا گلزار ہے اور اسی میں عزت وعظمت ورفعت وافتخار ہے:

لاتا نہیں نظر میں وہ دنیا کی رفعتیں
جو بن گیا غلام رسولِ کرام کا
(محمد اختر کیانی)

میں تو ہوں ان کے غلاموں کے غلاموں کا غلام
ہے مجھے بھی ایک نسبت احمد مختار سے
(گوہر ملسیانی)

غلامِ غلامانِ آلِ نبی کو نہ دنیا میں خطرہ، نہ محشر میں کھٹکا
یہاں کارفرما حبیب خدا کی جو نسبت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟
(اختر موہانی وارثی)

بہرہ ور ہوتے ہیں ملکیت آقا سے غلام
میری جنت مرے سرکار کی املاک میں ہے
(عبدالمجید تمنا)

ہے یہی چیز تو خادم کے لیے مایۂ ناز
نسبت عشق ہے تھوڑی سی مگر آپ سے ہے
(خادم کیتھلی)

عجز ہے، درماندگی ہے اور جنونِ بندگی
تیرے بندوں کو اسی دیوانگی پر ناز ہے
(عبدالعزیز شرقی)

یہ سب اُن کی نسبت عالی کا صدقہ ہے نثار — نام میرا اور مرے اشعار روشن ہو گئے
(اصغر نثار قریشی)

عاصی تمھی کہو کہ بجز اُن کے کون ہے؟ — بھرپور اعتماد سے اپنا کہیں جسے
(عاصی کرنالی)

باقر تمھارے در کے غلاموں کا ہے غلام — شاہوں سے ہم سری کا یہ رُتبہ تمھی سے ہے
(سجاد باقر رضوی)

دُرِّ یتیم، پیکر لطف عمیمی، صاحب قرآن کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا ہر شعبہ گلستانِ فصل بہار کی طرح سرسبز و شاداب اور آفتاب و ماہتاب کی طرح ضیابار ہے۔ آپ کی رحمت کا بحر بے کراں خصوصاً شب و روز طغیانی پر رہا۔ کون سا لمحہ ہے جب لطف و کرم کی موجیں اُٹھ اُٹھ کر قرآن حکیم کے فرمان:

و یطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما و اسیرا۔ (الدھر ۷۶:۸)

اور کھلایا کرتے تھے کھانا اللہ کی محبت میں مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو۔

کے مطابق یتیم کو سیراب نہیں کر دیتی تھیں۔

نبی رحمت، معدن شفقت، نازشِ سند امانت اور چشمۂ علم و حکمت ﷺ کو یتیموں سے جو دلی محبت اور قلبی اُنسیت تھی، اس کا سبب قرآن مجید کی یہ شہادت بھی ہے:

الم یجدک یتیما فاوی٥ و وجدک ضالا فهدی٥ و وجدک عائلا فاغنی٥ فاما الیتیم فلاتقهر٥ (الضحیٰ ۹۳:۶۔۹)

کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا اور آپ کو بے خبر پا کر راہ دکھائی اور آپ کو تنگ دست پا کر غنی کر دیا، لہٰذا آپ یتیم پر سختی نہ کیجیے۔

محبت کی ادائیں نرالی ہوتی ہیں، کس قدر پُر ہدایت اسلوب ہے۔ ربّ کائنات نے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنے اور ان کی کفالت کرنے کا فرمان جاری فرما دیا۔ اسی تعلیم سے منور ہو کر رحمت عالم ﷺ نے بھی اپنا اسوۂ حسنہ پُر بہار بنایا اور اپنی اُمت کو بھی یتیم کی خبرگیری اور نیک سلوک کی ہدایت فرمائی:

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللّٰه خیر بیت فی المسلمین بیت فیه یتیم یحسن الیه و تربیت فی المسلمین بیت فیه یتیم لیسا الیه۔ (ابن ماجہ ج ۳، ص ۵۲۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بدتر وہ گھر ہے، جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔

یتیم سے محبت اس کی قدر و منزلت کے لیے رحمت للعالمین، شافع المذنبین، اکرم الاکرمین ﷺ کے اس ارشاد نے صنف نعت کو بھی درخشاں تصورات، قندیل نورِ کرم کے جذبات اور لطف و محبت کے نغمات عطا کیے ہیں۔ احساسات کے دائرے میں جب خواجہ کون و مکاں، راحت قلب پریشاں کی چشم انسانیت کے مضامین در آتے ہیں تو نعت نگار کے مصدرِ بصیرت و عرفان سے بے نظیر و بے مثال گل ہائے عقیدت جنم لیتے ہیں۔ تخلیق کی بادِ بہاری چمنستانِ مدحت کو خلد عنبریں اور فردوسِ بریں کی نشاطِ جاوداں کی عظمتیں عطا کرتی ہے۔ نعت پھر سرچشمۂ برکات، خطبۂ عرفات اور رحمت سرور عالم ﷺ کی خیرات بن جاتی ہے۔ شاعر کی تمناؤں اور آرزوؤں کا انتساب بن جاتی ہے بلکہ قارئین اور سامعین کے قلب و نظر کو شاداب کر جاتی ہے۔ نعت میں یتیم سے محبت، رحمت حق کی بارش کا سماں پیدا کرتی ہے۔ ایسے روح پرور مناظر نگاہوں میں سما جاتے ہیں کہ ان کی درخشانی اور جزو سمجھ کر اپنے جذبات افکار و تصورات کا جلوہ سامانی منزلِ مقصودِ حیات کی راہ روشن کرتی ہے۔ شاعر نعت کے رحمت کے مضمون کو اپنے جذبات و احساسات کے لیے ایک تحریک سمجھ کر تخلیق شعر میں اپنا خونِ جگر ڈال دیتا ہے اور اشعارِ نعت کو سدا بہار بنا دیتا ہے:

بوریائے فقر تخت سلطنت سے ہے سوا
بادشاہ ہفت کشور ہے گدائے مصطفیٰ
(وہبی لکھنوی)

یتیم، بے سر و ساماں، گلیم پوش، امی
مگر نشانِ کرم، آخری گھٹا کی طرح
(محمد نیاز)

بے کسوں اور یتیموں کو لگایا دل سے
اپنی آنکھوں میں بھرے پیار سے آنسوان کے
اے غریبوں کے سہارے، اے یتیموں کی مراد
تیری شفقت نے جو دیکھا انھیں بادیدۂ نم
کوئی دکھلائے تو دنیا میں یہ اندازِ کرم
محسن انسانیت تجھ سا کوئی دیکھا نہیں
(طفیل ہوشیارپوری)

مساکیں، یتامیٰ، پڑوسی، مسافر
وہ اک اک کا مونس ہے اور مہرباں ہے
(عبداللہ نیاز)

پیدا ہر ایک مدح سے دُرِّ یتیم ہے
دریائے فیض و لطف و عطا پر سلام ہو
(حیرت جلال پوری)

نوید جاں فزا پائی یتیموں نے غریبوں نے
غلاموں، بے سہاروں، بے کسوں، آفت نصیبوں نے
(جگن ناتھ آزاد)

غریبوں کی جاں کو یتیموں کے دل کو
سکوں ہو گیا ہے، قرار آ گیا ہے
یتیموں کا معاون، دست گیر بے کساں آیا
امینوں کا امیں راحت نوازِ دو جہاں آیا
(احسان دانش)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
(الطاف حسین حالی)

وہ یتیموں کی بے کسی کا شریک
وہ شکستہ دلوں کے دل کی آس
وہ امین و سخی و صاحب جود
رحمت دو جہاں، شفیع الناس
(صبا اکبرآبادی)

مجھے ہے فخر کہ میرے رسول نے محسن
یتیم و بے کس و بے آسرا سے پیار کیا
(محسن احسان)

سلام اس پر یتیموں کا ہمیشہ جس نے غم کھایا
سلام اس پر جو دل سوزی سے بیواؤں کے کام آیا
(یحییٰ اعظمی)

محسن انسانیت ﷺ کی زندگی کے شب و روز شمس و قمر کی طرح روشن ہیں۔ کہیں توحید و رسالت کے قمقمے ٹمٹماتے ہیں تو کہیں محبت و شفقت اور اُلفت و رحمت کے لمحے جگمگاتے ہیں۔

آپ کی زیست کی ایک ایک ساعت دعوتِ حق و صداقت اور قرآنی احکامات کو دلوں میں بسانے کی ریاضت اور تکلیف و صعوبت برداشت کرنے میں بسر ہوئی۔ ظلم و ستم کا وہ کون سا حربہ ہے جو استعمال نہیں کیا گیا۔ طائف کے لہو رنگ لمحات کتب سیرت میں لالہ زار اور زرنگار ہیں۔ پیکر خوش ادا نے زخم کھائے مگر زبانِ مبارک سے دعاؤں کے پھول برسائے۔ طائف کے سوق و بازار، لات کے پجاری تین بھائی عبد یالیل، مسعود اور حبیب بنو ثقیف کے سردار، خون خوار، خیر کی اقدار سے بے زار، رحمت عالم ﷺ کی اسلام کی دعوت سے بپھر گئے۔ ذہنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے رحمت کائنات ﷺ کے در پے آزار ہوئے۔ غنڈوں، اوباش لڑکوں اور بازاری گماشتوں کو ابھارا۔ پتھروں کی بارش، نازک بدن جسم اطہر لہولہان ہوگیا۔ خون بہنے لگا، جوتے لہو سے بھر گئے۔ حضرت زیدؓ پتھروں کے سامنے ڈھال بنے، سر پھٹ گیا۔ کیسی حالت ہے، محسن انسانیت درندوں کے چنگل میں، نڈھال، اہل طائف کے کردار سے ملال مگر اپنے فرض کی ادائیگی میں خالق کائنات کی راحت دوام اور الطاف و اکرام کے امیدوار ہیں۔ محبت جوش میں آتی ہے دعا کے لیے ہاتھ بلند ہوجاتے ہیں۔

> اے خالق ارض و سماوات! میں اپنی کم زوری، اپنی بے بسی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے قدری کی فریاد لے کر تیری ہی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ اے رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو ہی بے سہاروں کا سہارا ہے۔ عاجزوں کا مالک ہے اور میرا مالک بھی تو ہے۔ مجھے تو کن کے سپرد کر رہا ہے۔ بیگانوں کے یا ان دشمنوں کے، جنھیں میرے اوپر قابو پانا آسان ہو؟ اگر تو ناراض نہیں تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں کیوں کہ تیری حفاظت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جو تمام اندھیروں کو اُجالے میں بدل دیتی ہے۔ مجھے تیری ہی رضا درکار ہے۔ نیکی کی طاقت اور بدی سے بچاؤ کی طاقت تجھی سے ملتی ہے۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام کی آواز گونجتی ہے۔ ''اے محمد! اللہ نے سب کچھ سن لیا ہے۔ اس وقت پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے۔ آپ جو چاہیں حکم فرمائیں۔
فرشتہ حاضر ہوا اور کہا کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اہل طائف کو ان کے دونوں

طرف اونچے کھڑے پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں۔

مگر رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا:

مجھے رحمت للعالمین ﷺ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی پشت سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔

(سیرت ہادی برحق ﷺ از گوہر ملسیانی، ص ۲۰۱-۲۰۲)

سرورِ کائنات ﷺ کی بے پایاں رحمت کا یہ ثبوت ہے۔

وہ نبی جس نے خدا کے دین کی تبلیغ میں
گالیاں کھائیں سنیں باتیں لب اغیار سے
وہ مرا ہر موڑ پر ہے، زندگی میں رہنما
جگمگا دیں منزلیں جس نے حسیں انوار سے
(گوہر ملسیانی)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اُحد سے بھی زیادہ سخت دن کوئی آپ پر گزرا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں طائف میں اسلام کی دعوت دینے پہنچا تو مجھے لہولہان کر دیا گیا۔ میں ایک طرف چل پڑا۔ مقامِ قرن الثعالب پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابر سیاہ چھا جاتا ہے اور جبرائیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر رحمت کی مثال اور کہاں سے مل سکتی ہے کہ دشمنوں کی خطائیں بھی معاف ہوئیں بلکہ ان کے لیے دعائیں ہوئیں۔ فتح مکہ کے بعد خون کے پیاسوں، قریش کے سرداروں کو معاف کرتے ہوئے فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم۔

آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ وہ رحمت و شفقت کے چند مثالی نمونہ ہیں جو محسن انسانیت، ابر لطف و عطا اور بحر جود و سخا کی شان میں گل ہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے، تخلیق کے جاں گداز لمحات سے گزرتے ہوئے شاعر رنگیں بیاں، محامد سرورِ کون و مکاں کے انوار بکھیرنے والے مدحت نگاروں کو متاثر

کرتے ہیں۔ ان کا جذبۂ شوقِ فراواں، افکارِ گل بداماں کو شعر کے قالب میں ڈھالنے پر مہمیز کرتا ہے پھر نعت گلزارِ صداقت کے تر و تازہ گلاب اور اصنافِ سخن کا سب سے بہتر انتخاب بن جاتی ہے۔ رحمت عالم ﷺ کی سیرتِ اقدس کے اوصافِ رحمت کے بیان میں ہر شاعر اپنا حصہ ڈال کر شاداں و فرحاں ہوتا ہے۔ اور صنف نعت کو اس موضوع کی تابانی سے پُر انوار بنا دیتا ہے۔ چند گل ہائے عقیدت دیکھیے:

سلام اس پر عدو پر جس نے رفق و لطف فرمائے
سلام اس پر عوض پتھر کے جس نے پھول برسائے
(یحییٰ اعظمی)

کیا معاف خطا ہائے اہل مکہ کو
کہ جن کے شر سے ہوئے تھے وطن سے اپنے دور
(یحییٰ تنہا)

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازار طائف میں
سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
(ماہر القادری)

اللہ اللہ یہ کرم تم نے دعا دی ان کو
جو بناتے رہے تم کو ہدفِ سنگِ ستم
(طاہر شادانی)

ظلم سہ کر بھی محبت سے دعائیں دی ہیں
رحم کھاتا ہے کہاں کوئی کسی پر ایسا
(رشید کامل)

سرکشوں کے لیے کی دعائیں
آپ نے رحمت دائمی سے
(ریاض احمد کاوش)

آپ نے ان سے جو سلوک کیا
کس کو آئے گا آج اس پہ یقیں

اس سراپا کرم نے فرمایا جب تھے دشمن اسیر و زیرنگیں

میری جانب سے تم ہو سب آزاد

آج تم پر کوئی گرفت نہیں

(خالد بزمی)

ان کی رحمت کا کیا ہے ٹھکانا، دیکھ لے سوئے طائف زمانہ

موسم سنگ باری میں لب پر کیا دعا کا اُجالا نہیں ہے

(صبیح رحمانی)

عدو کے واسطے اخلاص سے دعا مانگی رفاقتوں کی روایت کو استوار کیا

(محسن احسان)

کیا کیجیے حکایت فیضانِ بے کراں کانٹوں کو اک نظر میں گلستاں بنا دیا

(ابن الغازی عابد)

گالیاں کھا کے دعاؤں سے نوازا تو نے تیری رحمت کے میں قربان رسولِ عربی

(کوثر نیازی)

وہ جس نے ظلم کا بدلہ سدا دعا سے دیا عوض ستم کا تلطف سے اور کرم سے دیا

جو راہِ حق سے کبھی اک قدم نہ پیچھے ہٹا ہزار جور اُٹھائے نہ آیا لب پہ گلہ

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام

ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

(نوشابہ خاتون)

بڑھے انبوہ در انبوہ پتھر لے کے دیوانے لگے بارانِ سنگ اُس رحمت عالم پہ برسانے

وہ ابر لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے

کہا سرکار! ان لوگوں کے حق میں بدعا کیجے شکایات اس جفا و جور کی پیش خدا کیجے

جناب رحمت للعالمیں نے سن کے فرمایا کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

یہ فرما کر نبی نے ہاتھ اٹھا کر اک دعا مانگی خدا کا فضل مانگا، خوئے تسلیم و رضا مانگی

دعا مانگی الٰہی قوم کو چشم بصیرت دے الٰہی رحم کر ان پر انھیں نور ہدایت دے

(حفیظ جالندھری)

رحمت دوجہاں سر طائف آئینہ پتھروں کی زد پر تھا

(حافظ عبدالغفار حافظ)

جب کسی مدحت نگار کا تخلیقی زاویہ خلوص کا مظہر ہو اور جذبے کا دائرہ صداقت کا احاطہ کیے ہوئے ہو پھر درد و الم کی اس فضا میں رحمت للعالمین ﷺ کے سیرت و کردار، اسوۂ عظیم کے انوار کا احساس تخیل کی لوح پر یوں چمکتا ہے کہ ایک قوسِ قزح پھیل جاتی ہے۔ اس میں رحمت کا رنگ سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ اگرچہ علامہ اقبالؒ کے مطابق معجزۂ فن سے ہے خونِ جگر کی نمود، لیکن شعر کی تحریک کا بھی اس پر بڑا عمل دخل ہے۔ جب موضوع وارداتِ قلبی بن کر اظہار کا جامہ پہن لیتا ہے تو اس مظہر سے تخلیقی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مطالعہ میں آیا ہے کہ شعرائے کرام کی نعتیہ تخلیقات میں رحمت کے مضمون کی بھی بوقلمونی ہے۔ تصورات و احساسات کا تنوع کے کئی دائرے، کئی زاویے صفحۂ قرطاس پر کھینچتا ہے، جن میں حیات کی صداقتیں اور واقعاتی حقیقتیں کچھ ایسا معجزۂ فن دکھاتی ہیں کہ اسلوب و انداز میں جامعیت کی ایک کہکشاں پھیلی دکھائی دیتی ہے۔ اس موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے نعتیہ شاعری میں رحمت کے لاتعداد انداز اور رُخ مجھے اپنی گرفت میں لے لیتے رہے ہیں۔ رحمت کا احاطہ کرنے والے یہ اشعار رسولِ رحمت ﷺ کے تیئس سالہ عہد رسالت میں کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ وہ متقدمین کے گل ہائے عقیدت ہوں یا جدید نعت گو شعرائے کرام کے حساس اور پُر بہار چمنستان میں کھلنے والے غنچہ ہائے نکہت فشاں ہوں۔ آیئے تخلیق کے ان جواہر پاروں کی رعنائی سے قلب و نظر کو منور کریں:

حب نبی کی فیض رسانی نہ پوچھیے کانٹے میں حسن آ گیا کھلتے گلاب کا

(ریاض حسین زیدی)

دوست دشمن پہ کچھ نہیں موقوف میرا آقا تو سب کے کام آیا
کوئی در سے پھرا نہ خالی ہاتھ جو بھی پہنچا وہ شاد کام آیا
آدمی آدمی کو پہچانا آدمی آدمی کے کام آیا

(شمس زبیری)

ان کے قبضے میں خزانے رب کے ان کی عادت ہے سخاوت کرنا

(مسعود اختر)

زمانے کی سوکھی ہوئی کھیتوں پر گھٹا بن کے برسے ہوا بن کے آئے

(ماہر القادری)

یہ مژدہ اہلِ عالم کو سنا دو بھری رحمت سے ہے خوئے محمدؐ
(اکبر الہ آبادی)

اس محسنِ زمانہ کے لطف و کرم کے بعد کوئی جگہ نہیں ہے یہاں جور کے لیے
اپنے ہوں یا کہ غیر وہ سب کے شفیق ہیں ڈھونڈیں کسے خلوص کے اس طور کے لیے
اغیار کے حق میں بھی وہ الطاف و کرم ہیں ہرگز یہ کسی اور کا معمول نہ ہوگا
(خالد بزمی)

ٹوٹے دلوں کے واسطے اُمید کی کرن طوفانِ غم میں دامنِ ساحل حضور ہیں
(ناصر زیدی)

ہر جادہ کشِ جور کی قوت تری رحمت ہر رہروِ شب گشتہ کو رہبر تری سیرت
(حفیظ تائب)

رحمت سرکار آئی جوش میں اور اپنا کام سارا ہوگیا
(مسرور کیفی)

ان کی رحمت ہے پردہ پوش مری حشر میں خوف کیا سزاؤں کا
(راجا رشید محمود)

آج پھر کوہ رحمت پہ خطبہ کوئی آج اُمت ہے پھر دربدر آپ کی
(محسن نقوی)

پتھروں میں بھی لہو دوڑ گیا اس قدر عام تھی رحمت ان کی
(احمد ندیم قاسمی)

گردشِ چرخِ چنبری اس کا نہ کچھ بھی کر سکی تو نے نگاہِ لطف سے بخش دیا جسے ثبات
(ماہر القادری)

اس کی رحمت ہو تو طوفاں بھی ہو ساحل بہ کنار وہ مخالف ہوں تو ہر موج بھنور ہو جائے
درِ عالی پہ کئی دن سے پڑا ہے کوثر اب تو آقا کوئی رحمت کی نظر ہو جائے
(کوثر نیازی)

سبزۂ و گل حضور کی رحمتِ بے کراں کے رنگ نجم و قمر جناب کے نقشِ قدم کا سلسلہ
(حفیظ تائب)

کہوں کیوں کر نہ تجھ کو رحمت للعالمیں ساقی
کہ تیرے فیض سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی
(خواجہ عزیز الحسن مجذوب)

سبز گنبد سے اُٹھتے ہوئے ابر رحمت کی ہے یہ عطا
وہ زمینیں جو مدت سے بنجر پڑی تھیں، وہ شاداب ہیں
(محمد فیروز شاہ)

آمد ان کی رحمت باری
روشن ہوگی دنیا ساری
برسا نور زمیں پر چھم چھم
صلی اللہ علیہ وسلم
(یونس احقر)

صدف صدف کو گہر بار کر گیا وہ ابر
سخاوتوں کا یہ انداز ہر گھٹا کا نہ تھا
میں برہنہ تھا، برہنا ہوں مرے آقا نے
تن چھپانے کے لیے چادر رحمت دی ہے
(محسن احسان)

ہوگا الفاظ کی صورت میں نزولِ رحمت
ان کی مدحت کو جو ہم اپنا مقدر لکھیں
نعت لکھتا ہوں صبیح ان کی عطا کے ساتھ میں
ہے بیاضِ نعت کا ہر شعر رحمت کا گلاب
(صبیح رحمانی)

رخت سفر میں اس کے بھی رحمتوں کی بارش
ابر کرم جو تیرا سر عام چل رہا ہے
شاخِ جہاں پہ تیری نبوت کے پھول ہیں
دامانِ کائنات میں رحمت کے پھول ہیں
(حنیف ساجد)

مظہر رحمت، مصدرِ رافت اور مخزنِ شفقت ﷺ کی تربیتِ رحمت، تعلیمی عظمت اور تدریسی ندرت کی بہاریں لامتناہی ہیں۔ مکی دور ہو یا مدنی دور جمالیاتِ رحمت کی کرنیں اذہان، قلبی رجحان اور اخلاقی عرفان کو جلابخشتی رہیں۔ انسانیت کا کھردراپن عام تھا، جہالت کے طرزِ کہن میں ہر صحرائی بدو، ہر آبائی تمدن کا فدائی شہری شاد کام تھا۔ قبائلی نظام کی عمل داری، قبیلے قبیلے کی سرداری، مطلق طاقت اور صاحب اقتدار کی تاجداری، کش مکش، بغض و عداوت کی شعلہ باری اور ظلم و ستم کی سنگ ساری کا وسعت کے لحاظ سے طویل پھیلا ہوا دام تھا جس میں ہر کہہ و مہہ زیرآلام تھا۔ عرب معاشرہ حقیقتاً ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا، ربط وضبط کا فقدان بلکہ ایک کریہہ انتشار تھا، اندرونی اور بیرونی جارحیت کا گرم بازار تھا، جس میں ہر مردو زن بیزار تھا۔ عرب کی یہ

وہ کیفیت تھی جس میں رحمت للعالمین ﷺ مبعوث ہوئے، تین سال تک اپنے عزیزوں اور اقربا کو دعوتِ اسلام سے فیض یاب کرتے رہے اور پھر رحمت و رافت کا یہ چلن کوہ صفا پر قالوا لا الہ الا اللہ تفلحوا کا نعرہ بلند کرتا ہوا چاروں طرف بڑھنے لگا۔

تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ دارِ ارقم تک پہنچا اور پھر پھیلتا چلا گیا۔ گنواروں، بدوؤں اور کندۂ ناتراش انسانوں کو تہذیب و تمدن، اخلاق و اطوار اور سیرت و کردار کی خصوصیات سے روشناس کرتا انسانیت کی معراج تک پہنچاتا رہا۔ یہ صورت گری، یہ چارہ گری اور یہ آدمیت کی برتری، سینوں میں پنہاں خودسری کو نکالتی رحمت پیمبری کا عمل دُہراتی چلی گئی۔ دنیا نے دیکھا، صحرانشیں، جنگ و جدل کے شوقین، مزاجاً عیاش و رنگین اور اخلاقاً سنگین لوگ، قوت میں شاہین، زیرِ تعلیمات یٰسین اور صاحبانِ دین متین بنے۔ یہ ہدایت، رحمت اور محبت انسانی کی کلیاں، بہار غنچۂ وحدت، چشمۂ علم و حکمت اور محبوبِ رب العزت نے چٹکائیں اور عرب و عجم میں مہکائیں۔

رحمت کی ان ضیاؤں نے شعرائے نعت کی تصوراتی بساط، جذباتی نشاط اور وارداتی انبساط کو مسرت و شادمانی کے نور سے منور کیا۔ ان کے خیالات نے مدحت میں اس رحمت کے مختلف رنگ ظاہر کیے ہیں۔ آیئے ان بہاروں اور دل کش فضاؤں میں گھوم پھر کر دیکھیں:

خوگرِ بندگی تھے جو تیرے طفیل میں ہوئے
مالک مصر و کاشغر، وارثِ دجلہ و فرات
(نواب بہار یار جنگ)

وہ جس کا جذب تھا بیداریٔ جہاں کا سبب
وہ جس کا عزم تھا دستورِ ارتقا کی طرح
(سراج الدین ظفر)

جو لوگ ہوئے تیری غلامی سے مشرف
وہ عظمت انسان کا معیار ملے ہیں
(سرو سہارنپوری)

جس کے غلام فاتح، ایران و شام ہوں
لاکھوں درود اس پہ ہزاروں سلام ہوں
(زکی کیفی)

مصر و عرب میں روم میں ایران و ہند میں
پھیلا جہاں میں علم سراسر رسولؐ کا
(دلورام کوثری)

تیرے اعدا بھی رہے تیرے کرم کے محتاج
سائے ہر سر پہ ترے لطف کے لہراتے رہے
(خلیق قریشی)

وہ شاہ بوریا مسند، سکھایا جس نے دنیا کو
یہ اندازِ جہانگیری، یہ آئینِ جہاں بانی
(اقبال سہیل)

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہ قیصری
(جوش ملیح آبادی)

دل مجلّا ہوئے، سینے روشن ہوئے
پائی فکر و نظر نے جلا آپ سے
(ضیا محمد ضیا)

اتنا کرم ہوا کہ مقدر بدل گئے
ان کے کرم کی بات چلی تھی ابھی ابھی
(شبیر انصاری)

سرکشوں نے آپ سے پایا شعورِ زندگی
خود سروں کو آپ نے بخشے مقاماتِ نیاز
(جعفر حسن جعفر)

اسی کے فیض اقدس کا کرشمہ ہے کہ دنیا میں
نظر آتی ہے جذباتِ اخوت کی فراوانی
یہ دنیا جب رہِ علم و صداقت سے گریزاں تھی
جلائی کفر کی ظلمت میں اس نے شمع نورانی
(عبدالصبور طارق)

جتنا بھی یہاں جلوۂ تہذیب بشر ہے
اے محسن عالم! ترا فیضانِ نظر ہے
جب سے تری پُرنور قیادت میں سفر ہے
رستے کی ہمیں سوجھ ہے، منزل کی خبر ہے
جو تہذیب و تمدن مدعی آدم گری کے ہیں
وہ پہلا مکتب تشکیل انساں دیکھ لیتے ہیں
(عاصی کرنالی)

بے نواؤں کو عظمتیں بخشیں
ان کی عظمت کی کوئی حد نہ حساب
قوم جو علم سے تھی بے بہرہ
کھول دی زندگی کی اس پہ کتاب
(فضل کریم فضلی)

نادار جو بھی آ گیا، وہ ہو گیا غنی
اس کو درِ حضور سے دارائیاں ملیں
(عزیز حاصل پوری)

جس پریشاں حال انساں کو نوازا آپ نے
اس سے بڑھ کر کون ہے دنیا میں خوش قسمت حضور
(محمد اکرم رضا)

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گر، ان کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوئے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیے ایک پردہ اُٹھا کر
(مولانا حالی)

جنھیں شعور نہ تھا عقدۂ حیات ہے کیا؟
اس اک نگاہ کے صدقے کے رازداں ٹھہرے
وہ لوگ تھا جنھیں بے دست و پائی کا شکوہ
اسی کے در کی غلامی سے تیغ راں ٹھہرے
(شورش کاشمیری)

جو ٹھکرائے ہوئے تھے دہر کے وہ تیری محفل میں
مکرم بنتے جاتے ہیں، معظم ہوتے جاتے ہیں
(ابرار حسنی گنواری)

یہ دیکھتا ہوں غلام و آقا کا فرق تو نے مٹا دیا ہے
یہ دیکھتا ہوں کہ تو نے شاہ و گدا کو ہم سر بنا دیا
(تاجور نجیب آبادی)

شہرِ مدینہ، رحمتوں کا خزینہ اور پیکرِ جود و سخا کی سخاوتوں کا گنجینہ ہے۔ دریائے رحمت کے سارے دھارے یہاں بہتے ہیں۔ کہیں نبی رحمت ﷺ کی تجویز پر بیرِ عثمانؓ جاری و ساری ہوتا ہے اور کہیں آیۂ قرآنی، من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ اضعافا کثیرۃ۔ (البقرہ ۲:۲۴۵) ''کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو قرضِ حسنہ تا کہ بڑھا چڑھا کر واپس کرے اللہ اُسے کئی گنا۔'' زبانِ رحمت سے ضیابار ہوتی ہے اور ابودردا رضی اللہ عنہ رحمت عالم ﷺ سے عرض

کرتے ہیں، "یارسول ﷺ! دست مبارک بڑھایئے، میں اپنا باغ پیش کرتا ہوں، قبول فرمایئے۔"

ریاست مدینہ کی تشکیل کے بعد رحمت کا ایک بحرِ ذخار ہے جو ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ اوس و خزرج، مہاجرین مکہ پر رحمت و شفقت کی ایسی بارش ہوتی ہے کہ دلوں کے زنگ اتر جاتے ہیں اور بغض و عداوت اور قبائلی تعصبات کی آلودگی دُھل جاتی ہے۔ اخوت کا ایثار و قربانی کا جذبۂ رحمت للعالمین ﷺ کی تعلیمات سے گل بہار کی طرح کھلتا ہے کہ اسلامی مملکت میں رحمت و شفقت کے چشمہ ہائے مہر و مروت اُبلنے لگتے ہیں۔ آج بھی یہی ادائے دلبرانہ، رحمت دوستانہ اور الفت والہانہ وادیٔ کاظمہ اور چمنستانِ مدینہ منورہ میں بکھری ملتی ہے۔ شمع رحمت عاشق صادق پروانے قربان ہوتے ہیں۔ زندگی کی تلخیوں کے مداوا کے لیے یٰسین و طٰہٰ کی درس گاہ سے مرہوم رحمت کی علمی ضیائیں حاصل کرتے ہیں۔ شہرِ خیر الوریٰ، ابر لطف و عطا، اعتمادِ شفا اور پیکر تسلیم و رضا تمناؤں کا مرکز ہے۔ ہر پیاسے کو یہاں آبِ حیات، مژدۂ قرار و ثبات اور خیر کثیر کے نکات میسر آتے ہیں۔ علم و ادب کے داعی، حسن و جمالِ مصطفےٰ ﷺ کے شیدائی اور شعر و سخن کے تمنائی کاسۂ گدائی لیے یہاں پہنچتے ہیں، مدحت سرائی کے لیے رحمت و رافت کے سکہ ہائے طلائی لے کر آتے ہیں۔ تذکرۂ گلستانِ طیبہ، اشعارِ مدحت سرورِ انبیا ﷺ اپنے مفاہیم و تشریحات میں لطف و محبت بھی رکھتے ہیں اور لطف و رحمت کے آبگینے بھی، پھر نعت جذبۂ شوقِ فراواں اور غم عشق کا درماں بن جاتی ہے۔ رحمت کی شگفتہ بیانی کا یہ انداز کتنا حسین و جمیل ہے، کس قدر اس سے رحمت کا نزول ہوتا ہے، آیئے دیکھتے ہیں کہ منشورِ عالم کے حقیقی مرکز میں پہنچ کر سخن ور رحمت و شفقت کے کیسے پھول چنتے ہیں:

شہرِ رحمت میں پہنچے اماں مل گئی　　ہر غم زندگی سے رہائی ہوئی
گلی میں آپ کی دن پھر گئے گداؤں کے　　کچھ ایسا آپ کا دست کرم کشادہ ہے
(حفیظ تائب)

جب تری چشم عنایت سے گزر جاتے ہیں　　چمن دہر کے پھول اور نکھر جاتے ہیں
تیرا دریائے کرم اب بھی رواں ہے کہ جو تھا
کتنے دریا ہیں جو چڑھ چڑھ کے اُتر جاتے ہیں

شاہ و گدا کھڑے ہیں صف احتیاج میں　　یہ در اُمیدگاہِ امیر و غریب ہے
ترے شہر میں زندگی کتنی فراواں ہے　　مدینے کی ہوا کا ایک اک جھونکا رگِ جاں ہے
(عاصی کرنالی)

کتنی صبحیں ظہور کرتا ہے — جاگنا رات بھر مدینے میں
کتنی صدیوں پہ ہو گئے ہیں محیط — میرے شام و سحر مدینے میں
(عطاء الحق قاسمی)

گنبدِ خضریٰ خدا تجھ کو سلامت رکھے — دیکھ لیتے ہیں تجھے پیاس بجھا لیتے ہیں
(عبدالستار نیازی)

سامنے جس کی نگاہوں کے مدینہ آیا — لطف کے ساتھ اُسے مرنا اسے جینا آیا
(نوح ناروی)

شعورِ عشق مدینے کی سرزمیں سے ملا — دوا بھی درد بھی جو کچھ ملا یہیں سے ملا
(محشر رسول نگری)

ہے پیشِ نظر روضۂ سلطانِ اُمم آج — پہلے سے فزوں ہے مجھے اُمیدِ کرم آج
(حافظ مظہر الدین)

درِ حضور پہ حافظ کی آنکھ تھی غم ناک — زباں ملی نہ اُسے عرضِ مدعا کے لیے
(حافظ لدھیانوی)

اٹکا ہوا ہے دل اُسی منظر کی چاہ میں — کس طرح کوئی شاد ہو طیبہ نگر سے دُور
شہرِ طیبہ کا ہوں باشندہ، یہ دل کہتا ہے — کاش تقدیر بھی اس خواب کی تصدیق کرے
(عزیز احسن)

اسی در سے ملا ہے عارفوں کو — شعورِ زندگی، عرفانِ رحمت
ترا دستِ سخا، جانِ سخاوت — تری چشمِ عطا، ایمانِ رحمت
(محمد مسعود اختر)

شرابِ معرفت میخانۂ طیبہ سے ملتی ہے — دبستانِ نظامِ عاشقی ہیں سرورِ عالم ﷺ
(گوہر ملسیانی)

ہر ایک زخم میں تصویر ہے مدینے کی — بہارِ خلد ترا بھی جواب رکھتے ہیں
(اعجاز رحمانی)

کوئی خالی ہاتھ اُن کے در سے نہ آیا — عجب بخت والے ہیں واں جانے والے
کرو تہنیت قصدِ طیبہ یہ کہہ کر — نہیں لوٹ کر اب کے ہم آنے والے
(تہنیت النساء بیگم تہنیت)

دیارِ رحمت بلا رہا ہے، نجات کا در کھلا ہوا ہے — چلو چلو جانب مدینہ، تمام لوگو! تمام لوگو
اس باغِ ہدایت کے گلابوں کی مہک ہے — احسان عطا، جود و سخا عدل اماں بھی
(شوکت ہاشمی)

یہ گنہ گار کہاں جائے مدینے کے سوا — در نہیں کوئی درِ صاحبِ رحمت کے سوا
جب سے دیکھی ہیں مدینے کی بہاریں ہم نے — یاد کچھ بھی نہ رہا وادیٔ جنت کے سوا
(بشیر زرداری)

تمام عمر مدینے میں سونے والے کو — کہاں کہاں سے پکارا کہاں کہاں ٹھہرے
(شورش کاشمیری)

اتنا یاد آتے ہیں مجھ کو رحمت للعالمیں — اپنے لب سے اپنے ہی دل کو سناتا ہوں درود
(ہارون الرشید ارشد)

نسیم رحمت عالم ہے باغ ہستی میں — دلوں کو موسم گل باعث سرور ہوا
(منظور حسین منظور)

دیارِ طیبہ میں بن کے آنا کسی کا وہ رحمت مجسم
یہی ہے بندوں پہ قدرت کبریا کا الطاف عام ہونا
(مرتضیٰ احمد خاں میکش)

رحمت للعالمین ﷺ کے گلستان و نخلستان میں سیر گل ہائے رحمت و رافت کرتے ہوئے ایسے شعرائے قدیم و جدید کی سخن طرازی کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی کہ مضمون رحمت میں قرآنی، علمی، ادبی، تخلیقی، شعری، تاریخی اور سرمدی تصورات و افکار میرے لوازمۂ تحریر کے لیے ایسا خزانۂ عظیم ثابت ہوئے کہ میری تمناؤں کے غنچے چٹک اُٹھے اور رحمت عالم ﷺ کے موضوع کو ایسی نکہت فصل بہار میسر آئی کہ یہ تحریر بھی مہکنے لگی۔

اسی رحمت و شفقت کی اٹھتی موجوں، قلب و نظر کو متاثر کرتی لہروں میں کچھ گل ہائے عقیدت ایسے بھی ملے جن میں مبالغہ آرائی کی جہتیں اور غلو بیانی کی سطحیں نعت کی حدود سے تجاوز کرتی دکھائی دیں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ ربّ کائنات نے مفسر قرآن، صداقت و امانت کے بستان کو جہاں رحمت للعالمین کے خطاب سے نوازا ہے، وہاں ذمہ داری کی نفاست و حقیقت اور منصب نبوت کی حفاظت و خاصیت کا سبق بھی دیا ہے۔ اسی سلسلے میں ربّ العالمین

نے جادۂ تعلیم و تعلّم پر چلتے ہوئے سیّدِ عالم کو قدم قدم پر مغفرت و رحمت کی دعاؤں کو اپنانے اور نصرت و ہدایت طلب کرنے کا حکم بھی دیا ہے:

و قل رب اغفر و ارحم و انت خیر الرحمین۔ (المومنون ۲۳:۱۱۷)

اور اے نبی! دعا کرو، اے میرے مالک! بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

قرآن حکیم کی مختلف آیات سے یہ بات وضاحت سے ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ یاد رکھو ارحم الراحمین کی ذات صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ باقی سب مخلوقِ خدا، جن و انس اور جن سے انبیائے کرام اور مرسلین عظام بھی شامل ہیں، اپنے خالق و مالک، حاکم و مدبر اور اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اس لیے صنفِ نعت کا یہ موضوع و مضمون بھی بے حد احتیاط طلب کرتا ہے۔ قرآنی آیات و احکامات اور ارشادات سرورِ کائنات ﷺ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ذاتِ واحد ولاشریک سے زیادہ کوئی رحمٰن و رحیم نہیں ہے۔ رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت کے دائرے کو ربّ العالمین کے دائرۂ رحمت سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ یوں اہل ایمان پر لازم ہے کہ اس فرق کو حرزِ جاں بنائیں اور اس میں اطاعت رحمت للعالمین ﷺ، اطاعت ربّ العالمین ہے۔ اگر ان حدود و قیود کا خیال نہ رکھا جائے گا تو اس افراط و تفریط کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں داخل ہوجائے گا، لہٰذا رحمت کے اظہار میں بھی بے حد توجہ درکار ہے۔ الوہیت اور رسالت کا اپنا اپنا مقام ہے۔ میرے مطالعے میں بھی آیا ہے کہ شعرائے کرام کے ہاں شفاعت کے موضوع میں تعلّی کا اظہار اس قدر حکم قرآن اور ارشادِ رسولِ رحمٰن کی صریح نصوص کی خلاف ورزی میں آتا ہے، جس سے نعت کی نزاکت مجروح ہوتی ہے۔ اس کے لیے قرآن میں آیاتِ شفاعت اور احادیث رسول مکرم ﷺ کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ میں اس کلیے کو عمومی بناتے ہوئے کسی شاعر یا اس کے شعر کو بیان کرنے سے گریزاں ہوں، خود مدحت نگاروں کو اپنی تخلیقات پر نظر ڈالنی چاہیے کیوں کہ صنف نعت کے ایسے اشعار اردو ادب میں اس صنف کو ادبی معیار سے گرانے کے مترادف ہیں۔

آخر میں جناب عابد نظامی کے رحمت عالم ﷺ کی شان میں کہے ہوئے ان اشعار کو بیان کر کے اس مقالہ کی تکمیل سے سرخ رو ہونے کی جسارت کرتا ہوں، یہ ان کی نظم ''آمدِ بہار'' کا آخری بند ہے جس میں رحمت کی کلیاں ضوفشاں ہیں:

تیری آمد سے اے رؤف و رحیم
لطف ربی کے کھل گئے ابواب

ہر طرف موسم بہار آیا
کھل اُٹھے گلشن جہاں میں گلاب

توڑ کر نسل و رنگ کے اصنام
گمرہوں کو دکھائی راہِ صواب

زندگی کے جھلستے صحرا میں
تیری آمد ہے رحمتوں کا سحاب

سورۂ والضحیٰ ترا چہرہ
دیکھ کر جس کو ہے خجل مہتاب

دیکھ کر تیرا ٹاٹ کا بستر
ہوگئے ہیچ قاقم و کمخواب

جو ہدایت ہے حشر تک کے لیے
تجھ پہ نازل ہوئی وہ حق کی کتاب

اک کرن میرے قلب تیرہ پر
اے ہدایت کے مہر عالم تاب

(عابد نظامی)

پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ گوجرانوالہ

موجِ نور

(ایک قابلِ تحسین نعتیہ انتخاب)

اس نعتیہ انتخاب کو جناب محمد دین ادیب منشی فاضل، ادیب فاضل نے چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا۔ کب چھپا؟ اس کے بارے میں یہ مجموعہ کوئی رہنمائی نہیں کر رہا۔ چوں کہ اس کا دیباچہ مولانا خدا بخش اظہر امرتسری نے تحریر کیا ہے اور مولانا ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے اور ۹ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو فوت ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی اشاعت کا زمانہ ۱۹۵۰ء سے قبل کا ہے۔ اس مجموعہ کے جامع جناب محمد دین ادیب کے بارے میں راقم الحروف کے پاس کسی نوع کی کوئی معلومات نہیں ہیں۔ نعتیہ منظومات کی تعداد ۱۰۹ ہے اور تالیف کے کل صفحات ۱۹۹ ہیں۔ جمع وترتیب میں مرتب کا ذوقِ سلیم جھلکتا ہے، جس کا اندازہ فہرست مضامین سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس مجموعہ میں وقت کے معروف شعرا کی نعتیہ منظومات بھی ہیں اور غیر معروف شعرا کی معیاری نعتیں بھی، انتساب، میر عثمان علی خاں آصف جاہ ہفتم تاجدار قلم رو دکن کے نام ہے۔

اس دور میں نعت کو غمِ دوراں سے ہم آہنگ کرنے اور وقت کے ہر لحظہ بدلتے، تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت کا احساس ہو چکا تھا۔ اس انتخاب میں بھی یہی احساس جلوہ گر ہے۔ مولانا اظہر امرتسری کو اللہ تعالیٰ نے بہترین علمی، ادبی اور شعری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ سچے مسلمان تھے۔ ان کی تحریر میں بھی ایک نوع کی جمالیاتی دل پزیری تھی۔ فقروں کی بندش پر گیسوؤں کی گندھاوٹ کا گمان گزرتا تھا۔ ان کے لفظ لفظ میں ان کے دل کی پاکیزگی تو دیتی تھی اور حق یہ ہے کہ ”اعلیٰ شخصیت اور اعلیٰ انشا پردازی ایک دوسرے سے نشوونما پاتے اور ایک دوسرے کو جلا دیتے ہیں۔“ اُن کا مولانا ظفر علیخاں کے اخبار ”زمیندار“ اور لاہور کا مدیر ہونا ثابت کرتا ہے کہ اُن کا دینی اور علمی مقام قابلِ قدر تھا۔ عہدِ حاضر اُن کے نام اور کام سے کم کم

آشنا ہے۔ اس مجموعۂ نعت میں اُن کا مبسوط دیباچہ اردو شاعری کے رنگ و آہنگ اور نعتیہ شاعری کے مزاج کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت پر فکری اور علمی انداز سے روشنی ڈال رہا ہے۔ وہ فی الواقع ایک ایسا ادب پارہ ہے کہ اس سے سبق لینے کی تب اتنی ضرورت نہ تھی جتنی اب ہے۔ چند اقتباس دیکھیے:

> کیفیاتی محذوفات دل کی زبان کے الفاظ ہیں جو سوائے دل کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، لیکن کیفیاتِ قلبی میں جب روحانی عقیدت بھی شامل ہوجاتی ہے تو اس کے اظہار کے لیے ایسے الفاظ اور پیرایہ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو خوش اسلوبی کے علاوہ حسن عقیدت کے بھی حامل ہوں اور اندازِ بیاں اس درجہ سادہ اور لبریز حقیقت ہو جس پر تاویل و تفہیم کے باوجود تصنع کا گمان نہ ہوسکے۔
>
> اس کیفیت و عقیدت کے امتزاج سے جو صنف شاعری تخلیق پزیر ہوئی اس کو اسلامی شعرا ''نعت گوئی'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نعت گوئی کی ابتدا اسلامی شاعری کے ساتھ ہی ہوئی تھی۔ اس لیے ماحول و زمانہ کے اثرات سے جو تبدیلیاں یا اصلاحیں تغزل میں ہوتی رہیں اُنکا دامن نعت پر بھی پھیلتا گیا۔ گویا نعت مضامین و اسلوب کے اعتبار سے آئینہ تغزل میں عکس کی طرح مرتعش تھی۔ چناں چہ جب عربوں کا ذوقِ شعری عجمیت کے قالب میں ڈھل چکا تھا تو ان کا تغزل جو سادہ عشق اور فطری محبت کا ترجمان تھا۔ اس میں بناوٹ اور دُور فکری نام کو بھی نہ تھی۔ عجمی اثرات سے یکا یک مغ بچہ، بادہ کدہ، ساقی، جام، شراب، مردانہ حسن کی تعریف اور اس قسم کے دوسرے اوضاعی لوازم محبت کا آئینہ ہوکر رہ گیا۔ حالاں کہ ان چیزوں کو نفسیات محبت سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ تاہم عجمی مذاقِ شعری کی وسعت نے ان لوازم کفر میں تشبیہ و استعارہ کے نام پر روحِ دوام پھونک ہی دی۔ اردو شاعری چوں کہ ایرانی ادب کی نقش ثانی ہے اس لیے میر تقی سے لے کر داغ تک ہر شاعر ایرانی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ نعت چوں کہ غزل کا ایک جزو ہے، اس لیے اس روحانی

صنف کو بھی غزل کے غیر فطری و مضحکہ خیز چشمہ میں غوطہ دینے کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔ میں سوءِ ادب کے خوف سے اس قسم کی نعتیں بطور مثال پیش نہیں کر سکتا اور ایسا کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ عمومیات کی تعیم دوپہر کو سورج کا وجود ثابت کرنے کے مرادف ہے۔ آپ کو ایسی نعتیں بکثرت ملیں گی جن میں حضور محسن انسانیت کو بھی زلف و گیسو حسن و جمال اور دوسرے لوازمِ محبوبی کے اعتبار سے شعرا کے فرضی معشوق کی عمومیت عطا کی گئی ہے۔ اس قسم کی نعتیں ممکن ہے اخلاص و عقیدت اور محبت و والہیت کی حامل ہوں اور بازارِ تصوف میں ان کی بیش قیمتی بھی مسلم ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں مغز کا اندازہ پوست سے لگایا جاتا ہے۔ دریا کی تہ تک پہنچنے والے کم ہیں، لیکن موجوں کا رقص و اضطراب دیکھنے والوں کی قلت نہیں۔ تشبیہ و استعارہ کے پردہ میں ''شاہدِ باطنیت کی جھلک دیکھنے والی نظریں یا بے نور ہو چکی ہیں یا ذوقِ نظارہ ہی رخصت کر رہی ہیں۔ ان حقائق کے پیش نظر نعت گوئی اپنے احترام و افتخار کی بدولت تغزل سے زیادہ تہذیب و اصلاح کی طالب ہے تاکہ مدح میں ہجو ملیح کی جھلک پیدا نہ ہو سکے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم ''گیسوؤں والے محبوب'' کی بجائے اپنے جذبات عقیدت کا مظہر ''صاحب سیف و قلم بہادر'' کو بنائیں۔ اور حضور اعلیٰ کے روحانی، قومی، انسانی، اجتماعی، علمی، دینی اور مدنی فیوض و احسانات کو نظم کریں تاکہ نعتیں صحیح طور پر حضور کی شانِ رحمۃ للعالمینی کی عکس بردار ہو سکے۔

غزل سے زیادہ اہم مسئلہ اندازِ نعت گوئی کی تہذیب کا ہے لیکن نعت غزل کی پروردہ ہے۔ اس لیے جو تبدیلیاں تغزل میں واقع ہوں گی ان کا اثر نعت پر بھی پڑے گا تاہم ممدوح کی مقدسیت اور جذبات کی نزاکت کے پیش نظر نعت سب سے زیادہ اور فوری توجہ کی مستحق ہے۔

زیرِ نظر مجموعۂ نعت کے بارے میں جناب انظہر امرتسری لکھتے ہیں:

مجھے اس امر کے اظہار میں روحانی مسرت محسوس ہوتی ہے کہ مولوی

محمد دین صاحب ادیب نے جو نعتیہ نظمیں منتخب کر کے اس مجموعہ میں شامل کی ہیں، اُن میں سے اکثر محولہ بالا معیار پر بوجوہِ تمام پوری اُترتی ہیں، کیوں کہ ظفر علی خاں، سیماب، جوش، اکبر، حالی اور اسی قسم کے دوسرے ترقی پسند شعرا کا نعتیہ کلام اس میں درج ہے اور یہی لوگ ہیں جن کی حقیقت شناس قابلیت نے نظم کے فرسودہ پیکر میں نئی روح پھونک رکھی ہے۔ اگر تمام شعرا ان بزرگوں کی طرح ضروریاتِ حاضرہ کے مطابق نظم میں تنوع و ابداع پیدا کرنے کی کوشش کریں تو اردو شاعری دنیا کے ادبیات میں شایانِ شان جگہ حاصل کر سکتی ہے۔ ورنہ جو زبان یا ادب رفتارِ زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتا اس کو زمانہ مٹا دے گا۔

حضرت ادیب نے اس مجموعہ کی ترتیب و اشاعت سے جہاں چراغِ ایماں کی شعاعیں اہلِ عالم کے سامنے پھیلانے کی کوشش کی ہے وہاں صنفِ نعت سے متعلق ایک معیار پیش کر دیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے جس کی مقبولیت روحانی و قلبی مسرت کا موجب نہ ہوگی بلکہ نعت گو شعرا اس سے سبق ترتی لیں گے۔

اور خود مرتب اپنی تالیف اور اپنے مقصدِ تالیف پر یوں روشنی ڈال رہے ہیں:

فوا اسفاو و امصیبتا۔ کہ آج اسلامیانِ ہند نے محسنِ کائنات کے عشق کو ''ذرا مکھ سے گھونگٹ کو اُلٹ کے دکھا۔'' کے نعرۂ مستانہ سے تعبیر کر رکھا ہے۔ بعد از خدا بزرگ ہستی جس کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی چہار دانگِ عالم میں انوار و برکات کے دریا بہہ نکلے۔ صدیوں کے گم کردہ راہ صرف راہِ راست پر ہی نہیں آئے بلکہ اُن کا ہر نقش قدم چراغ راہ بن گیا۔ غلامی کے گراں بار طوق و سلاسل خود بخود کٹ گئے۔ سیاہ و سپید، اسود و ابیض، زنگی اور عجمی آقا و مولا شاہ و گدا محمود و ایاز کا نقش امتیاز حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ بت پرستی و آتش پرستی کی قبر پر خدا پرستی کا ایوان تعبیر کیا گیا۔ ہر طرف تکبیر کے فلک شگاف نعرے حیاتِ جاوداں کی خبر لانے لگے، جہانِ کفر میں توحید کے پرچم لہرانے لگے۔

عرب کا وہ اُمی جو ایک بے کس یتیم کی حیثیت سے سرزمین مکہ سے اٹھا، لیکن اپنی قوتِ ارادی اور کمالِ نبوت سے آسمانِ ارتقا پر اس طرح جلوہ گر ہوا کہ آج اُس کے نقش پا سے کمالِ رہبری ظاہر ہے۔ اُس کے نیاز خانہ میں فرقِ شہی سجدہ ریز ہے۔ وہ بظاہر حروف نا آشنا تھا لیکن اس کے باطنی علم پر دماغِ فلسفہ غرقِ حیرت ہے جس نے دہر کا ظلمت کدہ روشن کر دیا جس کی بخشش کی گھٹائیں آج تک بہار آفریں ہیں اور جس کا ابر رحمت آج تک دُرفشاں ہے جو مرجع ابنائے آدم اور مرکز گرو بیاں ہے، کو ادبی مجالس ہوں یا مذہبی محافل ہر جگہ ایشیائی شعرا کا فرضی معشوق قرار دیں گے، حضور کے نام نامی پر فرطِ ادب سے گردنیں جھکا دیں گے لیکن حضور رحمۃ للعالمین کے لامحدود فیوض و احسانات اور درسِ حقیقت سے دیدہ و دانستہ اعراض کر کے کم از کم نظم میں زلف و گیسو اور حسن و جمال کی وادی سے آگے قدم نہ دھریں گے۔ کیا قیصر و کسریٰ کے تاجوں کو پاؤں تلے روندنے والے عرب اسی مزعومہ عشق کے جذبہ سے سرمست تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اُن کے پیشِ نظر حضور سرورِ کائنات کا وہ درسِ حق تھا جس پر چل کر انھوں نے جہانِ شرک و کفر کی بستیاں ویران کر دیں۔ توحید کے ڈنکے بجا دیے۔ علم و عرفان کے دریا بہا دیے، اہل عالم کو حریت و مساوات، شجاعت و بسالت عدل و انصاف، عزم و ثبات اور امن و عافیت سے روشنا کرایا جن کی شان میں زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

ناموسِ مصطفےٰ پر سر دھڑ کی بازی لگانا تو خیر کسی فرزند توحید کو اتنی توفیق ارزانی نہیں ہوتی جو اس بے راہ وطریق نعت گوئی کے خلاف صدا بلند کرلے حالاں کہ اسلامی ہند کے مایہ ناز شعرا نے نعت گوئی کی ایک نئی پیش رفتانہ حیثیات کی حامل شاہرا بھی قائم کردی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر اس پر قدم زن ہونے کی مخلصانہ سعی نہ کی جاسکی۔ پیرانِ کرام اور آئمہ عظام نے اللہ کے

پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد سے" کے نعروں کو رونق بزم کا ذریعہ قرار دے دیا۔ اس قسم کے خیالات جذبۂ تعبد کی خواہ کتنی ہی ترجمانی کریں لیکن حضور خواجہ دوعالم کے احکام کی رُو سے یہ نعت نہیں بلکہ شرک آمیز توہم ہے۔ اگرچہ فن نعت گوئی کے فرسودہ پیکر میں نئی روح پھونکنے کا مبارک کام چند سالوں سے مختلف حلقوں میں شروع ہو چکا ہے لیکن یہ ہنوز منازلِ ارتقا طے کرنے کی مقدرت حاصل نہیں کرسکا اور نعتوں کی آج تک کوئی ایسی کتاب معرضِ وجود میں نہیں آئی جو رسول اللہ کے بے شمار فیوض و احسانات کے اظہار کے لیے بہ فخر پیش کی جاسکے۔

خاکسار غلام غلامانِ محمد اسی مقصد کو پیش نہاد خاطر رکھتے ہوئے حضور رحمۃ للعامین کی غیرفانی، غیرمتزلزل اور بے پناہ محبت کے جذبہ سے سرشار ہوکر "ارمغانِ عقیدت" حبیب کبریا کی بارگاہ میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک پرستارِ ربّ کعبہ کے لیے اور کون سی سعادت ہوسکتی ہے۔

تجھ کو رسول اللہ کی اُلفت لطفِ خدا سے مل ہی گئی
اے دل ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول
دین بھی ہوجائے مجھے حاصل دنیا کی بھی مراد ملے
گوشۂ چشم عنایت مجھ پر ہو جو پیمبر کا مبذول
آنکھ اُٹھا کر بھی نہ میں دیکھوں خیر کثیر کوثر کو
سرورِ عالم اگر فرما لیں نذرِ محقر میری قبول

میں نے اپنے علم و تجسس کے مطابق حتی المقدور ایسی نعتیں پیش کی ہیں جن میں سے ہر ایک صنف نعت گوئی کے لیے پیامِ ترقی ہوسکتی ہے۔

فہرست مندرجات

دیباچہ	مولانا خدابخش اظہر امرتسری
عرضِ مدعا	مؤلف
حمدِ ذوالجلال	حضرت مولانا ظفر علی خاں
مناجات	جناب آغا حشر کاشمیری

خواجۂ کونین کی ولادت	مولانا محمد بخش مسلم، بی اے
جشنِ میلاد مبارک آج ہر اک گھر میں ہے	جناب مرزا فرحت اللہ بیگ، بی اے دہلوی
صاحبِ لولاک وفخرِ انبیا پیدا ہوئے	جناب منشی علی عظیم صاحب عظیم آبادی
نورِ سحر	مولانا انعام اللہ خاں ناصر حسن پوری
رسول ﷺ	حضرت جوش ملیح آبادی
بعثتِ رسول	سید امیر حیدر کمال امروہوی
طلوعِ سحر	جناب مرزا بیضا خاں مروی ایرانی
ماہِ رسالت	سید شہاب علوی امروہوی منشی فاضل
سلام بحضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام	مولانا ضیاء القادری
سلام	ابوالاثر مولانا حفیظ جالندھری
سلام نعتیہ	شیخ محمد عبدالمجید کشور
معروضہ بدرگاہِ رسالت بوقت ولادت	مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
سرورِ کونین	از جناب علی اختر حیدر آباد، دکن
محمد مصطفیٰ کی شان	حضرت علامہ ظفر علی خاں
عشقِ رسول	حضرت علامہ ظفر علی خاں
ارمغانِ عقیدت	حضرت علامہ ظفر علی خاں
حجتِ حق کا اتمام	حضرت علامہ ظفر علی خاں
رحمۃ للعالمین	حضرت علامہ ظفر علی خاں
حضور سرورِ کون و مکان	حضرت علامہ ظفر علی خاں
شمعِ حرا	حضرت علامہ ظفر علی خاں
صاحبِ قاب قوسین او ادنیٰ	حضرت علامہ ظفر علی خاں
نعت	حضرت علامہ اقبال
بطحا کا آفتاب	حضرت مولانا خدا بخش اظہر امرتسری
فخرِ کائنات	حضرت مولانا خدا بخش اظہر امرتسری
اعجاز ہی اعجاز ہیں اسرارِ محمد	علامہ آزاد عظیم آبادی

موجِ نور (ایک قابلِ تحسین نعتیہ انتخاب)

سرورِ کائنات	پروفیسر سید ضامن علی ضامن، ایم اے
نعتیہ غزل	حضرت امیر مینائی لکھنوی
شافعِ محشر فخرِ دو عالم	ڈاکٹر اعظم کرپوری مدیر اکبر
رحمۃ للعالمین	حضرت مولانا الطاف حسین حالی
محمد مصطفےٰ ﷺ	سید محمد مہدی رئیس امروہوی
نعت	مولانا محمود حسین محمود اسرائیل
زمزمہ نعت	جناب مرزا بیضا خاں مروی ایرانی
نعت محمد مصطفےٰ	ابوالاثر مولانا حفیظ جالندھری
محمد کی محبت	ابوالاثر مولانا حفیظ جالندھری
مدبر اعظم	حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی
گھٹا مدینے سے	حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی
نعت شریف	مولانا اعجاز صدیقی
نعت	جناب خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی
نعت	جناب خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی
حسیات	جناب خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی
نعت	جناب خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی
نعت	حضرت اکبر الٰہ آبادی
شانِ مصطفےٰ ﷺ	جناب چوہدری ذکا اللہ بسمل، ایم اے
عرضِ تمنا	جناب چوہدری ذکا اللہ بسمل، ایم اے
گلزارِ محمد	جناب چوہدری ذکا اللہ بسمل، ایم اے
منجی النساء	جناب چوہدری ذکا اللہ بسمل، ایم اے
نعت حضرت ختم المرسلین	آقائے مرتضیٰ احمد خاں میکش
رُباعیات فی النعت	مولانا چراغ حسن حسرت
ایک یتیم بے سروپا	جناب چوہدری جلال الدین اکبر
نعت سرورِ کائنات ﷺ	خان بہادر مولانا رضا علی وحشت

حریت کاملہ کا مبلغ اعظم	مولانا منظور حسین ماہرالقادری
نور مجسم	جناب وفا فرخ آبادی
مسافرِ مدینہ کی التجا	نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وعدے	حضرت مولانا محمد علی جوہر مرحوم
خلقِ رسول	جناب باسط بسوانی
رُباعیاتِ نعت	مولوی حامد حسین قادری کالج آگرہ
محمد کا غلام	مولانا قیس شروانی نظامی
سیرتِ رسول	پروفیسر اکبر خاں حیدری
نعت	جناب اکبر
نعت	حضرتِ محوی
گلہائے نعت	جناب عبداللطیف تپش، ایم اے
نعت ختم المرسلین	ماسٹر شریف حسین انور، بی اے
ہے جدا ہر گل سے رنگ و بوئے ختم المرسلین	مولانا ضیاء القادری بدایونی
نعت سرورِ کائنات	منشی عبدالقیوم میرٹھی
سرمایۂ گدا	حضرتِ کیفی
صلی اللہ علیہ وسلم	صاحبزادہ محمد متین اللہ خان واثق
بادشمناں مدارا	جناب باسط البسوانی
برگ سبز بہ بارگاہِ شہنشاہِ کونین	حضرت عزیز مجبور
اے احمد مختار	مولانا عبدالمجید خاں سالک
نعت	جناب کیف
نعت	جناب کیف
شہنشاہِ دوجہاں	ادیب
سرکارِ مصطفےٰ	ادیب
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا	جناب پنڈت ہری چند اختر، ایم اے
نعت محبوب پاک یزدانی	مہاراجا سرکشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد، دکن

کون ہوا ہے آج تک ایسا سرکاروں میں سرداروں میں	مہاراجا سرکشن پرشاد وزیرِ اعظم حیدرآباد، دکن
سرداروں کا سرتاج	مہاراجا سرکشن پرشاد وزیرِ اعظم حیدرآباد، دکن
محمد عربی	لالہ دھرم پال گپتا وفا مدیر تیج دہلی
زمانہ ہوگیا قائل تری شانِ نبوت کا	جناب منشی پیارے لال رونق دہلوی
ہوا ہے اور نہ ہوگا اب کوئی ہم سر محمد کا	جناب منشی پیارے لال رونق دہلوی
مرتبہ سارے رسولوں میں ہے بالا تیرا	جناب منشی پیارے لال رونق دہلوی
جس کے جلوے سے منور ہوگئی شانِ عرب	لالہ چندی پرشاد شیدا دہلوی
عشق شہ حجاز	جناب امر چند قیس جالندھری
نعتیہ غزل	جناب لچھمی نرائن سخا
تو یکتا ہے بعد از خدایا محمد	جناب دلو رام کوثری
بڑا احسان دنیا پر کیا حضرت محمد نے	پنڈت برج موہن لال تکو زیبا، بی اے
کملی والے یہ عجب گیت سنایا تو نے	جناب لالہ لال چند فلک
قابل توقیر رسول	مسٹر امرت لال میکش حضروی
میرے پیمبر کا ہے یہ رتبہ جلیس بھی ہے کلیم بھی ہے	جناب لالہ امر چند قیس لکھنوی
دو عالم آپ پر یا رحمۃ للعالمین صدقے	جناب پربھو دیال لکھنوی
مدینۃ الرسول	جناب مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی
بہارِ مدینہ	مولانا اختر شیرانی مدیر خیالستان
گھٹا مدینے سے	حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی
تمنائے مدینہ	حضرت مولانا حسرت موہانی
روضۂ رسول	ماخوذ
حضرت رسالت مآب کی آرام گاہ	حضرت آزاد انصاری مالیگانوی
مدینہ میں شہنشاہِ دو عالم کا خیر مقدم	جناب منظور حسین ماہر القادری
گنبدِ خضریٰ	خان اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی

عرضِ حال — حضرت مولانا ظفر علی خاں

فریاد بحضور آقائے عرب و عجم — حضرت مولانا ظفر علی خاں

فریاد بحضور سرورِ کونین ﷺ — حضرت مولانا ظفر علی خاں

رحمۃ للعالمین کے حضور میں — حضرت مولانا خدا بخش اظہر امرتسری

نبی کریم علیہ التسلیم سے خطاب — علامہ تاجور نجیب آبادی

فریاد بدرگاہ شہنشاہِ دو عالم روحی فداک — جناب ماہر القادری

فریاد بحضور سرورِ کونین — از جناب علی اختر حیدر آباد، دکن

شافعِ محشر وہ دعا کون سی ہے؟ — از جناب اختر حیدر آبادی

''موجِ نور'' سے منتخب کچھ نعتیہ اشعار اور شاعر کے جنھیں نژادِ نو جانتی اور پہچانتی بھی نہیں:

کیسی کیسی صورتیں مٹی میں مل گئیں — افشاں بجھ کے خاک سے ذرہ اٹھائیے
آپ کے لطف و کرم ہیں سارے عالم کو محیط — آپ بن کر رحمت بے انتہا پیدا ہوئے
(علی عظیم)

چوٹیاں فاراں کی جو اس وقت تک خاموش تھیں
نغمہ در آغوش تھیں، اب زمزمہ بردوش تھیں
(کمال امروہی)

اے چراغِ محفلِ کون و مکاں، تم پر سلام
گلشنِ دینِ ہدیٰ کے باغباں، تم پر سلام
(عبدالمجید کشور)

طیبہ کے ماہتاب، اے بطحا کے آفتاب — سارا جہاں ہے تیری تجلی سے فیض یاب
جس سے چھپی ہوئی تھی بصیرت کی روشنی — تو نے اُٹھا دیا دلِ انساں سے وہ حجاب
اللہ رے انقلاب، جہالت کے چرخ سے — تو نے کیا طلوع تمدن کا آفتاب
تیرے سمندِ دیں کی عناں دستِ حق میں ہے — چومیں نہ کیوں مذاہبِ عالم تری رکاب
(اظہر امرتسری)

دونوں عالم کے لیے چشمۂ انوار ہے تو
چرخِ عرفاں کا عجب مہرِ ضیابار ہے تو
(محمد اسرائیل)

اُس قرب کی منزل پہ قدم آپ کے پہنچے
جلتے تھے جہاں حضرت جبریل کے پر بھی
(مرزا بیضا خاں)

ترا جلوہ، جلوۂ بامِ حق — ترا نطق، نطق پیامِ حق
ترا قول عین کلامِ حق — تری نثر، شعر سخن وری
(ذکاء اللہ بسمل)

وہ اُمی جس کی ہر اک بات، صد حکمت بداماں ہے
وہ جس کا ہر عمل تشریحِ نکتہ ہائے قرآں ہے
(جلال الدین اکبر)

چمک اُٹھا ہر اک ذرّہ ضیائے حسن رعنا سے
نہ ایسا مہر کا جلوہ نہ ایسا ماہ کا جلوہ
(عیش فیروز پوری)

نور سے اے نورِ حق، تو نے اُجالا کردیا
اس جہاں کو اک نظر میں طورِ سینا کردیا
انور گیلانی)

ابر رحمت باغِ عالم پر ابھی ہو دُرفشاں
ذکر گر ہونے لگے ہر جا رسول اللہ کا
(عبدالقیوم میرٹھی)

اے امام الانبیا اے حجت حق کے نشاں
ہے تری ہر بات ارشاد خدا کی ترجماں
تیرا حسن فیض ہے روحِ نعیم زندگی
بخش دی صحرا کو بھی جس نے بہارِ جاوداں
(محمد دین ادیب)

تھی یہ حسرت دل میں اس دنیا سے جب منہ موڑتے
اے مدینے! تیرے فرش خاک پر دم توڑتے
(عزیز لکھنوی)

اے مدینہ اے طلوعِ صبحِ رحمت کی زمیں
تجھ میں محوِ خواب ہے تاجِ رسالت کا نگیں
(آزاد انصاری)

اے کہ ترا وجود ہے چرخِ جہاں کا آفتاب
اے کہ ترا ظہور ہے وجہِ فیوضِ بے حساب
تیری خموشی حسیں، درسِ رموزِ زندگی
تیری نوائے دل نشیں، نغمۂ سازِ سرمدی
(اظہر امرتسری)

ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط - بھارت

دیارِ مغرب کے اردو شعرا کی نعتیہ شاعری

و رفعنا لک ذکرک کی صدا قرآن حکیم نے جب سے لگائی ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر چہار دانگ عالم میں ہر زمانے اور ہر زبان میں ہو رہا ہے۔ یورپین ممالک کی ترقی یافتہ زبانوں سے لے کر افریقا اور آسٹریلیا کی غیر متمدن اقوام کی اُجڈ اور غیر ترقی یافتہ بولیوں تک میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر نہایت والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ کہیں اذانوں میں محمد رسول اللہ کی گونج ہے تو کہیں اوراد و اذکار میں نام رسول وردِ زبان ہے۔ کہیں محافل وجد و سماع میں ذکر رسول پر سر دھنے جاتے ہیں تو کہیں محافل میلاد مدحت رسول ﷺ کے لیے سجائی جاتی ہیں۔ تسبیحات میں درود و صلوٰۃ کا ورد ہو رہا ہے تو نمازوں میں صلوٰۃ و سلام پڑھے جا رہے ہیں۔ ذکر حبیب محلوں میں بھی ہے کاشانوں میں بھی۔ خانقاہوں میں اللہ ھو کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر ہے تو مدارس میں قال اللہ و قال الرسول کی صدا۔ دست و صحرا میں اسی کی بازگشت ہے تو گلزاروں اور کشت زاروں میں بھی اسی کی پکار۔ یادِ رسول ﷺ پہاڑوں پر بھی ہو رہی ہے تو میدانوں میں بھی۔ سمندروں کے سینے پر بھی انسان ذکر رسول ﷺ میں رطب اللسان ہے تو بسیط فضاؤں میں ہواؤں کے دوش پر بھی رسول کی یاد دلوں کا انبساط اور روح کی نشاط اور ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ فضاؤں سے پرے خلاؤں سے آگے فلک الافلاک سے بہت اوپر اللہ کے عرش پر بھی یادِ رسول ﷺ میں صلوٰۃ و سلام کا آوازہ بلند رہتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ثنائے محمد ﷺ اور وصف حبیب سے دنیا کی کسی بھی زبان کا ادب نا آشنا نہیں۔ یہی وہ ذات ہے جس کا تذکرہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر دو طرح سے ادبی دنیا کے لیے سبب شان و عظمت بنا رہا ہے اور جس کے ذکر کی لذت انسانیت کی فلاح و کامرانی کی ضامن بنی، جس کی وجہ سے آپ کے نہ ماننے والے بھی آپ کی عظمت کے قائل رہے ہیں، انھوں نے والہانہ انداز میں آپ کی ثنا گستری کو شعارِ حیات بنایا۔

ذکرِ حبیب ﷺ اور ثنائے محمدی کا چسکا ہمارے ان شعرا کو بھی لگا ہے جو تارک الدیار ہیں اور مہاجرت اختیار کر کے سمندروں پار دنیا میں جا بسے ہیں۔ یادِ رسول ﷺ کے ذریعے ان شعرا نے آسودگی، دل بستگی اور اطمینانِ قلبی حاصل کی ہے۔ مہاجرت کی کلفتوں کو دُور کرنے اور غیروں کے درمیان اپنا تشخص قائم رکھنے کے لیے حضور ﷺ سے اپنی قلبی وابستگی کا اظہار ان شعرا نے نعت میں مختلف انداز سے کیا ہے۔ گویا نعتِ رسول ﷺ ان کے لیے مداوائے رنج والم اور سامانِ نشاط وانبساط ہے۔ سمندروں سے اس پار دیارِ مغرب میں فروکش اردو شعرا کے نعتیہ کلام کے تجزیے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ عقیدت کی فراوانی ان کے یہاں باوجود مغرب پرستوں کے درمیان رہنے کے ویسی ہی ہے جیسے ہمارے برصغیر کے شعرا کے نعتیہ کلام میں پائی جاتی ہے۔ ہاں! خیالات کا کچھ نیاپن جو مغربی افکار کی دَین ہے، ان کے یہاں ضرور پایا جاتا ہے۔ ذیل میں دیارِ غیر میں کی جانے والی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

نعت، آپ کی مدحت طرازی کو کہتے ہیں۔ یہ فن حمدیہ شاعری کے بالمقابل زیادہ مشکل ہے۔ مدحت رسول ﷺ میں نہ اسراف وتبذیر کی گنجائش ہے نہ استقصار کی۔ اس لیے شاعر کو ہر دو جانب سنبھلنا ہوتا ہے۔ ’’مدحت‘‘ عربی لفظ ہے۔ یہ مدح سے مشتق ہے اور عربی شاعری کے چار ارکان میں سے ایک ہے۔ ’’کتاب العمدہ‘‘ میں ابن رشیق نے مدحت طرازی کے اصول وضوابط بیان کیے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنے مقالے میں ان کا خلاصہ اس طرح پیش کیا ہے:

۱۔ الفاظ گزیدہ اور شستہ ہوں۔
۲۔ مدح میں زیادہ اشعار نہ ہوں۔
۳۔ مدح میں تفاوتِ مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔
۴۔ زیادہ تر ذاتی اور اصلی اوصاف بیان کرنے چاہییں جو اوصاف عارضی ہیں، مثلاً دولت، جاہ و مال وغیرہ ان چیزوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔
۵۔ ابن رشیق عارضی اوصاف کو سرے سے ترک نہیں کرنا چاہتے البتہ وہ ذاتی اوصاف کو مقدم رکھنے کے موئد ہیں۔

عربی شاعری میں شاہوں اور سلطانوں کی مدحت طرازی کے لیے یہ اصول وضوابط مرتب کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی مدح سرائی میں ان اصولوں کا التزام بدرجۂ اتم رہے گا کہ آپ تو شاہوں کے شاہ اور سلطانوں کے سلطان ہیں۔ ان خطوط کی روشنی میں

جب دیارِ مغرب میں بسنے والے شعرا کی نعتیہ شاعری کو نقد کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ شریعت و شعریت کا امتیاز

حسنِ شعری کا نام شعریت ہے۔ شاعری کو اگر جسم تسلیم کرلیا جائے تو شعریت اس کی روح ہے۔ شعریت کے بغیر شاعری مردہ جسم کے مانند ہے۔ وارداتِ حیات کی ترجمانی اگر شاعری ہے تو اس میں تخیل و جذبات کا وجود اس کی شعریت قرار دیا جائے گا۔ محبّ عارفی اپنی کتاب ''شعریات: مسلک و معقولیت'' میں شعریت کی یوں تعریف کرتے ہیں:

> شعریت ایک معنوی دل کشی ہے۔ یہ ہماری جمالی جبلت کی اس شاخ کی تسکین کا باعث ہوتی ہے جو ذوقِ شعری کی روح رواں ہوتی ہے۔ ذوقِ شعری کے دراصل دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تخلیق جو شاعر سے شعر کہلواتا ہے دوسرا انفعالی، جو قاری کو شاعر کی تخلیق انگیز قلبی کیفیت میں کیف انگیز شرکت سے ہم کنار کراتا ہے۔

گویا شعر کی اثر آفرینی، جاذبِ توجہ اور دل میں سما جانے کی خوبی کا نام ''شعریت'' ہے۔ لیکن ہر شعر نہ تو جاذبِ توجہ ہوتا ہے نہ دل میں سماتا ہے۔ شعر میں یہ خوبی عود کر آنے کے لیے مندرجہ ذیل لوازمات کا ہونا از حد ضروری ہے:

۱۔ شاعر کے اپنے مشاہدات اور تخیل کی ہم آہنگی
۲۔ جذبے کی ترسیل کے لیے الفاظ کی پیکر تراشی
۳۔ طرزِ اظہار میں وارفتگی اور فطری پن
۴۔ دور از کار معنویت سے عاری الفاظ کا استعمال
۵۔ سادگی و پرکاری
۶۔ تنافر و نامانوسیت اور خلافِ قواعد جملوں سے اجتناب
۷۔ شعر میں اپنی بات کہنے کی بجائے بولنے والے الفاظ کا استعمال
۸۔ اظہارِ خیال کی برجستگی
۹۔ احساس کو برانگیختہ کرنے کا ہنر
۱۰۔ سلاست، نزاکت، جدت، روانی اور موزونیت۔

یہ سارے لوازمات پیکر شعر میں ڈھل جائیں تو شعریت عود کر آتی ہے اور اس کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔

تقدیسی شاعری میں بالعموم ان لوازمات کا نباہ ذرا مشکل ہوتا ہے، اس لیے اس میں شعریت کا پایا جانا کچھ مشکل نظر آتا ہے۔ بقول محمد حسن عسکری:

> بیش تر مذہبی شاعری کے ناکام رہنے کی ایک تاویل تو ہم یوں کر سکتے ہیں کہ شاعری کا تعلق عالم طبعی سے ہے اور مذہبی تجربات عالمِ طبعی سے ماورا ہیں۔ اس لیے شاعری سے ان تجربات کے اظہار کا کام لیا ہی نہیں جاسکتا۔
>
> (محمد حسن عسکری، ''مجموعہ''، لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۳۱۲)

شریعت، احکامِ الٰہی کو سنت رسول ﷺ کے طریقے پر پورا کرنے کا نام ہے۔ شریعت معمولاتِ روحانیہ کی عملی تفسیر ہی نہیں معاملاتِ دنیا کے عملی تجربات خدائی ضابطوں کا منشور ہوتی ہے۔ یہ مابعد الطبیعیاتی روحانی نظام کو انسانی زندگی کے مادّی نظام سے نہ صرف یہ کہ مربوط کرتی ہے بلکہ دونوں میں مطابقت و مماثلت پیدا کرتی ہے۔ شریعت ہمیشہ پاک و مطہر اور خیر و صالح خیالات کا سر چشمہ ہوتی ہے، وہاں لہویات ولغویات کا کوئی گزر نہیں۔ شریعت سعید جذبات کو تحریک دیتی ہے اور لطیف احساسات کو جگاتی ہے۔ شریعت آدمی کو حسنات کا خوگر بناتی ہے اور قبائح سے دُور رکھتی ہے۔ غرضے کہ شریعت کلیتاً خیر ہی خیر ہے۔ نعت میں جب شریعت و شعریت دونوں یک جا ہو جائیں تو اس کا ہر شعر خیر و صداقت و حسن کا مرقع بن جاتا ہے۔ دیارِ مغرب کے نعت گو شعرا کے یہاں ایسے حسین مرقعے جابجا دکھائی دیتے ہیں:

بے نوا کے واسطے تھا دستِ شفقت سائباں
راحتِ جاں، غم زدوں کے حق میں دامن کی ہوا
(طلعت سلیم)

طلعت سلیم کا یہ نعتیہ شعر سادگی، پرکاری اور سلاست و روانی کا عمدہ نمونہ ہے۔ ان کے طرزِ اظہار میں وارفتگی اور فطری پن موجود ہے۔ آپ کے دست شفقت کے لیے ''سائباں'' اور آپ کے دامن کی ہوا کے لیے ''راحتِ جاں'' جیسے شعری استعارے اپنی معنوی وسعت کے لحاظ سے علائم سے بڑھ کر حسی پیکر بن گئے ہیں۔ آپ کی رحمت للعالمینی ذات کے اوصاف بیانی کے لیے شاعرہ کے تخلیق کردہ یہ پیکر بہ یک وقت حقیقی بھی ہیں، ادراکی بھی اور تصوراتی بھی۔ اور ان تمام خوبیوں سے ہٹ کر آپ کی

رحمت للعالمینی، صفت کی ترجمانی بھی اس شعر میں بڑے مؤثر انداز میں ہوئی ہے۔ واقعی آپ کی کرم فرمائی غم زدوں کے لیے ''راحتِ جاں'' اور بے کسوں کے لیے ''سائباں'' سے کم نہیں۔

منور احمد کنڈے کی ایک نعت میں بھی شریعت و شعریت کے دھارے ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔ سہل ممتنع میں یہ نعت دونوں کے امتزاج کا اچھا نمونہ ہے:

شبنمی ماحول میں ہے نیم شب کو آسماں
چاند تاروں سے سجا کن کے لیے، ان کے لیے
ہے نمودِ حسنِ عالم ان کی زلفوں کے طفیل
جب برستی ہے گھٹا کن کے لیے، ان کے لیے

''شبنمی ماحول میں نیم شب کو آسمان کا چاند تاروں سے سجنا کے منظر کو معراج کے حوالے سے دیکھا جائے تو شاعر کے تخیل کی داد دینی پڑتی ہے۔ شاعر نے نہایت سادہ لفظیات کے سہارے آپ کی عظمت اور رفعتِ شان بیان کردی ہے دوسرے شعر میں لفظی و معنوی صنعات ایک جگہ جمع ہوگئی ہیں۔ اس شعر میں تلمیح کا بھی پہلو نکلتا ہے۔ سیرتِ ابن ہشام میں حضرت محمد ﷺ کے چچا ابوطالب سے منسوب چند نعتیہ اشعار درج ہیں۔ ان میں ایک شعر یہ ہے:

و ابیض یستسقی الغمام بوجہ
ثمال الیتامیٰ عصمۃ الاداملِ

یعنی وہ روشن تاب ناک چہرے والے جن کے صدقے بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سربراہ ہیں۔

آپ کے چہرۂ انور کے طفیل مانگی گئی دعا سے بارش کے ہونے کا واقعہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ یہاں شاعر کا اشارہ اس واقعہ کی طرف بھی ہے۔ منور احمد کنڈے نے زلف اور گھٹا میں مماثلت تلاش کرکے شعریت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ اسالیب کا تنوع

طرزِ بیان اور طرزِ تحریر کو اسلوب کہتے ہیں۔ شاعری میں طرزِ سخن اسلوب کہلائے گا۔ کسی بات کو مختلف طور پر پیش کرنے یا ایک بات کو سو طرح سے بیان کرنے سے بیان میں حسن پیدا ہوجاتا ہے۔ سادہ سپاٹ انداز میں کہی جانے والی بات جو تاثر قائم ہوتا ہے۔ اسے ہی طرزِ بیان بدل کر کہا جائے تو اب اس کے تاثر میں فرق نظر آئے گا۔ طرزِ بیان کے ایسے کئی انواع ہوسکتے ہیں۔ ان کے

سہارے شاعر اپنے کلام کو مؤثر اور حسین بنانے کا جتن کرتا ہے۔ نعت گو شعرا عقیدت کی فراوانی اور عشقِ رسول ﷺ میں وارفتگی کی بنیاد پر مدحتِ رسول ﷺ کے گلوں میں اپنے اسالیبِ سخن کے رنگ بھر بھر کر انھیں چمنستانِ نعت بنا دیتے ہیں۔ اردو شاعری میں انیسؔ ایک مضمون کو سو طرح سے باندھنے کے لیے معروف ہیں۔ ان کے یہاں اسلوب کے تنوع کے سبب ایک ہی مضمون کے گل بیسیوں رنگ کے دکھائی دیتے ہیں۔ شعرائے نعت گو نے بھی اس طرز کو اپنایا ہے۔ نعت گو شعرا کے گل سر سبد حضرت مولانا مفتی اعظم احمد رضا خان ریلوی نور اللہ مرقدہ کے یہاں اسالیبِ شعری کے کئی ابعاد پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے واقعی نعت گوئی کے فن کو عقیدت و محبتِ رسول ﷺ سے جوڑ کر بلندی پر پہنچا دیا ہے اور ایک غیر ملتفت صنف کو مرکز التفات بخشا ہے۔ مولانا مرحوم کی تقلید میں برصغیر کے سیکڑوں نعت گو شعرا نے نعت میں طبع آزمائی کی ہے اور اپنی عقیدت، جذبات اور وارداتِ قلبیہ کو نعتیہ اشعار میں مختلف اسالیب کے سہارے بیان کیا ہے۔ دیارِ مغرب کے نعت گو شعرا کے یہاں بھی اسالیب میں تنوع پایا جاتا ہے۔ ظفر علی خاں نے "لولاک لما خلقت الافلاک" کی تصریح اپنے ایک شعر میں کچھ اس طرح کی تھی:

سب کچھ تمھارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمھیں تو ہو

اب اس خیال کے مختلف ابعاد مہاجر شعرائے کرام کے یہاں ملاحظہ فرمایئے۔ حامدؔ امروہی (امریکا) نے لولاک کے تصور کے کئی پہلو تراشے ہیں:

تخلیقِ کائنات کا منشا کہا گیا
دونوں جہاں کا ان کو اُجالا کہا گیا

باعثِ کن فکاں مرے آقا　　　رونقِ دو جہاں مرے آقا
وجہِ کون و مکاں آگئے　　　صدرِ بزمِ جہاں آگئے
باعثِ عالمِ امکاں ہیں رسولِ عربی　　　قصۂ زیست کا عنواں ہیں رسولِ عربی

"لولاک" کی وضاحت کے لیے حامدؔ امروہی نے "تخلیقِ کائنات کا منشا"، "باعثِ کون و مکاں"، "رونقِ جہاں"، "وجہِ کون و مکاں"، "صدرِ بزمِ جہاں"، "باعثِ عالمِ امکاں" اور "قصۂ زیست کا عنواں" جیسی بامعنی اور پُر اثر تراکیب استعمال کی ہیں، جن میں عظمتِ رسول ﷺ کی جھلک نمایاں ہے۔
محسن احسان نے "لولاک" کی ترجمانی کرتے ہوئے آپ کو "رونقِ دو عالم کے نگہبان"

اور ''سینۂ کونین میں رواں سانس کی وجہ'' قرار دیا ہے۔

طلعت سلیم آپ کی ذات کو ''وجہ نمودِ شش جہات''، ''زینتِ کون و مکاں'' کہتی ہیں۔ ان کے یہاں ''لولاک'' کے مضمون کو کئی طرح سے باندھا گیا ہے۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں:

آپ جو آئے، دو عالم میں بہاریں اُتریں
گل و گلزار ہوئی ساری فضا کیا کیا کچھ

☆

کیے تخلیق اللہ نے زمیں پر پھول، بوٹے تتلیاں جگنو
کہ آپ آئیں تو رنگ و نور کی محفل سجائیں آپ کی خاطر

خواجہ محمد عارف لولاک کی تشریح الفاظ میں عود و عنبر کی خوش بو بسا کر کرتے ہیں:

بزمِ کونین مہکتی ہے انھیں کے دم سے
پیکرِ عطر کہو، ان کو گلِ تر لکھو
یوں کہو ان کی ہی رحمت ہے جہانوں کو محیط
سارے عالم کے وہی مرکز و محور لکھو

صفت ''لولاک'' کے علاوہ آپ کے وصف نور، رحمت للعالمینی صفت، سفرِ معراج صحائفِ قدیمہ میں آپ کے متعلق پیش گوئیاں اور سیرت کے مختلف واقعات کے بیان میں دیارِ مغرب کے اردو نعت گو شعرا نے مختلف النوع اسالیب اپنائے ہیں۔ یہ اسالیب کہیں تو واقعی جاذبِ نظر اور دل کش دکھائی دیتے ہیں لیکن بعض جگہوں پر نظر ٹھوکر بھی کھا جاتی ہے۔

۳۔ عصری مسائل

سائنسی ایجادات، تہذیبی گراوٹ، اخلاقی بدحالی اور انسانیت کی پستی نے زمین پر بسنے والے انسانوں کی زندگی میں پیچیدہ صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ آدمیت کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ حیوانیت اور بہیمانہ طرزِ زندگی کو ترقی اور تہذیب نو کے پُرفریب القاب دیے جا رہے ہیں۔ گمرہوں کو رہنما اور باطل پرستوں کو حق کے پرستار گردانا جا رہا ہے۔ عدل و انصاف بک رہے ہیں۔ اندھیروں اور ظلمتوں کو نور و روشنی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ برہنگی کو ستر پوشی اور جہالت سے لیاقت کو مبدل سمجھا جا رہا ہے۔ بلکتی انسانیت کو سسکیاں لینے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ سیاسی نظام جنگل راج بن کر عالمی سطح پر پھیلتا جا رہا ہے۔ ستاروں کی رہ گزر کھوجنے والے زمینی صداقتوں اور سچائیوں کو بھولتے جا رہے ہیں۔

مادیت نے روحانیت کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ صالح ذخیر زندگی کی لغت و کتب میں بے معنی ہو گئے ہیں۔ لہویات اور لغویات حیات مستعار کے اہم عناصر قرار پائے ہیں۔ ان کی تعریفیں بدل دی گئی ہیں۔ غرضے کہ شیرازۂ انسانیت کی اس بکھراؤ والی کیفیت نے سارا نظامِ حق درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ خزاں زدہ گلستانِ حیات کو دوبارہ کوہ بطحا کی وادیوں کی بادِ صبا اور نسیم سحری کی ضرورت ہے۔ وہ نورِ سحر ہی باطل کو مٹا سکتا ہے۔ انسانیت کے لیے لازمی ہے کہ وہ دوبارہ اسی کی جانب رجوع ہو ورنہ بڑھتے ہوئے اندھیارے ساری انسانیت کو نگل لیں گے۔ ان سیاہ بھنوروں (Black Holes) کے سامنے آدمیت تھر تھر کانپ رہی ہے۔ مبادا وہ وقت آ جائے کہ کائنات میں بجز سیاہ بھنوروں کے کسی شے کا وجود نہ رہے اور پھر خود سیاہ بھنور ہی ایک دوسرے کو نگلنے لگ جائیں۔ عذابوں کی قہر آلود مسموم فضاؤں کو ختم کرنے کے لیے رحمتوں کا نزول ضروری ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ سے دنیا میں یہ برکات دوبارہ آ سکتی ہیں۔ اس لیے عالمِ انسانیت کو چاہیے کہ وہ اسوۂ رسول ﷺ کو اپنا لے اور اتباعِ رسول ﷺ میں اپنی زندگی گزار دے۔ محسن حسان، عالمِ انسانیت کی تیرہ بختی کا سماں بارگاہِ رسول ﷺ میں یوں پیش کرتے ہیں:

شاہِ یثرب ہے عجب اُمت مرحوم کا حال
اب نہ احساس ہے باقی نہ مروّت باقی
اب ہر اک فرد ہے قید اپنے صنم خانے میں
اب محبت نہ صداقت نہ اخوت باقی
اب فقط فرقہ پرستی کی ہوا چلتی ہے
اب خدا ہے نہ خدا کی ہے اطاعت باقی
اے مددگارِ غریباں ہے مدد کا ہنگام
اپنی تاثیر سے یک جان یہ اُمت کر دیں
اپنے الطاف سے یہ گردِ کدورت دھو دیں
تشنہ کامانِ شفاعت کی شفاعت کر دیں
گل صد برگ، گلستانِ محبت ہو جائے
دلِ صد پارہ کو پیوستِ اُخوت کر دیں

(مخزن ۔۸، ص ۱۲)

عہدِ حاضر کی پیچیدہ صورتِ حال، تشویک ناک حالات اور موہوم و وحشت ناک فضاؤں میں دودِ چراغِ عصرِ نو کے مہیب اندھیرے خوف و ہراس پھیلا رہے ہیں، لیکن آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے عاشقوں کو ذاتِ اقدس میں اُمید کی کرن نظر آ رہی ہے۔ اس کا برملا اظہار بڑے والہانہ انداز میں شاعر کر رہا ہے:

کیوں میں اس دنیا کے آلام و مصائب سے ڈروں
مجھ کو اے شاہِ مدینہ ہے سہارا آپ کا

(مبشر: مخزن ۔۴، ص ۲۳۰)

اور حامد امروہی اپنے اطمینان کا اظہار یوں کرتے ہیں:

کیا بگاڑے گی بھلا گردشِ دوراں اس کا
جس کو حاصل مرے آقا کا سہارا ہوگا
(جوئبارِ بخشش)

صفوت علی صفوت کی ''مثنویٔ رسول'' میں البتہ عصری مسائل کا زاویۂ نگاہ تمام نعت گو شعرا سے مختلف نظر آتا ہے۔ وہ خود سائنس داں ہیں اور اُمت کے سائنسی علوم کی جانب مراجعت کے خواہاں ہیں۔ شاعر کا نظریہ ہے کہ آپ کی معراج سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ آسمان اور اس کے ستارے انسان کے علوم کی زد میں ہیں، بشرطے کہ وہ ان پر کمندیں ڈالنا جانتا ہو۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اُمت بے حس بنی بیٹھی ہے۔ علم سے بے بہرہ ہے۔ اس لیے ترقی کی راہیں اس کے لیے گویا مسدود ہوگئی ہیں۔ اس دُکھ کا برملا اظہار وہ اپنی نعتیہ مثنوی میں یوں کرتے ہیں:

ابھی اُمت کی کثرت نام اپنا پڑھ نہیں سکتی
خلا کی دوڑ میں آگے تو ایسے بڑھ نہیں سکتی
ابھی تک وقت ہی کا قد و قامت ہم نہیں سمجھے
کہ ہیں شمس و قمر اِس کی علامت ہم نہیں سمجھے
بصیرت عالموں کی علم سے اب دُور رہتی ہے
مکمل روشنی میں بھی شبِ دیجور رہتی ہے
(مثنویٔ رسول، ص۲۷)

ملی مسائل کے علاوہ ہمارے شعرا کے یہاں قومی اور بین الاقوامی مسائل کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔ ہمارے نعت گو شعرا نے قدرتی آفات، اچانک رونما ہونے والے حادثات، سماجی مناقشات اور عالمی سیاست کے پیدا کردہ مصنوعی مسائل کی وجہ سے ہونیوالی پیچیدگیاں وغیرہ انسانی حیات سے جڑے تمام مسائل کا رونا اپنی نعتوں میں رویا ہے اور اتنا ہی نہیں ان مسائل کے حل کے لیے استعانت و استمداد رسولِ اکرم ﷺ سے طلب کی ہے۔

۴۔ تاثراتی نقوش (Impressionistic Pointing)

شاعری میں تاثراتی نقوش کا ارتسام نہایت مشکل ہوتا ہے۔ کسی منظر، واقعے یا حادثے کو دیکھ کر اُمڈے ہوئے جذبات اور شدید احساسات سے تشکیل پانے والے تاثر کی شعر میں لفظی تصویر

کھینچنے کا عمل تاثراتی نقوش کہلاتا ہے۔ یہ عمل محاکاتی اور تجسیم کاری نیز پیکری بیانیہ (پیکریت) سے مختلف بھی ہوتا ہے اور بعض دفعہ ان کا ہم معنی مصوری میں تاثراتی نقوش ظل ونور کی مدد سے اُبھارے جاتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال پندرھویں صدی عیسوی کے اطالین مصور لیونارڈو۔ د۔ ونچی کی ''لاسٹ سپر'' نام کی پینٹنگ ہے۔ مصور نے اس تصویر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں کے اس وقت کے جذبات و کیفیات کی تصویر کشی کی ہے، جب آپ نے ان سے کہا تھا کہ ''تم ہی میں سے ایک شخص مجھے گرفتار کروائے گا۔'' ادب بالخصوص شاعری میں تاثراتی نقوش اُبھارنے کے لیے انتخابِ الفاظ ایک امتحان ہوتا ہے۔ الفاظ کی معنوی نزاکتوں اور لطافتوں کا خیال رکھتے ہوئے شاعری میں ان کا انتخاب ہو تو تاثراتی نقوش کا ارتسام سہل ہوگا وگرنہ شعر کا معنوی حسن اور تاثر غارت ہوجائے گا۔ شبلی نے انیس کے کلام میں ایسے نقوش تلاش کیے ہیں، مثلاً:

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اور

شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

اوس اور شبنم ہم معنی الفاظ ہیں لیکن ان کے مناسب نشست سے دونوں مصرعوں کا جو تاثر اُبھر کر سامنے آیا ہے وہ دیدنی ہے۔

ہمارے نعت گو شعرا نے ایسے تاثراتی نقوش قائم کرنے کے جتن اپنی نعتوں میں کیے ہیں۔ واقعۂ معراج، مسجدِ نبوی کے در و دیوار اور ہجرت وغزوات کے بیان میں بعض شعرا اپنے شدید جذبات واحساسات کا اظہار کرنے کے لیے ایسے مراحل سے گزرے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی نعتوں کی اثر آفرینی میں اضافہ ہوا ہے۔ ان شعرا کے یہاں زبان کی سادگی اور تراکیب کی غیر پیچیدگی تاثراتی نقوش اُبھارنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ طلعت تسیم برطانیہ میں مقیم اردو کے نعت گو شعرا میں بڑا نام ہے۔ ''یانبی یانبی'' ان کے نعتیہ مجموعے میں تاثراتی اسلوب کے نمونے مل جاتے ہیں:

کیے تخلیق اللہ نے زمین پر پھول بوٹے تتلیاں جگنو
کہ آپ آئیں تو رنگ و نور کی محفل سجائیں آپ کی خاطر
کھلائے جابجا نرگس کے ڈھیروں پھول اس نے باغِ ہستی میں
خبر آئے! کہ آپ آئے تو وہ آنکھیں بچھائیں آپ کی خاطر
(طلعت سلیم: مخزن ۔۷، ص ۲۱۷)

جذبات و احساسات میں ڈوبے ہوئے یہ تاثرات بھی دیکھیے سردار خانم مخفی امروہی (امریکا) کے یہاں کیا تیور دکھاتے ہیں:

جو نور اُن کا جلوہ نما ہوگیا — تو منظر ہر اک خوش ادا ہوگیا
جو تھے خشک صحرا گلستاں بنے — وہ جب آگئے کیا سے کیا ہوگیا
بڑھیں رونقیں کعبۃ اللہ کی — کلیسا میں محشر بپا ہوگیا
مٹی نفرتیں چاہتیں بڑھ گئیں — اندھیرا گیا چاند نا ہوگیا

(متاعِ مخفی، ص ۴۳)

ایسے تاثراتی نقوش نعت گو شعرا کے بالمقابل شاعرات کے یہاں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ عورتیں بالعموم حساس ہوتی ہیں اور فرطِ جذبات سے مغلوب ہوجاتی ہیں۔ احساس و جذبے کا اثر ان کے یہاں جب شعر میں ڈھلنے لگتا ہے تو اس کے نقوش اشعار میں واضح دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اوپر دی گئی دونوں مثالیں ان شاعرات کی ہیں جو دیارِ مغرب میں رہتی ہوئیں اردو ادب و شعر کو سینے سے لگائے ہوئے ان کی آبیاری کے لیے کوشاں دکھائی دیتی ہیں۔

۵۔ سایۂ بے سایہ کی طلب

اردو کی نعتیہ شاعری میں حضور ﷺ کے نور ہونے کی روایت کو استنباط کیا گیا اور ''قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین'' (المائدہ، آیت ۱۵) اور ''انا ارسلنک شاھد و مبشرا وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔ (سورۂ احزاب، آیت ۴۶) کے حوالوں سے آپ کے ''پیکرِ نور'' کی تصریح کی گئی۔ دوسری طرف آپ کے ''نورِ مجسم'' ہونے کی گواہی دینے والی احادیث سے بھی استفادہ کیا گیا۔ نور بذاتِ خود سائے کا نقیض ہے اس لیے ہمارے شعرا نے آپ کو ''بے سایہ'' سمجھ لیا اور اپنے خلاق تخیل سے آپ کی بے سائگی کے لیے عجیب عجیب علتیں تلاش کرلیں۔ اس طرح اردو شاعری میں ابتدا ہی سے آپ کے بے سایہ ہونے کی روایت کو فروغ حاصل رہا۔ ابن نشاطی اپنی مثنوی ''پھول بن'' میں حضور ﷺ کے ''بے سایہ'' ہونے کو یوں واضح کرتے ہیں:

سُرج کوں چھاوٗں گئی دیکھے نمیں کیں
تو سورج تھا اُسی تے چھانوں تج نمیں

زمیں رہی اس سبب یوں پست ہو کر
کہ سایہ نیں پڑا تیرا تس اوپر
(ابن نشاطی، پھول بن، ص ۸۳)

ظل و نور کی یہ روایت اردو کی نعتیہ شاعری میں بالحاظ موضوع خوب پروان چڑھی۔ نعت گو شعرا نے اس کے استعمال کے لیے اسالیب و افکار کی نئی جہتیں تلاشیں اور نور کی معنوی وسعت میں مبالغہ، ابہام، حسنِ تعلیل وغیرہ تجانیس کا بے ساختہ اور برجستہ استعمال کیا۔ محسن کاکوروی دیکھیے ''نور'' کا استعمال کچھ اس طرح کرتے ہیں:

سایہ زیبا نہ تھا آپ کی قامت کے لیے
روشنائی تھی یہی مہرِ نبوت کے لیے
(کلیاتِ محسن، ص ۶۶۔۶۵)

اور سرور جہاں آبادی آپ کی ''بے سائیگی'' کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

نہیں خورشید کو ملتا ترے سایہ کا پتہ
کہ بنا نورِ ازل سے ہے سراپا تیرا
(خمکدہ، ص ۴۷)

دیارِ مغرب میں رہنے والے مہاجر شعرا نے بھی اپنی نعتوں میں ''نور'' کے ان ہی رنگوں کو اپنایا ہے، مثلاً حامد امروہی (امریکا) ''جوئبار بخشش'' میں فرماتے ہیں:

ثانی مرے سرکار کا دیکھا نہیں کوئی
ہیں نورِ خدا نور کا سایا نہیں کوئی

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

کوئی سرکار تم جیسا نہیں ہے
کہاں ثانی، جہاں سایا نہیں ہے
(خیابانِ ارم، ص ۳۴)

''ظل و نور'' کے بیان میں لہجے کی کاٹ اور اسلوب کا انداز سید افتخار حیدر کے یہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے آپ کے نور کی تصریح نہایت بلیغ انداز میں کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

کون ہوتا مرے سرکار کا ہم سر حیدرؔ
اور ہوتا بھی اگر کوئی تو سایہ ہوتا
(''نعت رنگ''۔۱۳، ص ۲۳۰)

امرِ تعجب یہ ہے کہ آپ کے ''نور بے سایہ'' سے سائے کی طلب بھی ہمارے شعرا نے کی ہے اور یہ نکتہ پیدا کر کے شعری حسن کو بڑھانے کی کوشش کی ہے اور ''نور'' سے سائے کا جواز بھی پیدا کر لیا ہے۔ شہزادہ قمرالدین مبشر اس ضمن میں کہتے ہیں:

حشر میں جب سب کو ہوگی لاحق اپنی اپنی فکر
شاہِ دیں درکار ہوگا مجھ کو سایہ آپ کا
(مخزن۔۴،ص ۶۳۰)

مبشرؔ کے یہاں سائے سے مراد ''شفاعت اور استعانت'' ہے۔ شاعر نے بطورِ علامت اس کا استعمال کیا ہے۔

طلعت سلیم نے ''سائے'' کو ''مامن'' کی علامت کے طور پر باندھا ہے:

رحم دل، نرم خو، مشفق و مہرباں، جن کے سائے میں دشمن بھی پاتے اماں
بن کے آئے جو تھے رحمتِ دو جہاں، ان کی رحمت کی ہر اک پہ بارش ہوئی
(مخزن۴،ص ۵۶۰)

سایۂ نبی ﷺ کو حامدؔ نے استعارے کی صورت میں فن کارانہ انداز میں باندھا ہے:

دھوپ ہی دھوپ ہو جہاں حامدؔ
ہے وہاں سائباں مرے آقا
(خیابانِ ارم، ص ۹۲)

ان تمام سے ہٹ کر احمد ندیم قاسمی نے ''سایۂ رسول'' کی حقیقت کو فکر و عقیدت کی روشنی میں دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

اس طرح ''سایۂ نور'' کے خیال کو ہمارے شعرا نے عجب عجب انداز میں باندھنے کے جتن کیے ہیں اور نئی فکر سے اپنے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔ اس قسم کی لفظیات کے استعمال سے نہ شانِ محمدی میں

استفسار کا پہلو نکلتا ہے نہ عقیدت وحبِ رسول ﷺ ان لفظیات سے مجروح ہوتی ہے۔ برصغیر میں ''سایۂ رسول'' کا تصور کبھی مدحتِ رسول ﷺ کے ضمن میں اس انداز سے شاید نہیں آیا، کیوں کہ آپ کے بے سایہ ہونے کے خیال کو یہاں عقیدت کا درجہ حاصل ہے۔

۶۔ خاکِ مدینہ

عشقِ رسول ﷺ کے متوالوں کے لیے خاکِ مدینہ بھی مکرم ومحترم ہے۔ اس نسبت سے بزرگوں کے ایسے کوائف ملتے ہیں کہ مدینہ پہنچتے ہی وہ اپنے جوتے اُتار لیا کرتے اور شدید دھوپ میں بھی مدینے کی گلیوں میں پاپیادہ گھومتے تاکہ خاکِ مدینہ جوتوں تلے نہ آئے۔ عقیدت کی یہ فراوانی ان کے یہاں عشقِ رسول ﷺ کی ادنیٰ مثال ہے۔ بعض اہل اللہ تو مدینہ کی سرزمین کے احترام میں اپنی سواریوں سے اُتر جاتے کہ مبادا سواری کا پیر اللہ کے رسول کے نقشِ پا پر نہ پڑ جائے۔ احتیاط اور اُلفت میں ایسی سنجیدگی آج اُمت میں مفقود ہے۔

خاکِ مدینہ کو ''کحل البصر'' کہہ کر اسے آنکھوں میں لگانے کی بات اردو شعرا کے یہاں کثرت سے ہوئی ہے۔ خاکِ مدینہ کے احترام واکرام میں یہ غلو کی انتہا ہے مگر اس سے عقیدتِ رسول ﷺ اُمڈ پڑتی ہے کہ اللہ کے رسول سے جس چیز کو نسبت ہوتی ہے وہ چیز مکرم ومحترم تسلیم کی جاتی ہے۔ اسی لیے عاشقانِ رسول ﷺ کے یہاں خاکِ مدینہ ''کحل الجواہر'' سے اعلیٰ وافضل ہے اور وہ آنکھوں میں لگا کر اپنی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ طلعت کے نزدیک خاکِ مدینہ جو آپ کے قدموں سے مس ہوئی ہے وہ سونے سے کم نہیں۔ وہ اس خاک کو آنکھوں میں لگا کر نئی بصیرت پانا چاہتی ہیں:

خاک قدموں سے جو آپ کے مس ہوئی　　　میرے حق میں وہ سونے سے ہے قیمتی
اس کو پلکوں سے چنتی ہوئی جاؤں گی　　　اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا کر اُسے
اک بصارت بصیرت نئی پاؤں گی　　　یانبی یانبی، یانبی یانبی

(مخزن۔۴، ص ۶۴۶)

بعض نعت گو شعرا نے خاکِ مدینہ کی خوبیوں کو بھی اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک یہ اکسیر سے کم نہیں۔ یہ مٹی، مٹی نہیں خاکِ شفا ہے۔ یہ پُراثر ہے اور اس کی تاثیر ظاہر وباطن دونوں کو متاثر کرتی ہے۔ یہ جسے متاثر کردے اس کو پھر کوئی متاثر نہیں کرسکتا۔ اسی لیے باصر سلطان کاظمی کہتے ہیں:

وہ آنکھ جس کا کہ سرمہ ہو خاکِ راہِ رسول
وہ ہو سکے گی نہ خیرہ زر و جواہر سے
(مخزن۔۴۲،ص ۵۵۸)

مذکورہ بالا اشعار میں خاکِ مدینہ کی قدر و منزلت جس انداز میں بیان ہوئی ہے برصغیر کے نعت گو شعرا کے یہاں بھی وہ انداز دکھائی دیتا ہے۔

کنکریاں آنکھ کی پلکوں سے رکھوں چن چن کر
خاک روبی سے خدائی کا خزانہ دیکھوں
(شمس الدین بلبل)

ان آنکھوں کا مسعود سرمہ بناؤں
لگے ہاتھ اگر خاکِ پائے محمد
(مسعود جعفری)

مسعود کے یہاں صنعت تضاد کا اچھا استعمال ہوا ہے۔''ہاتھ اور پیر'' ایک دوسرے کے ضد اعضائے بدن ہیں۔ جذبۂ اُلفت کے اظہار میں اس صنعت کا استعمال بڑا معنی خیز رہا ہے۔

ارمان ہے آنکھوں میں لگاؤں اس کو
مل جائے اگر خاکِ کفِ پا ان کی
(فدا خالدی)

دیارِ مغرب اور برصغیر کے نعت گو شعرا کے متذکرہ موضوع کے موازنہ کے لیے یہ اشعار کافی ہیں۔

خاکِ مدینہ کی طرح یہاں کے بعض مقامات بھی احادیث سے ''جنت'' مثال ثابت ہیں بلکہ مسجد نبوی کا ایک حصہ تو ''ریاض الجنۃ'' کہلاتا ہے۔ ان خوبیوں کے پیش نظر حامدؔ امروہی جنت کے مزے لوٹنے کے لیے خاکِ مدینہ میں سو جانا پسند فرماتے ہیں:

لوٹتے تھے جو جنتوں کے مزے
خاکِ بطحا میں سو گئے ہوتے
(خیابانِ ارم، ص ۴۰)

نعتیہ شاعری میں خاکِ مدینہ کے ساتھ ہی حرمتِ مدینہ پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ آپ کو جس شہر سے نسبت رہی وہی شہر مدینۃ النبی بن کر ساری دنیا کے لیے مرکزِ عقیدت بن گیا ہے۔ اس کی تعظیم و توقیر

اور حسنِ عقیدت کے اظہار کے لیے تارکِ وطن شعرا نے بھی اپنے جذبات و احساسات کو اشعار میں ڈھالا ہے۔

اردو میں شہروں کی بربادیوں اور ان کے عروج و زوال پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ "شہر آشوب" جو موضوعی صنفِ شاعری ہے یہ ترکیب بطور اصطلاح ایسی نظموں کے لیے ہی وضع کی گئی ہے۔ البتہ شہروں کے تقدس و تکرم و تحریم کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں مقاماتِ مقدسہ پر بہت کم منظومات ملتی ہیں۔ مکہ مکرمہ کے تقدس اور اس کے عروج پر برسبیل تذکرہ جاتی اور حفیظ جالندھری کے یہاں چند اشعار مل جاتے ہیں۔ مستقل نظمیں شاذ ہی لکھی گئی ہوں۔ نبی سے نسبت ہونے کی وجہ سے شہرِ مدینہ بھی ہمارے لیے مقدس و متبرک ہے لیکن اردو میں خالصتاً اسی شہر کی مدح میں بہت کم نظمیں ملتی ہیں۔ ہمارے مہاجر شعرا نے اس شہر کی تقدیس و تبریک کو اُجاگر کرنے والی مستقل نظمیں لکھی ہیں۔ طلعت سلیم کی یہ نظم دیکھیے کہ عقیدت کو صہبائے ناب کس طرح جھلک جھلک پڑتی ہے:

تو عقیدتوں کی ہے سرزمیں، تو محبتوں کا دیار ہے
تو ہے شہر میرے حضور کا، میری جان تجھ پہ نثار ہے
ترے باسیوں کی یہ صورتیں، کہ دھلے دھلے سے ہیں آئینے
نہ تو گرد ان پہ ملال کی، نہ ہی رنج و غم کا غبار ہے
یہ فضائیں مہکیں سرور سے، ملیں جام عیشِ طہور کے
جسے دیکھو مست ہے بن پئے کہ فضا میں ایسا خمار ہے
(مخزن۔۴، ص ۱۵۶)

۷۔ معجزاتِ نبی ﷺ

اس عنوان کے تحت علمائے کرام کی آرا باہم مختلف رہی ہیں۔ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے معجزاتِ رسول ﷺ سے متعلق روایات کی صحت پر تحقیق بھی کی ہے اور تاریخ و سیرت کے واقعات کے حوالوں سے صحیح مرکز پر پہنچنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اردو کے نعت گو شعرا نے سیرت النبی ﷺ کے مختلف معجزاتی واقعات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کرنے کے جتن کیے ہیں بلکہ ان واقعات پر مستقل نظمیں لکھی ہیں۔ دیارِ مغرب کی نعتیہ شاعری میں ان معجزوں پر مستقل نظمیں میری نظروں سے تو نہیں گزریں البتہ نعتیہ اشعار میں بعض مشہور معجزات کے اشارے ملتے ہیں۔ صنعت تلمیح

ایسے موقعوں پر موثر استعمال ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

معجزاتِ شق القمر:

آنکھ جھپکی ہوگیا تقسیم دو حصوں میں چاند
محو حیرت کر گیا سب کو اشارہ آپ کا
(شہزادہ قمرالدین مبشر)

چشمہ پانی کا ہوا دست مبارک سے رواں
چاند دو ٹکڑے اسی کے اک اشارے پر ہوا
(طلعت سلیم)

جانوروں کی فریادرسی:

آدمی کیا جانور فریاد لے کر آئے ہیں
ساری دنیا میں انوکھی ہے عدالت آپ کی
(مخفی امروہی)

کتب السیر میں آپ سے جانوروں کی شکایات اور انصاف مانگنے کے واقعات درج ہیں۔ مخفی کے شعر میں انھیں واقعات کی جانب اشارہ ہے۔ آپ کے معجزات کے متعلق بعض روایات میں ضعف، غربت اور موضوعیت بھی پائی جاتی ہے۔ شعرا نے غلوئے عقیدت میں ایسے واقعات بلاتحقیق قلم بند کرلیے ہیں۔ نعتیہ کلام کی ایسی کتابوں کی صحت پر فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں نوراللہ مرقدہ نے نکیر کی ہے۔ چناں چہ امامِ شہید کے ''میلادنامہ'' پر آپ کا یہ فتویٰ ہے:

''یہ کتاب محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل و موضوعات پر مشتمل ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ جلد۱۲، ص۲۱)

مذکورہ بالا اشعار میں حضور ﷺ کے تین معجزات (۱) شق القمر، (۲) انگشتِ رسول ﷺ سے پانی کا جاری ہونا اور (۳) جانوروں کی فریادرسی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، احادیث میں وہ تواتر کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں اس لیے احاطۂ شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ یہ معجزات واقعتاً آپ کی حیاتِ طیبہ میں واقع ہوئے ہیں۔

۸۔ توارد یا تتبع

دیارِ مغرب میں بسے اردو کے نعت گو شعرا نے برصغیر کے شعرا کی تقلید بھی کی ہے اور ان

کے کلام سے خوشہ چینی بھی کی ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں اور ان کے خانوادے سے استفادے کی مثالیں تو بہت مل جاتی ہیں۔ بالخصوص ان کے سلاموں کو سامنے رکھ کر مختلف سلام لکھے گئے ہیں۔ آپ کی مشہورِ زمانہ نعت ''لم یاتِ نظیرک فی نظر'' کے تتبع میں طلعت سلیم کی یہ نعت ہماری توجہ کا مرکز بن جاتی ہے:

شبنم سے دُھلا، خوش بو میں بسا، پھولوں سے بنا کرنوں سے سجا
وہ نام کہ بعد از اسمِ خدا، ہر لحظہ عزیز از جاں جانا
اک نامِ خدا، اک ذکرِ نبی، کل دولت و دنیا و دیں ہے یہی
جو دیکھا سنا ہے اس کے سوا، اک نقش بر آبِ رواں جانا
اللہ کی محبت ہے مضمر، آقا کی اطاعت میں طلعت
دو جگ کی مسرت کا ضامن، قرآن کا یہ فرماں جانا

(مخزن۔۴،ص ۲۱۸)

اور سرور رجا کے یہاں تو اقبالی رنگ نمایاں ہے۔ اقبالؔ نے ''ارمغانِ حجاز'' میں یہ رُباعی شامل کی تھی:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　　روزِ محشر عذر ہائے من پزیر
گر حسابم را تو بینی ناگزیر　　　از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اے رب! میں فقیر بے نوا ہوں اور تو غنی ہے۔ روزِ قیامت میرے عذر قبول فرمالینا۔ تیرا فیصلہ یہ ہوا کہ حساب پورا پورا ہوگا تو پھر یہ پکڑ محمد مصطفےٰ کی نگاہوں سے پنہاں رہے۔

اقبالؔ کے مصاحبین میں محمد رمضان سینئر انگلش ٹیچر ہوا کرتے تھے۔ تعلق باللہ والے آدمی تھے۔ یہ رُباعی سنتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ جو ہوش آیا تو انھوں نے اقبالؔ سے وہ رُباعی مانگ لی۔ اقبالؔ نے ''ارمغانِ حجاز'' میں اس رُباعی کی جگہ درج ذیل رُباعی شامل کرلی تھی:

بہ پایاں چو رسد ایں عالم پیر　　　شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا　　　حسابِ من ز چشم اور نہاں گیر

جب یہ دنیا ختم ہوجائے گی اور ہر پوشیدہ تقدیر کھل جائے گی اس وقت میرے مالک مجھے محمد مصطفےٰ کے سامنے رُسوا نہ کیجو، میرا حساب ان کی نگاہوں سے پنہاں رکھیو۔

ان دونوں رُباعیوں میں اقبالؔ کے عشقِ رسول ﷺ میں اضطرار، گناہوں پر ندامت اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں کردہ گناہوں پر خجالت و شرمساری کا احساس غرضے کہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں باریابی کے وقت ایک سچے اُمتی کے دل میں پیدا ہونے والی تمام تر کیفیات کی مؤثر انداز میں ترجمانی ہوئی ہے۔ اقبالؔ جہاں خداوند تعالیٰ سے ملتجی ہیں وہاں سرور رجاؔ حضور ﷺ سے خواستگار ہیں کہ اے شافعِ محشر، داورِ محشر کے سامنے آپ میرا بھرم قائم رکھیے اور آخرت کی رُسوائی سے مجھے بچالیجیے۔ رجاؔ کہتے ہیں:

روزِ حساب اے شفیع مجھ پہ بھی ہو تری نظر
داورِ محشر کے حضور رکھ لے میرا بھرم بھی تو

(مخزن۔ ۶، ص ۳۳۶)

سرور رجاؔ نے یہ شعر اقبالؔ کی نعت "لوح بھی تو قلم بھی تو" سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ اس طرح مہاجرین شعرا کے یہاں برصغیر کے نعت گو شعرا کی تقلید کے نقوش با آسانی مل جاتے ہیں۔

۹۔ قرآن و احادیث سے استنباط

اردو کی نعتیہ شاعری میں ابتدا ہی سے قرآن و احادیث کے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ آپ کی طرزِ زندگی سراسر قرآن حکیم کے مطابق تھی۔ اسی لیے حضرت عائشہؓ نے آپ کے لیے "خلقه القرآن" کی ترکیب استعمال کی تھی۔ رہا احادیث کا معاملہ تو یہ حضور ﷺ کے قول و عمل کا لیکھا جوکھا ہوتی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں آپ کی سیرتِ مبارکہ سے خاص تعلق رکھتی ہیں بلکہ حیاتِ طیبہ کے مراجع میں شمار ہوتی ہیں۔ اس لیے نعت گو شعرا نے ان سے استنباط کیا ہے۔ ان شعرا کے یہاں قرآن و احادیث سے استنباط کے تین طریقے ہیں۔ (۱) آیاتِ قرآنیہ کو عربی متن کے ساتھ شعر میں ڈھالنا۔ (۲) آیاتِ قرآنی کے اردو معنوں کو شعر کی صورت عطا کرنا اور (۳) آیاتِ قرآنیہ کی آزاد ترجمانی کرنا۔ احادیث کی نعتیہ اشعار میں شمولیت کی طرز بھی مختلف ہوتی ہیں۔ کبھی آپ کے قول کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ کبھی قول کا منظوم ترجمہ کرلیا جاتا ہے اور کبھی حدیث کے کسی واقعے کو اشعار میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ مغربی ممالک میں آباد اردو کے مہاجر شعرا نے بھی اکثر اسی وتیرے کو اپنایا ہے، لیکن ان کے یہاں قرآن کے بالمقابل احادیث کے اثرات بہت کم پائے جاتے ہیں۔ طلعت سلیم کی نعتوں میں قرآنی اثرات نمایاں ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ ربّ العزت نے آں حضرت ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ "قل انکنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله" (کہہ دو!

تم اللہ کی محبت چاہتے ہو تو میری (رسول اللہ کی) اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا) محبت مضمر ہے۔ قرآن کے اس واضح بیان کو طلعت نے شعر میں یوں ڈھالا ہے:

اللہ کی محبت ہے مضمر آقا کی اطاعت میں طلعتؔ
دو جگ کی مسرت کا ضامن قرآن کا یہ فرماں جانا
(مخزن۔۷، ص۲۱۸)

ایسے ہی ایک نعتیہ شعر میں طلعتؔ نے ''رفعنالک ذکرک'' کی طرف اشارہ کیا ہے:

آپ زر سے صحیفوں میں لکھا ہوا، جس کو اللہ نے جگ میں دوبالا کیا
جگمگاتا ہوا، مسکراتا ہوا، دل لبھاتا ہوا آپ کا نام ہے
(مخزن۔۷، ص۲۱۸)

شانزدہ رکنی بحر متدارک سالم میں فاعلن کی آٹھ بار تکرار سے اس بحر میں بڑی نغمگی اور روانی پیدا ہوگئی ہے۔ اکبر حیدر آبادی کی کتاب ''میلادِ اکبر'' میں اس بحر کو خوب برتا گیا ہے۔ طلعتؔ کے یہاں نعت کے دیگر اشعار بھی رواں ہیں البتہ مذکورہ شعر میں ''اللہ'' کی ''ہ'' گرتی ہے جو علما شعرا کے یہاں نامطبوع اور خلافِ شرع ہے۔ طلعتؔ نے نعتیہ اشعار میں شعریت پیدا کرنے کی بھی کوشش کی ہے:

ہیں قدموں تلے چاند تارے مگر، کیسا ویران ہے سب کے دل کا نگر
ہے مقید ہر اک شخص اپنے ہی گھر، جس میں پھیلی ہیں ہر سمت تاریکیاں
پھر سے پالیں وہ کھوئی ہوئی روشنی، روح پرور، سکوں ریز آسودگی
ہے جو طیبہ سے ہم سب کو وابستگی، گر بنالیں اسے آج سے حرزِ جاں
(مخزن۔۷، ص۲۱۸)

باوجود چاند تارے قدموں تلے ہونے کے ہر سمت تاریکیوں کا پھیلنا اور ہر طرح کی آسودگی کے باوصف دل کے نگر کا ویران رہنا یہ شاعرانہ خیال آرائی نہایت اثر آفریں ہے۔

طلعتؔ نے ایک جگہ اپنی نعت میں حمدیہ آیت قرآنیہ کو نعتیہ بنادیا ہے۔ سورۂ لقمان میں کہا گیا ہے کہ ''اور جتنے شجر زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ اور سات سمندر اور ہو جائیں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔'' اس مفہوم کو طلعتؔ نے اپنے شعر میں یوں برتا ہے:

نعت، ساری عمر بیٹھی اس طرح لکھتی رہوں
ہر سمندر ہو سیاہی ہر شجر خامہ مرا

قرآن کی آیت کے حمدیہ پہلو کو نعت کے رنگ میں ڈھالنا ایک جرأت آمیز قدم ہے۔ طلعت نے یہ قدم بڑی ہمت و استقلال کے ساتھ اُٹھایا ہے۔

۱۰۔ حرمت النسا کا تذکرہ

یہ حقیقت تاریخِ عرب سے ثابت ہے کہ اسلام سے قبل قبائلِ عرب زعمِ جہالت میں اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ گھر میں لڑکی پیدا ہو جانا ان کے لیے باعثِ عار تھا۔ اس لیے وہ نہایت بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ ان معصوم بچیوں کو گڑھوں میں دھکیل کر ریت سے پاٹ دیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں اس ظالمانہ اور سفاکانہ سلوک پر زبردست تنبیہ آئی۔ لرزہ پیدا کر دینے والی اس آیت کریمہ سے ایمان والوں کے دل پھٹے جاتے تھے۔ آپ نے اس وحشیانہ سلوک کو ختم کیا اور عورتوں کو سماج میں عزت بخشی اور ان کے وقار کو بلند کیا۔ انھیں باوقار زندگی کی ضمانت بخشی گئی۔ پیر کی جوتی سمجھی جانے والی عورت کو اسلام نے اتنا بلند مرتبہ عطا کیا ہے کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت آ گئی۔ ہماری نعت گو خواتین شعرا کے یہاں اکثر اس تاریخی حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے اور اسی طرز میں نعت کا پہلو نکالا گیا ہے۔ مخفی امروہی کہتی ہیں:

پہلے زندہ دفن کر دیتے تھے لوگ — اب مرے قدموں میں جنت ہوگئی
ماں، بہن، بیٹی، بہو کے روپ میں — میں تو مخفی گھر کی زینت ہوگئی
میرا ہونا وجۂ زحمت تھا جہاں — اب وہاں میں وجۂ رحمت ہوگئی
عام ہے سرکار کا لطف و کرم — عورتوں پر خاص رحمت ہوگئی

(متاعِ مخفی، ص ۴۲۔۴۴)

برصغیر کی نعت گو خواتین کے یہاں ’’روداد نسواں‘‘ نعت میں ضرور شامل ہیں لیکن مخفی نے جس انداز سے طبقۂ نسواں پر آپ کی خصوصی رحمتوں کا ذکر کیا ہے وہ نعتیہ شاعری میں ایک منفرد لہجہ سمجھا جائے گا۔

۱۱۔ شخصی تداخل

نعتِ رسول ﷺ میں شاعرانہ تعلّی کی مطلق گنجائش نہیں۔ کوئی شاعر اگر حسنِ عقیدت کے اظہار میں تعلّی سے کام لیتا ہے تو یہ مدحت طرازی نہ ہوگی بلکہ خودنمائی کے مترادف ٹھہرے گی۔ البتہ

نبی ﷺ سے اپنی نسبت استوار کرنے کے جذبے کا اظہار، تمنا، خواہش اور حسرت کے ساتھ اشعار میں نمایاں ہو یہ خودنمائی تعلّی میں نہیں شخصی تداخل (Personal Involvement) میں شمار ہوگی۔ یہ جذبہ (شخصی تداخل) حبِ رسول ﷺ سے عود کر آتا ہے، اس لیے خیر و صالحیت کا مرقع ہوتا ہے۔ نعت میں اس طرح کا شخصی تداخل رسولِ عربی ﷺ سے نسبت کو استوار کرتا ہے۔ یوں بھی شدت احساس، تضرع و زاری اور کرب دروں شاعر کی رسولِ اکرم ﷺ سے قلبی وابستگی کے غماز ہوتے ہیں۔ یہی عناصر نعت کے تار کو بڑھاتے ہیں۔ ان عناصر کے حامل نعتیہ اشعار میں اگر افکار کی گہرائی اور شریعت کا لحاظ بھی شامل ہو جائے تو ایسی نعتوں کا شمار خیر الحدیث میں ہوتا ہے، لہوالحدیث کا اس میں شائبہ نہیں ہوتا۔ ہماری شاعری میں شخصی تداخل کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم پیش کی جاسکتی ہیں جن میں Personal Involvement کی سطح قلبی وابستگی اور وارفتگی شوق تک پہنچتی ہو۔ الا ماشاء اللہ بعض شعرا کی نعتوں میں یہ سطح بلند نظر آتی ہے۔ ان میں ریا اور دکھلاوے کے برعکس فطری پن جھلکتا ہے۔ شخصی تداخل میں وارفتگی اور والہانہ پن کی مثالیں ہمیں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نور اللہ مرقدہ، اقبالؔ اور ابوالخیر کشفی، مولانا ظفر علی خاں، حفیظ میرٹھی، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری اور محسن کاکوروی، امیر مینائی جیسے شعرائے متوسطین کے یہاں نیز حفیظ تائب اور صبیح رحمانی جیسے نعت خواں کے یہاں ملتی ہیں۔ متوسطین اور متقدمین شعرا کے یہاں تو نعتیہ اشعار میں یہ عنصر غالب دکھائی دیتا ہے۔ مدینہ کی جوگن، بلما مورے پیارے، لاج رکھو، راج دلارے، پیا کی گلی میں چلی یہ جوگنیا وغیرہ عنوانات کی نعتیں اس پر دال ہیں۔ دیارِ مغرب میں بسے شعرا کے نعتیہ کلام میں بھی شخصی تداخل کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ طلعت سلیم کی نعت مصطفےٰ ''یا نبی یا نبی'' اس کی بہترین مثال ہے۔ اس میں شاعرہ کی وارداتِ قلبی ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ شاعرہ کو وارفتگی شوق، حضور ﷺ سے قلبی لگاؤ، وابستگی کے جذبے سے سرشاری کا عالم، حبِ رسول ﷺ میں بے ساختگی اور والہانہ انداز میں اس کا برملا اظہار یہ تمام عوامل شاعرہ کے شخصی تداخل کی گواہی دیتے ہیں۔ طلعت کی اس پوری نعتیہ نظم میں شاعرہ کا شخصی تداخل نمایاں ہے:

جب بھی واں پہ حقیقت میں جانا ہوا — تو سنبھالے نہ سنبھلے گی مجھ سے خوشی
ایک لمحے میں سو بار دیکھوں گی میں — جو بھی شے سامنے مجھ کو آئی نظر
چلتے چلتے میں رُک جاؤں گی بار ہا — دل میں سوچوں گی اللہ یہ ہے وہ جگہ
جلوہ فرما رہے دس برس تک جہاں — میرے پیارے نبی، میرے پیارے نبی

(مخزن۔۳، ص ۱۰۰)

یا یہ اشعار بھی ان کے شخصی تداخل کی مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں:

کاش میں ہوتی جہاں میں چودہ صدیاں پیشتر
مجھ کو ہوجاتے میسر دیکھنے وہ ماہ و سال
آپ کے قدموں میں جھک کر پیش میں کرتی سلام
آپ سے لے کر دعائیں کس قدر ہوتی نہال

(مخزن۔۳، ص۱۰۰)

اضطرار و اطمینان والی کیفیات کا حسین سنگم اس نظم میں کتنا دل خوش کن ہے؟ اپنے آپ کو نچھاور کردینے اور وار دینے کے جذبے سے ہر مصرع میں شخصی تداخل کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔

مخفی امروہی کے یہاں بھی اس جذبے و احساس کی چھٹائیں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ اپنا حالِ زار خود نبی سے کہنے کی متمنی ہیں اور یہ خواہش رکھتی ہیں کہ وہ جنت میں آپ کی خادمہ بن کر رہیں تاکہ بُعد و فراق کی کیفیات سے گزرنا نہ پڑے اور قربت کے حسین لمحات میسر آسکیں۔ وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتی ہیں کہ اللہ کے نبی کا ان پر (طبقۂ اناث پر) سب سے زیادہ کرم رہا ہے۔ مخفی کی نعتوں میں سوزِ دروں اور شدتِ شوق کی کئی وارداتیں نظم ہوئی ہیں، جن میں جذبۂ وارفتگی اور شوقِ خود سپردگی کی چنگاریاں حوصلوں کو گرماتی ہیں:

یہ اگر اُن پہ وار دی ہوتی — زندگی کام آگئی ہوتی
میں بری ہوتی یا بھلی ہوتی — جیسی ہوتی حضور کی ہوتی
بخت کی میرے یاوری ہوتی — میں جو طیبہ میں رہ گئی ہوتی

(متاعِ مخفی، ص۴۷)

آغا محمد سعید (لندن) دیارِ مغرب کے اچھے شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ''فکرِ گلستاں'' اور ''فروغِ نمو'' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ انھوں نے نعتیں بھی غزل کے فارم میں لکھی ہیں۔ ان میں عشقِ نبی میں سرشاری کا عالم بڑا فرحت زا ہے اور شخصی تداخل کی دعوت دیتا ہے:

مجھے مل گئیں نعمتیں سب جہاں کی — مرا نام اُمت میں تیری لکھا ہے
میں نامِ محمد پہ قربان جاؤں — مری روح کے واسطے یہ غذا ہے

ہر مصرع کی ابتدا میں حرف ''میم'' کا التزام شعر میں صنعت لزوم مالیلزم کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ یہاں حرف ''میم'' بہ تاکید لانے کا اہتمام ملتا ہے۔

۱۲۔ نعت نگاری میں بے احتیاطیاں

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ سے حسنِ عقیدت مسلمانوں کے لیے جزوِ ایمان ہے۔ ''لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کلمے کے یہ دو جزوِ ایمان کی شہادت دیتے ہیں اور مسلمانوں کا بلکہ تمام نوعِ انسانی کا اس کلمے پر یقین انھیں مومن بنا دیتا ہے۔ بشرطے کہ یہ صرف قولاً نہ ہو عملاً بھی اس کا اقرار ضروری ہے۔ کلمے کا پہلا جز دراصل اللہ رب العزت کی حمد (تعریف) میں ہے اور دوسرا جزو نعت رسول ﷺ کا مکمل احاطہ کرتا ہے۔ حمد و نعت دونوں کے لفظی معنی تعریف کرنا ہی ہیں، لیکن اصطلاح میں حمد خدا کی تعریف کے لیے مختص کر دیا گیا ہے اور نعت سرکار دوعالم ﷺ کی مدح سرائی کے لیے وقف ہے۔ ایک تیسرا لفظ ''منقبت'' بھی ہے۔ یہ بزرگانِ دین اور اکابرینِ اُمت کی مدحت طرازی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی بھی تعریف کرنا ہی ہوتے ہیں۔ ان تینوں الفاظ کا درجہ متعین ہے۔ منقبت کا لفظ نعت کے معنی میں اور نعت حمد کے معنی میں کبھی استعمال نہیں کیے جاسکتے بلکہ ایسا کرنا ممدوح کے ساتھ گستاخی پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ پھر نبی و ولی کے مراتب میں بھی فرق ہے اور نبی و خدا کے مرتبے بھی جدا ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی اس تعلق سے نہایت لطیف انداز میں فرماتے ہیں:

العبد عبد و ان ترقّیٰ
والرب رب و ان تنزل

یعنی بندہ بندہ ہے گو وہ لاکھ ترقی کر جائے اور رب، رب ہی ہے گو وہ کتنا ہی نزول کیوں نہ کرے۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نبی ترقی کر کے خدا نہیں بن سکتا اور خدا نزول کرنے کے بعد بھی نبی نہیں ہو جاتا۔ ویسے ہی ولیِ کامل ترقی کر کے نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

ہمارے شعرا نے حسنِ عقیدت میں اتنا غلو برتا ہے کہ بداحتیاطی کے درجہ تک پہنچنے کی وجہ سے رفعت شانِ نبوی ﷺ میں استقصار اور شانِ خداوندی میں استخفاف کے پہلو نکلتے ہیں۔ مثلاً معراج نامہ بلاقی میں عرش کے قریب ہی حضرت محمد ﷺ کی تنہائی کا احساس دُور کرنے کے لیے اوّل ہی سے وہاں شیر کی شکل میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو حاضر بتایا گیا ہے جب کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عرش تک سوائے رسولِ مقبول ﷺ کی تنہا ذات کے کوئی نہیں پہنچ سکا۔ ایک دوسرے معراج نامے میں حضرت محمد ﷺ کو عرش پر چڑھنے کے لیے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کو کاندھے کا سہارا دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ایسی ضعیف و موضوع روایتیں نعتیہ شاعری میں استقصار و استخفاف شان کا موجب

ہوتی ہیں۔ بعض نعت گو شعرا نے تو نعوذ باللہ حضور ﷺ کے بالمقابل خدا کے مرتبے کو بھی کم تر بتایا ہے۔

اس قسم کی کوتاہیاں دیارِ مغرب کے شعرا میں بھی پائی جاتی ہیں، لیکن ان میں شدت نہیں ہے۔ البتہ ذہن کو قصداً ان کی جانب موڑنا اور عمداً ایسے مضامین باندھنا بھی تو عذاب کو دعوت دیتا ہے، مثلاً:

نعت ساری عمر بیٹھی اس طرح لکھتی رہوں
ہر سمندر ہو سیاہی ہر شجر خامہ میرا

سورۂ لقمان کی آیت میں یہ عمل اللہ تعالیٰ کی اوصاف بیانی کے لیے آیا ہے۔ اس لیے یہ اسلوب اختیار کرنا گویا شانِ خداوندی میں استخفاف کے مترادف ہے۔

حمید امروہی کا پورا گھرانا نعتِ رسول ﷺ کا شائق ہے بلکہ گھر کے اکثر افراد نعت گو ہیں۔ انھوں نے امریکا اور امروہہ میں اپنے گھر کا نام "نعت کدہ" رکھا ہے۔ "مدحت کے پھول"، "جوئبارِ بخشش" اور "خیابانِ ارم" ان کے نعتیہ مجامع ہیں۔ امریکا کے گلنڈل ہائیٹ میں بھی وہ محفل نعت سجاتے رہتے ہیں۔ موصوف کی ایک نعت کا لہجہ کچھ اس طرح ہے:

آن تو دیکھیں، شان تو دیکھیں، دنیا والے آئیں تو
جیسے انوکھے میرے نبی ہیں، ایسا کوئی دکھلائیں تو

اگر پوری نعت کو اس لہجے میں "تو" پُر مور دے کر پڑھا جائے تو اس کے بعض اشعار میں شانِ رسول ﷺ میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے، مثلاً:

آخر شب کے نالے اک دن اپنا رنگ دکھلائیں تو
سر کے بل میں چل کر جاؤں، وہ مجھ کو بلوائیں تو
قسمت پر اتراؤں گا، ان کو نعت سناؤں گا
صدقے ہو ہوجاؤں گا میں، گھر میرے وہ آئیں تو
(خیابانِ ارم، ص ۵۵)

اس طرح کا مشروط بیان نعت کے لیے مناسب نہیں۔ اس میں استقصارِ شانِ نبی ﷺ کا پہلو نکلتا ہے۔ کوئی بھی مشروط عمل اخلاص و استخلاص سے تہی ہوتا ہے اور جس عمل میں اخلاص وللہیت نہ ہو اس سے نیکیاں حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ اللہ کے نزدیک بندے کی نیت دیکھی جاتی ہے۔

۱۳۔ صنائع و بدائع کا استعمال

شاعری میں صنائع بدائع کے استعمال سے شعریت میں اضافہ ہوتا ہے اور شعر کے حسن کو دوبالا کرنے میں یہ معاون ثابت ہوتے ہیں۔ صنائع سے شعر کی ظاہری اور بدائع سے معنوی خوبیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم بدیع کا میدان اکثر و بیشتر شاعری رہا ہے۔ اسے نثر میں برتنے کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اگرچہ نثر میں بھی الفاظ کی نشست و برخاست اور معنوی نوادر کے استعمال سے کلام میں حسن اور زور پیدا ہوتا ہے مگر اس جانب فن کارانہ انداز میں کبھی توجہ نہیں دی گئی اور مفہوم کے بالمقابل فصاحت و بلاغت کے اصولوں سے صرفِ نظر کیا گیا۔

عربی شاعری کے بالمقابل فارسی شاعری میں صنائع بدائع کا استعمال زیادہ رہا ہے۔ عربی شاعری میں فطری جذباتی اور احساسات کو ہو بہو شعر میں اُتار دیا جاتا تھا، لیکن فارسی شاعری میں مصنوعی رنگ و غازے پر توجہ دی گئی۔ اس کی تقلید میں اردو شاعری میں علم بدیع کو اپنا گیا۔ البتہ صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات کی تشہیر و تبلیغ کے لیے شاعری کے سیدھے سپاٹ انداز ہی کو اپنایا اور صنائع بدائع کے مصنوعی پن سے یکسر اجتناب برتا۔ یہی وجہ ہے کہ متصوفانہ شاعری میں حسنِ شاعری کا نکھار دکھائی نہیں دیتا۔

اس قبیل کی صناعی کو برتنے والی شعری روایت کو دیارِ مغرب کے اردو شعرا نے بھی برتا ہے۔ بعض کے یہاں صنعتوں کے برتنے میں شعور کی بالادستی دکھائی دیتی ہے اور بعض کے یہاں اس مذاق کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ پھر بھی جن شعرا نے صنعتوں کا استعمال کیا ہے وہ اطمینان بخش ہے۔ دراصل نعت کی زمین میں صنعتوں کے گل بوٹے کھلانا بڑا مشکل عمل ہے، مگر ہمارے پردیسی شعرا نے فن کارانہ انداز میں اسے نبھایا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(ا) تجنیس تام

دو الفاظ جو ترتیب و تعدادِ حروف، حرکات و سکنات میں یکساں مگر مختلف المعنی ہوں کسی شعر میں بالالتزام یا بلا التزام آئیں تو اسے ''تجنیس تام'' کہتے ہیں۔ باصر سلطان کاظمی نے تجنیس تام کو اپنے اس شعر میں نہایت خوبی سے برتا ہے:

جنھوں نے روشنی پائی مرے پیمبر سے
سدا چمکتے رہے مہر و ماہ و اختر سے

یہاں پہلے مصرع میں الفاظ ”سے“ حرف ربط ”از“ کے معنی میں اور دوسرے مصرع میں ”سے“ ”مانند“ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ غالب کے یہاں تجنیس تام کی صورت میں ”سے“ کا استعمال ہوا ہے:

وصل کے وعدے سے ہو دل شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

(ب) تجنیس زائد

شعر کے دو لفظوں میں ایک حرف کی کمی بیشی ہو جائے پھر چاہے وہ ابتدا میں ہو، درمیان میں یا آخر میں ہو، اسے ”تجنیس زائد“ کہتے ہیں۔ طلعت اشارت کے مندرجہ ذیل شعر میں اسی تجنیس کا استعمال ہوا ہے:

قریۂ جاں میں ہر اک جا اس خبر کی دھوم ہے
میرے ہاتھوں میں بھی اس دامن کا تار آجائے گا

یہاں ”جاں“ اور ”جا“ میں ایک نونِ غنہ زائد ہے۔ قواعد کی کتابوں میں اکثر درج ذیل شعر کو اس تجنیس کے لیے بطورِ مثال استعمال کیا گیا ہے:

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو
جانِ من بات ہے نبات نہیں

یہاں بھی ”بات“ اور ”نبات“ میں ایک نون کا فرق ہے۔

(ج) تجنیس شبہ اشتقاق

جب شعر میں دو ایسے لفظ آئیں جو بظاہر اشتقاق کی نوعیت رکھتے ہوں۔ یعنی اصل میں مشتق معلوم ہوتے ہوں اور ان میں کچھ حروف کی ترتیب بھی اصل جیسی ہو مگر حقیقت میں ایسا نہ ہو تو اسے شبہ اشتقاق کہتے ہیں۔ منور احمد کنڈے کی نعت میں اس تجنیس کا استعمال ہوا ہے۔

شبنمی ماحول میں ہے نیم شب کو آسماں
چاند، تاروں سے سجا، کس کے لیے، ان کے لیے

یہاں ”شبنمی“ اور ”نیم شب“ میں اشتقاق کا گمان ہوتا ہے۔ کیوں کہ ”نیم شب“ کی ترکیب کو معمولی تغیر کے ساتھ اُلٹ دیں تو لفظ ”شبنمی“ بن جاتا ہے۔

(د) صنعت تضاد

کلام میں دو ایسے الفاظ کا استعمال جو ایک دوسرے کے ضد ہوں جیسے ظل اور نور، اُلٹا،

سیدھا، رات دن وغیرہ تو اسے صنعت تضاد کہتے ہیں۔ طلعت سلیم کے یہاں اس صنعت کو بڑے فن کارانہ انداز میں نبھایا گیا ہے۔ ذیل میں شعر کے مصرع ثانی میں چھے الفاظ ایک دوسرے کے متضاد استعمال ہوئے ہیں:

ہے چمن میں دل کے خزاں خزاں، کروں جا کے تازہ مشامِ جاں
واں خنک سی چھاؤں کے گلستاں، یہاں دھوپ کی ہیں تمازتیں

اس شعر میں واں × یاں (یہاں)
چھاؤں × دھوپ
خنک × تمازت وغیرہ

الفاظ ایک دوسرے کے متضاد معنی رکھتے ہیں۔ صنائع بدائع کی یہ ایسی مثالیں ہیں جو اردو شاعری میں شاذ دکھائی دیتی ہیں۔ اس لیے ان پر خصوصی توجہ دی گئی۔ صنعتوں کی دیگر قسمیں تو بہت ہیں اور ان کی مثالیں بھی عام ہیں۔ ان کا احاطہ یہاں غیر ضروری ہے۔

۱۴۔ سائنسی فکر و شعور

نعت کے مضمون میں سائنسی افکار کا نباہ بڑا پیچیدہ اور مشکل عمل ہے۔ بالعموم ہمارے شعرا ادب (شاعری) میں سائنسی موضوعات کے استعمال کو مستحسن نہیں سمجھتے بلکہ سائنس اور شاعری کو ایک دوسرے کا نقیض گردانتے ہیں۔ البتہ ادھر چند برسوں سے ہمارے یہاں سائنسی موضوعات کو شاعری میں داخل کرنے کی روایت نے زور پکڑا ہے۔ اس ضمن میں عمیق حنفی، کرامت علی کرامت، منیر نیازی، صفوت علی صفوت اور سلیم شہزاد وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ ان میں صفوت ایسے نعت گو ہیں جنھوں نے ''مثنوی رسول ﷺ'' میں سائنسی موضوع کے جزویات کو برتا ہے اور ان کی ''مثنوی وقت'' تو مکمل طور پر وقت کے سائنسی تصور پر ہی محتوی ہے۔

''مثنوی رسول ﷺ'' صفوت نے طویل بحر میں لکھی ہے جو کبھی مثنوی کے لیے استعمال نہیں ہوئی۔ اس طرح انھوں نے اپنی مثنویوں میں بحر کے استعمال میں جدت پیدا کی ہے۔ ''مثنوی رسول ﷺ'' میں شاعر نے بار بار سائنس جدید کے حوالے دیے ہیں اور سائنس و مذہب کے باہمی ربط کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ معراج سے قبل حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ''شق الصدر'' کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اس تعلق سے احادیث میں طویل روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ صفوت نے اس واقعہ کو سائنس کی نگاہ سے دیکھا ہے:

معائنہ یہاں طبی سمجھ لیں جسم اطہر کا
کہ ہر سیل کا یہاں تبدیل ہونا اپنے سرور کا
براہِ راست دی جاتی ۔ ہے حضرت کو توانائی
یہ خلیے آپ کے تبدیل ہوجاتے ہیں آبائی
خدا کا فعل ہر اک معجزہ ہے گر نہ سمجھیں ہم
سمجھ لیں گر تو پھر سائنس میں ہے تجربہ پیہم
(مثنوی رسول ﷺ، ص ۴۷)

عرش کی وسعت کے بیان میں صفوت نے سائنسی نظریے (Principle of uncertainity) کا استعمال کیا ہے:

بیاں میں وسعت دربارِ یزداں کیسے کر پاؤں
کہاں سے کس لغت سے جا کے میں الفاظ لے آؤں
یہ نوری سال نقطہ بھی نہیں ہے اس کی دانش میں
یہ سورج ایک ذرّہ بھی نہیں ہے اس کی تابش میں
ہیں لامحدود لامحدود یہ دربار و پیمانہ
وہ غالبؔ کا قدم وہ جست اقبالؔ ہیں بچگانہ
(مثنوی رسول ﷺ، ص ۵۱)

وہ اپنی وسعتوں میں انفنٹ ہے لامکانوں میں
تو اَن سرٹن تو ہونا ہے طبعیاتی اصولوں میں
ازل سے تا ابد گر وقت سارا جمع کر پاؤں
یہ کل انسانیت کی عقل اس میں جمع کر پاؤں
تو شاید اس جگہ پہنچوں جہاں دربارِ اقدس ہے
یہی ہے انفنٹ کہ ایک عقل انس بے بس ہے
(مثنوی رسول ﷺ، ص ۷۵)

نوری سال سے مراد ایک کھرب ستاون عرب اڑسٹھ کروڑ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ ہمارا سورج ۳۰/لاکھ زمینوں کے برابر وسیع ہے۔ ہماری کہکشاں میں اس کی وقعت ایک ذرے سے بھی کم ہے تو کل

کائنات میں اس کا وجود کیا ہوگا؟ صفوت نے تیسرے شعر میں غالب کے اس شعر کی طرف اشارہ کیا ہے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

اقبال کے یہاں تو کئی جگہ مہ و انجم پر کمندیں ڈالنے اور ایک جست میں کل جہاں پار کرنے کی باتیں ہوئی ہیں۔ غرضے کہ اس وسیع کائنات میں عرش کا فاصلہ (جہاں نبی پاک معراج کی رات پہنچے تھے اور جب واپس ہوئے تو روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کا بستر گرم تھا) یقیناً سائنس دانوں کے لیے انفنٹ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر uncertainity کے دائرہ میں آجاتا ہے۔ جہاں آدمی کا تصور بھی تھک جاتا ہے۔

صفوت کے علاوہ مجھے مغرب میں بسنے والے کسی نعت گو شاعر کی نعتوں میں سائنسی عناصر نہیں ملے۔ دیارِ مغرب میں بسنے والے شعرا میں بڑے نام مامون ایمن، ستیہ پال آنند، ڈاکٹر سید تقی عابدی اور جرمنی میں حیدر قریشی وغیرہ کے ہیں لیکن ان کا نعتیہ کلام مجھے بہم دست نہ ہوسکا۔ یہ تجزیہ اگرچہ مکمل نہیں پھر بھی اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مہاجر شعرا کی نعتیہ شاعری روایتی نعتیہ شاعری میں اضافہ ہے۔

۱۵۔ تسامحاتِ قواعد و زبان

شاعری صرف بحر و وزن اور ردیف و قافیہ میں ہمواری اور درستگی سے عبارت نہیں بلکہ اس میں لطف زبان، حسنِ بیان اور درستگی زبان بھی ضروری ہوتے ہیں۔ شعر میں غلط بیان اور بے محل و غیرمناسب الفاظ کے استعمال سے اس کا حسن غارت ہوجاتا ہے اور شاعر کی زبان فہمی و زبان دانی پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ سمندر پار کے ہمارے بعض نعت گو شعرا کے یہاں اس قسم کے تسامحات دکھائی دیتے ہیں، مثلاً:

ہے رفعتا ذکرک جن کو وعید عزوجل
ان کے ذکر خیر پر دل بار بار آجائے گا

طلعت اشارت نے مصرع اولیٰ میں ''وعید'' کو غالباً ''وعدہ'' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ حالاں کہ عربی اور اسلامی اصطلاح میں ''وعید'' بُرے وعدے کے معنی میں مستعمل ہے۔ لغت کشوری میں ''وعید'' کے معنی بُرا وعدہ، عذاب کا وعدہ بتائے گئے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ شر اور بدی کے معنی میں مستعمل

ہے۔ اس لیے یہاں لفظ "وعید" کا غلط استعمال ہوا ہے۔ زبان کا ایسا ہی تسامح آغا محمد سعید کے اس شعر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے:

سعیدِ گنہگار کو تم بلا لو
کہ روضے کا دیدار تڑپا رہا ہے

"دیدار کا تڑپانا" چہ معنی؟ یہ غلط زبان ہے اور خلاف محاورہ استعمال ہوئی ہے۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ روضۂ رسول ﷺ کے دیدار کی خواہش تڑپا رہی ہے اس لیے اس گنہگار سعید کو تم مدینہ بلالو۔

سرور رجا کے یہاں بھی بعض مقامات پر زبان کی غلطیاں در آئی ہیں۔ "رحمانی نغمے عام ہوئے اور شیطانی سنگیت گیا" والی ان کی نعت میں قافیہ نبھانے کے لیے انھوں نے ایک شعر یوں لکھا ہے:

اس رحمتِ ہر دو عالم کے احسانوں کو ہم کیوں بھولیں
نفرت کی بجائے دنیا میں ہر سُو پھیلا پریت گیا

یہاں پہلے مصرعے میں "اس" ضمیر اشارہ ہے۔ اس لیے اس سے مربوط جو، جس، جیسے ضمیر موصولہ کا لانا ضروری تھا۔ مگر اس کا استعمال نہ کرنے کی وجہ سے یہاں قواعد کا عیب پیدا ہوگیا ہے۔ "پھیلا پریت گیا" کی ترکیب بھی معنوی لحاظ سے بڑی کم زور ہے۔ نیز یہاں آپ کی ذاتِ گرامی کے لیے تعظیمی الفاظ کی بجائے آیا، گیا جیسے غیر شائستہ اور غیر محترم الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کی وجہ سے شانِ اقدس ﷺ میں استصغار کا پہلو نکلتا ہے۔

طلعت سلیم نے اپنی ایک نعت میں لفظ "شان" کو شاید جمع کے صیغے میں باندھنے کی کوشش کی ہے۔ نعت میں وہ لفظ کسرۂ اضافت کے ساتھ یعنی "شانِ کئی" لکھا گیا ہے۔ یہ ترکیب تو ازروئے قواعد بالکل ہی غلط ہے۔ البتہ "شان" کی جمع "شانیں" ان کے ذہن میں ہوگا اور اس اعتبار سے "شانیں کئی" کی ترکیب باندھی ہوگی تو "ماندتھیں" جمع میں استعمال کرنا ضروری تھا۔ بہر حال یہ ترکیب خلاف روزمرہ اور خلاف محاورہ ہے۔ طلعت سلیم کے درج ذیل شعر میں مذکورہ سقم پایا جاتا ہے:

اپنے کپڑوں میں پیوند خود ٹانکتے، اپنی پاپوش بھی بارہا گانٹھتے
ماند تھی سامنے جس کے شانِ کئی، زندگی کوئی دیکھے وہ کیسے کئی

(مخزن-۴،ص-۶۵۰)

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ

طلعت صاحبہ نے درج ذیل شعر میں "پکار کی تھی" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ یہ بھی محاورۂ درست زبان نہیں ہے۔

عرش سے آیا تھا اس کا خوب صورت سا جواب
کی تھی ابراہیم نے صدیوں جو پہلے اک پکار

اس شعر میں تقدم و تاخر کا عیب در آیا ہے۔ مصرعِ ثانی میں جو بات کہی ہے وہ مصرعِ اولیٰ میں آنی چاہیے تھی۔

۱۶۔ ہندوئی روایات کا استعمال

اردو نعتیہ شاعری کے قدیم اثاثے سے لے کر آج تک نعتِ رسول ﷺ میں تواتر کے ساتھ ہندوئی روایات کو برتا جارہا ہے۔ جوشِ عقیدت کو افزوں کرنے اور مقامی رنگ بھر کر نعتیہ اشعار کو رنگین تر بنانے کے لیے قصداً اس وتیرے کو اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ مقامی روایات کو برتنے میں بعض شعرا افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ اس قسم کی نعتیہ شاعری میں اسلامی رنگ عموماً پھیکا نظر آتا ہے۔ گو کہ اس میں عقیدت کا جوش ضرور ہوتا ہے لیکن اسوۂ رسول ﷺ کے خدوخال اس میں نمایاں نہیں ہوتے، مثلاً گلال... یہ ایک قسم کا سرخ اور گلابی سفوف ہوتا ہے جو خوشی کے موقعوں پر یا کسی تیج تہوار پر برادرانِ وطن ایک دوسرے کے کپڑوں پر پھینکتے ہیں اور ازراہِ مذاق ایک دوسرے کے چہروں پر ملتے ہیں۔ یہ خالصتاً ہندوئی روایت ہے اور اسلامی تہذیب سے لگا نہیں کھاتی، پھر بھی طلعت صاحبہ نے اپنے نعتیہ شعر میں اسے باندھا ہے:

وہ گلاب ہیں وہ موتیا، وہ ہیں ابرِ بہار کا
ہوئیں جن کے آنے سے بارشیں، یہاں نور و عطر و گلال کی
(مخزن۔۴،ص ۶۴۹)

ایک نعت میں لکھتی ہیں:

آپ کے قدموں میں جھک کر پیش میں کرتی سلام
آپ کی لے کر دعا میں کس قدر ہوتی نہال
(مخزن۔۳،ص ۱۰۱)

اسلامی تہذیب و معاشرت میں "پیر چھونے" اور "پیروں میں جھک کر سلام کرنے کی روایت تعظیم کے معنوں میں کبھی نہیں رہی۔ یہ ہندوئی ثقافت کا ایک جزو ہے۔ لیکن اس کو جاگیردارانہ

نظام میں "کورنش" اور "مجرا" جیسے خوب صورت نام دے کر اسلامیانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسلامی تہذیب میں "تعظیم" کا باوقار طریقہ رہا ہے۔ "سلام" کا بھی اپنا ایک سلیقہ ہے۔ "سلام" ایک دعا ہے اور منھ سے اس کے الفاظ ادا ہونے چاہییں۔ ہاں دُور فاصلے پر کھڑے شخص کو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا جاسکتا ہے لیکن یہاں بھی زبان سے الفاظ کا ادا کرنا شرط ہے۔ بھلے ہی وہ شخص آپ کے الفاظ نہ سنتا ہو۔

دیارِ مغرب میں بسنے والے شعرا میں بڑے نام مامون ایمن، ستیہ پال آنند، ڈاکٹر سید تقی عابدی اور جرمنی میں حیدر قریشی کے ہیں۔ ان کے علاوہ نعت گو شعرا میں طلعت جلال پوری، حسین مشیر علوی، حسن شکیل مظہری وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کا نعتیہ کلام مجھے ہمہ دست نہ ہوسکا۔ یہ تجزیہ اگرچہ مکمل نہیں پھر بھی اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مہاجر شعرا کی نعتیہ شاعری روایتی نعتیہ شاعری میں اضافہ ہے۔

پس نوشت

"دیارِ مغرب کے اردو شعرا کی نعتیہ شاعری" کا مضمون مکمل کر چکا تھا اور سپردِ ڈاک کرنے ہی والا تھا کہ معتبر ادب ادب نواز میرے کرم فرمانے شمالی امریکا میں بسے اردو کے دو نعت گو شعرا کا کلام اور وہاں کی نعتیہ ادب کی سرگرمیوں کا ذکر فون پر تفصیل سے بیان کیا۔ مضمون کو update کرنے کے لیے شمالی امریکا کے نعتیہ ادب کا حصہ اصل مضمون کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔

شمالی امریکا میں عبدالرحمٰن عبد پہلے نعت گو شاعر ہیں جن کا حمد و نعت پر مشتمل کلام کتاب کی صورت میں شائع ہوا۔ "عرفانِ عبد" ان کے نعتیہ مجموعے کا نام ہے۔ نیویارک میں مقیم عبدالرحمٰن صاحب دیارِ غیر میں انوارِ حرم ذکرِ رسول ﷺ کے ذریعے حاصل کرتے رہے ہیں۔ مودّت و محبتِ رسول ﷺ ان کے کلام سے جھلکتے ہیں۔ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کے مصداق اپنی ذات کا عرفان اور عبدیت کی پہچان انھیں نعتوں اور حمدوں کے ذریعے حاصل ہوئی۔ وہ اپنے من میں ڈوب کر نبی ﷺ کی بات کرتے ہیں اس لیے ان کے کلام میں شگفتگی کے ساتھ والہانہ پن پایا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

داستاں معتبر انھیں سے ہے
زندگی کی سحر انھیں سے ہے
مانگتا ہوں میں لے کے نام ان کا
ہر دعا میں اثر انھیں سے ہے

عبدؔ اس لالہ زارِ ہستی میں　　رنگ ہے جس قدر انھیں سے ہے

عبدؔ "رفعنالک ذکرک" کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:

عبدؔ تکمیلِ بیانِ مصطفیٰ ممکن نہیں　　شرح یہ ایسی ہے جس کی انتہا ممکن نہیں
ہیں محمد مظہرِ نورِ خدائے لم یزل　　کرسکیں الفاظ اس کا حق ادا ممکن نہیں

عبدؔ نعت گوئی کو اپنی خوش قسمتی پر محمول کرتے ہیں۔ انھیں ذکرِ رسول ﷺ میں اطمینانِ قلب نصیب ہے۔ مثنوی، غزل، قصیدہ وغیرہ اصنافِ سخن میں انھوں نے صنفِ نعت کو ترجیح دی اور اسی پر وہ نازاں و شاداں ہیں۔ کہتے ہیں:

تھے اور بھی کئی موضوعِ سخن وری کے لیے
خوشا کہ عبدؔ نے عنوانِ دل پذیر چنا

ڈاکٹر سید تقی عابدی کینیڈا میں مقیم، پیشے سے ڈاکٹر ہیں اور دماغی امراض کی تشخیص و علاج کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔ طب و حکمت کے علاوہ تنقید و تحقیقِ ادب سے بھی ان کی دلچسپی قابلِ صد تحسین ہے۔ انگریزی کے علاوہ فارسی، عربی اور اردو زبان و ادب پر یکساں نظر رکھتے ہیں۔ اردو میں مرثیہ نگاری اور فارسی میں غالبؔ کی نعوت و مناقب پر ان کی ضخیم کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ "جوشِ مودت" ان کی نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ ہے۔ اب سے پندرہ بیس سال قبل ان کا نعتیہ مسدس "وہ میرا نبی میرا نبی میرا نبی ہے" برصغیر میں بڑا مقبول ہوا تھا۔ اس مسدس نعت کے چند بند ملاحظہ ہوں:

والشمس بنی جس کے رُخِ نور کی تنویر
واللیل ہوئی گیسوئے سرکار کی تعبیر
محفوظ میں محفوظ ہوئی حسن کی تحریر
معبود نے پھر ایسی بنائی نہیں تصویر
جو سروِ چمن غنچہ دہن گل بدنی ہے
وہ میرا نبی، میرا نبی، میرا نبی ہے

اس نعتیہ مسدس میں مقطع کا بند کچھ اس طرح ہے:

کب تک میں سناتا رہوں حضرت کے فضائل
کب تک میں بتاتا رہوں آقا کے شمائل
کب تک میں دکھاتا رہوں مولا کے خصائل
آئی یہ ندا کہہ دو تقی عرش ہے قائل

بندوں میں اگر بندہ کوئی لم یزلی ہے
وہ میرا نبی، میرا نبی، میرا نبی ہے

تقی کی نعتوں میں جوشِ عقیدت کا جوئے رواں بڑا متموج اور مترنم ہے۔ ان کی نعتوں کے صدابہار چمن میں محبت و مودت کی کھلتی کلیوں پر عقیدت و آسودگی کے شبنمی موتی انسیت و وارفتگی کے ہزار ہا رنگ بکھیرتے ہیں:

ہیں گلشنِ کونین کے سلطانِ زمن پھول
دیکھا ہی نہیں ایسا کبھی چرخِ کہن پھول
یوں فکرِ محمد میں ہوں دن رات معطر
جس طرح سے خوش بو میں مہکتا ہے گگن پھول
ہو دفن تقی کوئی بھی خضریٰ کے چمن میں
بن جاتا ہے اس بلبلِ شیدا کا کفن پھول

رسولِ عربی ﷺ سے وابستگی تقی کے یہاں حرزِ جاں بنی ہوئی ہے۔ آپ کا نام و مقام اتنا ارفع و بلند ہے کہ آپ کے غلاموں پر فرشتے فخر محسوس کرتے ہیں اور آپ کی شانِ مرتبت سے لرزاں رہتے ہیں۔ تقی نے اپنی ایک نعت میں آپ کی اسی بزرگی و برتری کو بڑے والہانہ انداز میں واضح کیا ہے:

وضو کرکے لیتا ہوں نامِ محمد — تخیل میں پیتا ہوں جامِ محمد
یہ معراج کی شب نے ہم کو بتایا — ہیں قوسین ادنیٰ مقامِ محمد
فلک اور ملک رشک کرتے ہیں سن کے — کہ میں بن گیا ہوں غلامِ محمد
ہلا عرش، لرزے فرشتے صفوں میں — تقی نے لیا جب بھی نامِ محمد

تقی نعت گوئی کو ہدایت، اس کی ریاضت کو عبادت اور اس کی مقبولیت کو شفاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ نعت نگاری میں شعر کا خلوص اور جذبات کا اضطراب و اضطرار تحیر خیز ہے۔ ان کی نعتوں میں عشقِ رسول ﷺ مصرع کے ہر لفظ سے عیاں ہے۔ جوشِ مودت کی نعتوں میں بعض مقامات پر ردیف قوافی کے حصار کو توڑ دیتا ہے اور محبت کا دریا جوش مارتا ہوا اُمڈ پڑتا ہے۔ تقی کے اسی جوشِ عقیدت نے انھیں مجبور کردیا اور انھوں نے غالب کے نعتیہ کلام کا اتنا زبردست مجموعہ مرتب کردیا جو کم و بیش ہزار صفحات سے متجاوز ہے۔

شمالی امریکا میں فروغِ نعت کے لیے نور امروہی کی تگ و دو بھی قابلِ رشک، و صد تحسین ہے۔ وہ ہر سال امریکا میں عالمی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد نہایت حسنِ عقیدت سے کرتے ہیں۔ مشاعرے میں شریک نعت گو شعرا کی دلبری اور عشقِ رسول ﷺ میں سرشاری امریکا کے ادبی ماحول کو پُرکیف بنا دیتی ہے۔ اے کاش! کہ وہاں ایسے ادبا و محققین کی بھی پذیرائی ہوتی جو تقدیسی ادب کے معتقد ہوں اور صنفِ حمد و نعت و منقبت کے عالمی منظرنامے پر نظر رکھتے ہوں اور ان کی خوبیوں کو اُجاگر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

☆

ساجد صدیق نظامی۔ لاہور

سفینۂ عشقِ مدینہ
توصیف محمد ﷺ کا ایک نشان

''سفینۂ عشق مدینہ یعنی دیوان فقیر'' ایک قدیم نعتیہ دیوان ہے جو ۱۲۹۱ھ بہ مطابق ۱۸۷۴ء کو مطبع فاروقی، دہلی سے طبع ہوا۔ یہ دیوان محمد حسین فقیر کا نتیجہ فکر ہے۔ ۳۰۴ صفحات پر مشتمل یہ نعتیہ دیوان پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے مرکزی کتاب خانے میں درجہ بندی نمبر ''۴۳۱۴ء۸۹۱۔ف ۸۳ د'' کے تحت موجود ہے۔

زیرنظر دیوان میں ۲۷۹ نعتیہ غزلیات موجود ہیں۔ بیش تر غزلیات اردو میں کہی گئی ہیں۔ چند غزلیات فارسی میں بھی ہیں۔ یہ تمام غزلیات دیوان کے صفحات ۳ تا ۲۲۲ تک طبع ہیں۔ کچھ غزلیات عنوانات سے بھی مزین ہیں۔ ان پر آگے چل کر بات ہوگی۔

غزلیات کے علاوہ اس دیوان کے مشمولات میں دو اہم چیزیں ''مثنوی نالۂ فقیر'' اور ''مسدس سراپائے رسول'' ہیں۔ مثنوی میں ۲۳۹ رابیات ہیں اور یہ صفحات ۲۲۷ تا ۲۴۰ کو محیط ہیں۔ اسی طرح ''مسدس سراپائے رسول'' کے ۱۰۴ر بند ہیں اور یہ صفحات ۲۷۴ تا ۲۹۶ پر طبع ہے۔ ان کے علاوہ شاعر کی دو مناجات بھی مسدس ترجیع بند کی صورت میں دیوان کا حصہ ہیں۔ یہ مناجات زیارت مکہ مکرمہ اور زیارت مدینہ طیبہ پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح ''عرض حاجات'' بھی مسدس ترجیع بند کی ہیئت میں شامل دیوان ہے۔ یہ مناجات اور حاجات دیوان کے صفحات ۲۴۱ تا ۲۷۳ پر موجود ہیں۔ دیوان کے آخر میں شاعر نے اپنے مرشد مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا منظوم ذکر شامل کیا ہے جو ۱۵ر اشعار پر مشتمل ہے۔

دیوان کی آخری منظومات ''ذکرِ حسن وخوبیِ نماز'' اور ''ذکرِ مطبع فاروقی'' ہیں۔ اس کے بعد طبع دیوان کے ۵ر قطعاتِ تاریخ ہیں۔ ان میں سے تین قطعات مصنف کے تحریر کردہ اور دو قطعات حافظ عبدالرشید اور احمد جان ابن حافظ محمد اسحٰق کے کہے ہوئے ہیں انھی پر دیوان کا خاتمہ

ہو جاتا ہے۔

اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کے کتب خانے کے اردو حصہ میں ایک مختصر سی کتاب ''تحفۂ فقیر'' موجود ہے۔ یہ اسی دیوان کے مصنف محمد حسین فقیر کا تصنیف کردہ گلدستۂ نعت ہے۔ جو مطبع مصطفائی لاہور سے طبع ہوا تھا۔ اس پر کسی قسم کا سنہ طباعت درج نہیں اس کے سرورق کا کافی حصہ مرور ایام کے باعث کئی جگہ سے دریدہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا سرورق سے سنہ طباعت معلوم نہیں ہوسکتا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل اس گلدستۂ نعت کے آغاز میں سرورق کی پشت والے صفحے پر مصنف کی طرف سے ایک عبارت درج ہے۔ سرورق کے متاثر ہونے کی وجہ سے پشت کا یہ حصہ بھی متاثر ہوا ہے۔ موجودہ حالت میں اس صفحے کی عبارت کا جو حصہ پڑھا جاسکتا ہے، وہ ذیل کے اقتباس میں درج کیا جارہا ہے:

> ...بعد اس کے عرض کرتا ہے کہ بندۂ بے توقیر محمد حسین فقیر کہ مدت سے تمنا ہے کہ نعت سرورِ عالم ﷺ میں ایک دیوان طویل لکھوں اور جناب کبریا میں التجا ہے کہ بیان مدح میں اطراء اور افراط و تفریط سے محفوظ رہوں... کثیر لکھوں یا قلیل لکھوں لیکن کثرت مشاغل مانع، دیکھا چاہیے کہ یہ آرزو میسر آئے، کہیں جی کی جی میں نہ رہ جائے... اللہ میری امید بر لائے اور کعبۂ مقصود کو پہنچائے... بہ سبب شدت طلب شائقین کے فراہم کرکے بہ طور رسالہ شائع کیے گئے... اور اس کا نام 'تحفۂ فقیر' رکھا...

اس مختصر رسالے/گلدستے میں ۳۴ غزلیات ہیں۔ سرورق کی خواندہ عبارت کے مطابق ''تحفۂ فقیر'' حسب فرمائش حافظ محمد الدین تاجر کتب و مالک و مہتمم کارخانہ مصطفائی...'' طبع ہوا۔

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے'' تحفۂ فقیر'' کی اشاعت کے وقت محمد حسین فقیر کا دیوان'' سفینۂ عشقِ مدینہ'' یعنی دیوانِ فقیر ابھی شائع نہیں ہوا تھا، گویا'' تحفۂ فقیر'' کی اشاعت ''دیوان فقیر'' سے قبل ہوئی ہوگی۔

اس مضمون میں ''سفینۂ عشقِ مدینہ'' یعنی'' دیوان فقیر'' کے مشمولات پر بحث ہوگی اور آخر میں دیوان سے انتخاب پیش کیا جائے گا۔

دیوان میں موجودہ نعتیہ غزلیات کی ردیف وار تعداد کچھ اس طرح ہے:

ردیف 'الف' میں ۳۵ غزلیات، ردیف 'ب' میں ۴، ردیف 'ت' میں ۶، ردیف 'ث'

میں ۷، ردیف 'ج' میں ۴، ردیف 'ح' میں بھی ۴، ردیف 'خ' میں ۳، ردیف 'د' میں ۲۹، ردیف 'ذ' میں ۳، ردیف 'ر' میں ۱۲، ردیف 'ز' میں ۳، ردیف 'س' میں ۱۵، ردیف 'ش' میں ۳، ردیف 'ص' میں ۳، ردیف 'ض' میں ۴، ردیف 'ط'، 'ظ'، 'ع' اور 'غ' میں ۳،۳، ردیف 'ف' اور 'ق' میں ۴،۴، ردیف 'ک' میں ۹، اور 'ل' میں ۱۳، ردیف 'م' میں ۴، ردیف 'ن' میں ۱۶، ردیف 'و' میں ۸، ردیف 'ہ' میں ۳۶ اور ردیف 'ی/ے' میں ۴۸ غزلیات شامل ہیں۔

۲۷۹ غزلیات کی موجودگی شاعر کے وفورِ طبیعت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مصنف نے خصوصاً ردیف 'الف'، 'ہ' اور 'ی/ے' کی طرف زیادہ توجہ دی ہے اور ان تین ردیفوں میں ۱۱۹/غزلیات کہی ہیں۔ ردیف 'د' میں بھی ۲۹/غزلیات ہیں، کیوں کہ 'محمد' اور 'احمد' کے اسما 'د' پر ہی اختتام پزیر ہو رہے ہیں۔ نو سے کم اشعار کسی غزل میں نہیں ہیں اور کسی غزل میں زیادہ سے زیادہ اشعار کی تعداد انتیس ہے۔ اشعار کی یہ تعداد بھی شاعر کے وفور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

شاعر نے کچھ غزلیات کے عنوانات بھی قائم کیے ہیں اور ان عنوانات کے مطالعے سے شاعر کی طبیعت کے مخصوص رخ کا اندازہ ہوتا ہے۔ چند عنوانات اس طرح ہیں: ''غزل در منقبت خلفائے رسول ﷺ''، ''سجدہ ریزی قلم در حرم''، ''ذکر بقعۂ رفیع جنت البقیع''، ''غزل بہ شوق گنبد اخضر روضۂ حضرت خیر البشر ﷺ''، ''غزل در مدح مسجد محترم رسول اللہ ﷺ''، ''نور ابتہاج در ذکر معراج'' وغیرہ۔ اسی طرح آبِ زم زم، غلافِ کعبہ کے متعلق بھی توصیفی غزلیات درج ہیں۔

غالباً مظفر حسین کاندھلوی مرحوم کے مرید ہونے کے باعث شاعر دیوبندی مکتبۂ فکر سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت مصنف کی ان غزلیات سے ملتا ہے جن کے عنوان یوں قائم کیے گئے ہیں۔ ''غزل رد شرکیات بریلوی''، ''رد کلمات بریلوی (دار الغیاث) بہ مضمون شرک و احداث'' وغیرہ۔

ان غزلیات کے علاوہ دیوان میں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جو مدحِ رسول ﷺ میں افراط و تفریط اور آدابِ مدح کے بارے میں ہیں۔ مضمون کے آغاز میں ''تحفۂ فقیر'' سے لیا گیا اقتباس بھی مصنف کے انھی خیالات کا مظہر ہے، جہاں وہ کہتے ہیں:

> مدت سے تمنا ہے کہ نعتِ سرورِ عالم ﷺ میں ایک دیوان طویل لکھوں اور جناب کبریا میں التجا ہے کہ بیان مدح میں اطرا اور افراط و تفریط سے محفوظ رہوں...

ان خیالات میں شدت اس شعر سے ظاہر ہوسکتی ہے جو دیوان کی تیسری غزل میں درج ہے:

بہت یاد آئے گی قید حدید نار میں شوخی
نہیں جس شوخ کو یاں دھیان کچھ مدحِ مقید کا

اسی غزل میں کہتے ہیں:

بہ چشم غور یاں ہر شاعر مداح کو دیکھو
کہ اکثر کو نہیں کچھ پاس شرع و دین کے حد کا
سخن سے ان کے کیوں کہ شرک و بدعت کو نہ ہو رونق
کہ جن کے ساتھ رہتا ہے ہجوم اہل خوشامد کا

اس بات سے قطع نظر کہ شاعر کے کیا نظریات ہیں اور وہ مدح رسول ﷺ میں کیا عقائد رکھتے ہیں، دیوان کا مطالعہ ہمیں مصنف کی شاعری کے مزید پہلوؤں سے بھی روشناس کراتا ہے۔ غزلیات کے مطالعے سے مصنف کی عربی و فارسی زبان پر گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیوان میں چند غزلیات بہ زبان فارسی بھی ہیں۔ کہیں کہیں قوافی اس طرح کے آئے ہیں کہ جو عام مذاق کا شاعر نہیں برت سکتا۔

دیوان میں ایک اہتمام یہ بھی کیا گیا ہے کہ غزلیات میں کسی حل طلب مسئلے کو حاشیے پر واضح کر دیا گیا ہے بعض اوقات ایک ایک صفحے پر تین تین حاشیے مل جاتے ہیں۔ اگر شعر میں کسی حدیث رسول ﷺ کا ذکر ہے تو مکمل حدیث حاشیے پر درج کر دی گئی ہے۔ اگر کوئی مشکل ترکیب یا لفظ متن میں آیا ہے تو حاشیے میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اگر تفصیل طلب بات نہیں تو متن کے اندر ہی متعلقہ لفظ کے آس پاس صراحت کر دی گئی ہے۔ یہ عموماً اس صورت میں ہوا ہے کہ جب کوئی ادق لفظ شعر میں استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کے اوپر یا نیچے اس کے معانی لکھ دیے گئے ہیں۔

یہ حاشیے اور تعلیقات بہ ظاہر شاعر کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، کیوں کہ انھیں حاشیوں میں بیان ہے کہ مصنف نے ذی قعدہ کے مہینے، ۱۲۸۷ھ میں مدینۂ منورہ کی زیارت کی تھی۔ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ یہ معلومات خود مصنف/شاعر نے تحریر کی ہوں۔ اس دیوان کی طباعت کا سنہ ۱۲۹۱ھ ہے۔ اور مصنف نے ۱۲۸۷ھ میں مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ لہٰذا درمیان

میں محض چار سال کا عرصہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ شاعر کی طبیعت بسیار گوئی کی طرف مائل ہے۔ اس امر کا اشارہ اوپر بھی کیا جا چکا ہے۔

اگر بہ حیثِ مجموعی ان نعتیہ غزلیات کا جائزہ لیں تو اس حوالے سے مایوسی ہوتی ہے کہ کام کے اشعار بہت کم سامنے آتے ہیں۔ اکثر اشعار بھرتی کے ہیں۔ بلا شبہ اشعار نعتیہ سطح کے ہیں مگر فنی اور فکری، دونوں پہلوؤں سے اس پائے کے نہیں کہ جو شاعر کو نعت گو شعرا کو صف اوّل میں جگہ دیں، مگر جہاں شعر اچھا نکل آیا ہے، وہاں غزل میں اس کی حیثیت نگینے کی سی ہو گئی ہے اور وہی شعر بقیہ غزل کے پھیکے پن کی دُوری کا سبب بن گیا ہے۔ مصنف نے معروف کلاسیکی شاعروں کی مشہور زمینوں میں بھی نعتیہ غزلیات کہی ہیں۔ اس سب کے باوجود اگر اس دیوان کا انتخاب کیا جائے تو ان غزلیات سے گنتی کے چند اشعار نکلیں گے جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں قارئین ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

نعتیہ غزلیات کے علاوہ اس دیوان میں دو اور اہم اصناف پر مشتمل منظومات بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ "مثنوی نالۂ فقیر" اور "سراپائے رسول" ہیں۔

مثنوی "نالۂ فقیر" ایک مختصر سی مثنوی ہے جس میں شاعر نے اپنی کم مائیگی کا تذکرہ کیا ہے اور ایک حکایت بیان کر کے رسولِ اکرم ﷺ کے فضائل بیان کیے ہیں۔ اس طرح اس نے اللہ سے اپنے عصیان کی معافی مانگی ہے اور رحمت کی گزارش کی ہے۔ کچھ اصلاحی باتیں بھی کی ہیں، شروع میں نالۂ دل کی خصوصیات بھی گنوائی ہیں اس مثنوی میں شاعر کی قادر الکلامی مزید واضح ہو کر سامنے آئی ہے یہ مثنوی چھوٹی بحر میں ہے اور اس میں کچھ اچھے اچھے شعر بھی نکل آئے ہیں۔

مثنوی کے علاوہ دوسری قابل ذکر نظم "سراپائے رسول" ہے۔ یہ ۱۰۴ بندوں پر مشتمل ہے اور ترکیب بند مسدس کی ہیئت میں ہے۔ اس کے شروع میں شاعر نے حضور ﷺ کی عمومی مدح کی ہے اور پھر سراپا کا نقشہ کھینچا ہے۔ قد، رنگ، حسن و جمال، آنکھیں، ابرو، پیشانی مژگاں، دہن، رخ، مہر نبوت، ہاتھ وغیرہ کے اوصاف اور مدحیں اس سراپا کا حصہ ہیں۔ سراپا میں عربی الفاظ کا استعمال آزادانہ کیا ہے جس کے باعث ایک عام قاری کے لیے تفہیم میں مشکل پیدا ہونا ممکن ہے۔

زیر نظر دیوان کی مندرجہ بالا دونوں منظومات پر تفصیلاً علاحدہ مضمون تیار کر رہا ہوں جو انشاء اللہ اگلے شمارے میں شائع ہو گا۔ اس میں مثنوی اور سراپا کا متن بھی شامل ہو گا۔

دیوان کے اختتام پر قطعاتِ تاریخ مندرج ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

تاریخ از نتائج طبع سلیم عزیز سعید حافظ عبدالرشید سلمۂ اللہ المجید

جب یہ لکھا فقیر صاحب نے
حاویِ نعتِ مصطفیٰ دیوان
لکھی عبدالرشید نے تاریخ
خوب لکھا ہے نعت کا دیوان

۱۳۹۱ھ

از فکر اخی احمد جان سلمہ المنان ابن عمی حافظ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ الغالب:

طبع گردید چو دیوانِ فقیر
باہمہ خوبی و طرزِ اسلوب
ہاتفم گفت ز روئے الہام
سال طبعش کہ بدلہا مرغوب

۱۳۹۱ھ

انتخابِ دیوان سفینۂ عشقِ مدینہ

ملا میرے قلم کو حسن بسم اللہ کی مد کا — ہوا جب عزم حمدِ کبریا و نعتِ احمد کا
درازیِ تمنا کس قدر ہے سب کو احمد کی — مزارِ مختفی پر ہے ہجوم اعناقِ ممتد کا
کمر بستہ ہیں وہ تخفیفِ امت کے لیے ہر دم — محمد میں اشارا ہے یہی میمِ مشدد کا
دیارِ مصطفیٰ پر نور مثل قلب مومن ہے — دیار ہند پر ظلمت یہ گویا دل ہے مرتد کا
قرینِ مصطفیٰ جس نے نہ دیکھا ہو بلال اے دل — جدارِ کعبہ میں دیکھے قرینہ سنگِ اسود کا
مرا اردو سخن مشہور ہے مکے مدینے میں — عرب بھی قدر داں ہے مری تیغِ مہند کا
ہزاروں ہوئیں گے منسوخ دیوان اہل باطل کے — زمین شعر میں اترا یہ قرآن نعتِ احمد کا
فقیر اشعار میں تیرے بھی ہے کچھ تو سکونِ دل — یہ مانا ہاں شہیدی کا قصیدہ ہے مد و شد کا
عجب کیا وہ قلم بن جائے خود شمشاد جنت میں — کہ جس سے وصف لکھا جائے اس موزونیِ قد کا
علوِ معنوی میں اس کا رتبہ اس سے اعلیٰ ہے — وہ برج سبز کہ ہمرنگ ہے لوحِ زبرجد کا

ملے اے کاش کلکِ نور و صفحہ حور کے خد کا
کہ یہ دیوان لکھتا ہوں میں توصیفِ محمد کا

غزل در منقبتِ خلفائے رسول کریم

عجب رُتبہ کیا اللہ نے صدیقِ اکبرؓ کا — بنایا غار میں بھی ان کو یار اپنے پیمبر کا
جنابِ ابنِ خطاب ایسے عابد اور خطیب ایسے — کہ ان کی ذاتِ عالی فخر ہے محراب و منبر کا
وہ کانِ صبر و حلم و جود و ایمان و حیا عثمان — ہوا تھا ازدواج ان سے رسولِ حق کی دختر کا
شہیدِ حق نے بلوے میں دیا سر اور نہ مارا دم — کہ تا مجھ سے نہ ہو مفتوح باب اس فتنہ و شر کا
علی مرتضیٰ زوجِ بتولِ معدنِ عصمت — کہ شہرِ علمِ احمد سے انھیں رتبہ ملا در کا
فقیر اپنی شفاعت کا وسیلہ ہے قیامت میں — محمد کا ابوبکر و عمر عثمان و حیدر کا

☆

جن کو ہے حبِّ احمدی بس وہی ہیں خدا کے دوست
جو ہیں حسودِ مصطفیٰ ہیں وہ حسودِ کبریا
کسی نے نفس کو بحرِ سفر مارا تو کیا مارا
قدم راہِ مدینہ چھوڑ کر مارا تو کیا مارا
یہ سر مٹ جائے گھس کر مسجدِ احمد میں اک دن کاش
یہاں کی مسجدوں میں ہم نے سر مارا تو کیا مارا
مدینے میں نہ آئی موت اے جانِ فقیر افسوس
قضا نے ہند میں تجھ کو اگر مارا تو کیا مارا
بخت بیدار مدینے میں رہے یوں اپنے
گویا بیدار کو بیدار نے سونے نہ دیا

دوائے تپ دیرینہ بہ ذکر آبِ مدینہ

ہوا وہ زندہ دل جس نے پیا پانی مدینے کا
کہ ہے صد غیرتِ آبِ بقا پانی مدینے کا
جو ہوتا اب سکندر ڈھونڈتا کیوں آبِ حیواں کو
چکھا دیتا اگر اپنا مزا پانی مدینے کا
مدینہ جنت الفردوس ہے روئے زمیں پر آج
تو مثلِ سلسبیل اے دل ہوا پانی مدینے کا

فقیر اپنا نصیب اب تو سکندر سے بھی بہتر ہے
رہا محروم وہ ہم کو ملا پانی مدینے کا

☆

میں نے جب دور سے وہ گنبدِ خضرا دیکھا
چشمِ مشتاق کو بس روتے ہی اکثر دیکھا
کیوں کہ دل سیر ہو حضرت کی زیارت سے فقیر
عمر بھر دیکھا تو گویا انھیں دم بھر دیکھا
حال واں کا کوئی کیا پوچھتا ہے مجھ سے فقیر
شش جہت کے تئیں اس روضہ پہ شش در دیکھا

☆

دستِ کوتہ جالیوں تک خود رسا کیوں کر ہوا
میں گنہگار اس طرح کا پارسا کیوں کر ہوا

غزل مستزاد

جب مدینہ وطنِ سیّد ابرار ہوا
دل کا معیار ہوا
معدنِ خیر ہوا مخزنِ اسرار ہوا
کانِ انوار ہوا
وہی اچھے ہیں جو رہتے ہیں مدینے کے قریب
ان کے اچھے ہیں نصیب
ہائے کیوں میرا وطن ہندِ پر آزار ہوا
دل ہی بیمار ہوا
ہو کے رخصت جو مدینے سے چلے سب یک بار
نہ رہا صبر و قرار
زار زار آہ بہت دیدۂ ژوّار ہوا
اور دل افگار ہوا

آستیں آنکھوں پہ رکھے ہوئے سب روتے رہے
آستانے کے لیے
آخری جب درِ محبوب کا دیدار ہوا
چلنا دشوار ہوا
اس ضعیفی میں جواں بختِ زیارت میں ہوں
فخر کیوں کہ نہ کروں
بختِ خوابیدہ فقیر اپنا بھی بیدار ہوا
حق مددگار ہوا

صبا یہ عرض ہو اس بادشاہ دیں کے حضور
کہ اک فقیر بھی دیوانہ غائبانہ ہوا
پہنچ گئے ہیں مدینے تلک مرے اشعار
تو مری جان سے بہتر مرا فسانہ ہوا

☆

کیا ہی وصفِ مصطفیٰ میں نامہ رنگیں ہوگیا
اور قلم گویا کہ رشکِ دستِ گل چیں ہوگیا
جب مدینہ دیکھ کر دل خوش ہوا تھا جس قدر
اب مدینہ چھوڑ کر اتنا ہی غمگیں ہوگیا
یوں تو دنیا میں ہائے کیا نہ ہوا
پر میں اور شہرِ مصطفیٰ نہ ہوا

☆

کس بلندیِ صدق پر ہے واہ
شانِ گفتارِ صاحبِ معراج
وسعِ عجم سے یہ دلِ وحشت زدہ ہے تنگ
اس کو تو محض دشتِ مدینہ ملا فراخ
لے جائے سب مری گلِ تسلیم و آرزو

اتنا کہاں ہے دامنِ بادِ صبا فراخ

مدینے میں خوشی سے تھا جو رنگِ روئے خنداں سرخ
جدائی میں وہی اب زرد ہے اور چشمِ گریاں سرخ
تبھی ہوں سرخ رو جو ایک دن راہِ محمد میں
فقیر اپنا بھی ہو خونِ شہادت سے گریباں سرخ

☆

الٰہی عاشقانِ باصفا کو
نہ ہوئے داغِ ہجرانِ محمد

☆

فقیر دل تو درونِ مدینہ ہے میرا
اگرچہ میں ہوں برونِ مدینۂ احمد
نہیں آرام اس دل کو کہاں ہے روضۂ احمد
کوئی رستہ بتا دیجو کہاں ہے روضۂ احمد
عجب کیا روضۂ فردوس کو بھی رشک ہو اس پر
مکیں ہے کون اور کس کا مکاں ہے روضۂ احمد

☆

وہ حسن و جمالِ محمد
وہ جاہ و جلالِ محمد
ہیں مدِّنظر عالم کے
وہ میم و دالِ محمد
یہ دل ہوئے اور جست و جوئے محمد
یہ آنکھیں ہوں اور شوقِ روئے محمد
محبانِ احمد محبانِ حق ہیں
عدوِ خدا ہیں عدوئے محمد

☆

محض ذکر ولادتِ احمد — نہیں اسطور سنتِ احمد
بدعتی بن کر پھر نہ رہنا تم — انتظارِ شفاعتِ احمد
حشر میں بدعتی نہ ہوئیں گے — زیرِ ظلِ کرامتِ احمد
ہم کو بدعت سے بس عداوت ہے — ہم ہیں شیدائے سنتِ احمد
یہ حقیقت کھلے گی محشر میں — خاص وقتِ شفاعتِ احمد

کون جھوٹا ہے کون سچا ہے
کون ہے اہلِ سنتِ احمد

☆

فقیر اہلِ مدینہ میں ہمارا ذکر کیوں کر ہو
بجا ہے اہلِ گلشن کو خسِ گلخن نہ آئے یاد
سینۂ کفار شق سو بار ہو جائے تو ہو
کس طرح دودِ حسد میں ہو نہاں شق القمر
کیوں چلے ہم ہند کو شہرِ مدینہ چھوڑ کر
جائیں گے گرداب میں کیا یہ سفینہ چھوڑ کر
وقت رخصت تھا مدینے میں کچھ ایسا اضطراب
کیا عجب تھا دل نکل جاتا جو سینہ چھوڑ کر

☆

امینِ خدا ذاتِ روح القدس — سفیرِ ہدیٰ ذاتِ روح القدس
و صلِ علی المصطفےٰ مِن فقیر — و صلِ علیٰ ذاتِ روح القدس
رازدارِ خالقِ ارض و سما ہیں جبرئیل — اہلِ سرِّ انبیا و مرسلیں روح القدس

☆

ہے دور مدینہ افسوس
پُر درد ہے سینہ افسوس
بے چین ہوں چھوڑ کے میں ہائے
وہ جائے سکینہ افسوس

کہتا ہوں فقیر وطن میں
افسوس مدینہ افسوس

☆

کون دکھلائے مجھے راہ مدینے کی طرف
مجھ کو پہنچائے پھر اللہ مدینے کی طرف
خوف تھا مرگِ مفاجات نہ ہو جائے خوشی
جب چلے مکے سے ناگاہ مدینے کی طرف
جن کا مدینہ ہے مقام ان پہ درود اور سلام
ان پہ درود و سلام ان پہ درود اور سلام
کیا ہی مزے کا ہے وہ نام ان پہ درود اور سلام
میری طرف سے ہو مدام ان پہ درود اور سلام
روضۂ مصطفیٰ پہ کاش میری زباں سے عرض ہو
لیل و نہار صبح و شام ان پر درود و سلام
خالقِ کل سے لے کے تا حور و فرشتہ انس و جن
کہتے ہیں سارے خاص و عام ان پہ درود اور سلام
بادِ صبا جو جائے تو روضۂ مصطفیٰ کے پاس
میرا بھی عرض کر پیام ان پہ درود اور سلام

☆

اب تو طاقت نہیں جدائی کی   ساعت آئے گی کب رسائی کی
لے اڑے باد اگر نصیب میں ہو   کیا شکایت شکستہ پائی کی
فرقتِ محبوب نے مارا مجھے   کوئی ملا دیجو خدارا مجھے
میں وہ نبی کا بنوں دیوانہ کاش   شیفتہ عالم کہے سارا مجھے
تجھ کو بلائیں گے مدینے میں ہم
خواب میں ہو جائے اشارا مجھے

☆

شہزاد احمد۔ کراچی

اردو کے چند اہم پاکستانی انتخابِ نعت

اردو نعتیہ ادب کے چند مثالی اور گراں قدر انتخابِ نعت تعارف اور تفصیل کے ساتھ حاضر ہیں:

نعت رسول کی قدامت پر صحف سماویہ اور انبیائے کرام علیہم السلام کی ہستیاں و بشارتیں گواہ ہیں مگر نعت رسول کو پر پرواز اس وقت میسر آئے، جب اس مرکز نعت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قدوم ومیمنت لزوم سے اس جہان فسق و فجور کو شرف و نور بخشا۔ جس کی ہر ادا بے مثال، جس کا ہر عمل لازوال، جس کا ہر کمال، اوج کمال اور کیوں نہ ہوتا کہ جس کے لیے خود خداوند قدوس جل جلالہٗ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ

وانک لعلٰی خلق عظیم

آپ کی ذات ستودہ صفات عالم پر ایسے لطف فرما ہوئی کہ جس کے سایۂ عاطفت ورحمت میں صرف نوع انسانی ہی نہیں بلکہ جن وانس اور تمام مخلوقات عالم کے علاوہ نباتات و جمادات بھی شامل ہیں۔ درحقیقت آپ ہی اس ساری کائنات کے وجود کا مرکز ومحور ہیں۔ بلاشبہ آپ ہی مقصودِ کائنات، خلاصۂ کائنات اور روحِ کائنات ہیں۔

اصنافِ سخن میں نعت گوئی ایسا محترم اور رفیع الشان موضوع ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک نہ صرف اپنے تسلسل کو برقرار رکھے ہوئے ہے بلکہ نعت گوئی کے تدریجی ارتقا میں روز افزوں وسعت وجدت پیدا ہو رہی ہے۔ نئے نئے حوالوں سے تحقیق نعت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ نئے مضامین، نئی تراکیب واسالیب اور نو بہ نو تجربات نے اس کی ہمہ جہت و ہمہ صفت بوقلمونی میں ایسا رنگ و نور بھرا ہے کہ یہ صدی نعت پاک کے گلہائے مشکبو سے مہک اٹھی ہے۔

نعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگہت بیزیاں وعطر خیزیاں ایمان کے چمنستان

دل فروز کو ایسا سیراب کر رہی ہیں کہ گزشتہ دہائیوں میں اس کی نظیر و مثال بھی محال ہے۔ یہ سعادت بھی اسی صدی کے حصہ میں آئی ہے کہ لاریب یہ نعت کی صدی کہلاتی ہے۔ اب ایسے حضرات بھی نعتیں کہہ رہے ہیں کہ جن کا قال و حال شعبۂ نعت سے کوئی لگا نہیں کھاتا، وہ بھی مجبور ہیں کہ مبادا اس سعادت سے محروم نہ ہو جائیں اور ان کا نام اس صدی میں رقم ہونے سے رہ جائے۔

ایک بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ اس مقالے میں شامل تمام ''نعتیہ منتخبات'' صرف وہ ہیں جن پر میرے تاثرات، تبصرے، جائزے اور تقدیمات گاہے بگاہے شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان بکھرے اور منتشر ''نعتیہ منتخبات'' کو اس مقالے کے ذریعے ایک لڑی میں پرویا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ان شاء اللہ اس کی قسط دوم میں مزید دیگر قابلِ ذکر، قیمتی اور اہم نعتیہ منتخبات شامل ہوں گے۔

اس مقالے میں اردو ادب کے صرف ان چند اہم ''نعتیہ منتخبات'' کو شامل کیا گیا ہے جو اپنی نوعیت اور اپنی انفرادیت کی وجہ سے گراں قدر ہیں۔ تاہم ایسے انتخابِ نعت جنھیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے، کم ہیں کہ جنھیں کھلی آنکھوں اور شرعی و ادبی معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہو۔

اس مقالے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اردو کے نعتیہ ادب کے وہ اہم انتخابِ نعت جنھوں نے شعبۂ نعت گوئی میں اہم کردار ادا کیا ہے، ان کے مرتبین کی گراں قدر اور لائق تحسین خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا جائے تاکہ نعتیہ ادب کے نئے قارئین ان حضرات کے فقیدالمثال کارناموں سے واقف ہوسکیں۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار نعتیہ انتخاب چھوٹے اور بڑے انداز میں شائع ہو رہے ہیں مگر الاماشاء اللہ باقی تمام کی صحتِ انتخاب مشکوک ہے کیوں کہ اس میں نعت سے محبت کم، جستجو کا فقدان اور بازاری و کاروباری عنصر غالب ہوتا ہے مگر اب ایسے نعتیہ انتخاب مرتب کرنے والوں کی سوچ نے بھی پلٹا کھایا ہے اور انھوں نے بھی اب اس سلسلے میں تلاش و جستجو شروع کر دی ہے تاکہ ان کا مرتب کردہ انتخابِ نعت بھی معیاری و مثالی مجموعوں میں شامل ہوسکے۔ نئے انتخابِ نعت مرتب کرنے والے اس شعبہ میں نمایاں اور مثبت کام کر رہے ہیں۔ اب نعتیہ منتخبات کی مقدار میں اضافے کے ساتھ ساتھ معیار میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ مسابقت کی اس دوڑ میں آج کا نوجوان کم وقت میں زیادہ خوب صورت اور معیاری کام کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاہے بگاہے معیاری اور دلفروز نعتیہ انتخاب بھی نگاہوں کو خیرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

نقشِ سعادت ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی (مرحوم) جولائی 1966ء

حضرت شاہ غلام رسول ''رسول نما'' علیہ الرحمہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت سیّد شاہ ابو محمد المعروف ''علامہ ثاقبؔ کانپوری'' کے لائق و فائق فرزند ارجمند، عصر حاضر کے معروف نقاد وممتاز ماہر تعلیم شعروادب کے دبستان میں ''ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی'' کے نام نامی سے جانے جاتے ہیں۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اولیائے کاملین کی نسبت وراثت میں ملی ہے۔ جس کا اظہار کبھی تحریر میں، کبھی تقریر میں، کبھی نعت میں، کبھی عبادت و ریاضت میں، کبھی جلوت وخلوت میں، کبھی پند ونصائح میں، کبھی نشست و برخاست میں اور کبھی نعتیہ انتخاب ''نقش سعادت'' کی صورت میں جلوہ گر ہوتا تھا۔ کشفی صاحب نے اپنی دل کی دھڑکنوں اور اپنے مصفّٰی ومجلّٰی احساسات کو نقش سعادت کی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ نقش سعادت بالیقین نقش نجات بھی ہے۔

48 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ربیع الاول شریف ۱۳۸۶ھ رجولائی 1966ء میں طبع ہوئی۔ طاہرہ کتاب گھر 30 موتن بلڈنگ بندر روڈ کراچی سے شائع ہونے والی اس کتاب کو مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ 16=20x30 کے سائز میں اس کتاب کو نیوز پیپر پر چھاپا گیا ہے۔

اس مختصر سے مجموعہ میں 41 اردو کے قدیم وجدید اہم شعراء کے نعتیہ کلام کا انتخاب تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ''حرف آغاز'' مرتب ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے لکھا ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس انتخاب نعت کو اردو ادب کے مشہور بہترین نعتیہ مجموعوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

''نقش سعادت'' اب نایاب ہے۔ یہ کتاب نعت کے مشہور شاعر مسرورؔ کیفی مرحوم کے ذاتی اور اہم کتب خانہ نعت میں موجود تھی۔ مسرورؔ کیفی مرحوم کا ذاتی اور اہم کتب خانہ نعت بھی اب ''مرحوم و معدوم'' ہوچکا ہے۔ راقم الحروف کی اوّلین حمد ونعت ریسرچ لائبریری میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

مدحِ رسول راجا رشید احمد محمودؔ نومبر 1973ء

مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مرتب راجا رشید محمود ہیں جو کہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور میں ''افسر تعلقات عامہ'' کے منصب پر فائز تھے۔ اس انتخاب نعت کو بجا طور پر ابتدائی اہم نعتیہ مجموعوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

راجا رشید محمود نعت کے ایک پرانے اور منجھے ہوئے فعال کارکن ہیں۔ مدح رسول نومبر 1973ء کی ترتیب دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ راجا رشید محمود ہر دور میں اور ہر موقع پر فروغ نعت کے لیے عملی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ان کی فکر، ان کی مستقل لگن اور ان کی قلبی تڑپ کی جھلک اس نعتیہ انتخاب میں جلوہ گر ہے۔

راجا رشید محمود ماہ نامہ "نعت" لاہور کے ایڈیٹر ہیں۔ جنوری 1988ء سے یہ ماہ نامہ باقاعدگی کے ساتھ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ راجا رشید محمود کے دو عدد نعتیہ کلام پر مشتمل مجموعے "ورفعنالک ذکرک / 1977ء اور حدیث شوق/ 1982ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب تک راجا صاحب کے 44 نعتیہ مجموعہائے کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اس میں مزید پیش رفت جاری ہے۔ "نعت خاتم المرسلین" کے نام سے بھی ایک نعتیہ انتخاب ترتیب دے چکے ہیں، جسے مقبول اکیڈمی لاہور نے 1982ء میں شائع کیا تھا۔ غرضیکہ راجا رشید محمود شعبہ نعت میں ایک مستقل کام کرنے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی روز و شب کی کاوشیں شعبہ نعت کے لیے نہ صرف مفید و مؤثر ثابت ہو رہی ہیں، بلکہ اس میں دلچسپی لینے والوں کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

مدح رسول کو بچوں کی وجہ سے ایک مقصدی حیثیت حاصل ہے۔ مدح رسول کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ اسے بچوں کی ذہنی استعداد کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے تو دوسری طرف حضور اکرم، سید عالم، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علمی کمالات، آپ کی سیرت و کردار اور مکارم اخلاق والی حسین نعتوں کو یکجا کیا ہے تاکہ بچوں میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارادت و محبت کا رشتہ برقرار رہے۔ بچے ان نعتوں کو پڑھیں اور حضور ختمی مرتبت کی سیرت طیبہ کے متفرق پہلوؤں اور ان کے ابدی پیغام کو باآسانی سمجھ سکیں اور اپنے حال کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت و کردار کے سانچے میں ڈھالیں۔

مدح رسول کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں کم عمر بچوں کے لیے اور دوسرے حصے میں ثانوی اور اعلیٰ ثانوی جماعتوں کے طلبہ کے لیے نعتیں موجود ہیں۔ نعتوں کی ترتیب میں یہ التزام موجود ہے کہ شعراء کو حروف تہجی کے اعتبار سے جگہ دی گئی ہے۔

اس کتاب کے ناشر پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور اور اس کے مرتب راجا رشید محمود نہ صرف قابل مبارک باد ہیں بلکہ ان کا یہ مستحسن اقدام لائق تقلید بھی ہے۔ 16 = 36 x 23 کے سائز میں اس کتاب کے کل صفحات 196 ہیں۔ اس میں اردو ٹائپ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا ہدیہ دو روپے پینتالیس پیسہ (2/45) ہے۔

ارمغانِ نعت　شفیق بریلوی

اپریل 1975ء

ارمغان نعت شفیق بریلوی مرحوم کی تحقیقی کاوش کا زندہ جاوید شاہکار ہے۔ اس میں چودہ سو (۱۴۰۰) سالہ نعتوں کا انتخاب بڑے قرینے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ نعتیہ ادب میں یہ پہلا مستند انتخاب نعت ہے جسے مہمیز بنا کر بہت سارے نعتیہ انتخاب وجود میں آئے ہیں۔ یوں تو نعت کے بہت سارے انتخاب اس سے پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں مگر جس سلیقے و طریقے سے تلاش و تفحص کا اہتمام اس میں موجود ہے دوسرے انتخاب اس سے یکسر عاری ہیں۔ یہ صرف نعتوں کا ایک حسین و جمیل انتخاب ہی نہیں بلکہ یہ سفر نعت کی تدریجی روداد ہے۔

شفیق بریلوی 1919ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ بریلی کالج کے فارغ التحصیل اور صحافت کے پیشے سے منسلک تھے۔ مختلف رسائل و اخبار کی ادارت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ جس میں خاتون پاکستان کراچی، ڈان، ماہ نامہ الشجاع اور بیسویں صدی شامل ہیں۔

ان کی تصنیف پاک بیبیاں (ازواج مطہرات) اور ان کی ادارت میں شائع ہونے والے خاتون پاکستان کے یادگار "رسول نمبر" اور "غوث الاعظم نمبر" شامل ہیں مگر جو شہرت دوام اور سعادت دارین ارمغان نعت کے سبب انھیں میسّر آئی ہے وہ قابل رشک بھی ہے اور باعث تقویت بھی، کیوں کہ روز بروز دنیائے نعت میں "ارمغانِ نعت" کی اہمیت کا احساس دو چند ہوتا جا رہا ہے۔

ارمغان نعت کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ اس میں ہر شاعر کا مکمل نام بمع تخلص انتہائی صحت کے ساتھ درج ہے اور سونے پہ سہاگہ یہ کہ ہر شاعر کا سال وفات بھی مذکور ہے جس کی وجہ سے ہر نعت گو کے عہد کا تعین بآسانی ہو جاتا ہے۔ شعبہ نعت کے موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب بہت معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔

ارمغان نعت کے باب میں چند باتیں اور بھی خصوصیت کی حامل ہیں۔ اولاً یہ کہ عربی نعتوں کے ساتھ ان کے اردو زبان میں ترجمے بھی موجود ہیں۔ ثانیاً اس نعتیہ انتخاب کو قبل از ہجرت سے شروع کر کے ۱۳۹۵ھ کے متوفی شعراء کی نعتوں پر ختم کیا گیا ہے۔ اس میں ہر عہد کی مختلف زبانوں میں نعتیں موجود ہیں۔ شفیق بریلوی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ عصر حاضر کے بہت سے معروف شعراء کی نعتوں کو اس کتاب میں شامل کر کے انھیں بھی سعادت عظمیٰ سے ہم کنار کیا ہے۔ ثالثاً ارمغان نعت میں عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی، پنجابی، سرائیکی، پوٹھوہاری، پشتو، ہندکو اور سندھی زبان میں بھی نعتیں موجود ہیں۔ غرضیکہ متذکرہ تمام زبانوں کی نمائندہ نعتیں اس کتاب کی

زینت بنی ہیں۔ اس کے علاوہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے لے کر اس زمانے کی نعت گو شاعرات کی نعتوں کو بھی اس میں جگہ دی گئی ہے۔ غیر مسلم شعرا کی نعتیں بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

آخر میں جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ سب سے اہم ہے جس طرح سے شفیق بریلوی مرحوم کی مرتب کردہ کتاب ''ارمغان نعت'' کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ بعینہٖ اس بے بہا مجموعہ میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی مرحوم ومغفور کے مضمون ''ورفعنا لک ذکرک'' کا بھی اب تک کوئی جواب نہیں ہے۔ بہت کم صفحات میں جس خوب صورتی کے ساتھ شعبہ نعت کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت صاحب مضمون کی بصارت علمی کا حصہ ہے۔ یہ اہم مضمون نعت کی دنیا میں ضرب المثل بن کر رہ گیا ہے۔

''نعت رسول کریم بآیات قرآن حکیم'' اس موضوع پر مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی نے بھی قرآن کریم کی وہ چند مختلف آیات جو صریحاً نعت رسول کے زمرے میں شامل ہیں، ان کا بھی ایک مختصر انتخاب دیا ہے۔ جس بنا پر اس انتخاب کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

راقم الحروف کے پیش نظر ارمغان نعت کی طبع سوم بہ ترتیب نو ہے۔ جسے اگست 1979ء میں شائع کیا گیا ہے۔ جب کہ اس کی پہلی اشاعت ربیع الاوّل شریف ۱۳۹۵ ہجری / اپریل 1975ء میں ہوئی تھی۔ اس کا ہدیہ =/36 روپے ہے۔ 23x36=16 کے سائز میں یہ کتاب 384 صفحات پر محیط ہے۔ اس کے ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی ہیں۔

خیرالبشر کے حضور میں　　ممتاز حسن　　جنوری 1975ء

یہ ایک وقیع نعتیہ انتخاب ہے جسے ادارہ فروغ اردو لاہور نے جنوری 1975ء میں شائع کیا تھا۔ اس کتاب کے مرتب ممتاز حسن ہیں۔ ایک سو بتیس (132) شعرا کی نعتوں سے اس انتخاب کو ترتیب دیا گیا ہے۔ شعرا کی ترتیب حروف تہجی کی نہج پر ہے۔ غیر مسلم شعرا کی نعتوں کو علاحدہ جگہ نہیں دی گئی بلکہ انھیں بھی حروف تہجی کی ترتیب کی بنا پر مسلم شعرا سے مماثل کیا ہوا ہے۔

288 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ادارہ فروغ اردو لاہور نے اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے خوب صورت انداز میں مجلد شائع کی ہے۔ اس کا سائز 23x36=16 ہے۔ کتاب کی قیمت اس وقت =/18 روپے تھی۔

''خیرالبشر کے حضور میں'' اس کتاب کی تحریک اس کے مرتب ممتاز حسن کو کیسے ہوئی راقم

اس سلسلے میں کچھ معلومات فراہم کر رہا ہے۔ کتاب کے مرتب ممتاز حسن کو کراچی میں ایک پہلے کل پاکستان مقابلۂ نعت میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ یہ مقابلہ نعت بزم فروغ نعت و مناقب، ناظم آباد کراچی کے زیر اہتمام 9/دسمبر 1966ء کو آرام باغ کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں پہلا انعام ملک کے مقبول و معروف نعت خواں و نعت گو محمد اعظم چشتی نے حاصل کیا تھا۔ اس مقابلۂ نعت کی صدارت ممتاز حسن کر رہے تھے۔ انھوں نے اس مقابلہ نعت میں جس جذبے سے شرکت کی تھی اس کا غماز ان کا وہ صدارتی خطاب ہے جو انھوں نے اس مقابلہ نعت میں پیش کیا تھا اور یہی خطاب دراصل وہ مقدمہ ہے جو سب سے پہلے ایک ماہنامہ ''اردو نامہ'' کے شمارہ نمبر ۲۹ میں ''اردو نعت نگاری'' کے نام سے شائع ہوا تھا اور پھر یہی مقدمہ چند لائنوں کی تبدیلی کے بعد اس نعتیہ انتخاب ''خیر البشر کے حضور میں'' کا سرنامہ بنا۔

''خیر البشر کے حضور میں'' جو مقدمہ ممتاز حسن نے لکھا ہے وہ تقریباً 38 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں انھوں نے سب سے پہلے اردو نعت پھر فارسی نعت اور آخر میں عربی کی نعتیہ شاعری کے اجمالی ذکر پر اپنے مقدمہ کو تمام کیا ہے۔ ممتاز حسن کا یہ طویل مقدمہ کافی اہم ہے۔ انھوں نے نعتوں کے انتخاب میں بقول ان کے بہت احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس انتخاب میں انھوں نے چند نعت گو شاعرات کی نعتوں کو بھی شامل کیا ہے۔ ممتاز حسن نے کہیں کہیں اردو نعت کو تنقید سے بھی مملو کیا ہے۔

''خیر البشر کے حضور میں'' کا آغاز پنڈت ہری چند اختر کی اس نعت سے ہوا ہے:

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

امیر مینائی لکھنوی کی یہ نعت بھی اس کتاب میں شامل ہے:

خلق کے سرور، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب کے آخر میں یحییٰ اعظمی کی یہ نعت دی گئی ہے:

مبارک خامۂ فطرت کے سرکار حسیں آئے
مبارک خاتم ہستی کے تابندہ نگیں آئے

گلدستۂ نعت　　ضیاء محمد ضیاء/ طاہر شادانی　　1978ء

ضیاء محمد ضیاء اور طاہر شادانی "گلدستہ نعت" کے مرتبین ہیں۔ یہ ایک اہم معیاری اور جداگانہ انتخاب نعت ہے۔ لاثانی ناشرین اردو بازار لاہور نے 1978ء میں اس کی طباعت کا اہتمام کیا تھا۔

ضیاء محمد ضیاء اور طاہر شادانی نعتیہ ادب کے خوشہ چیں ہیں۔ دونوں حضرات سخن فہمی کے ساتھ ساتھ سخن شناسی کے جذبہ لازوال سے بھی مالامال ہیں۔ بارگاہ رسول کریم علیہ التحیۃ والثناء و التسلیم میں اپنی عقیدت وارادت کا اظہار "گلدستۂ نعت" کی صورت میں پیش کیا ہے۔

"ضیاء محمد ضیاء اور طاہر شادانی کے حصہ میں یہ سعادت بھی در آئی ہے کہ انھوں نے خداوند قدوس جل جلالہٗ کی بارگاہ بے کس نواز میں حمد باری تعالیٰ کا ایک وقیع اور جامع انتخاب "حمد و مناجات/ 1986ء کے نام سے بھی ترتیب دیا ہے۔ شعبۂ حمد کے باب میں اس مثالی اور معیاری انتخاب کو بھی منفرد مقام حاصل ہے۔ حمد یہ انتخاب میں یہ سب اُس وقت زیادہ ضخیم حمدوں کا انتخاب تھا جسے علمی کتاب خانہ کبیر اسٹریٹ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔"

گلدستۂ نعت میں اردو شعراء کے نعتیہ شہ پارے 240 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس انتخاب کو پانچ جداگانہ موضوعاتی ابواب ذکر میلاد، گلہائے نعت، بحضور رسالت، معراج النبی اور ہدیۂ سلام کے عنوان میں منقسم کر دیا ہے۔ اس موضوعاتی ترتیب کی وجہ سے بآسانی اپنی ضرورت کے مضامین اس میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

شعرا کی ترتیب حروف تہجی کی تقسیم وترتیب پر قائم ہے۔ عمدہ کتابت کے ساتھ خوبصورت کاغذ استعمال کیا ہے۔ اس کتاب کی قیمت =/15 روپے ہے۔ جسے ہاتھ سے =/85 روپے بنا دیا گیا ہے۔

گلدستہ نعت اب آسانی کے ساتھ دستیاب نہیں ہے مگر اس کا حصول ناممکن بھی نہیں۔ لاہور میں گھوم پھر کر اس کتاب کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مصطفائی سلسلے کے انتخابِ نعت

نعتِ مصطفیٰ　　مرتب: یامین وارثی　　1978ء

یامین وارثی کی یوں تو دوسرے شعبوں میں مقبولیت سے ہمیں قطعی انکار نہیں، مگر جو شہرت

دوام اور قبولیت عام یامین وارثی کو متعدد نعتیہ انتخاب مرتب کرنے پر دنیائے نعت میں حاصل ہوئی ہے دیگر تمام شعبوں کی مقبولیت اس کا پاسنگ بھی نہیں۔

یامین وارثی کی مرتب کردہ نعتیہ کتب بلاشبہ عوام وخواص میں یکساں مقبول اور معروف ہیں اور بلا مبالغہ سب سے زیادہ فروخت ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے یامین وارثی کی شخصیت نعتیہ مرتب کی حیثیت سے زیادہ مقبول ہے۔ ذیل میں ہم یامین وارثی کی مرتب کردہ کتب کا اجمال پیش کر رہے ہیں:

1- نعت مصطفیٰ (نعتیہ انتخاب) سال اشاعت 1978ء: یہ یامین وارثی کا سب سے پہلا نعتیہ انتخاب ہے جو 20x30=16 کے سائز میں 132 صفحات پر مشتمل ہے، جسے فائن آرٹ اینڈ کمپنی پوسٹ بکس نمبر 310 کراچی نے شائع کیا اور اس کا ہدیہ =/3 روپے ہے۔

2- تنویرِ مصطفیٰ (نعتیہ انتخاب) اشاعت 1982ء: تنویر مصطفیٰ کے ناشر انمول پبلشرز پیر الٰہی بخش کالونی کراچی ہیں۔ 96 صفحات پر محیط اس کتاب کا سائز 20x30=16 ہے اس کا ہدیہ =/5 روپے ہے۔

3- شانِ مصطفیٰ (نعتیہ انتخاب) سال اشاعت 1984ء: اس کتاب کو فائن آرٹ اینڈ کمپنی پوسٹ بکس نمبر 310 کراچی نے شائع کیا ہے اس کتاب کا ہدیہ =/7 روپے ہے۔ 116 صفحات کی اس کتاب کا سائز 20x30=16 ہے۔

4- نورِ مصطفیٰ (نعتیہ انتخاب) سالِ اشاعت 1986ء: فائن آرٹ اینڈ کمپنی کراچی سے شائع ہونے والی اس کتاب کا ہدیہ 50/ 7 روپے ہے۔ 116 صفحات ہیں، سائز 20x30=16 ہے۔

5- عشقِ مصطفیٰ (نعتیہ انتخاب) سالِ اشاعت 1988ء: اس کتاب کو عنبر شاہ وارثی پبلی کیشنز لانڈھی کراچی نے شائع کیا ہے، اس کتاب کی تمام چیزیں سابقہ مذکورہ کتب کی طرح ہیں، مثلاً سائز، صفحات اور ہدیہ وغیرہ

اس کے علاوہ بھی یامین وارثی نے مصطفائی سلسلے کے نئے انتخابِ نعت ترتیب دیے ہیں جن میں الفت مصطفیٰ، قربت مصطفیٰ، چاہت مصطفیٰ، عظمت مصطفیٰ شامل ہیں۔ جب کہ خوشبوئے مصطفیٰ اور راہِ مصطفیٰ بہت ضخیم ہیں۔ خوشبوئے مصطفیٰ 2004ء اور راہِ مصطفیٰ 2010ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ یامین وارثی مزید نعتیہ انتخاب ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔

مخزن نعت   پروفیسر محمد اقبال جاوید   مارچ 1979ء

''مخزن نعت'' ایک ممتاز منفرد انتخاب نعت ہے۔ جسے قدیم و جدید شعرائے کرام کے گلہائے عقیدت و محبت سے سجایا گیا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مرتب پروفیسر محمد اقبال جاوید ہیں۔ آپ گورنمنٹ کالج (گوجرانوالہ) میں شعبۂ اردو کے صدر تھے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید دل تپیدہ کے مالک ہیں۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور جس تحقیق و جستجو سے انھوں نے اس انتخاب کو مرتب کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس نعتیہ انتخاب کو انتہائی اہم مقام حاصل ہے۔ اس طور پر اب تک کسی جانب سے بھی پیش رفت نہیں ہوئی۔

فاضل مولف نے اس دکھ کے ساتھ اس انتخاب کو مرتب کیا ہے کہ نعت رسول کو بطور صنف سخن ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ انھوں نے شبلی کی ''شعرالعجم'' اور پنجاب یونی ورسٹی لاہور کی ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند'' کے مرتب کرنے والوں سے بھی شکوہ کیا ہے کہ اس میں بھی فن نعت کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہ وہی صدائے کرب ہے۔ جس کا برملا اظہار نعت پر ہر کام کرنے والے نے کیا ہے۔

''مخزن نعت'' بھی نعتیہ انتخاب کے دل نشین سلسلے کی ایک مؤثر اور پاکیزہ کڑی ہے۔ ابتدا میں اقبال جاوید نے ''عرض تمنا'' کے نام سے اس نعتیہ انتخاب کی تحریک کا ذکر کیا ہے اور پھر ثنائے خواجہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے حوالے سے نعتیہ شاعری کی تاریخ فن اور اس کے اقدار پر سرسری روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کے دیگر مندرجات حسب ذیل ہیں:

''نغمات سرمدی'' کے عنوان سے ان ''تبرکات'' کو جمع کیا ہے جو ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ ماقبل سے مولانا ظفر علی خان تک چلے آئے ہیں۔ سلک عقیدت میں ان جدید شعرائے کرام کے گلہائے سعادت کو پرویا ہے جس کی خوشبو اور توانائی زمانے کے سرد و گرم سے ہمیشہ معترا رہی ہے۔ جدید شعرا کی نعتوں کا انتخاب ردیف کی ترتیب سے مزین ہے۔ اعتراف عظمت میں غیر مسلم شعرا کا اظہار مودت بھی موجود ہے۔ خصوصی نگارشات جو مخزن نعت کے ضمن میں ان تک پہنچی تھیں، انھیں بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔ آخر میں اشارات و مآخذ بھی بڑے کام کی چیز ہے۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دوسری کتابوں سے ممیز کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر نعت کے اختتام پر حاشیے میں فاضل مؤلف نے ان قرآنی تلمیحات، علمی و شعری مصطلحات

اور تاریخی اشارات کی بھی نشان دہی کی ہے جو ہر نعت گو نے اپنی نعتوں میں روا رکھے ہیں۔ اس اہم اقدام سے فاضل مرتب کی بالغ نظری اور وسعت علمی کا پتا چلتا ہے۔

''مخزنِ نعت'' کو علمی کتاب خانہ کبیر اسٹریٹ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس وقت اس کا ہدیہ =/12 روپے تھا۔ یہ کتاب 23x36=16 کے سائز میں 294 صفحات پر محیط ہے۔ اس کا سال اشاعت مارچ 1979ء ہے۔ جب کہ اس کا قطعہ تاریخ 1976ء میں کہا گیا ہے جسے رضی شیرانی نے لکھا ہے۔ مخزن نعت کو نہایت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

اغثنی یارسول اللہ ﷺ مرتب: محمد منشاء تابش قصوری ضیائی دوم 1980ء

''اغثنی یا رسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) کے نام سے سب سے پہلا نعتیہ انتخاب ''یا رسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ردیفوں کے موضوع پر مولانا محمد منشا تابش قصوری ضیائی نے مرتب کیا تھا۔ 23x36=16 کے سائز میں 136 صفحات کی یہ کتاب اہتمام کے ساتھ شائع کی گئی تھی۔ اس کتاب کو سب سے پہلے 1975ء میں شائع کیا گیا۔ یہ ایڈیشن بار اول تھا۔ اس کے بعد پھر اس کا دوسرا ایڈیشن جنوری 1980ء میں شائع کیا گیا۔ جس کا ہدیہ =/6 روپے (غیر مجلد) تھا۔ اس کتاب کے ناشر مکتبہ، قادریہ لاہور ہیں۔

اس کتاب کے مرتب مولانا محمد منشاء تابش قصوری نے بہت محبت اور محنت کے ساتھ اس انتخاب نعت کو مرتب کیا ہے۔ یہ انتخاب نعت اتنا اہم اور کارآمد ہو چکا ہے کہ اب اس موضوع پر کام کرنے والے اس کو حوالہ بناتے ہیں۔ بعض مرتب کردہ نعتیہ انتخاب اتنے معتبر و مستند ہو جاتے ہیں کہ آئندہ تحقیق کرنے والے حضرات ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں اور اپنے کام کو انھیں سے مہمیز بناتے ہیں۔ اغثنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) بہت عمدہ اور جاندار انتخاب نعت ہے۔ مختلف زبانوں کے حوالے سے اس میں شائع ہونے والے کلام نعتیہ کی ترتیب ملاحظہ فرمایئے: عربی ۔2۔ فارسی ۔15۔ اردو ۔66۔ پنجابی ۔10۔ سرائیکی ۔7۔ سندھی ۔2۔ ہندی ۔1۔ اور ترکی زبان میں 2 نعتیہ کلام شامل ہیں۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے ''اغثنی یا رسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) ایک قابل قدر اور قابل صد تحسین کارنامہ ہے۔ جس کے نقش روز بروز واضح سے واضح تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

جواہر النعت مرتب: عزیز صابری (احسن) 1981ء

''جواہر النعت'' عہد حاضر کے شعرائے کرام کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ جس کے مرتب عزیز صابری (احسن) ہیں۔ 1981ء میں بزمِ یوسفی 33۔اے، بلاک نمبر 1، فیڈرل بی ایریا کراچی

کے زیرِ اہتمام اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ 240 صفحات پر مشتمل یہ انتخاب نعت 23x36=16 کے سائز میں پیپر بیک پر شائع ہوا۔

''جواہر النعت'' کا ''انتساب'' عزیز صابری نے آزاد نعتیہ شاعری کی صورت میں سرورِ کشورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور پیش کیا ہے۔ ''نظرے خوش گزرے'' کے عنوان سے افسر صدیقی امروہوی نے مرتب کے حوصلے کو مہمیز دیتے ہوئے بلند حوصلہ تاثرات رقم کیے ہیں۔ جب کہ احوالِ واقعی اور کتاب کا ''مقدمہ'' کتاب کے مرتب عزیز صابری کے اعلیٰ ذوقِ نعت کا مظہر ہے۔

کتاب کا ''مقدمہ'' شرحِ صدر کا باعث ہے۔ لفظوں کی لطافت، جملوں کی نزاکت اور تحریر کی چاشنی قاری کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ عزیز صابری کی ابتدائی تحریر اس قدر جادو اثر ہے کہ برسوں گزر جانے کے بعد بھی اس مقدمہ کا سحر برقرار ہے۔ جس دور میں یہ مقدمہ لکھا گیا اُس دور میں فروغِ نعت کی آج جیسی صورت نہیں تھی، معلومات کا فقدان تھا۔ لکھنے والے بہت کم تھے اُس دور کے لحاظ سے یہ تحریر بہت دل کشا اور معلومات افزا ہے۔ اس ''مقدمہ'' کی اوّلین اشاعت مجلّہ گورنمنٹ ڈگری کالج سرسید ناظم آباد کراچی میں ہوئی۔ اس کے بعد روزنامہ ''جنگ'' کراچی نے بھی اسے شائع کیا۔ مجلّہ اوج کے نعت نمبر میں بھی یہ تحریر شائع ہوئی۔ بعد ازاں اسے کتابی سلسلہ ''سفیرِ نعت'' کراچی میں مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔

''جواہر النعت'' کے انتخاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تقریباً تمام ہی قابلِ ذکر اور معروف شعرائے کرام کے منتخب کلام سے نعتوں کا ایک خوب صورت انتخاب وجود میں آیا ہے۔ اس انتخابِ نعت کی ترتیب میں بعض غیر معروف شعرا کی بھی دل کش نعتیں شامل ہیں۔ بلاشبہ یہ انتخابِ نعت قدیم و جدید شعرا کی نمائندہ نعتوں کا انتخاب ہے۔ اچھے اور قابلِ ذکر ''نعتیہ منتخبات'' کا جب بھی ذکر آئے گا اُس میں عزیز صابری کا مرتب کردہ انتخاب ''جواہر النعت'' بھی ضرور شامل ہوگا۔

یہ میرے سارے تاثرات صرف ''جواہر النعت'' کے ''مقدمہ'' کے بارے میں ہیں۔ عزیز احسن شعبۂ نعت میں تنقید نگاری کے حوالے سے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کر رہے ہیں۔ جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو کے صدر نشین پروفیسر ڈاکٹر ظفر اقبال اس مقالے کے نگران ہیں۔ بہت جلد یہ مقالہ کراچی یونی ورسٹی میں جمع ہونے والا ہے۔

سُنّی مناجاتِ مقبول مرتب: انیس احمد نوری 1986ء

"مجموعہ مناجات" المعروف "سُنّی مناجاتِ مقبول"، عکسی، انیس احمد نوری کا مرتب کردہ ہے۔ اس کا سال اشاعت 1986ء ہے۔ اس کے ناشر مکتبہ نوریہ رضویہ وکٹوریہ مارکیٹ، سکھر ہیں۔ اس انتخاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حمدوں اور مناجاتوں کے علاوہ ایک کثیر تعداد "یا رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ردیف میں کہی گئی نعتوں کی بھی موجود ہے۔

96 صفحات کی اس کتاب کو بہت خوبصورتی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مرتب انیس احمد نوری شعبۂ نعت کے پرانے اور منجھے غواص ہیں۔ ابتداء میں آپ نے نعتوں کے جو یادگار وسدا بہار انتخاب نعت ترتیب دیے تھے۔ وہ آج بھی اپنی اہمیت کے اعتبار سے بہت مسلم ہیں۔ انیس احمد نوری کے تمام کاموں میں معنوی اور صوری حسن دونوں کی جلوہ گری موجود ہوتی ہے۔

"یارسول اللہ" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ردیف میں ایک معتبر انتخاب اس میں بھی موجود ہے۔ جسے دیکھ کر آپ اپنی روح کو شاد اور آنکھوں کو نور بخش سکتے ہیں۔ کتاب کو بہت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔

میرے آقا میرے حضور مرتب: ریاض ندیؔم نیازی 1987ء

ریاض احمد خان ندیؔم نیازی بنیادی طور پر ثناخوانِ رسول ہیں۔ ان کے متعدد انتخاب نعت شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے مرتبہ منتخبات نعتیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا ہر انتخاب نعت ایک علاحدہ انفرادی شان کا مالک ہے۔ ان کا حُسنِ ترتیب جداگانہ ہے۔ وہ اپنی پسند سے ان نعتوں کو منتخب کرتے جو عوام وخواص میں مقبول ہیں۔ انجمن عندلیبان ریاض رسول کراچی پاکستان سے برسوں سے وابستہ ہیں۔ انجمن عندلیبانِ ریاضِ رسول کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انجمن ہذا نے پاکستان کے طول وعرض میں ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فروغ میں مثالی اور نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ فروغ نعت خوانی کی جب بھی تاریخ رقم کی جائے گی اس میں انجمن ہذا کا نام سرفہرست ہوگا۔

"میرے آقا میرے حضور" مشہور نعتوں سے انتخاب ہے۔ اس کے ترتیب کار ریاض ندیؔم نیازی ہیں۔ اس کے ناشر جہانگیر بک ڈپو۔ اردو بازار۔ لاہور ہیں۔ 140 صفحات کی یہ کتاب 1987ء میں شائع کی گئی۔ اس مجلد کتاب کی قیمت =/65 روپے ہے۔

"میرے آقا میرے حضور" میں جدید شعرا کی منتخب نعتیں شعرائے کرام کے اسمائے گرامی،

ان کے نام یا تخلص کے مطابق ترتیب دیے گئے ہیں۔ شعبۂ نعت کے صاحب ذوق حضرات کے لیے یہ ایک قابل قدر انتخاب نعت ہے۔ جسے بلاشبہ ایک شاندار اور جاندار نعتیہ انتخاب سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مرتب ریاض ندیم نیازی کے ہر نعتیہ انتخاب سے ان کے ذوق وشوق اور عقیدت کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ندیم نیازی روایتی مؤلف نہیں بلکہ ان کا مرتب کردہ ہر انتخاب نئے نعتیہ کلام کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

''گنبد خضریٰ'' ریاض ندیم نیازی کی منتخب کردہ نعتوں کا خوب صورت دوسرا انتخاب ہے۔ جسے ناشاد پبلشرز۔65۔ ریگل پلازہ، کوئٹہ نے شائع کیا ہے۔ 128 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 1996ء میں طبع ہوئی ہے۔ یہ کتاب مجلد اور اس کا ہدیہ =/70 روپے ہے۔

گنبد خضریٰ انتخاب نعت میں جدید شعراء کی منتخب نعتیں شامل ہیں۔ جو عموماً ریڈیو، ٹی وی اور نعت خوانی کی محافل میں مشام جاں کو معطر کرتی ہیں۔ حروف تہجی سے شعرائے کرام کے نام یا تخلص کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تقریباً تمام ہی معروف اور مقبول نعتوں کو اس انتخاب نعت میں جگہ دی گئی ہے۔ دل کش اور دل گداز نعتوں کا ایک حسین گلدستہ ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں ہر خوشبو اور نت نئے قسم کے نعتیہ پھول شامل ہیں۔

''مدینے والے'' منتخب اردو نعتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مرتب بھی ریاض ندیم نیازی ہیں۔ جہانگیر سنز۔ اردو بازار لاہور اس کے ناشر ہیں۔ 20x30=16 کے سائز میں یہ کتاب غیر مجلد 96 صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت =/12 روپے ہے۔ اس کا سال اشاعت ندارد ہے۔

ریاض ندیم نیازی نے اپنے اس انتخاب نعت ''مدینے والے'' میں اپنی دیرینہ روایت کو برقرار رکھا ہے۔ اس میں بھی مقبول عام اور منتخب و معروف نعتوں کو شامل کیا گیا ہے۔ جتنی بھی نعتیں ہیں مشہور ترین ہیں۔ مؤلف نعت خواں ہیں۔ محافل کے رنگ ڈھنگ سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ہر انتخاب نعت میں عوام کی پسندیدہ نعتیں شامل کرتے ہیں۔ ''مدینے والے'' انتخاب نعت کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ان کا سب سے پہلا مرتب کردہ انتخاب نعت ہے۔

اپنے ایک خط محررہ 22 مئی 2010ء میں اپنے مرتب کردہ تین ایسے انتخابات کا بھی ذکر کیا ہے جو اب ندیم نیازی کے پاس بھی موجود نہیں۔ (1) نعت (منتخب نعتیں)۔ (2) نعت حبیب، (3) گلدستۂ نعت، یہ تینوں انتخاب نعت امتیاز پبلشرز اردو بازار لاہور کے شائع کردہ ہیں۔

کشکولِ عقیدت

مرتبین: خادمؔ اجمیری / ضامنؔ حسنی

1989ء

"کشکولِ عقیدت" خادمؔ اجمیری اور ضامنؔ حسنی کا مرتب کردہ نعتیہ انتخاب ہے۔ جس میں اردو اور سندھی نعتیں شامل ہیں۔ "بزمِ فروغِ ادب" سادات منزل نزد روپ محل ہیرا آباد حیدر آباد (سندھ) کے زیرِ اہتمام یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کا سالِ اشاعت اگست 1989ء ہے۔ 244 صفحات پر مشتمل یہ انتخاب نعت 16=23x36 کے سائز میں شائع ہوا۔ اس کا ہدیہ دعائے خیر ہے۔

اس کتاب کا انتساب سیّد ساجد علی حسنی مرحوم کے نام سے موسوم ہے۔ عزیز جے پوری نے "نعت کی آفاقیت" تحریر کی ہے۔ "ورفعنا لک ذکرک" کے حوالے سے سیّد قمرالزماں شاہ نے اپنے تاثرات رقم کیے ہیں۔ بزمِ فروغِ ادب کے نائب صدر سیّد ضامن حسنی نے "سخن ہائے گفتنی" کے عنوان سے لکھا ہے۔ بزمِ ہٰذا کے سیکرٹری مقبول شارب نے بھی "چند باتیں" کی ہیں۔ بزم کے چیئرمین مجلس عامہ طیب موہانی نے "نعت" کے عنوان سے گفتگو کی ہے۔ "ترتیب" کے عنوان سے شعرائے کرام کے ناموں کی فہرست شروع ہو جاتی ہے۔ جس کو مرتبین نے اپنے تئیں مقام و مرتبہ کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔

شعرائے حیدر آباد سندھ کی نعتوں پر مشتمل "کشکولِ عقیدت" کو بڑی دیدہ وری سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس انتخابِ نعت میں شعرائے کرام کے رنگِ کلام کو دیکھتے ہوئے مرتبین کے اعلیٰ شعری ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسے بجا طور پر حیدر آباد سے شائع ہونے والے منتخبات میں اولیت کا شرف حاصل رہے گا۔

اس انتخاب نعت میں مرد شعرا حضرات کے علاوہ خواتین شاعرات کی نعتیں بھی کتاب کی زینت ہیں۔ تمام تر حصہ غزل کی ہیئت میں کہی گئی نعتوں پر مشتمل ہے مگر کہیں کہیں آزاد نعتیہ شاعری اور نعتیہ قطعات پر بھی نظر پڑ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے مرتبین کا یہ عمل بھی موضوع کی مناسبت سے بہت بھلا لگا ہے۔

"کشکولِ عقیدت" میں شائع ہونے والی نعتیہ شاعری شعرائے حیدر آباد کی قادرالکلامی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بے پناہ محبت کی آئینہ دار ہے۔ شعرائے کرام نے مختلف جہات میں جو نعتیہ مضامین رقم کیے ہیں وہ اپنی انفرادی شان میں بہت واضح نظر آتے ہیں۔ اس شعری انتخاب میں وہ سب کچھ ہے جو ایک اچھا نعت کا قاری دیکھنا چاہتا ہے۔

اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ شعرائے حیدر آباد کی اعلیٰ نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرے تو اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ فی الفور ''کشکولِ عقیدت'' کو اپنے مطالعہ میں لائے۔ جوں جوں وہ مطالعہ کرتا جائے گا اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی کہ بلاشبہ وہ ایک معیاری اور عمدہ انتخاب نعت دیکھ رہا ہے۔ شعرائے حیدر آباد کی ان نعتوں کا مطالعہ یقیناً آنکھوں میں نور، دل میں سرور اور روح کو مسرور کرتا رہے گا۔

اتنے اہم اور اس قدر وقیع وارفع کام کرنے پر کتاب کے مرتبین خادمی اجمیری اور ضامن حسنی تہنیت وتبریک کے مستحق ہیں۔ خداوندِ کردگار اور اس کے نبی احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس احسن اور جمیل کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول ومقبول فرمائیں۔ اس کے مرتبین کو اپنی رحمتوں کے طفیل اجرِ مستقل سے نوازیں۔

سفینۂ نعت — انتخاب ومقدمہ: ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی — جنوری 1990ء

''سفینۂ نعت'' مسرور کیفی کے آٹھ نعتیہ مجموعہائے کلام کا انتخاب ہے۔ جسے ممتاز ماہر تعلیم، معروف ادیب ونقاد ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی نے اپنی فکر اور اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق ترتیب دیا تھا۔ مسرور کیفی کی نعت گوئی کے حوالے سے اس انتخاب نعت کو جداگانہ حیثیت حاصل ہے۔ مسرور کیفی کی نعت گوئی اور اس کے بطون میں تڑپنے والے جذبات ومحسوسات کو سمجھنے کے لیے ''سفینۂ نعت'' کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

''سفینۂ نعت'' ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی رشحاتِ فکر کا آئینہ دار ہے۔ مسرور کیفی اسے بھی اپنی حاضری کے لیے لے گئے تھے۔ یہ درحقیقت بارگاہ رسالت میں ان کی مسلسل حاضری کا تسلسل ہے۔

فلیپ کے دونوں جانب ان حضرات کی آراء موجود ہیں۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، احسان دانش، ڈاکٹر یونس حسنی، شاہ بلیغ الدین، بانو قدسیہ، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، مولانا کوثر نیازی، حفیظ تائب۔

''سفینۂ نعت'' کی اشاعت سے پہلے مسرور کیفی کے آٹھ نعتیہ مجموعہائے کلام زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے تھے۔ چراغ حرا۔ ملجاو ماوا۔ جمال حرم۔ مولائے کل۔ نور یزداں۔ میزاب رحمت۔ سیّد الکونین۔ سجدۂ حرف ان آٹھ مجموعہائے کلام میں سے بعض مکمل نعتیں، بعض کے چند اشعار منتخب کیے گئے ہیں۔ ''سفینۂ نعت'' کو آپ بجا طور سے ادبی انتخاب بھی کہہ سکتے ہیں۔

مسرور کیفی دوستوں کے دوست اور جس سے ملتے ٹوٹ کر ملتے تھے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

اور آپ کے گھرانے سے گہرے اور قریبی روابط تھے۔ جس کا اظہار سرور کیفی نے اپنے ہر نعتیہ مجموعہ کلام میں کیا ہے۔ ''سفینۂ نعت'' مرتبہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی بھی جواباً اسی قربت و تعلق کا مظہر ہے۔

زیر نظر انتخاب نعت ''سفینۂ نعت'' جسے عصر حاضر کے محقق و ادیب ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی نے ترتیب دیا ہے۔ جہاں تک سرور کیفی کے نعتیہ کلام کے انتخاب کی بات ہے۔ اس کا تو جواب نہیں مگر ڈاکٹر صاحب کا مقدمہ بڑے معرکہ کی چیز ہے۔ اگر کوئی سرور کیفی کی نعتیہ شاعری اور سرور کیفی کے اندر چھپے ہوئے شاعر کو جاننا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ انتخاب و مقدمہ راہ نما ثابت ہوگا۔ ایک تو سرور کیفی کی نعتیہ شاعری کا اخلاص بارگاہ رسالت میں اور دوسرے یہ کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی جادو اثر، ادبی چاشنی سے پُر اور قلب و روح کو متاثر کرنے والی تحریر نے اس میں ایسا رنگ بھر دیا ہے کہ یہ ''سفینۂ نعت'' قلب و نظر کا سکون و قرار بن گیا ہے۔

اس نعت کے سفینے میں فاضل مرتب کے علاوہ محمد شمیم اور بلقیس شاہین بھی شامل ہیں کہ جن کی تحریریں بھی اس میں تابناکی کا سبب ہیں۔

ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی اپنے مقدمہ میں رقم طراز ہیں کہ ''اردو کتابوں میں پرنٹ لائن مشکل سے ملتی ہے۔ سرور کیفی سال کے ساتھ ساتھ مہینے کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ یہ محض ماہ و سال کی بات نہیں، یہ عشق محمدی کی تقویم بھی ہے، جو شمسی اور قمری دونوں نظاموں کے پیمانوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔''

ڈاکٹر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''ہدیہ دہی'' بیس روپے اس بات کو میں نے بار بار یوں دُہرایا کہ شاید نعتیہ مجموعوں کی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی قیمتیں طے کرنے والوں کو کچھ خیال آئے۔ یہ ہدیہ تو جلد اور سرورق کے صرفہ کے لیے بھی مشکل ہی سے کافی ہوگا۔

''سفینۂ نعت'' کو ادارۂ فروغ ادب کندن اسٹریٹ کراچی۔ 2 نے اپنے روایتی انداز سے بڑھ کر شائع کیا ہے۔ 16=23x36 کے سائز میں یہ کتاب جنوری 1990ء میں شائع ہوئی۔ 240 صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ہدیہ =/45 روپے ہے۔ جو کہ کتاب کی نفاست اور خوب صورتی کے لحاظ سے بہت کم ہے۔

صفحہ آخر پر سرور کیفی کی آٹھ نعتیہ کتب کا اشتہار موجود ہے۔ سرور کیفی کے ہر نعتیہ مجموعۂ کلام کی پشت پر ان کی شائع شدہ کتب کے اشتہار چار رنگوں میں دیدہ زیب طریقے سے دیے جاتے تھے۔

واضح رہے کہ جب یہ تحریر شائع ہوئی تو اس وقت یہ دونوں صاحبان ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی (1932ء۔2008ء) اور سرور کیفی (1928ء۔2003ء) بقید حیات تھے۔ بعض جگہ میری تحریر میں جملے ان کی موجودگی کے نظر آئیں تو مجھے معاف کر دیجیے گا، کیوں کہ زیادہ تر تحریریں ان تمام اشخاص و حضرات کی موجودگی میں لکی گئی تھیں جواب ہمارے درمیان موجود نہیں۔ (مرتب)

ناشر: تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) کراچی قادری ہاؤس B-33-620 کورنگی نمبر ڈھائی کراچی، 74900

سرور کیفی 28 فروری 1928ء۔ انتقال جمعرات 30 جنوری 2003ء۔ بحوالہ: سال اشاعت مارچ 2004ء دنیائے نعت کراچی مرتب عزیز الدین خاکی،

سرور کیفی کی نعتیہ خدمات اور نعتیہ ادب کی زندہ تحریک شہزاد احمد صفحہ 215

کشفی صاحب 12 مارچ 1932ء۔ انتقال 15 مئی 2008ء۔ مدفون کراچی۔ بحوالہ: نعت نگر کا باسی مرتب صبیح رحمانی سرورق کی پشت پر تصویر کے ساتھ تاریخ پیدائش اور تاریخ وصال درج ہے۔ سال اشاعت 2008ء کے ذریعے عمل میں آیا ہے۔ اس کے ناشر اقلیم نعت کراچی ہیں جب کہ اس کا اہتمام نعت ریسرچ سینٹر کراچی کے زیرِ نگرانی عمل میں آیا ہے۔

بہارِ نعت مرتب: حفیظ تائب 1990ء

"بہارِ نعت" زندہ پاکستانی شعرا کی متنوع نعتوں کا ایک بے مثال انتخاب ہے۔ جسے پاکستان کے انتہائی محترم اور دنیائے نعت کے معروف نعت گو حفیظ تائب نے مرتب کیا ہے۔

حفیظ تائب کا اصل نام عبدالحفیظ ہے۔ (ان کے والد حاجی چراغ دین قادری ہیں) حفیظ تائب 14 جنوری 1931ء کو احمد نگر گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے واپڈا میں ملازمت کی، پھر پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں لیکچرار ہے۔

حفیظ تائب دبستان نعت میں ایک بلند پایہ نعت گو، بالغ نظر مبصر اور محقق کے حوالے سے معروف ہیں۔ نعت گوئی کے تدریجی ارتقاء اور نعت کے تحقیقی خدوخال پر ان کے بے شمار مضامین نعت گو شعراء کی کتب میں موجود ہیں۔ ان مطبوعہ مضامین میں حفیظ تائب نے نعت کے مختلف مدارج کے علاوہ نعتیہ کتب کے بارے میں بھی کافی معلومات فراہم کی ہیں۔ نعت کے موضوع پر شائع ہونے والا ان کا ہر مضمون نئی نئی جہات کو متعارف کرواتا ہے۔ نعت گوئی کے فروغ میں حفیظ تائب نے کافی خدمات انجام دی ہیں جسے ہر دور میں یاد رکھا جائے گا۔

حفیظ تائب کی متعدد تصنیف و تالیف زیور طباعت سے ہمکنار ہو چکی ہیں۔ رسائل و جرائد میں مختلف مضامین نعت اس کے علاوہ ہیں۔ ان کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ کلام "صلوا علیہ وآلہ 1978ء میں شائع ہو چکا ہے۔ 16=23x36 کے سائز میں یہ کتاب 136 صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے سیرت مشن پاکستان لاہور نے شائع کیا تھا۔

وسلموا تسلیماً کے نام سے دوسرا مجموعہ کلام 1990ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ ان کی پنجابی نعتوں کا مجموعہ کلام بھی "سک متراں دی" کے نام سے طبع شدہ ہے۔

"بہار نعت" میں 193 شعرا کی نعتیں شامل ہیں۔ اس میں نعت نگار کی ترتیب بلحاظ حروف تہجی کے رکھی گئی ہے۔ یہ مجموعہ نعت دور حاضر کے ہر رنگ اور ہر عمر کے شعراء کے جذبات کا عکاس ہے۔ اس میں معروف شعرا کے علاوہ غیر معروف شعراء کو بھی شامل کیا ہے۔

کتاب کے مرتب حفیظ تائبؔ کی فکر جدت پسند نے یہاں پر جولانی دکھائی ہے کہ جہاں انھوں نے "بہار نعت" میں پابند موضوع نعتیہ منظومات کو شامل کیا ہے وہیں پر انھوں نے ہائیکو، آزاد نعتیہ نظمیں اور طویل نعتیہ نظموں کے اقتباسات سے بھی "بہار نعت" کی بہار میں اضافہ کیا ہے۔ بلاشبہ "بہار نعت" کو عصر حاضر کا ایک اہم مثالی نعتیہ انتخاب کہا جا سکتا ہے۔

مئی 1990ء میں پاکستان رائٹر گلڈ پنجاب لاہور نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا تھا۔ اس کی قیمت =/90 روپے ہے۔ اس کے کل صفحات کی تعداد 208 ہے۔ اس کا سائز 16=23x36 ہے۔

حفیظ تائبؔ نے آفاق احمد کی آزاد نعت "بہار جاں" سے اس کتاب کا آغاز کیا ہے اور اپنے نعتیہ انتخاب کو اس نعت پر تمام کیا ہے۔

جس طرح ملتے ہیں لب نام محمد کے سبب
کاش ہم مل جائیں سب نام محمد کے سبب
جبر کے پنجے میں جکڑے جاں بلب انسان کو
آ گیا جینے کا ڈھب نام محمد کے سبب
بوذر و سلمان ہوں یا مصعب و عثمان ہوں
ایک ہیں پرواز سب نام محمد کے سبب
(یعقوب پرواز)

کشف العرفان　　مرتب: ڈاکٹر نور محمد ربانی سلامی　　۱۴۱۱ھ 1991ء

''کشف العرفان'' عمدہ نعتوں کا ایک حسین اور دلآویز نعتیہ انتخاب ہے۔ جس کے مؤلف ڈاکٹر نور محمد ربانی سلامی ہیں۔ ایلیٹ پبلیشرز لمیٹڈ کراچی نے اس کو شائع کیا ہے۔ احقر کے مطالعہ میں اس وقت اس کی اشاعت دوم ہے جسے ۱۴۱۱ھ/1991ء میں شائع کیا گیا۔

''کشف العرفان'' کی خوبی یہ ہے کہ یہ مکمل مجموعہ نعت اعلیٰ کوالٹی کے آرٹ پیپر پر طبع ہوا ہے۔ اس کے ہر صفحہ کے گرد خوبصورت حاشیہ ہے۔ اس کتاب کے لیے اگر یہ کہہ دیا جائے تو قطعی مبالغہ نہ ہوگا کہ اب تک شائع ہونے والے تمام قابل ذکر نعتیہ منتخبات میں سب سے زیادہ مہنگا اور سب سے زیادہ حسین شائع ہوا ہے۔

16=23x36 کے سائز میں یہ کتاب 328 صفحات کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی ابتداء مکتوب نبوی کے ایک عکس سے کی گئی ہے۔ یہ مکتوب بنام منذر بن ساوی عربی رسم الخط میں تحریر ہے۔ اس کا علاحدہ سے عربی متن بھی دیا گیا ہے اور اس کا اردو زبان میں ترجمہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد معروف خوش نویس نور احمد کی خطاطی میں شیخ سعدی کی رباعی موجود ہے۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل عناوین کے تحت منظومات کو ترتیب دیا گیا ہے۔ عربی حمد اور نعتیں، فارسی حمد اور نعتیں، نعتیں و مقالات، رباعیات، اردو حمد اور نعت گوشاعرات اور غیر مسلم اردو نعت گو شعراوغیرہ

اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں عربی و فارسی نعتوں کے اشعار کو اردو کے جامہ سے سجایا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے عربی و فارسی کے نفس مضمون کو سمجھنے میں سہولت ہوگئی ہے۔ کتاب اس قدر حسین چھاپی ہے کہ نظریں نہیں ٹھہرتی ہیں۔ یہ کتاب عام بازار میں دستیاب نہیں۔ غالباً یہ مفت تقسیم ہوئی ہے۔

''کشف العرفان'' میں نعتوں سے پہلے روح کتاب، دعا، صلوٰۃ تنجینا اور درود تاج بھی شامل ہیں۔ صفحۂ آخر پر خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ کی شان میں، علامہ اقبال کی ایک فارسی منقبت بمعہ اردو ترجمہ کے موجود ہے۔

خزینۂ نعت　　مرتب: خان اختر ندیم نقشبندی　　ستمبر 1992ء

خان اختر ندیم شعبہ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہونے کی وجہ سے متفرق جہات میں اپنے

قلمی جوہر دکھاتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر اصلاحی و مفید مضامین اور تقریباً 100 سے زائد بچوں کے لیے کہانیاں لکھیں۔ نعت گوئی وراثت میں ملی ہے۔ اس کی جانب میلان ہونا فطری امر تھا۔ ابتدا میں چھوٹے چھوٹے مجموعے ترتیب دیے۔ قلمی و فکری جوہر کھلتے رہے۔ مطبوعہ کاوشوں کی تعارفی ترتیب ملاحظہ کیجیے:

"خزینۂ نعت" کے نام سے 1992ء میں خان اختر ندیم نے ایک نعتیہ انتخاب ترتیب دیا جسے بزمِ سرکارِ دوعالم ﷺ حیدر آباد (سندھ) نے شائع کیا تھا۔ یہ انتخابِ نعت اپنی نوعیت کا منفرد و اہم انتخاب تھا۔ جسے بہت محنت اور لگن سے شائع کیا گیا ہے۔ مدیرِ اعلیٰ عکس نو حیدر آباد سیّد انور احمد نے اس کا پیش لفظ تحریر کیا جب کہ مولانا عبدالشکور چشتی نظامی کمبل پوش کی رائے بھی کتاب کی زینت ہے۔ اس کتاب کی غرض و غایت خان اختر ندیم کی تحریر کردہ ہے۔

جیبی سائز "خزینۂ نعت" 64 صفحات پر مشتمل اور اس کا ہدیہ =/5 روپے ہے۔ اس میں مولانا غلام رسول قادری فقیر کی ایک حمد باری تعالیٰ جب کہ معروف نعت گو شعرا کی 45 نعتیں شامل ہیں چار سلام بدرگاہِ خیر الانام ﷺ میں پیش کیے گئے ہیں۔

"خزینۂ نعت و مناقب" کا بھی سالِ اشاعت ستمبر 1992ء ہے۔ اس کے تین ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ جب کہ میرے پیش نظر اس وقت طبع سوم ایڈیشن ہے۔ خان اختر ندیم اس کے مرتب ہیں۔ انجمن عاشقانِ مدحت مصطفیٰ حیدر آباد سندھ نے اس جیبی سائز انتخاب کو شائع کیا ہے۔ 64 صفحات پر مشتمل اس انتخاب کی نذرِ عقیدت =/10 روپے ہے۔ ایک حمد اور 48 شعرائے کرام کی نعتیں 5 مناقب اور 2 صلوٰۃ و سلام بارگاہِ خیر الانام اس میں شامل ہیں۔ "خزینۂ نعت و مناقب" کو بہت توجہ اور لگن کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

"خزینۂ نعت و مناقب" کا ابتدائیہ خان اختر ندیم نے تحریر کیا ہے۔ حضرت علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری سربراہ جماعت اہل سنت پاکستان اور الحاج گلشن الٰہی فریدی کے تاثرات بھی شامل ہیں۔

نعتِ کائنات — مرتب: راجا رشید محمود — اکتوبر 1993ء

"نعت کائنات" ہر صنف سخن سے بہترین نعتوں کا معیاری انتخاب ہے جس کے مرتب شعبۂ نعت کے مخلص اور پُرانے خدمت گزار راجا رشید محمود ہیں۔ جنگ پبلشرز، لاہور نے اکتوبر 1993ء میں اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا تھا۔ 20x30=8 کے سائز میں یہ انتخاب نعت

816 صفحات پر مشتمل ہے۔

جنگ پبلشرز لاہور نے اس کتاب کو انتہائی عقیدت کے ساتھ خوب صورت رنگوں کی کہکشاں سے سجایا ہے۔ ادارے نے ''نعت کائنات'' کو دیدہ زیب بنانے میں اپنی اعلیٰ اور فنی روایات کو برقرار رکھا ہے۔ کتاب کا معنوی اور صوری حسن دونوں لائق تعریف ہیں۔

راجا رشید محمود نے کتاب کا انتساب ''اس لمحے کے نام جس نے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نعت سے منسوب کردیا'' حسب حال ہے۔ بلاشبہ مرتب کا اوڑھنا بچھونا نعت اور فروغ نعت ہے۔

''نعت کائنات'' میں شامل جواہر پاروں کی فہرست پہ یک نظر ملاحظہ کیجیے:

مقدمہ، حواشی و تعلیقات، حمد، نعتیہ غزلیں، نعتیہ نظمیں، نعتیہ آزاد نظمیں، نعتیہ قصائد، نعتیہ مسدس، نعتیہ مخمس، نعتیہ مثنوی، نعتیہ قطعات، نعتیہ رُباعیات، نعتیہ مستزاد، نعتیہ مثلث، نعتیہ ہائیکو، ماخذ و مراجع۔ یہ 16 دل لبھانے والے عنوانات شعبۂ نعت پر محیط ہیں۔

''مقدمہ'' نعت کائنات ہی ایک علاحدہ کتاب ہے جس میں نعت کی ابتدا، نعت کا ارتقا درجہ بدرجہ بیان کیا گیا ہے۔ تحریر کی ندرت، لفظوں کی جامعیت اور تحقیق کی لطافت قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کرلیتی ہے۔ راجا رشید محمود شعبۂ نعت کے پُرانے اور منجھے ہوئے قلم کار ہیں۔ اس مقدمہ میں انھوں نے اپنی تمام خداداد صلاحیتوں کا برملا اظہار کیا ہے۔ اس معلوماتی مقالے کو علاحدہ سے کتابی شکل میں شائع ہونا چاہیے۔

''حواشی و تعلیقات'' بھی معلومات کا خزینہ ہیں۔ حواشی و تعلیقات کی بوقلمونی دیکھ کر راجا رشید محمود کی وسعت نظری کا احساس ہوتا ہے کہ موصوف نے نعتیہ خدمت گزار کی حیثیت سے اپنی تمام ذمہ داریوں کو احسن طور پر انجام دیا ہے۔ حواشی کے علاوہ آپ کے تحریر کردہ تعلیقات بھی گنج گراں مایہ ہی نہیں بلکہ گنج شائگاں ہیں۔

''نعت کائنات'' کا حسن ترتیب اتنا دل کش اور دل رُبا ہے کہ شعبۂ نعت کی ہر معلومات قاری کے دل میں راسخ ہوجاتی ہے۔ ''نعت کائنات'' شعبۂ نعت کا مثالی اور نمائندہ انتخاب نعت ہے۔ جس کے ذریعے ہم بجاطور پر شعبۂ نعت سے واقف ہوسکتے ہیں۔ اگر آپ کو کسی خوب صورت، دیدہ زیب، معیاری اور مثالی انتخابِ نعت کی تلاش ہے تو ایسی صورت میں ''نعت کائنات'' کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ ''نعت کائنات'' بلاشبہ اسم با مسمّٰی ہے۔ آپ کی نعت لائبریری اس کے بغیر نامکمل ہے اگر آپ کے پاس کوئی نعت لائبریری نہیں ہے۔ اور ''نعت کائنات'' آپ کے پاس موجود ہے تو

سمجھ لیں آپ اپنے پاس ایک مکمل نعتیہ لائبریری رکھتے ہیں۔

"نعت کائنات" میں راجا رشید محمود نے جن نعتیہ تبرکات کو شامل کیا ہے وہ سب کے سب اردو کے نعتیہ ادب میں اہمیت کے حامل ہیں۔ نعتیہ غزلیں، نعتیہ نظمیں، غرض یہ کہ سب ہی حسنِ انتخاب کے زمرے میں شامل ہیں۔ اس کے آئندہ ایڈیشن میں تصحیح خوانی پر بھی توجہ دی جائے۔ بعض جگہ تصحیح خوانی کی غلطیاں طبیعت پر بار گزرتی ہیں۔

"نعت کائنات" کی خصوصیات چند صفحات میں بیان نہیں ہوسکتیں بلکہ اس کی خصوصیات اور اس کے مندرجات کو واضح کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت برقرار ہے۔ یہ مختصر اور اجمالی تحریر اس کی خوبیوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ "نعت کائنات" ہی نہیں راجا رشید محمود کا ہر کام شعبۂ نعت میں مثالی ہوتا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ راجا رشید محمود پوری کائنات کو یوں ہی نعت کائنات سے سجاتے رہیں۔ "نعت کائنات" اردو کے نعتیہ ادب میں ایک گراں قدر اور قیمتی تاریخی نعتیہ دستاویز ہے جسے ہمیشہ سرفرازی حاصل رہے گی۔ اس سے استفادہ آنے والے محقق کی مجبوری ہوگی۔

ہر صنفِ سخن کی مناسبت سے یہ ایک بہترین اور عمدہ نعتیہ انتخاب ہے۔ جس میں ہر "صنفِ سخن" کے رنگ جلوہ ریز ہے۔ یہ صرف ایک انتخاب نہیں بلکہ نعتیہ ادب کے حوالے سے ایک تاریخی انتخاب ہے۔ اس میں نعت رسول کا ہر رنگ اور ہر اسلوب موجود ہے۔ اس انتخاب کو قدماء اور عصر حاضر کے نعت گو شعرا کی کاوشوں سے روشنی بخشی گئی ہے۔ یہ ایک بہت اہم اور معیاری انتخاب ہے۔ جس میں طباعت سے لے کر نفس مضمون تک ہر کاوش کو خوش رنگ اور خوش آہنگ بنایا گیا ہے۔ اس کے مرتب راجا رشید محمود ہیں۔ نعت کائنات جنگ پبلشرز لاہور نے اپنے روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بہت خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ اس کی قیمت =/500 روپے ہے۔

ایوانِ نعت — مرتب: سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی — دسمبر 1993ء

دبستانِ کراچی کی فروغِ نعت میں خدمات کے جائزے اور زندہ شعرا کی نعتوں پر مشتمل نعتیہ انتخاب جواں سال نعت گو صبیح رحمانی کا مرتب کردہ اہم انتخاب ہے۔ ایوانِ نعت میں غزل، نظم، رباعی، ہائیکو اور آزاد نعتیہ نظمیں بھی موجود ہیں۔ حیدرآباد، ملتان، سرگودھا اور لاہور سے بھی اس نوعیت کے انتخاب شائع ہو چکے ہیں۔

شعبۂ نعت میں ہمیشہ سے کلیدی حیثیت اُن اہم اور مقبولِ عام "نعتیہ منتخبات" کو حاصل رہی ہے۔ جنھیں تلاش و تحقیق کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

نعتیہ انتخاب کو ترتیب دیتے وقت اگر عوام الناس کی پسند اور اُن کے مزاج کا خیال رکھا جائے تو وہی ''نعتیہ منتخبات'' قبولیت عامہ کی سند حاصل کرتے ہیں۔ وگرنہ فی زمانہ بہت سے ایسے انتخاب موجود ہیں جو زبان زدِ خلائق نہیں بلکہ طاقِ نسیاں کے باب میں اضافے کا سبب بن چکے ہیں۔

کسی بھی انتخاب کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ہر انتخاب، مرتب کرنے والے کی فکر، مطالعہ، مزاج اور مذاقِ شعری کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس میں اُس کی پسند اور وہ کیفیات جو کتاب کو مدوّن کرتے وقت مرتب پر طاری ہوتی ہیں اُس کی بھرپور عکاسی مرتب کردہ کتاب میں موجود ہوتی ہے۔

صبیح رحمانی وقت شناس انسان ہیں، انھوں نے وقت کی رفتار اور ہوا کا رُخ دیکھ کر ایوانِ نعت ترتیب دیا ہے۔ انھوں نے اس انتخابِ نعت کو مرتب کرتے وقت بھی اپنی جداگانہ انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔

روایتی اور یکساں نوعیت کے بے شمار انتخاب آئے دن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان ''منتخبات'' میں سوائے یکسانیت کے کوئی خاص پہلو ایسا نہیں ہوتا کہ جس کا ذکر کیا جائے، اس سے استفادہ کیا جائے اور اسے یاد رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے انتخاب بس انتخاب ہی ہوتے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر کوئی تحریک بیدار نہیں ہو پاتی ہے۔

صبیح رحمانی کا مرتب کردہ ''ایوانِ نعت'' ایک تحریک بھی ہے اور ایک تحریک کا آغاز بھی۔ ''ایوانِ نعت'' کو کراچی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے نقشِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ نقشِ اوّل اتنا ہمہ جہت ہے کہ اس میں بے شمار پہلو نقشِ ثانی کے آشکارا ہیں۔

''ایوانِ نعت'' صرف ایک نعتیہ انتخاب ہی نہیں بلکہ یہ دبستانِ کراچی کی جانب سے ایک عمدہ مثال اور ایک مستند حوالہ بھی ہے۔ جسے ہم بجا طور سے ایک نمائندہ انتخاب کہہ سکتے ہیں۔

''ایوانِ نعت'' صبیح رحمانی کے مرتب کردہ نعتیہ انتخاب کا نام ہے۔ ''ایوانِ نعت'' کی اصطلاح کا آغاز سب سے پہلے کراچی سے ہوا۔ جسے قمرالدین احمد انجم نے اپنی کتاب ''حسنت جمیع خصالہ'' میں ایک عظیم نعتیہ منصوبے کے تحت شائع کیا تھا۔ پھر یہ اصطلاح پورے پاکستان میں پھیل گئی۔ بہت سے حضرات ایوانِ نعت بنائے بیٹھے ہیں۔ اب ایک بار پھر صبیح رحمانی نے ''ایوانِ نعت'' کی اصطلاح کو ایسا بروقت و برمحل استعمال کیا ہے کہ حقیقتاً ''ایوانِ نعت'' سجا دیا ہے۔ اس اصطلاح کا یہ نیا آہنگ بھی خوب ہے۔

''ایوانِ نعت'' دسمبر 1993ء میں شائع ہوا۔ اسے ممتاز پبلشرز، 20۔ نوشین سینٹر اردو بازار کراچی نے پورے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس کی قیمت =/60 روپے ہے، اس کے کل صفحات 196 ہیں اور سائز 16=23x36 ہے۔

اس نعتیہ انتخاب میں (زندہ شعرا، مشروط) ہونے کے باوجود 140 شعرائے کرام کا نعتیہ کلام موجود ہے جس میں تمام مشہور قادرالکلام نعت گو شعرا کے علاوہ ایسے غیر معروف شعرا بھی شامل ہیں جن کی نعتوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آنے والے وقت میں یہ شعرا بھی مستند و معروف کہلانے کے حق دار ٹھہریں گے۔ ان 140 شعرائے کرام میں سے اب 5 شعرا انتقال کر چکے ہیں جن میں اسماعیل انیس، جمیل نظر، حشمت یوسفی، سکندر لکھنوی اور پروفیسر منظور حسین شور شامل ہیں۔ شعرائے کرام کی ترتیب بلحاظِ حروف تہجی رکھی گئی ہے۔ اس میں 9 خواتین کی نعتیں بھی شامل ہیں۔

''بابِ ایوانِ نعت'' کے عنوان سے مرتب نے دبستانِ کراچی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے چند معروضات پیش کیے ہیں۔ یہ چند معروضات کل 11 صفحات پر محیط ہیں جو کہ موضوع کی مناسبت سے ناکافی ہیں۔ اس کے باوجود مرتب نے کوشش کی ہے کہ اس موضوع کو سمیٹ کر اس کا اجمالی جائزہ پیش کر دیا جائے۔ جس میں وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔ ''کراچی کی نعتیہ شاعری'' موضوع اتنا اہم، دلچسپ اور بلیغ ہے کہ اس پر کما حقہٗ از سرِ نو کام کی اشد ضرورت ہے۔ ''ایوانِ نعت'' کے مرتب نے اس جانب صرف توجہ دلائی ہے۔ اب دیکھیے یہ سعادت کس کے نصیب ہوتی ہے کہ وہ اسے اپنا موضوع بنا کر اس کام کو مجتمع کرنے کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔ یہ موضوع جتنا اہم اور دلچسپ ہے بلکہ اُس سے کہیں زیادہ وقت طلب بھی ہے کیوں کہ یہاں پر شعبۂ نعت میں سب سے زیادہ کام ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا۔ بس ضرورت ہے اس کو یکجا کرنے کی۔

صبیح رحمانی کی فعالیت پسند طبیعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ایک پنتھ میں کئی کاج کرنے کے ماہر ہیں۔ ہم پہلے یہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ انفرادی نوعیت کا حامل نعتیہ انتخاب ہے جس میں محدود اور مشروط رہتے ہوئے صبیح رحمانی کو اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھانا تھے۔ اس میں یقیناً وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔ اگر وہ صرف ''ایوانِ نعت'' میں نعتوں کا انتخاب ہی کر دیتے تو یہ بھی ایک بہت بڑا کام تھا، مگر ان کی بے چین اور کبھی نہ مطمئن ہونے والی طبیعت نے دو موضوعات (کراچی کی نعتیہ شاعری تازہ کاری کے حوالے سے اور کراچی کے صاحب کتاب نعت گو) ایسے بھی چھیڑ دیے ہیں جو بذاتِ خود علاحدہ علاحدہ باب کی حیثیت رکھتے ہیں اور توجہ کے مستحق بھی ہیں۔ اب آپ ہماری

بات کا وزن بخوبی محسوس کرسکتے ہیں کہ صبیح رحمانی کی سرشت میں کئی کاج کرنے کا جذبہ کس قدر کارفرما رہتا ہے۔

''دبستانِ کراچی کے صاحبِ کتاب نعت گو'' اس عنوان کے تحت صبیح رحمانی نے 196 شعرا کی 272 نعتیہ کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ نعتیہ کتب کی یہ فہرست بھی یقیناً ایک اضافہ ہے۔ مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ صبیح رحمانی شعرا کی ان کتب کے ساتھ ساتھ اُن کا سالِ اشاعت بھی درج کردیتے تاکہ یہ فہرست شعبۂ نعت پر کام کرنے والوں کے لیے معاون و مفید ثابت ہوتی۔ فہرست کو بہت زیادہ چھوٹے خط میں شائع کیا گیا ہے جس کی وجہ سے فہرست کا حسن ماند پڑ گیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کی افادیت اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

''ایوانِ نعت'' سرکارِ دوعالم ﷺ کے حضور ایسا نذرانۂ عقیدت و محبت ہے جس میں ہر حوالے سے معیاری، عمدہ اور مشہور نعتیں شامل ہیں۔ موضوع اتنا اہم اور وسیع تر ہے کہ کراچی کے تمام قابلِ ذکر اور مشہور و معروف (زندہ) شعرا کو جمع کرنے کے باوجود اب بھی کچھ شعرائے کرام اس میں باقی رہ گئے ہیں۔

جہانِ نعت کا کینوس اتنا وسیع، اتنا متنوع اور اتنا ہمہ جہت ہے کہ کسی بھی نعتیہ انتخاب کو ''مکمل'' نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تو علاقائی سطح پر ترتیب پانے والا ایک نعتیہ انتخاب ہے جو ''نعتیہ انتخاب'' اور ''نعت نمبر'' ملکی اور بین الاقوامی سطح پر شائع ہوچکے ہیں۔ انھیں بھی ''مکمل'' ہونے کا اعزاز حاصل نہیں۔

صبیح رحمانی اس سے پہلے اپنا نعتیہ مجموعہ کلام ماہِ طیبہ/ 1989ء کے نام سے شائع کرچکے ہیں۔ انھوں نے 1993ء میں دو ایسے مثالی اور یادگار نعتیہ کام کر دکھائے ہیں کہ اب وہ اگر کچھ نہ بھی کریں تو یہ دونوں کام اُن کی ساری زندگی کے لیے کافی ہیں۔ اوّلاً ''ایوانِ نعت'' جس کی اجمالی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں، ثانیاً ''جادۂ رحمت'' /1993ء جو ان کے حالیہ نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ ''جادۂ رحمت'' کے مطالعہ سے صبیح رحمانی کی ہر دل عزیزی اور ان کی فنِ نعت گوئی سے قوی وابستگی کا اظہار ہویدا ہے۔

صبیح رحمانی نے ''ایوانِ نعت'' کی تیاری میں بڑے کٹھن اور صبر آزما لمحات گزارے ہیں۔ تب کہیں جا کر یہ نعتیہ انتخاب کتابی صورت میں شائع ہوسکا ہے۔ ''ایوانِ نعت'' کے مطالعہ کے بعد ہی اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بہت عرصہ بعد ایسے نعتیہ انتخاب شائع ہوتے ہیں جنھیں یاد بھی رکھا جاتا ہے اور ان سے کماحقہٗ استفادہ بھی ممکن ہوتا ہے۔

ایوانِ نعت 1993ء کے بعد صبیح رحمانی نے ''جمالِ مصطفیٰ'' کے نام سے (فرید پبلشرز کراچی) ایک انتخاب ترتیب دیا تھا۔ 192 صفحات کا یہ انتخابِ نعت 20x30=16 کے سائز میں ہے۔ اس پر سالِ اشاعت درج نہیں۔

اس کے علاوہ بھی صبیح رحمانی نے کئی انتخابِ نعت مختلف ناموں سے ترتیب دیے۔ یہ تمام انتخابِ نعت 52، 52 صفحات پر مشتمل 20x30=16 کے سائز میں شائع ہوئے۔ ان تمام پر بھی سن ندارد ہے۔ میں یہاں ان منتخباتِ نعتیہ کے صرف نام درج کر رہا ہوں۔ بلغ العلیٰ بکمالہ، تیرے در کا فقیر ہوں، حسنت جمیع خصالہ، خوشبوئے گلستانِ محمد، سب سے اعلیٰ ہمارا نبی، سلطان مدینہ والے، صلوا علیہ و آلہ، عقیدت کے پھول، کشف الدجیٰ بجمالہ، لحد میں آئیں گے سرکار یہ دسوں انتخابِ نعت مکتبہ ممتاز، اردو بازار کراچی سے شائع ہوئے۔ ایک انتخابِ نعت ''کوئے مصطفیٰ'' کے نام سے کنگ پبلشرز کراچی نے بھی شائع کیا تھا۔

صبیح رحمانی برسوں پہلے سے ایک ''عالمی انتخابِ نعت'' ترتیب دینے کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کی بے پناہ مصروفیات آڑے آجاتی ہیں۔ وگرنہ یہ کام نہ جانے کب کا ہو چکا ہوتا۔ اب بھی مجھے یقین ہے کہ اگر وہ اس عالمی انتخابِ نعت کی جانب اپنی توجہ مرکوز کردیں تو یقیناً دنیائے نعت میں ایک قیمتی اور لازوال انتخابِ نعت سامنے آسکتا ہے۔ صبیح رحمانی وہ خوش نصیب ہیں کہ جن کا رابطہ دنیا بھر کے نعتیہ لوگوں سے ہے۔ وہ سب کے رابطے میں ہیں اور سب اُن کے رابطے میں ہیں۔ میں دعاگو ہوں کہ بہت جلد ان کی توجہ اب اس عظیم وضخیم کام کی جانب بھی مبذول ہوجائے تاکہ ایک معیاری انتخابِ نعت جلوہ گر ہوسکے۔

واضح رہے کہ صبیح رحمانی کے مرتب کردہ ابتدائی انتخابِ نعت میں زیادہ تر عمل دخل پبلشرز حضرات کا شامل تھا۔ پبلشرز حضرات کتاب پر سالِ اشاعت اس لیے درج نہیں کرتے کہ ان کی چھاپی ہوئی کتاب ایک سال گزر جانے کے بعد پُرانی کتب میں شامل ہوجائے گی۔ اصولاً تمام پبلشرز حضرات کو سالِ اشاعت ضرور درج کرنا چاہیے تاکہ ان کے ادارے کی کتابیں بھی حوالوں میں شامل ہوسکیں۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مرتب: محمد صادق قصوری 1993ء

(ماہ نامہ نعت لاہور)

ماہ نامہ ''نعت'' لاہور راجا رشید محمود کی ادارت میں بڑی آب وتاب کے ساتھ لاہور سے

شائع ہوتا ہے۔ جنوری 1988ء سے اس ماہ نامہ کا آغاز ہوا۔ اپنی پہلی اشاعت سے آج تک ماہ نامہ ''نعت'' لاہور پابندی کے ساتھ اپنے ابتدائی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے نعتیہ ادب میں عظیم سرمایہ کا اضافہ کر رہا ہے۔ راجا رشید محمود کے روز و شب کا آئینہ دار ماہ نامہ ''نعت'' لاہور ہے۔ اس کا ہر شمارہ خاص شمارہ ہوتا ہے۔ اس ماہ نامہ کے حوالے سے راجا رشید محمود کی عظیم تر نعتیہ خدمات کو ہمیشہ سراہا جاتا رہے گا۔

''یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) یہ محمد صادق قصوری کا مرتب کردہ انتخاب نعت ہے۔ جو ماہ نامہ ''نعت'' لاہور کے شمارہ نمبر 11۔ نومبر 1993ء میں شائع ہوا ہے۔ محمد صادق قصوری نے موضوع ''یارسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے نئے استغاثوں کا اضافہ کیا ہے۔ ''یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) کی ردیف میں کہی جانے والی نعتوں کے اس انتخاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ مرتب نے جہاں سے جس نعت کو لیا ہے استغاثہ کے آخر میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس مرتب کردہ ''یارسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتخاب کی اہمیت بھی مسلم ہو چکی ہے۔ اس حوالے سے بہت سی گزشتہ چیزوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے بلکہ اس حوالے سے کچھ نئی چیزیں سامنے آ جاتی ہیں جس کی وجہ سے معلومات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہتا ہے۔ محمد صادق قصوری ایک سلیقہ مند اور منجھے ہوئے تذکرہ نگار ہیں۔ وہ تذکرہ نگاری کی نزاکتوں سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے مرتب کردہ تذکرے حوالے اور معلومات کا خزینہ ہوتے ہیں۔

''یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) کا مرتب کردہ نعتیہ انتخاب ہر زاویہ نگاہ سے قابلِ قدر ہے۔ اس کے مرتب محمد صادق قصوری کی یہ کاوش جہان حمد و نعت میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

ماہ نامہ ''نعت'' لاہور کے ایڈیٹر راجا رشید محمود نے ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ ''اغثنی یارسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جو نعتیں شائع ہو چکی تھیں اس کے علاوہ دوسری بات یہ بھی ہے کہ انھوں نے کچھ ایسے کلام بھی نکال دیے جو ان کی نظر میں شعری معائب کے حامل تھے۔ بہر حال یہ ان کی ادارتی ذمہ داری ہے۔ ایک ایڈیٹر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق مواد شائع کرے۔

محمد صادق قصوری کے مرتب کردہ نعتیہ انتخاب ''یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) کی ترتیب میں راجا رشید محمود نے ایک نمایاں کام یہ کیا ہے کہ مرتب کی نعتوں کے علاوہ انھوں نے 47 شعرائے کرام کی مزید نعتیں بھی اس میں شامل کر دی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ انتخاب نعت مزید

اہمیت کا حامل ہوگیا ہے۔ میری ذاتی خواہش ہے کہ یہ انتخاب نعت کتابی صورت میں شائع ہوجائے تاکہ ایک زمانہ اس سے فیض یاب ہوسکے کیوں کہ ہر حوالے سے یہ کام اہم اور قابل قدر ہے۔

نذرانۂ اشک مرتب: غزالہ عارف کابلی 1995ء

غزالہ عارف کابلی مبارک باد کی مستحق ہیں کہ انھوں نے بالکل ایک نئے انداز سے ادیب رائے پوری کے کلام سے ایسے اشعار کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق آنکھوں سے ہے اور آنکھوں کا تعلق آنسوؤں سے ہے اور آنسوؤں کا تعلق دلِ تپیدہ سے ہے اور دلِ تپیدہ کا تعلق روح کی پاکیزگی سے ہے۔

سیّد حسین علی ادیبؔ رائے پوری عصر حاضر کے نعت گویوں میں ایک قدآور نام ہے۔ ادیب رائے پوری ہمہ وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کے عادی تھے۔ ان کے پاس تحریک تھی، جذبہ تھا، زورِ قلم تھا اور چشمِ نم تھی۔

یہ مختلف جہات ہیں۔ اس میں ہر جہت اپنا علاحدہ تشخص رکھتی ہے۔ یہ سب جہات مختلف ضرور ہیں مگر ان سب کا رخ ایک مرکز ومحور کی جانب مرکوز ہے۔ وہ مرکز ومحور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

ادیبؔ رائے پوری قافلہ نعت گوشعراء میں ''اس قدم کے نشاں'' تصویر کمالِ محبت اور ''نذرانۂ اشک'' 1995ء کے حوالے سے معروف ہیں۔

ادیب رائے پوری ایک محققِ نعت کی حیثیت سے بھی نمایاں خدمات انجام دے رہے تھے۔ مدارج النعت اور مشکوٰۃ النعت تحقیق وخدمات کا ایک زریں حوالہ ہیں۔

ادیبؔ رائے پوری کی نعتیہ خدمات کے سلسلے میں صرف یہ حوالے کافی ہیں۔ پاکستان نعت کونسل اور پاکستان نعت اکیڈمی کا قیام، پہلی عالمی نعت کانفرنس کراچی، دوسری عالمی کانفرنس لندن، تیسری علاقائی نعت کانفرنس ویسٹ انڈیز، سب سے پہلی کل پاکستان گولڈ میڈل نعتیہ کانفرنس کراچی۔ پہلی عالمی سلور جوبلی ایوارڈز کراچی کی اہم اور اپنی نوعیت کی سب سے پہلی تقریب۔ ایک چھت کے نیچے شعبۂ نعت کی ایسی قابل قدر اور معروف شخصیات اب کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ اعزاز صرف ادیبؔ رائے پوری مرحوم کو حاصل تھا۔ دنیا میں سب سے زیادہ نعت کے موضوع پر کام کرنے والے دعوے دار بھی اس سعادت عظمٰی سے محروم ہیں۔

''نذرانہ اشک'' ۱۲ ربیع الاوّل شریف ۱۴۱۶ھ بمطابق 10 راگست 1995ء کو پاکستان نعت اکیڈمی کے مرکزی دفتر A-837، بلاک H شمالی ناظم آباد کراچی سے شائع کی گئی ہے۔ اس کی قیمت دعائے خیر اور درود شریف ہے۔

''نذرانہ اشک'' 64 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ''نذرانہ اشک'' نعت بھی ہے۔ خدمات بھی ہیں اور ان میں نعتیہ کلام کے اشارے بھی موجود ہیں۔ جنھیں عوام و خواص میں بہت شہرت حاصل ہے۔ آئندہ ہونے والے کام درود تاج کی پہلی تفسیر کا حوالہ بھی حرزِ جاں ہے۔ پاکستان نعت اکیڈمی کی شعبہ خواتین کے قیام کا اعلان بھی تقویت کا باعث ہے۔

تابش دہلوی، راغب مراد آبادی، حنیف اسعدی، عزیز (صابری) احسن، صبیح رحمانی اور غیور احمد غیور کے گراں قدر تاثرات بھی نفسِ مضمون کو طمانیت بخش رہے ہیں۔

انتخابِ نعت (13 ضخیم جلدیں) **مرتب: عبدالغفور قمر** اوّل دسمبر 1995ء

13 ضخیم جلدوں میں یہ خوب صورت انتخاب شائع ہوا ہے۔

عبدالغفور قمر نے ''انتخابِ نعت'' کے عنوان سے 13 ضخیم جلدوں میں نعتیہ انتخاب مرتب کیا ہے۔ دنیائے نعت کا یہ سب سے بڑا انتخاب ہے۔ آج تک یہ سعادت کسی اور کے حصے میں نہیں آئی کہ اُس نے اتنا ضخیم، خوب صورت اور قابلِ ذکر انتخابِ نعت ترتیب دیا ہو۔

عبدالغفور قمر ہم تمام کے شکریہ کے مستحق ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ انھیں بارگاہِ رسالت مآب سے جو سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے۔ وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آسکی۔ سب سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ انتخابِ نعت عبدالغفور قمر کی شبانہ روز کی محنت کا آئینہ دار ہے۔

''انتخابِ نعت'' کا سرورق انتہائی دیدہ زیب اور خوب صورت ہے۔ گنبدِ خضریٰ کا دل نشین عکس اور خوب صورت پس منظر، حسین رنگوں کا امتزاج سرورق کی دل کشی اور جاذب نظری میں اضافے کا سبب ہیں۔ ایک جانب ''انتخابِ نعت'' کا عنوان اور دوسری جانب مرتب عبدالغفور قمر کا نام موجود ہے۔

یہ خوب صورت ''انتخابِ نعت'' کھولتے ہی اندر استر پر شہرِ محبت یعنی مدینہ طیبہ کا دل کش نظارا اور حسین بام و در کی منظر کشی اس انتخاب سے اور قریب تر کر رہی ہے۔

''انتخابِ نعت'' کے ملنے کا پتا۔ ڈاکٹر توحید قمر، EE-19 فیز 4۔ ایل سی ایچ ایس لاہور کینٹ، فون 5723522 ہے۔

عبدالغفور قمر نے جو انتساب بارگاہِ رسالت مآب کے حضور پیش کیا ہے وہ دیدنی سے متعلق ہے۔ اس خوب صورت انتساب کے الفاظ پڑھ کر آپ بھی اپنے ایمان کو جلا بخشیے۔ ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ انتخاب نعت آپ کی ذات بابرکت سے انتساب کرتا ہوں۔ اگر چہ خوب جانتا ہوں کہ اس کی مثال روایتی بڑھیا کی اس سوت کی اَٹی کی سی ہے جو اس کے عوض یوسف علیہ السلام کو خریدنے کی خواہش لے کر آئی تھی۔''

''انتخابِ نعت'' کی ایک مجلد اور خوب صورت جلد کا ہدیہ یوں تو تین سو روپے رکھا گیا ہے مگر یہ امر باعث تقویت ہے کہ اس کی جملہ جلدوں سے ہونے والی آمدنی کو کتاب کے مؤلف عبدالغفور قمر نے اپنے آبائی گاؤں کے قدیم مدرسہ و مسجد کے لیے وقف کر دیا ہے۔ جب کہ اس ''انتخابِ نعت'' کے جملہ حقوق ''بحق عبدالغفور قمر ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) محفوظ کر دیے گئے ہیں۔ الحمدللہ! یوں یہ لامتناہی سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

خوب صورت دو رنگہ ''انتخابِ نعت'' جاذبِ نظر اور پُرکشش ہے۔ ابتدائی 32 صفحات خوب صورت عکس کے ساتھ سیاہ الفاظ میں تحریر کے ساتھ موجود ہیں۔ جب کہ حمد باری تعالیٰ کے لیے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے نیلے جاذبِ نظر گرد پوش کے ساتھ اور ہر حمد کے شروع میں بیت اللہ شریف کا چھوٹا سا عکس ایک نئی حمد کی علامت کا پتا دیتا ہے۔ ہر نعت کا آغاز مدینہ طیبہ کے گنبد کے عکس سے ہوتا ہے۔

حصہ اوّل ایڈیشن اوّل دسمبر 1995ء حمد باری تعالیٰ، نعتِ رسول، سلام 432

حصہ دوم دسمبر 1995ء حمدِ باری تعالیٰ، نعت، مدینہ منورہ، سلام، قطعات و رباعیات، سیرتِ اطہر، مدینہ منورہ، کیفیاتِ حضوری، بارگاہِ نبوت سے رخصت، حصہ فارسی 448

حصہ سوم ایڈیشن اوّل دسمبر 1997 ایڈیشن دوم جولائی 2000ء حمد باری تعالیٰ، نعت 406

حصہ چہارم دسمبر 1997ء حمد باری تعالیٰ، نعت، متفرقات متفرقات 456

حصہ پنجم مارچ 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 504

حصہ ششم مئی 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 592

حصہ ہفتم جون 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 440

حصہ ہشتم جولائی 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 408

حصہ نہم جولائی 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 544

حصہ دہم اگست 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 600

حصہ گیارھواں اگست 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 560

حصہ بارھواں ستمبر 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 528

حصہ تیرھواں اکتوبر 1998ء حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول متفرقات 568

خوشبو سے آسماں تک　　مرتبین: اختر لکھنوی، قمر وارثی　　1995ء

"خوشبو سے آسماں تک" 256 صفحات پر مشتمل ایک خوب صورت ردیفی نعتیہ انتخاب ہے۔ جسے دبستان وارثیہ کراچی نے اپنی سابقہ خوب صورت روایات کے ساتھ 1995ء میں شائع کیا ہے۔ اس کے مرتبین میں قمر وارثی اور اختر لکھنوی کے نام شامل ہیں۔

"دبستان وارثیہ کراچی" نعت گو شاعر قمر وارثی کی شبانہ روز کی محنت شاقہ سے جگمگا رہا ہے۔ اس ادارہ کا دائرہ کار اپنے محدود وسائل کے باوجود وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کی جانب سے نعتیہ ادب میں کئی خوب صورت اور گراں قدر اضافے سامنے آچکے ہیں۔ "خوشبو سے آسماں تک" یہ اس ادارے کی سب سے پہلی کاوش ہے جسے ایسے پر پرواز ملے کہ اب تک اس سلسلے کے 16 عدد انتخابِ نعت شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انھی ردیفوں میں حمدیہ خوشبو کو بھی یک جائی کے حسن سے ہم کنار کیا گیا ہے۔ حمدوں کے بھی ردیفی انتخاب اب تک 3 عدد شائع ہو چکے ہیں۔ نعت کے سائے میں قمر وارثی وہ پہلے خوش نصیب ہیں کہ جن کی تحریک پر شعرائے کرام نے اسی ردیف میں حمدیں کہنا بھی شروع کر دیں۔ حمدیہ ادب کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ اس کی دیکھا دیکھی لوگوں نے حمدیہ مشاعرے کا انعقاد شروع کر دیا۔

"دبستانِ وارثیہ" نے نعت کے سائے میں اور قمر وارثی کی نگرانی میں نعتیہ ادب پر وہ دُور رس اثرات مرتب کیے ہیں کہ اب پاکستان بھر میں حمد و نعت کے مشاعرے اور تحریکی کام روز افزوں ہیں۔

"خوشبو سے آسماں تک" جنوری 1994ء سے دسمبر 1994ء تک ہونے والے ان مشاعروں کی روداد ہے جو بارہ ردیفوں کے حوالے سے منعقد ہو چکے ہیں۔

ان مشاعروں کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شعرائے کرام کو "مصرعِ طرح" کے بجائے۔ "ردیف" دے دی جاتی ہے۔ شعرا اپنی سہولت کے پیش نظر بحر اور قافیہ کا انتخاب خود کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض شعرا نے مثالی اور فکری نعتیں تخلیق کی ہیں۔ جو فکر و فن اور عقیدت و محبت

کے جذبات سے مملو ہیں۔

اس کتاب میں کل بارہ ردیفیں شامل ہیں۔ اس کام یعنی پہلے مشاعرہ اور اس کا آغاز "خوشبو" سے ہوا۔ دامن، روشن، تلاش، چراغ، کرن، طواف، مہک، اجالے خوشبو کے سفر، اثاثہ اور لگن سے ہوتا ہوا آسماں تک جا پہنچا ہے۔

قمر وارثی نے اس نئی طرح کے ساتھ ایک اور طرح ڈالی ہے۔ وہ یہ کہ جو بھی شاعران بارہ مشاعروں میں شریک ہوا ہے اس کے مختصر کوائف ضروری معلومات اور تصویر کے ساتھ شائع کر دیے ہیں۔ ان کے اس تحریکی اقدام نے اس انتخاب میں اور زیادہ رنگ بھر دیے ہیں۔

ان مشاعروں میں کل 26 شعراء شریک ہوئے ان کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیے:

استاد رشید انجم، قاری حبیب اللہ حبیب، راقم رحمانی جونپوری، قمر وارثی، مظہر اعظمی، محب لکھنوی، عابد سلطانی برہانپوری، اختر سعیدی، صبیح رحمانی، امتیاز احمد راہی، ڈاکٹر مبارک بقاپوری، محمد علی گوہر، عزیز الدین عزیز معینی، رشید خان رشید، طاہر سلطانی، شوکت قادری، سیّد علی عباس نظر، ظفر بھوپالی۔

"خوشبو سے آسماں تک" کے بعد قمر وارثی نے تنِ تنہا یہ سارے ردیفی انتخابِ نعت ترتیب دیے ہیں۔ جلوے حیات آراستہ، آب و تابِ رنگ و نور، جمال اندر جمال، مہکا مہکا حرف حرف، روشن گلیاں جھل مل کوچے، کرم عطا شرف نصیب، وابستگی، رفعتیں، منزل آگہی، تجلیاں، آپ سراپا نور، کیف آفریں تابانیاں، شگفتہ ہی شگفتہ، سرمایۂ روحانیت، مقدس نکہتیں۔ 16 عدد ردیفی نعتیہ انتخاب شائع ہو چکے ہیں۔ جب کہ 3 عدد حمد یہ انتخاب بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مالکِ ارض و سما، ربِّ خیر البشر اور قادر و قیوم ذات، میں بھی انھیں ردیفوں میں شعرائے کرام نے حمدوں کی سعادت حاصل کی۔ قمر وارثی شعبۂ نعت کو ہر سال ایک خوب صورت ردیفی نعتیہ انتخاب دیتے ہیں۔ نیا ردیفی انتخابِ نعت تیاری کے مراحل سے دوچار ہے۔ قمر وارثی کی یہ سالانہ ریاضتِ نعت اور پانچ سالہ ریاضتِ حمد یوں ہی پروان چڑھتی رہے۔

بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول کا — مرتب: ریاض احمد صابری — 1995ء

یہ ایک نعتیہ انتخاب ہے جسے ممتاز نعت خواں ریاض احمد صابری نے مرتب کیا ہے۔ اس انتخابِ نعت کو بڑے سائز 8=20x30 میں چھاپا گیا ہے۔ اس کے ناشر فرید پبلشرز۔ 9۔ نوشین سینٹر

نیو اردو بازار کراچی ہیں۔ کتاب کی قیمت =/130 روپے ہے۔ اس انتخاب میں مرتب کی دلچسپی اور ذوق وشوق عیاں ہے۔

''بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول کا'' انتساب مرتب نے اپنے پیرو مرشد محمد عبداللہ شاہ چشتی صابری امروہوی کے نام منسوب کیا ہے۔ ''عرضِ مرتب'' ریاض احمد صابری، ''بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول کا'' محمد عادل صابری، ''تاثرات'' سید وسیم الدین ''ایک چمن گل'' ڈاکٹر ابوالخیر کشفی مرحوم کا تحریر کردہ ہے۔ بلاشبہ یہ ایک خوب صورت اور پسندیدہ انتخابِ نعت ہے۔

اس انتخابِ نعت کے مرتب ریاض احمد صابری ایک ممتاز نعت خواں ہیں۔ انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق اور عوام الناس کے شوق کو مدِ نظر رکھ کر اس انتخابِ نعت کو ترتیب دیا ہے۔ ''بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول کا'' ایک مقبولِ عام نعتیہ انتخاب ہے۔ جس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ریاض احمد صابری شعبۂ نعت میں گراں قدر خدمات کے جذبہ سے سرشار تھے۔ ابتدائی ملاقاتوں میں اس کا اکثر اظہار ہوتا تھا۔ اس انتخاب نعت کی ترتیب کے بعد وہ ایسے غائب ہیں کہ اب ان کی شکل بھی دھندلا چکی ہے۔ خدا کرے کہ وہ مع الخیر ہوں۔ وہ اکثر یاد آتے ہیں۔

الہادیٔ منیر　　　　مرتب: خواجہ احمد مستقیم　　　　1997ء

عصر حاضر کو کفر والحاد، فتنہ وفساد، بے راہ روی، نفسانفسی اور مادہ پرستی سے دور رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم، سیدِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق کو مضبوط تر بنایا جائے۔

رحمتِ عالم سے تعلق جتنا مضبوط ومستحکم ہوگا اتنا ہی اس زمانے میں ہمیں چین وسکون نصیب ہوگا۔ یہ ایک ایسا جامع کلیہ ہے کہ جس کی کسوٹی پر ہر شخص اپنے تعلق خاطر کو پرکھ سکتا ہے۔ اس میں اصلاحِ احوال کے ساتھ ساتھ اصلاحِ امت کا راز بھی پوشیدہ ہے۔

آج کا نوجوان انتہائی خوش قسمت ہے کہ اس نے اپنی توجہ کا مرکز ومحور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کی جانب کیا ہوا ہے۔ ایسے ہی خوش نصیب اور سعادت مند نوجوانوں میں ایک نام ''خواجہ احمد مستقیم'' کا بھی ہے۔ جنھوں نے اپنے قلبی تعلق خاطر کو ظاہر کرنے کے لیے یہ راہ اپنائی ہے۔

''الہادیٔ منیر'' کے مرتب خواجہ احمد مستقیم نے مجموعہ حمد ونعت وسلام کو انتہائی سلیقہ سے ترتیب دیا ہے۔ اس کا سالِ اشاعت ندارد ہے۔ 144 صفحات پر مشتمل یہ انتخابِ نعت پی۔ ایم۔ سی انڈسٹریز ایف-137 سینٹرل ایونیو SITE کراچی پاکستان 75730 سے شائع ہوا۔

''الہادی منیر'' کا دوسرا ایڈیشن اور زیادہ خوب صورت انداز میں طبع ہوا ہے۔ پاکستان کی سلیقہ مندی سے مرتب کا ذوق وشوق نمایاں ہے۔ مرتب کے والد خواجہ منیر احمد سہروردی نے اپنے تاثرات میں تاریخ 3 دسمبر 1997ء درج کی ہے۔ جسے ایک حوالہ سے درست مانا جاسکتا ہے کیوں کہ اس کتاب کی طباعت اسی دوران میرے سامنے ہوئی ہے۔ (مرتب)

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مرتب: مولانا محمد یعقوب خان قادری 1997ء

''یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے نام سے مولانا محمد یعقوب خان قادری نے بھی ایک جیبی سائز انتخاب ترتیب دیا ہے۔ اس انتخاب نعت میں تمام نعتیں ''یارسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ردیف میں موجود ہیں۔ اس کا ہدیہ آٹھ روپے ہے۔ 27 مارچ 1997ء میں اسے ضیاء الدین پبلی کیشنز کھارادر کراچی نے شائع کیا ہے۔ اس کے صفحات 64 ہیں۔

''یارسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں 28 شعرائے کرام کے 42 کلام نعتیہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ردیف میں موجود ہیں۔ جیبی سائز کے حوالے سے یہ ایک کام کی چیز ہے۔ ہجر مدینہ اور والی مدینہ، یہ دونوں جیبی سائز انتخاب نعت ہیں۔ اس کے مرتب بھی مولانا محمد یعقوب خان قادری ہیں۔

نمدیدہ نمدیدہ مرتب: ملک امید علی بہلم جولائی 1998ء

''نمدیدہ نمدیدہ'' /1998ء ملک امید علی بہلم کی پہلی نعتیہ کاوش تھی۔ دنیائے نعت میں امید علی بہلم کا تعارف درحقیقت اسی کتاب کو مرتب کرنے سے ہوا ہے۔ ان کا مرتب کردہ یہ پہلا انتخاب دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ بہلم صاحب موصوف ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک ہیں۔ کام کرنے اور کام لینے کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں۔ اپنے متعلقین کو بھی تحریک دیتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے قلیل عرصے میں آپ کے مرتب کردہ تین عدد انتخاب نعت دنیائے نعت میں جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ امید علی بہلم اپنے متحرک کام کی وجہ سے ہر سمت سے داد و تحسین سمیٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انتخابِ نعت ''نمدیدہ نمدیدہ'' کا سالِ اشاعت جولائی 1998ء ہے۔ اس کا ہدیہ =/85 روپے ہے، صفحات کی تعداد 128 ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مشہور و معروف نعتوں کے علاوہ حیدرآباد شہر کے نعت خواں اور نعت اناؤنسرز کے پتے اور فون نمبر بھی

دیے گئے ہیں۔ فروغِ نعت خوانی میں یہ عمل مستحسن تصور ہوتا ہے۔ ایسے کاموں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

''نمدیدہ نمدیدہ'' کی اشاعت کا سہرا انجمن فروغِ نعت پاکستان حیدرآباد کے سر ہے۔ اسے جی 280 پاکستانی چوک پھلیلی روڈ حیدرآباد سے شائع کیا گیا ہے۔

گل چیدہ مرتب: ملک امید علی بہلم 1999ء

''گل چیدہ/ 1999ء: اُمید علی بہلم شعبۂ نعت کے ادا شناس اور سخن فہم انسان ہیں۔ ہمہ وقت نعت خوانی اور نعت گوئی کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ آپ کے روز و شب ترقی و ترویج نعت سے عبارت ہیں۔

''گل چیدہ'' کی اشاعت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امید علی بہلم کبھی نہ جھکنے اور کبھی نہ رُکنے والی ''شاہراہِ نعت'' پر گامزن ہو چکے ہیں۔ اس راہ پر گامزن ہونے والے راہی کو توانائی و قوت مرکزِ انوار و تجلیات صاحب لولاک ﷺ سے ہمہ وقت حاصل ہوتی ہے۔

اُمید علی بہلم اسی توانائی و قوت کے سہارے اپنے تعلقات اور اپنے معمولات کو فروغ نعت خوانی کے لیے احسن طریقے سے بروئے کار لاتے ہوئے یہ تمام کام کر جاتے ہیں۔ لوگ جس کام کے لیے برسوں سوچتے ہیں امید علی بہلم وہ کام چند دنوں میں کر لیتے ہیں۔ بہلم صاحب سے میرا تعلق بھی ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ان کے تمام کاموں میں بنیادی عنصر ''اخلاص'' کارفرما ہے۔ جس کی وجہ سے بہلم صاحب کے تمام کاموں کو پر پرواز فوراً مل جاتی ہے۔ پزیرائی و تحسین کا یہ سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔

''گل چیدہ'' ملک امید علی بہلم کا مرتب کردہ دوسرا انتخابِ نعت ہے۔ اس انتخاب نعت میں عربی، اردو اور سندھی شعرا کے کلام نعتیہ کو شامل کیا گیا ہے۔

''گل چیدہ'' کے مرتب ملک امید علی بہلم انجمن فروغ نعت پاکستان حیدرآباد کے صدر ہیں۔ اس کتاب کو انھوں نے اپنی رہائش گاہ واقع جی۔280 پاکستانی چوک پھلیلی روڈ حیدرآباد (سندھ) سے شائع کیا ہے۔ 16=23x36 کے سائز میں 112 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ جولائی 1999ء میں حیدرآباد (سندھ) سے شائع ہوئی۔

عقیدت کا سفر مرتب: حمایت علی شاعر 1999ء
(سات سو سالہ نعتیہ شاعری کا انتخاب)

نعت نمبروں کی روایت میں ''صریر خامہ'' نعت نمبر 1978ء کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

حمایت علی شاعر نے ’’اردو کی سات سو سالہ نعتیہ شاعری‘‘ کا انتخاب ترتیب دینے کے علاوہ شائقین نعت اور طلبہ کے لیے نعت گو شعرائے کرام کا مختصر احوال بھی درج کیا ہے۔ ’’صریر خامہ‘‘ کے نعت نمبر کا یہ سب سے وقیع حصہ جو 126 صفحات پر مشتمل تھا، اردو نعتیہ ادب کے ابتدائی مطالعات میں یہ تخلیقی جائزہ اور تحقیقی و تدریجی انتخاب بے پناہ اہمیت کا حامل ہے۔

اس انتخاب و جائزہ کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ یہ اس دور میں شائع ہوا کہ جب شعبہ نعت میں اس طور پر کام نہ ہونے کے برابر تھے۔ حمایت علی شاعر ہم تمام کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس اہم نعتیہ شاعری کے انتخاب کو علاحدہ سے بھی کتابی شکل میں مزید اضافوں کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔

عقیدت کا سفر سات سو سالہ نعتیہ شاعری کا خوب صورت اور جامع انتخاب ہے۔ اس کی تحقیق و تالیف کا شرف حمایت علی شاعر کو حاصل ہے۔ عقیدت و محبت کا یہ سفر حصہ اوّل پر مشتمل ہے۔ واضح رہے کہ ’’عقیدت کا سفر‘‘ پاکستان ٹیلی وژن سے بھی اقساط کی صورت میں ٹیلی کاسٹ ہوتا رہا۔ حمایت علی شاعر کی تحقیق اور گفتگو کے انداز کو بے حد پسند کیا گیا۔

کتاب کا انتساب ’’مولوی عبدالغفور صاحب‘‘ کے نام معنون کیا ہے۔ ’’حرف ادب‘‘ اوج کمال اور ’’حرف جستجو‘‘ حمایت علی شاعر نے تحریر کیا ہے۔

سیّد محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو پہلا نعت گو قرار دیا ہے۔ ۷۲۱ھ ۸۲۵ھ سال وفات کے حوالے سے اسے اردو کی پہلی نعت کہا ہے۔ اس انتخاب نعت میں 112 شاعر ہیں۔ اس میں تین خواتین شاعرات اختر محل بیگم اختر، بیگم کیفی اور سعیدہ مظہر عروج کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

اس انتخاب نعت کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سندھ کے قدیم و جدید شعرا کی نعتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ شعرائے سندھ میں شامل سچل سرمست، میر غلام علی مائل، مرزا فتح علی بیگ فتح، اللہ داد خاں لغاری، صوفی سیّد غلام محمد شاہ گدا ہر نعت گو کے لیے دو صفحات آمنے سامنے مختص کیے گئے ہیں۔ پہلا صفحہ شاعر کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے جب کہ اس کے دوسرے سامنے والے صفحے پر اس کی نعت کے منتخب اشعار موجود ہیں۔

شعرا کے حالات زندگی و خدمات کے سلسلے میں کسی مخصوص طریقہ تعارف کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ جہاں سے جو بھی معلومات شاعر کے بارے میں مرتب کو ملی ہیں اسے ہی دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کسی تحقیق اور تذکرے والے تعارف کو نہیں اپنایا گیا ہے۔ معلومات بہت مختصر ہونے کے باوجود

جامع طریقے سے دی گئی ہیں شاعر کے کسی بھی نمایاں وصف کا ذکر بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے۔

یہ کتاب دنیائے ادب کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے۔ اے سی۔ بی۔ 45۔الفلاح سوسائٹی شاہ فیصل کالونی کراچی 75230 سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

حبیبی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)　مرتب: عزیزالدین خاکی　1999ء

نعتیہ ادب میں یادگار خدمات انجام دینے والوں میں ایک نمایاں نام عزیزالدین خاکی القادری کا بھی شامل ہے۔ عزیزالدین خاکی وہ خوش نصیب نوجوان ہیں جو ہمہ وقت نعت خوانی، نعت گوئی اور نعت فہمی کے جذبے سے سرشار رہتے ہیں۔ بزرگوں اور بڑوں کا احترام کرنے والے عزیزالدین خاکی ''با ادب با نصیب'' کے حوالے سے اپنی زندگی کے روز و شب گزارتے ہیں۔ ان کی اس بانصیبی نے انھیں ہر دل عزیز اور دل میں گھر کر دینے والا بنا دیا ہے۔

عزیزالدین خاکی ہر کام کو اللہ ربّ العزت کی خوشنودی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی عطاء کا فیضان سمجھتے ہیں۔ اسی جذبے سے سرشار ہو کر وہ ہر کام کی بنیاد رکھتے ہیں۔ بڑے سے بڑا اور مشکل ترین کام بھی ان کے لیے آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ جہاں لوگوں کے لیے دروازے بند ہوتے ہیں وہاں خاکی کے لیے در وا ہوتے جاتے ہیں۔ اتنی کم عمری میں اور اس جذبۂ صادق کے ساتھ ایسی مثال آپ کو مشکل نظر آئے گی۔

عزیزالدین خاکی کا مرتب کردہ ''حبیبی یارسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس موضوع پر اب تک شائع ہونے والے کاموں میں سب سے زیادہ ضخیم اور وقیع کام ہے۔ عزیزالدین خاکی نے اس کام کے سلسلے میں گزشتہ کاموں سے استفادہ ضرور کیا ہے مگر ان کی مستقل لگن اور محنت نے ایسے لوگوں سے بھی اس پابند موضوع پر نعتیں کہلوالیں جو اس مزاج کے نہیں اور نہ ہی اس موضوع سے مطابقت رکھتے ہیں۔

عزیزالدین خاکی نے اس انتخاب کو مرتب کرنے میں جو صبر آزما لمحات گزارے ہیں۔ اس کیفیت و تکلیف کو وہ لوگ بخوبی محسوس کر سکتے ہیں جو انتخاب کرنے کی اس پابند راہِ پُرخطر سے گزرتے ہیں۔ عزیزالدین خاکی نے شعرائے کرام کو سینکڑوں خطوط لکھے۔ اکثر شعرا نے حوصلہ افزائی کی اور زیادہ تر حضرات نے تو جواب دینا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ حمد و نعت کا ایک عام انتخاب مرتب کرنا آسان ہے مگر اتنی پابندیوں کے ساتھ کوئی انتخاب سامنے آئے تو محسوس ہوتا ہے کہ کسی نے کوئی کام کیا ہے اور نعتیہ ادب میں کوئی کام سامنے آیا ہے۔

خاکی نے اس انتخاب کو مرتب کرنے میں عربی کا نعتیہ ادب، فارسی کا نعتیہ ادب اور اردو کے نعتیہ ادب کا مطالعہ کیا اور اپنے موضوع سے متعلق مواد جمع کرتے رہے۔

"حبیبی یارسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) 16 = 36 x 23 کے سائز میں 304 صفحات پر مشتمل ہے۔ جسے بہت اہتمام وعقیدت کے ساتھ 1999ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب و تحقیق دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ مرتب نے اسے بہت عرق ریزی اور جانکاہی سے مدون کیا ہے۔ "حبیبی یارسول اللہ" کو تنظیم استحکامِ نعت (ٹرسٹ) قادری ہاؤس 620-B/33 کورنگی ڈھائی کراچی نمبر 31 (فون۔ 0300237828) سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

رنگِ رضا مرتب: محمد صدیق اسماعیل 1999ء

صدیق اسماعیل، صاحبِ طرز نعت خواں ہیں۔ ان کا شمار صف اوّل کے نعت خوانوں میں ہوتا ہے۔ فروغِ نعت کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے صدیق اسماعیل کو "تمغۂ حسن کارکردگی" سے بھی نوازا ہے۔ وطن عزیز کے مقبول ترین نعت خواں ہیں۔ جنھیں ہر طبقے میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی اور محافلِ نعت کے حلقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ انھیں نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی ذکرِ رسولِ کریم ﷺ کو عام کرنے کا شرف حاصل ہے۔

صدیق اسماعیل نعت خوانی کے فروغ کے علاوہ انتہائی سنجیدگی اور مؤثر طریقے سے نعت فہمی کو بھی عام کر رہے ہیں جس کا واضح ثبوت ان کا مرتب کردہ پہلا انتخابِ نعت "انوارِ حرمین" 1984ء ہے جسے نعت خوانی کے حلقوں میں بہت پزیرائی حاصل ہے۔ اس انتخابِ نعت کی اہمیت اس لیے بھی مسلّم ہے کہ اسے ایک ایسے معروف اور مقبول نعت خواں نے ترتیب دیا ہے جو محافل کے حوالے سے لوگوں کا مزاج آشنا، کلام کی مقبولیت و پسندیدگی سے خوب واقف ہے۔ "انوارِ حرمین" میں وہ تمام نعتیں شامل ہیں جو صدیق اسماعیل کی پہچان اور شناخت ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اہم کام یہ کیا ہے کہ اس کتاب میں وہ تمام حمدیں، نعتیں اور سلام بدرگاہِ خیرالانام جمع کردیے ہیں جو نعت خوانی کے حلقوں میں بہت مقبول و معروف ہیں۔ ہر حوالے سے یہ نمائندہ انتخابِ نعت ہے۔ اب تک "انوارِ حرمین" کے تین ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوچکے ہیں۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی تکلف محسوس نہیں ہورہا ہے کہ یہ انتخابِ نعت صرف خواص کے حلقوں میں محدود رہا۔ عوام تک اس کی خاطر خواہ رسائی نہ ہوسکی۔ صدیق اسماعیل "انوارِ حرمین" کا عوامی ایڈیشن ضرور شائع کریں جو عوام الناس کی دسترس میں ہو تو پھر اس انتخابِ نعت کی صحیح قدر و قیمت کا انھیں اندازہ ہوسکے گا۔

''رنگِ رضا'' صدیق اسماعیل کی نئی کاوش ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ شعبۂ نعت میں یقیناً معرکۃ الآرا کام ہے جسے برسوں یاد رکھا جائے گا۔ صدیق اسماعیل نے اس انفرادی نوعیت کے حسین انتخاب کو بہت خوب صورتی سے سجایا ہے۔ ''رنگِ رضا'' میں خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے چھ شعرائے کرام کی نعتوں کے منتخب اشعار شامل ہیں۔ یہ وہ تمام معروف حضرات ہیں کہ جن کی نعتوں کی دھوم ہمیں اپنے اطراف میں اکثر سنائی دیتی ہے۔ ان میں سے دو قابلِ قدر نام تو ایسے ہیں کہ جن کی نعتوں کی شہرت سے ہر کس و ناکس واقف ہے۔ اوّلاً اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اور ثانیاً مولانا حسن رضا خان بریلوی۔ ہر دو حضرات کے علاوہ باقی حضرات ایسے ہیں کہ جن کی نعتیں کبھی کبھی اور کسی خا محفل میں سماعت گوش ہوتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام، کام اور کلام سے لوگ ناواقف ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ''رنگِ رضا'' میں آپ کے نعتیہ کلام کے بھی منتخب اشعار خصوصیت سے شامل ہیں۔

صدیق اسماعیل کے اس منفرد اور یادگار کام کا سب سے زیادہ توانا پہلو یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسا اچھوتا اور یگانہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ جسے ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اس تاریخی کام کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ماشاء اللہ چھ بزرگوں کا نعتیہ کلام اور ان کی خدمات کے حوالے سے سب کا مختصر مگر جامع تعارف بھی شامل ہے۔ اس نہج پر کسی نے سوچا بھی نہیں تھا اور نہ اس نوعیت کا کوئی کام اب تک ہمارے سامنے آیا ہے۔

''رنگِ رضا'' کے اس کام کو دیکھ کر یہ اندازا بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ دو معروف و مقتدر شخصیات کے علاوہ دیگر حضرات کے کلام نعتیہ کو بھی ان شاء اللہ یاد رکھا جائے گا۔ اس انتخابِ نعت میں چھ شخصیات شامل ہیں ان کے چھ عدد نعتیہ مجموعہائے کلام ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف اداروں سے اشاعت پزیر ہوئے۔ عام حضرات کی دسترس میں یہ کتابیں نہیں ہیں۔ صدیق اسماعیل نے ان سب کو یک جا کر کے دنیائے نعت میں ایک مثالی اور یادگار روایت کو زندہ کیا ہے۔ اجتماعی طور سے نعت گو شعرائے کرام کو یکجا کرنے کی یہ روایت ان شاء اللہ پسندیدہ قرار پائے گی۔

''رنگِ رضا'' کی ترتیب و تدوین میں جن مستند کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل و ترتیب ایک نظر میں ملاحظہ کیجیے:

''حدائقِ بخشش'' اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی:

''حدائقِ بخشش کا فنی و عروضی جائزہ'' ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی رکن الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور و ریڈر طبیہ کالج (دہلی یونی ورسٹی) قرول باغ نئی دہلی (بھارت) کی تصحیح و تقدیم سے آراستہ ہے جسے رضا اکیڈمی بمبئی (بھارت) سے بہت اہتمام و خوب صورتی کے ساتھ یکم جولائی 1997ء میں شائع کیا ہے۔ ''حدائقِ بخشش'' کے اب تک شائع ہونے والے تمام نسخوں میں اسے سب سے زیادہ مستند تسلیم کیا گیا ہے۔

''ذوقِ نعت'' حضرت مولانا حسن رضا خاں بریلوی:

''ذوقِ نعت'' مولانا حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ دیوان ہے جسے مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ کراچی نے شائع کیا ہے۔ سالِ اشاعت ندارد ہے۔ اس نعتیہ دیوان میں وہ جائزہ بھی شامل ہے جسے فاضل مشرقیات حضرت علامہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حضرت حسن رضا بریلوی کی نعت گوئی اور ان کے دیوانِ ذوق نعت پر ناقدانہ نظر'' کے عنوان سے رقم کیا تھا۔

''بیاضِ پاک حجۃ الاسلام'' حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی:

''تذکرۂ جمیل'' حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع سوانح حیات پر مشتمل کتاب ہے جس کے مرتب موصوف مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری رضوی ہیں۔ یہ کتاب سنی رضوی اکاڈمی ماریشس ڈربن افریقا کے زیرِ اہتمام ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی یہ خاصیت ہے کہ اس کے مرتب نے کتاب کے آخر میں ''بیاضِ پاک حجۃ الاسلام'' /۱۴۱۰ھ کے تاریخی عنوان کے ذیل میں منتشر نعتوں کو یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ کتاب اب مفقود ہے اس طرح حجۃ الاسلام کے یہ روشن نقوش بھی آہستہ آہستہ مدھم پڑتے چلے جا رہے ہیں۔ صدیق اسماعیل کی یہ کاوش یادِ رفتگاں کے حوالے سے بہت مؤثر ثابت ہوگی۔

''سامانِ بخشش'' حضرت مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی:

''سامانِ بخشش'' کے نام سے مفتی اعظم ہند، مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ مجموعۂ کلام اور مختصر سوانح حیات مکتبہ نوریہ رضویہ وکٹوریہ مارکیٹ سکھر نے 1979ء/ ۱۳۹۹ھ شائع کیا ہے۔ یہ طبع دوم ہے۔ ''سامانِ بخشش'' کی طبع اوّل کا شرف ''آل انڈیا اسلامک مشن مدن پورہ بنارس'' (بھارت) کو حاصل ہے۔ ''سامانِ بخشش'' آسانی سے پاک و ہند میں دستیاب ہو جاتی ہے۔

''ریحانِ بخشش'' حضرت مولانا محمد ریحان رضا خاں بریلوی:

''ریحانِ بخشش'' کے مؤلف سیّد محمد سلیمان ریحانی المعروف محمد میاں ہیں۔ ان کی مرتب کردہ یہ کتاب ''ریحانِ بخشش'' کے نام سے مرکزی مجلس امام اعظم لاہور نے شائع کی ہے۔ اس

کتاب میں سالِ اشاعت موجود نہیں۔ مگر ''تقریظِ جمیل'' کے عنوان سے مولانا سید شاہ تراب الحق قادری نے جو تاثرات رقم کیے ہیں اس پر 14 راپریل 1994ء درج ہے۔ ''ریحانِ بخشش'' کی نمایاں خاصیت یہ ہے کہ اس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور مولانا ریحان رضا خاں بریلوی کے حمدیہ و نعتیہ کلام کو یکجا شائع کیا ہے۔

''سفینۂ بخشش'' حضرت مولانا اختر رضا خاں الازہری بریلوی:

''سفینۂ بخشش'' کے نام سے حضرت مولانا اختر رضا خاں الازہری بریلوی مدظلہ العالی کا کلام نعتیہ برکاتی پبلشرز کھارادار، کراچی نے ستمبر 1990ء میں (پاکٹ سائز میں) شائع کیا۔ اس سے پہلے یہ کلام ''نغماتِ اختر'' کے نام سے ہندوستان میں شائع ہوتا رہا۔ ''سفینۂ بخشش'' ۱۴۰۷ھ میں نعتیں، مناقب اور نظمیں موجود ہیں، صدیق اسماعیل کے مرتب کردہ اس ''رنگِ رضا'' کے یہ واحد پھول ہیں جو بحمدہٖ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں موصوف کو تادیر سلامت، باکرامت، تاقیامت رکھے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اسماعیل نے کن کن لوازمات اور احتیاط کے ساتھ اس ''رنگِ رضا'' کو ترتیب دیا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اپنی کریمی کے طفیل صدیق اسماعیل کے اس حسنِ عقیدت کو بارگاہِ رسولِ کریم ﷺ میں مقبول و مستجاب فرمائے۔

''رنگِ رضا'' دو رنگوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی سالِ اشاعت 1999ء ہے۔ 23x36=16 کے سائز میں یہ کتاب 400 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے ناشر خود مرتب ہیں۔ کتاب ملنے کا پتا G/K 2/2 قاسم ناتھا منزل (نزد حیدری مسجد، محمد شاہ بخاری مزار) ہیرس روڈ، کھارادار، کراچی ہے۔ مرتب اب یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو چکے ہیں۔ اس پتے پر خط و کتابت لاحاصل ہے۔

انوارِ عقیدت مرتب: شہزاد احمد جون 2000ء

''انوارِ عقیدت'' گلدستۂ محبت ہے۔ جسے قدیم و جدید، مقبول و معروف شعرائے کرام کی مشہورِ زمانہ اور مقبولِ عام نعتوں سے سجایا گیا ہے۔ اس انتخابِ نعت میں زیادہ تر وہ نعتیں شامل ہیں جو اکثر ہمارے کانوں میں رس گھولتی ہیں۔ قلب و نظر کے لیے طمانیت کا باعث ہیں اور ہماری مشامِ جاں کو معطر و منور کرنے کا سبب بھی ہیں۔

"انوارِ عقیدت" بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کردہ ایک عاجزانہ انتخابِ نعت ہے جس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہر دور کی نمائندہ نعتیں شامل ہوجائیں۔ کم صفحات میں زیادہ سے زیادہ شعرائے کرام کے حسنِ عقیدت کو پیش کیا ہے۔ اکثر صفحات پر آپ کو دو دو شعراء کے اسمائے گرامی بھی نظر آئیں گے۔

راقم الحروف نے 80ء کی دہائی میں مسلسل کئی نعتوں کے انتخاب مختلف ناموں سے شائع کیے تھے۔ جنھیں اس دور کے حوالے سے کافی پزیرائی نصیب ہوئی۔ آج بھی ان کی مقبولیت میں اضافہ ہورہا ہے۔ نوائے رضا (انتخابِ نعت)۔ سلامِ رضا (منتخب سلام)۔ نوائے نعت (نعتیہ انتخاب) لاکھوں سلام منتخب تضمین ہائے گرانمایہ بر سلامِ اعلیٰ حضرت "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کے نام سے شائع ہوئے۔

انوارِ عقیدت ۲۵ ربیع الاوّل شریف ۱۴۲۱ھ 29 جون 2000ء میں شائع ہوا۔ یہ انتخابِ نعت 16 = 30 x 20 کے سائز میں 272 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اس کے صفحات سے زیادہ یعنی 296 شعرائے کرام کی نعتیں شامل ہیں۔ یہ انتخابِ نعت انٹرنیشنل حمد و نعت فاؤنڈیشن (ٹرسٹ) کراچی پاکستان کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ جسے مکتبۂ حمد و نعت 24، نوشین سینٹر دوسری منزل اردو بازار کراچی کے پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

"انوارِ عقیدت" پر دنیائے نعت کے سب سے پہلے پی ایچ ڈی کرنے والے خوش نصیب پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق مدظلہٗ العالی کی صائب رائے پیش کر رہے ہیں۔ جو انھوں نے اپنے محررہ ایک خط ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ کے ذریعے ارسال فرمائی تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کی رائے من وعن تحریر کی جارہی ہے۔ اس قابلِ احترام اور بالغ نظر نقاد کی رائے ہمارے لیے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کی رائے کا متن ملاحظہ کیجیے۔

"آپ کا ارسال کردہ قیمتی ہدیہ 'انوارِ عقیدت' نظر فروز ہوا۔ وقفے وقفے سے پڑھ رہا ہوں اور استفادہ کر رہا ہوں۔ ممنون ہوں کہ آپ اپنی علمی اور ادبی کاوشوں کے فائدے سے اس عاجز کو محروم نہیں رکھتے۔ اس عمر میں جب کہ توانائیاں جواب دے رہی ہیں ایک طریقہ ان کو بحال کرنے کا یا زندہ رکھنے کا یہ بھی ہے کہ نعت گو شعرا کے کلام کا ورد رکھا جائے۔ آپ نے اپنے اس انتخاب کے ذریعے نہایت مفید کام انجام دیا ہے کہ جو معیاری نعتیہ کلام مختلف کتابوں میں تلاش اور کاوش کے بعد

دستیاب ہوتا ہے۔ اسے یکجا کر دیا ہے اور پڑھنے والوں کے لیے بڑی آسانی فراہم کردی ہے۔ اس لحاظ سے اس انتخاب کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس تعلق سے آپ کی اس سعی بلیغ کی داد نہ دینا علمی اور ادبی انصاف کے منافی ہے۔

جس طرح قرآن کریم کے کئی بطون ہیں اسی طرح ذات محمدی کے کئی بطون ہیں۔ یعنی جو ذاتِ مجسم قرآن ہے۔ عرفانی نظر اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان بطون تک رسائی رکھتی ہے۔ نعت گو شعرا کے طبقات بھی اسی لحاظ سے متعین ہوتے ہیں۔ آپ کے اس انتخاب ''انوارِ عقیدت'' نے ان سب کو ایک ساتھ سمو دیا ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت زین العابدینؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، مولانا جامیؒ، قدسی وغیرہم کے عارفانہ کلام کو تمہید بنا کر آپ نے اس انتخاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس کے بعد میر تقی میر سے لے کر موجودہ دور کے اردو شعرا کے کلام کا انتخاب آپ کے حسنِ مذاق کا عملی ثبوت ہے۔

اس میں کوئی کلام ایسا نہیں ہے کہ جسے پڑھ کر دو چار آنسو آنکھوں سے نہ ٹپکتے ہوں۔ میں ذاتی طور پر آپ کا ممنون ہوں کہ ایسا نایاب ہدیہ بھیج کر آپ نے میری فکری توانائیوں کو جگا دیا ہے اور روح کی تازگی کا سامان کیا ہے۔''

نعتوں کی بارات　　　مرتب: سیّد محمد صداقت رسول　　　نومبر 2000ء

''نعتوں کی بارات'' سیّد محمد صداقت رسول کا مرتب کردہ خوب صورت نعتیہ انتخاب ہے۔ مرتب نے کتاب کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

حصہ اوّل: عربی و فارسی کی نعتوں پر مشتمل ہے۔ عربی، فارسی کی 16 نعتیں 10 شعرا کی ندرت فکر کی آئینہ دار ہیں۔ علامہ شرف الدین امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ سے نعتوں کا آغاز ہوا ہے۔ امام بوصیری کے بعد سیّدنا حسان بن ثابتؓ کے نام سے ''اصبح بدا من طلعتہ'' موسوم کی گئی ہے۔ جب کہ ترتیب و تحقیق کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں درست نہیں ہیں۔

حصہ دوم: اردو کی نعتوں پر محیط ہے۔ اس دوسرے حصے میں اعظم چشتی کی حمد سے اردو کلام نعتیہ کا آغاز کیا گیا ہے۔ اردو کی وہ نعتیں یکجا کی گئی ہیں جو زبان زد عوام و خواص ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی اور محافل نعت میں کثرت سے پڑھی جانے والی نعتوں کا اسے بہترین گلدستہ کہہ سکتے ہیں۔

کتاب کے حصہ دوم میں پنجابی شعرا کا بھی معروف نعتیہ کلام یک جا کیا گیا ہے۔ پنجابی نعتیہ ادب کے ضمن میں یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ مرتب نے پنجابی نعتوں میں بھی اُس کلام نعتیہ کا

انتخاب کیا ہے جو عوام الناس میں پسندیدگی سے سنا جاتا ہے۔

حصہ سوم: درود و سلام سے عبارت ہے۔ اس حصہ میں وہ سلام یکجا کیے گئے ہیں جو محافل نعت میں دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہ تمام سلام بدرگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قبولیت کا مظہر ہیں۔

''نعتوں کی بارات'' انتخاب نعت یقیناً بہت خوب صورتی کا مظہر ہے مگر اس کے علاوہ چند چیزیں اس میں ایسی شامل ہیں جس سے مرتب کی لاعلمی ولاتعلقی ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر مشہور زمانہ نعتیں کسی دوسرے شاعر کے نام سے موسوم کردی گئی ہیں۔ بعض معروف نعتیں ہیں مگر ان پر شعراء کے نام موجود نہیں۔ کتاب کی پروف ریڈنگ پر بھی شاید توجہ نہیں دی گئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود کتاب بہت خوب صورت اور عقیدت سے شائع کی گئی ہے۔ مرتب اور پبلشرز کے خلوص میں یقیناً کوئی کمی نہیں ہے اگر یہ تمام غلطیاں درست کرلی جائیں تو کتاب کی قدر و قیمت میں اور بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔

400 صفحات پر مشتمل اس مجلد اور خوب صورت کتاب کی قیمت =/120 روپے ہے جو انتہائی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ ''نعتوں کی بارات'' کو نوریہ رضویہ پبلی کیشنز 11، گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885 سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کی پشت کا سرورق ریاض حسین چودھری نے بہت مختصر مگر جامع لکھا ہے۔

خوشبوئے مدینہ　　　　مرتب: ملک امید علی بہلم　　　　2002ء

امید علی بہلم کا مرتب کردہ تیسرا انتخاب نعت ''خوشبوئے مدینہ'' شائع ہوا ہے۔ یہ انتخابِ نعت ہر حوالے سے اہم ہے۔ اس کے صفحات بھی زیادہ ہیں۔ اس میں نعتوں کی تعداد بھی وقیع ہے۔ صوری اور معنوی دونوں حوالوں سے اس کتاب میں چار چاند لگے ہیں۔

''خوشبوئے مدینہ'' کا انفرادی پہلو یہ ہے کہ حیدرآباد (سندھ) سے شائع ہونے والے اس انتخابِ نعت میں شعبۂ نعت سے متعلق تقریباً تمام اہم نعت گو حضرات کو نمائندگی دی گئی ہے خواہ ان کا تعلق کسی بھی شہر یا علاقہ سے ہو۔

''خوشبوئے مدینہ'' کے حوالے سے ایک ضروری بات بھی کہنا چاہوں گا کہ شعبۂ نعت کا ہر مرتب اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔ مختلف انتخاب نعت اپنے مرتب کی پہچان ہوتے ہیں۔

ہر انتخابِ نعت میں چند پہلو اہم ہوتے ہیں۔ نمایاں پہلو یہ ہے کہ مرتب کا تعلق جس شہر سے ہوتا ہے، اس شہر کے نعت گو شعرا اس میں شامل ہوجاتے ہیں۔ نئے نعت گو شعرا سامنے آجاتے

ہیں جس سے نئی فکر اور نئی نعتیں منصۂ شہود پر آ جاتی ہیں۔ مشہور و معروف نعت گو شعرا تو ہر نعتیہ انتخاب میں خود بخود شامل ہوتے چلے جاتے ہیں مگر غیر معروف اور نئے حضرات اہم ترین منتخبات نعت میں شامل نہیں ہو پاتے جس کے سبب ان کی فکر اور نعتیں عوام الناس سے دُور رہتی ہیں۔

''خوشبوئے مدینہ'' میں الحمدللہ! اس بات کا اہتمام موجود ہے کہ اس میں مشہور و معروف نعت گو کے بین بین نئے اور قدرے غیر معروف حضرات بھی شامل ہیں۔ آج کا نیا کل کا پرانا اور آج کا غیر معروف یقیناً آنے والے کل کا ان شاء اللہ معروف ترین نعت گو ثابت ہوگا۔

امید علی بہلم کا مرتب کردہ انتخابِ نعت ''خوشبوئے مدینہ'' یقیناً شہرت سے ہم کنار ہوگا۔ حروفِ تہجی کی ترتیب سے منتخب ہونے والا یہ انتخابِ نعت 196 صفحات پر مشتمل ہے۔ الحمدللہ! اس میں دنیائے نعت کی معروف و محترم شخصیات نے امید علی بہلم کے نام اور کام کو بہت سراہا ہے۔ ہر حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جولائی 2002ء میں شائع ہونے والے انتخابِ نعت ''خوشبوئے مدینہ'' کو بہت اہتمام و عقیدت سے طبع کیا گیا ہے۔ 16=20x30 کے سائز میں 208 صفحات پر مشتمل یہ انتخابِ نعت انجمن فروغِ نعت پاکستان، جی 280 پاکستانی چوک پھلیلی روڈ حیدر آباد (سندھ) کے زیرِ اہتمام شائع ہوا ہے۔

''خوشبوئے مدینہ'' کی ہر ہر سطر اور ہر ہر صفحہ سلطانِ مدینہ کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ فروغِ عشقِ رسول اور فروغِ نعت کی خوشبو مشامِ جاں کو معطر اور روح کو کیف و سرور بخش رہی ہے۔ ''خوشبوئے مدینہ'' کی مہک ساری عمر امید علی بہلم کے دل اور گھر کو یوں ہی مہکاتی رہے۔ ''خوشبوئے مدینہ'' کا مطالعہ کرنے والے قارئین اپنے قلب و نظر اور جان و روح کو مہکاتے اور جگمگاتے رہیں۔

ارمغانِ ادیب — مرتب: شہزاد احمد — مارچ 2002ء

''ارمغانِ ادیب'' شعبۂ نعت کے بلند پایہ شاعر حضرت ادیب رائے پوری کی مشہور و معروف نعتوں کا انتخاب ہے۔ اس انتخابِ نعت میں شاعرِ محترم کی وہ ساری مقبولِ عام اور ہر دل عزیز نعتیں شامل ہیں جو عوام الناس میں بہت پسندیدگی سے سنی جاتی ہیں۔

ریڈیو، ٹی وی اور محافلِ نعت کا تمام مشہور کلام اس میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ نعتیہ انتخاب نعت خواں حضرات کی سیرابی کے ساتھ ساتھ اہلِ ذوق کی تسکین کا سبب بھی ہے۔

ادیب رائے پوری کی نعتیہ شاعری کا بنیادی وصف یہ تھا کہ وہ نعت کہنے کا فن جانتے

تھے۔ جذبے کی صداقت، الفاظ کی ندرت نے ان کی نعتیہ شاعری کو عصرِ حاضر کا ایک معتبر حوالہ بنا دیا ہے۔ یہی حوالہ اب ان کی پہچان اور شناخت کا سب سے موثر ذریعہ بن چکا ہے۔

''ارمغانِ ادیب'' 144 صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ جسے مارچ 2002ء میں مجلّد شائع کیا گیا ہے۔ کتاب پر قطبِ مدینہ حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الدین احمد مدنیؒ کی پرانی محبت بھری رائے بھی موجود ہے۔

''ارمغانِ ادیب'' حضرتِ ادیبؔ رائے پوری کے مقبولِ عام نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ جس میں شاعرِ موصوف کا اضافہ شدہ نعتیہ کلام بھی شامل ہے۔ واضح رہے کہ راقم نے مقصودِ کائنات کے نام سے 1998ء میں ادیبؔ رائے پوری کا کلیات ترتیب دیا تھا۔ 1998ء کے بعد سے مارچ 2002ء تک کا سارا نیا کلام ارمغانِ ادیبؔ میں شامل ہے۔ محمد کاشف اشرفی کی نگرانی میں قطبِ مدینہ پبلشرز عطاری کتب خانہ G.K. 2/44 شہید مسجد کھارادر کراچی بتعاون سبزواری پبلشرز، عبدالکریم قادری رضوی نے شائع کیا ہے۔

چار اہم انتخابِ نعت — مرتب: شہزاد احمد — جنوری 2002ء

''دل کش مشہور نعتیں''۔ ''دل پسند مقبول نعتیں''۔ دیارِ عقیدت اور بہارِ عقیدت نئی اور مشہور مقبول عام نعتوں پر مشتمل انتخاب نعت ہیں۔ ان چاروں انتخابِ نعت میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ نئی اور مقبول نعتوں کے ساتھ ساتھ مشہور و معروف کلام نعتیہ کو بھی یکجا کر دیا جائے، تاکہ آپ حضرات کے ذوق وشوق کی تسکین ہوتی رہے۔

فی زمانہ جو انتخاب نعت مرتب کیے جا رہے ہیں صرف چند کے علاوہ تمام ''منتخبات'' غیر معیاری نا قابل بھروسا اور غیر تسلی بخش ثابت ہوتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج کل کے مرتبین نعت جو انتخاب مرتب کرنے کی دوڑ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انھیں یہ شعور نہیں کہ مستند کلام نعتیہ کیا ہے اور غیر مستند کسے کہتے ہیں، معیاری اور غیر معیاری کلام ان کے نزدیک یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

ف ریڈنگ پر تو سرے سے کوئی توجہ نہیں ہوتی ہے، جب کہ پروف ریڈنگ کا شعبہ کتاب کی اہمیت بڑھانے اور گھٹانے میں بنیادی کردار کرتا ہے۔

یہ سلسلہ اتنا زور پکڑ رہا ہے کہ غیر معیاری ''نعتیہ منتخبات'' ایک تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہے کہ ان کتابوں کے ناشر اور مرتبین اپنی کسی لاپروائی یا کوتاہی کو

ماننے کے لیے تیار بھی نہیں اور اصلاح کے لیے کوئی کوشش بھی نہیں کرتے۔

انتخاب نعت مرتب کرنے والوں سے ہماری دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ ضرور بالضرور نعت کے انتخاب مرتب کریں، ذکر رسول اور فروغ نعت میں یقیناً ان کا نام اور کام شامل ہونا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ انھیں اپنے حبیب پاک کی نعت کے طفیل یہ سعادتیں نصیب کرے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ تمام چیزیں اہتمام اور توجہ سے شائع کی جائیں۔ کتاب مرتب کرتے وقت یہ تمام چیزیں یقیناً درست اور دیدہ زیب ہو سکتی ہیں۔ ضرورت صرف توجہ، لگن اور جستجو کی ہے۔

آپ کو انتخاب نعت مرتب کرنے کے لیے مستند اور معیاری کلام چاہیے تو آپ ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی اس سلسلہ میں ہر ممکن مدد کریں گے۔ جو بھی کلام نعتیہ دیں گے اس میں ہماری کوشش ہوگی کہ پروف ریڈنگ کی غلطیاں نہ ہوں تاکہ قارئین نعت کا ذوقِ سلیم متاثر نہ ہو۔

چاروں انتخاب نعت بہار عقیدت، دیار عقیدت، دل کش مشہور نعتیں اور دل پسند نعتیں میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ فی زمانہ جو اغلاط رائج ہیں ان کا اعادہ نہ ہو۔ اگر نادانستگی میں کوئی غلطی ہم سے بھی رہ گئی ہو تو اس جانب ضرور اشارہ فرمائیے تاکہ ہم اپنی کوتاہی پر معذرت خواہ ہوں۔ آپ کے اس عملی و اصلاحی تعاون پر ہم ہمیشہ آپ کے تہہ دل سے شکرگزار اور ممنون رہیں گے، اللہ ربّ العزت اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کے طفیل ہمیں بصارت و بصیرت عطا کرے۔

یہ چاروں انتخابِ نعت بہ یک وقت مرتب شہزاد احمد نے کیے ہیں جس کے ناشر اسلامک بک سینٹر نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی ہیں۔ 20x30=16 کے سائز میں ہر انتخابِ نعت 64 صفحات پر مشتمل ہے۔

خواتین کی نعتیہ شاعری   مرتب: غوث میاں   جنوری 2002ء

غوث میاں شعبۂ نعت کے ایک مخلص خدمت گزار ہیں۔ غوث میاں نے جنوری 1988ء میں حضرت حسان حمد و نعت بک بینک پاکستان کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد رکھی۔ جس کے زیر اہتمام "حضرت حسان نعت ایوارڈ" کے نام سے تین وقیع اور اہم مجلّے شائع کیے۔ "حضرت حسان نعت ایوارڈ" کا پہلا مجلّہ 1986-1987ء۔ دوسرا مجلّہ 1988-1989ء اور تیسرا مجلّہ 1990-1991ء میں شائع ہوا۔ غوث میاں کے مرتبہ مجلّوں نے شعبۂ نعت میں فعال کردار ادا کیا۔ تین مجلوں کی اشاعت کے بعد یہ سلسلہ ہنوز اختتام پزیر ہے۔

غوث میاں نے اردو حمدیہ شاعری کے حوالے سے ''انتخاب حمد'' ترتیب دیا۔ 648 صفحات پر مشتمل اس انتخابِ حمد میں 750 سے زائد حمدیہ شعری تخلیقات شامل ہیں۔ غوث میاں نے حمد کے موضوع پر اپنے ''مقدمہ'' میں کافی حمدیہ معلومات فراہم کی ہیں۔

''خواتین کی حمدیہ شاعری'' کے حوالے سے بھی ایک بہترین حمدیہ انتخاب ترتیب دیا ہے، 200 صفحات کے اس انتخاب میں 107 خواتین شاعرات کی 150 سے زائد حمدیہ تخلیقات اس میں شامل ہیں۔

''خواتین کی نعتیہ شاعری'' غوث میاں کا مرتب کردہ انتخاب نعت جس میں خواتین شاعرات کی عقیدتوں کا نذرانہ موجود ہے۔ 226 خواتین شاعرات کی 500 سے زائد نعتیہ شعری تخلیقات اس انتخاب میں شامل ہیں۔ ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' کے ترتیب کار غوث میاں ہیں۔ جنھوں نے خواتین شاعرات کی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عقیدتوں کی مہک کو کشید کیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تقدیم غوث میاں کی تحریر کردہ ہے۔ جنوری 2002ء میں شائع ہونے والے اس انتخابِ نعت کو حضرت حسان حمد و نعت بک بینک پاکستان 3/1484، شاہ فیصل کالونی نمبر 3 کراچی۔ 75230 نے شائع کیا ہے۔ 16=23x36 کے سائز میں یہ انتخابِ نعت 544 صفحات پر مشتمل ہے۔ خواتین کی نعتیہ شاعری کو مجلد اور خوب صورت انداز میں شائع کیا گیا ہے۔ شاعرات کی ترتیب حروفِ تہجی کی نہج پر قائم ہے۔

23 صفحات پر مشتمل غوث میاں کا ''مقدمہ'' خواتین کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے بہت وقیع اور معلومات افزا ہے۔ اس کتاب کا انتساب اردو کی اوّلین صاحب کتاب نعت گو شاعرہ زینت بی بی محجوب اور اپنی والدۂ مرحومہ کے نام معنون کیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف کاتبوں کے خوب صورت قرآنی طغرے کتاب کے حسن کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ خواتین شاعرات کی زیادہ تر ایک ایک نعت انتخاب میں شامل ہے۔ مگر بعض خواتین کی ایک سے زیادہ نعتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

''حوالہ جات'' کے عنوان سے غوث میاں نے خواتین کی نعتیہ شاعری مرتب کرتے وقت جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کی بھی تفصیل دے دی ہے۔ غرض یہ کہ غوث میاں کا مرتب کردہ یہ انتخابِ نعت ہر لحاظ سے قابلِ قدر اور لائق ستائش ہے۔ بلاشبہ یہ ایک خوب صورت اور دیدہ زیب انتخابِ نعت ہے جس کی اہمیت ہر دور میں مسلّم رہے گی۔ آنے والا محقق اس کام سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا، بلکہ وہ اس کام کی مدد سے اپنے کام کو وقیع تر بنائے گا۔

''خواتین کی نعتیہ شاعری'' کے سرورق کی پشت صبیح رحمانی کی تحریر کردہ مختصر مگر جامع رائے سے مزین ہے۔ جس میں صبیح رحمانی نے اپنی تحریر کے جوہر دکھاتے ہوئے دریا کو کوزے میں بند کردینے والی مثال کو صادق کیا ہے۔ انھوں نے غوث میاں کے تمام نعتیہ کاموں کا احاطہ کرتے ہوئے نہایت جامعیت کے ساتھ تعارف کا حق ادا کیا ہے۔ صبیح رحمانی کہتے ہیں کہ:

> یہ ایک ایسا ادبی انتخاب ہے جو ہماری شاعرات کی کئی نسلوں کا عقیدت نامہ بن کر ہمارے سامنے آیا ہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں ہمیں اپنی شاعرات کی پاکیزہ عقیدتوں کا عرفان حاصل ہوتا ہے وہیں ان کی شعری صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

''خواتین کی نعتیہ شاعری'' کا انتخاب اچھا اور یادگار کام ہے۔ جسے برسوں یاد رکھا جائے گا۔ بلاشبہ غوث میاں کا مرتب کردہ انتخابِ نعت صوری اور معنوی دونوں صورتوں میں جامعیت کا حامل ہے۔ خواتین شاعرات کے موضوع پر کام کرنے والے حضرات ہر دور میں اسے مہمیز کے طور پر استعمال کریں گے۔

''خواتین کی نعتیہ شاعری'' اس انتخاب نعت کا نام محلِ نظر ہے۔ نام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ کسی محقق کا تحقیقی مقالہ ہے۔ اگر کتاب کے مرتب اس کا نام ''خواتین کی نعتیہ شاعری کا انتخاب'' رکھتے تو زیادہ مناسب تھا۔ جیسے ''اردو کی نعتیہ شاعری'' پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری ''اردو میں نعتیہ شاعری'' پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق دونوں کتب کے نام اپنے موضوع کو ظاہر کررہے ہیں۔ ''خواتین کی نعتیہ شاعری'' میں ابہام موجود ہے۔ آج کل یہ روایت بہت عام ہوچکی ہے کہ کتاب کا نام موضوع سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس رو میں بہت سارے معتبر حضرات بھی بہہ چکے ہیں۔

''خواتین کی نعت گوئی'' کے موضوع پر راجا رشید محمود کا کام موضوع سے بھی مطابقت رکھتا ہے وسعت اور معلومات کے حوالے سے بھی بہت زیادہ وقیع ہے۔ غوث میاں نے صرف خواتین شاعرات کی نعتیں جمع کی ہیں جب کہ راجا رشید محمود نے خواتین کی نعت گوئی کے حوالے سے نہ صرف مستند معلومات کا وافر ذخیرہ فراہم کیا ہے بلکہ ایک خوب صورت انتخابِ نعت سے بھی دنیائے حمد و نعت کو نوازا ہے۔ غوث میاں نے اپنے مرتب کردہ انتخابِ حمد ''خواتین کی حمدیہ شاعری'' میں بھی یہی ابہام رکھا ہے۔ راقم الحروف نے بھی ''خواتین کی مشہور نعتیں'' 2001ء کے عنوان سے ایک انتخاب ترتیب دیا تھا جس میں نام کا کوئی ابہام نہیں ہے۔

مدحتِ شاہِ دو عالم

مرتب: محمد ذکریا شیخ اشرفی

جنوری 2002ء

بزم وارث کا مختصر مگر جامع انتخابِ نعت "مدحتِ شاہِ دو عالم" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کے مرتب محمد ذکریا شیخ اشرفی ہیں۔ کراچی کے معروف اور ہردلعزیز شاہ خوانِ رسول محمد ابرار حسین کی نگرانی میں اسے بہت اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ سالِ اشاعت درج نہیں مگر حمید وارثی نے جو "عرض ناشر" لکھا ہے اس پر جنوری 2002ء درج ہے۔ درحقیقت یہی اس کا سالِ اشاعت ہے۔

اس انتخاب نعت کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے کہ یہ انتخاب خانوادہ ستار وارثی کے شعرا کی نعتوں پر مشتمل ہے۔ بظاہر یہ انتخابِ نعت مرتبہ محمد ذکریا شیخ اور خانوادۂ حضرتِ ستار وارثی کا تعارف وقار احمد خان قادری کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت یہ انتخابِ نعت رشید وارثی کے فکر وفن کی چغلی کھا رہا ہے۔ اس انتخابِ نعت کی صوری و معنوی نفاست میں ہر جگہ تحریر اور فکرِ رشید کارفرما نظر آتی ہے۔

مدحتِ شاہِ دو عالم کا سلیقہ دے دے
میرے مالک مجھے جبریل کا لہجہ دے دے

ڈاکٹر سعید وارثی کی ایک مشہور نعت کے مطلع سے اس کتاب کا نام تجویز ہوا ہے۔ خانوادۂ ستار وارثی کے ۹/افراد پر مشتمل تعارف نامہ بھی کتاب کا حصہ ہے۔

رشید وارثی کے والدِ گرامی حضرت ستار وارثی جن کے 3 عدد نعتیہ مجموعہائے کلام آیۂ رحمت، معطّر معطّر اور حرفِ معتبر شائع ہو چکے ہیں۔ تمام کتب کی چیدہ چیدہ مشہور نعتیں اس انتخاب میں شامل ہیں۔ رشید وارثی کی والدۂ مرحومہ و مغفور جو کہ باقاعدہ شاعرہ تو نہیں تھیں مگر سخن فہمی کی دولتِ لازوال سے مالا مال تھیں۔ ستار وارثی کی طویل رفاقت اور اپنے گھر کی مستقل ریاضت نے انھیں بھی شعر گوئی کی جانب مائل کر دیا تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں انھوں نے حمد اور چند نعتیں کہی تھیں۔ ان کی ایک حمد اور دو نعتیں اس "انتخابِ نعت" میں شامل ہیں۔

رشید وارثی کے چچا جبار وارثی نے بھی متعدد نعتیں کہی تھیں۔ ان کی ایک نعت اس انتخاب میں شامل کی گئی ہے۔

گرامی قدر ڈاکٹر سعید وارثی، رشید وارثی کے برادرِ معظم ہیں۔ تازہ و توانا لہجے میں غزل و نظم کہتے ہیں۔ جدید غزل گو شعرا میں انفرادیت کے مالک ہیں۔ سعید وارثی نے نعت نگاری میں بھی اپنے تازہ و توانا لہجے کے جوہر دکھائے ہیں۔ "ورثہ" ان کی مؤثر اور جدید لب و لہجے میں کہی جانے

والی نعتوں کا آئینہ دار ہے۔

رشید وارثی نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کی نعتیہ تنقید نگاری نعتیہ حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ ہر صاحبِ علم اور گوہر نایاب کے قدر دان ہیں۔ سچ کہتے اور لکھتے ہیں۔ ''اردو نعت کا تنقیدی جائزہ شریعت اسلامیہ کے تناظر میں'' کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہے تھے۔

اردو کی نعتیہ تنقید نگاری میں آپ کا طریقۂ استدلال و استنباط سب سے جدا اور منفرد ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اپنے پیارے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کے توسط سے شعر فہمی اور نعت کا جوہر آپ کو وافر عطا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کے آپ اس عطیہ خداوندی کو شعبۂ نعت کی اصلاح کے لیے بروقت استعمال کر رہے تھے۔ اردو کے نعتیہ ادب میں آپ کی تنقید نگاری کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ بہت سارے حضرات رشید وارثی کے چراغ سے اپنے چراغ جلا رہے ہیں۔ اس عمل میں شعبۂ نعت کے بہت سینئرز حضرات بھی شامل ہیں۔

خانوادۂ ستار وارثی کے حمید وارثی اور باسط وارثی دونوں صاحبان کی کوئی نعت اس انتخاب میں شامل نہیں ہے۔ دل تو اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں کہ انھوں نے کوئی نعت بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نہ کہی ہو۔

رئیس وارثی کا تعلق شعبۂ صحافت سے ہے۔ غزل کے ساتھ ساتھ نعت میں بھی جداگانہ لہجے کے مالک ہیں۔ خوب صورت لہجے میں منفرد نعتیں کہہ رہے ہیں اردو مرکز نیویارک کے صدر ہیں۔ ادبی دنیا میں بہت معروف ہیں۔ برصغیر کے تمام چیدہ چیدہ شعرا و ادبا آپ کی مہمانی و میزبانی سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ نصیر وارثی کو بھی آبائی وراثت سے ورثۂ نعت گوئی عطا ہوا ہے۔ نیویارک میں اردو مرکز کے زیرِ اہتمام ایک نعت کونسل قائم کی ہے۔ جس میں مختلف ممالک کی نعتیہ کتب کو یکجا کیا جا رہا ہے۔ اس نعت کونسل اور اس نعتیہ تحریک کے روحِ رواں نصیر وارثی ہیں۔

اس ''انتخابِ نعت'' کا ایک جداگانہ وصف یہ بھی ہے کہ اس میں حمد و نعت اور سلام کے علاوہ مناقب کا بھی ایک حصہ مدحتِ مولا علیؑ، خاتونِ جنت سیّدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، سیّدنا امام حسن و سیّدنا امام حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضور غوثِ پاک، خواجہ غریب نواز، سرکار وارث پاک، حاجی محمد بشیر میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مناقب شامل ہیں۔ اہلِ بیت کرام کی محبت سے لبریز یہ ''انتخابِ نعت'' بہت عقیدت و احترام سے شائع کیا گیا ہے۔

پاکٹ سائز سے قدرے بڑے سائز میں شائع ہونے والا یہ انتخاب 80 صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے خوب صورتی اور اہتمام کے ساتھ دو کلر میں طبع کیا گیا ہے۔ 12 روپے اس کا ہدیہ ہے۔ اسے بزمِ وارث 1/190۔ شاہ فیصل کالونی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

محمد عربی

مرتب: محمد ابرار حسین — جنوری 2003ء

''محمد عربی'' ممتاز و محترم نعت گو حضرت مسرور کیفی کی مشہور منتخب نعتوں کا حسین گلدستہ ہے۔ کراچی کے مقبول و معروف اور خوش الحان نعت خواں محمد ابرار حسین (شاہ فیصل کالونی) نے اسے ترتیب دیا ہے۔ 32 صفحات پر مشتمل پاکٹ سائز یہ ''انتخابِ نعت'' جنوری 2003ء میں شائع ہوا۔

اس مختصر مگر جامع ''انتخابِ نعت'' کی خصوصیت یہ ہے کہ مسرور کیفی کی وہ نعتیں جو عوام الناس میں مقبول ہیں انھیں انتہائی خوب صورتی اور سلیقہ مندی سے یکجا کیا گیا ہے۔

''محمد عربی'' کی اشاعت کا سہرا محمد ابرار حسین کے سر ہے۔ انھوں نے شعبہ نعت سے اپنی عقیدت اور مسرور کیفی سے اپنے تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے بہت خوب صورتی سے اس ''انتخاب نعت'' کو ترتیب دیا ہے۔ یہ ''انتخابِ نعت'' حضرت مسرور کیفی کے انتقال سے تین دن پہلے شائع ہوا۔ ابرار حسین نے اسے مسرور کیفی کے گھر جا کر پیش کیا۔ جسے دیکھ کر انھوں نے بہت مسرت کا اظہار کیا۔ پیر کو یہ ''انتخابِ نعت'' ان کی خدمت میں پیش کیا گیا اور جمعۃ المبارک کو بعد نماز جمعہ ساتھیوں نے مسرور کیفی کے گھر پر ایک مختصر محفلِ نعت کا اہتمام کیا تھا مگر قسام ازل کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ پیغام اجل آچکا تھا اور مسرور کیفی بروز جمعرات مورخہ 30 جنوری 2003ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انھیں کراچی میں ان کے آبائی کچھی میمن قبرستان عثمان آباد میں سپردِ خاک کیا گیا۔

شافعِ محشر

مرتب: ارسلان کیفی — مارچ 2003ء

''شافع محشر'' کے نام سے مسرور کیفی کے چھوٹے پوتے ارسلان کیفی نے ایک پاکٹ سائز انتخاب ترتیب دیا ہے۔ جس میں مسرور کیفی کی نعتیں شامل ہیں۔ یہ انتخاب نعت مرحوم مسرور کیفی کے چالیسویں کی فاتحہ کے موقع پر حاضرین محفل کو دیا گیا۔

32 صفحات پر مشتمل پاکٹ سائز یہ انتخاب نعت مارچ 2003ء میں مسرور کیفی نعت اکیڈمی کے زیر اہتمام کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔

نعت کا سمندر　　　مرتب: محمد منور علی عطاری　　　ستمبر 2004ء

''نعت کا سمندر'' منور علی عطاری کا ترتیب کردہ ہے جس میں مرتب نے انٹرنیشنل شہرت یافتہ ثناخوانِ مصطفیٰ ابوالحسان الحاج عمران شیخ قادری عطاری کی پڑھی ہوئی نعتوں کو یک جا کیا ہے۔

الحاج عمران شیخ عطاری نعت خوانی میں ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ عربی، فارسی، اردو کے علاوہ پشتو، پنجابی، سندھی، سرائیکی، پوربی اور انگریزی میں بھی نعت خوانی کی مہارت رکھتے ہیں۔ ہر علاقہ ان کا علاقہ ہوتا ہے۔ ہر مجمع ان کا مجمع بن جاتا ہے۔ یہ جہاں چاہیں رنگ جما لیتے ہیں۔ یہ جس زبان میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح سرائی کریں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اہلِ زبان، زبان کی روح میں اُتر کر نعت پڑھ رہا ہے۔ ہر زبان ان کی اپنی زبان محسوس ہوتی ہے۔ اس قدر محنت و ریاضت اور لب و لہجہ کو اپنا کر نعت پڑھنا بہت مشکل ہے مگر عمران شیخ اس ریاضت اور فن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

یہ انتخابِ نعت منور علی عطاری کی روز و شب کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں مرتب نے بہت دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ عموماً انتخاب نعت کے مرتبین اس قدر دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انتخابِ نعت لاجواب اور بے مثال نہیں ہوتا۔

فی زمانہ اغلاط سے پُر نعتیہ انتخاب مرتب کرنے کی بازاری روایت زوروں پر ہے۔ جسے دیکھو وہ انتخابِ نعت مرتب کر رہا ہے۔ مرتب اور پبلشرز حضرات دونوں نعتیہ شعور سے عاری ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ معیاری اور عمدہ انتخابِ نعت شائع کرنے کی روایت سابقہ دم توڑتی نظر آتی ہے۔

اغلاط سے پُر اور غلط در غلط انتخاب مرتب کرنے کے اس سیلِ رواں میں کوئی نہ کوئی ایک اللہ کا بندہ ایسا نکل آتا ہے جو اس روایت سے انحراف کرتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ حتیٰ المقدور کوئی غلطی نہ جانے پائے۔ منور علی عطاری نے بھی یہ کوشش کی ہے کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ انتخاب نعت پیش کیا جائے۔ رواروی اور شہرت طلبی کے اس دور میں خلوص و محبت سے مرتب کیے جانے والے انتخابِ نعت بہت غنیمت ہوا کرتے ہیں۔

''نعت کا سمندر'' مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے جس میں وہ تمام نعتیں موجود ہیں۔ جو عمران شیخ عطاری کی پہچان ہیں۔ عمران شیخ عطاری باصلاحیت اور عمدہ ذوق رکھنے والے نعت خواں ہیں۔

''نعت کا سمندر'' یقیناً گنجینۂ نعت ہے۔ اس میں اسلاف کرام اور مستند شعرائے عظام کے نعتیہ کلام بلاغت نظام کو دیکھ کر روح شاد ہوتی ہے۔ بعض غیر مستند شعرا کی غیر معیاری نعتیں دیکھ کر بھی طبیعت

ملکدّر ہو جاتی ہے۔ عمران شیخ کو غیر مستند اور متشاعر شعرا کی غیر معیاری نعتیں پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیے جو کسی کے مصرعوں پر، کسی کے ٹکڑے پر بے جوڑ مصرعے لگا کر مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگاتے ہیں۔

''نعت کا سمندر'' منور علی عطاری کی کاوش ہے۔ اس کی ترتیب نو کے لیے برادرم عبدالکریم قادری بہلیم عطاری اور ممتاز و محترم نعت گو حضرت ادیب رائے پوری نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنے مزاج سے اس کی ترتیب نو کروں مگر کتاب کے مرتب منور علی عطاری کی قلبی وابستگی اور کیفیت کے باوجود ترتیب نو کا کام نہیں ہو سکا۔

''نعت کا سمندر'' اس انتخابِ نعت کو انتہائی عقیدت اور اہتمام سے شائع کیا ہے۔ منور علی عطاری کی نفاست اور سلمان عطاری کارپرداز، جیلانی پبلشرز کراچی کی مہارت کے سبب اس کتاب کی خوب صورتی میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ کتاب کو دیدہ زیب بنانے اور نفاست سے ہم کنار کرنے میں سلمان عطاری نے جس ذاتی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے کاش کہ ہر پبلشرز اتنی ہی توجہ اور دلچسپی دکھائے تو کوئی وجہ نہیں کہ معیاری نعتیہ کتب شائع نہ ہوں۔

''نعت کا سمندر'' کے ناشر جیلانی پبلشرز کتاب مارکیٹ نیو اردو بازار کراچی (فون نمبر 021-7736009) ہیں۔ 336 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 23x36=16 کے سائز میں مجلّد شائع کی گئی ہے۔ یہ کتاب ستمبر 2004ء کی طبع شدہ ہے۔ واضح رہے کہ اس کتاب کا پاکٹ سائز ایڈیشن بھی شائع کیا گیا ہے۔

منور علی عطاری مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہر مشکل وقت کو خندہ پیشانی سے نبھایا۔ دعوتِ اسلامی کے سالانہ اجتماع (ملتان) 24، 25، 26 ستمبر 2004ء کے موقع پر یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے۔ مولا کریم سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت خوانی، نعت گوئی اور نعت فہمی کے صحیح شعور کو اجاگر کرے۔

صلی اللہ علیہ وسلم — مرتب: طاہر حسین طاہر سلطانی — 2004ء

اللہ تعالیٰ کے کرم سے ''مدینے کی مہک'' نے طاہر سلطانی کی مشامِ جاں کو ایسا مہکا دیا ہے کہ اب ''حمد و نعت'' ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن گئی ہے۔

طاہر سلطانی کبھی شعبۂ حمد میں گراں قدر اضافہ کرتے ہیں تو کبھی شعبۂ نعت میں کوئی نمایاں کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں طاہر سلطانی کے حصے میں یہ سعادت بھی آئی ہے کہ انھوں نے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ردیف کی پابندی کے ساتھ ایک مثالی ''انتخاب نعت'' ترتیب دیا ہے۔

اس ''انتخاب نعت'' میں قدیم و جدید شعراء کی کہکشاں موجود ہے۔ اساتذہ اور کہنہ مشق شعرا کے علاوہ بعض نئے شعرا بھی آپ کو اس میں ملیں گے۔ بجا طور پر یہ انتخاب نعت ہماری کئی نسلوں کے شعرا کی فکری و شعوری عقیدت کا آئینہ دار ہے۔

''صلی اللہ علیہ وسلم'' ردیف میں طاہر سلطانی نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔ ان کے مرتب کردہ انتخاب نعت ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ جو شعرا راز کاشمیری اور راجا رشید محمود کے انتخاب ''ماہ نامہ نعت لاہور اکتوبر، نومبر 1989ء میں شامل نہ ہو سکے۔ وہ الحمدللہ! طاہر سلطانی کے مرتب کردہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میں موجود ہیں۔

ہر حمدیہ و نعتیہ انتخاب اپنے عہد اور اپنے علاقوں کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس کا مرتب کرنے والا اپنے تئیں حتیٰ المقدور یہ کوشش کرتا ہے کہ کوئی شاعر اس کی دسترس سے رہ نہ جائے مگر آج تک کوئی بھی مؤلف ایسا انتخاب مرتب کرنے سے قاصر ہے جسے سب مکمل کہہ سکتے ہوں۔ کوئی انتخاب نعت کیسے مکمل ہو سکتا ہے جب کہ ہر لمحہ نبیٔ اکرم سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان نئے انداز و آہنگ سے رقم ہو رہی ہے۔ ہر لمحہ نئی نعتیں اور نئے نعت گو نئے نئے زاویوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نعتیں رقم کر رہے ہیں

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف، مدح و ثنا سے کوئی لمحہ خالی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انتخاب کامل و اکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تعریف و توصیف ہی مکمل نہیں ہونے پاتی تو کوئی انتخاب کیسے مکمل کہلا سکتا ہے۔

- مرتب موصوف نے قدیم و جدید شعرا کی کہکشاں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نغمۂ پُرکیف سے سجائی ہے۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بزم میں ہر رنگ کے گل خوش رنگ عطر بیز ہیں۔ اردو ادب کے خزانے میں ایک اہم ترین انتخاب نعت ''صلی اللہ علیہ وسلم'' مرتب طاہر سلطانی کا اضافہ ہوا ہے۔ طاہر سلطانی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے اس انتخاب کے لیے اکثر شعرا سے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ردیف کی نعتیں کہلوائی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ شعرا کو درود و سلام کی اس بزم میں شامل کر کے سعادت سے ہم کنار کیا ہے۔

طاہر سلطانی نے اس نغمۂ درود و سلام کو جو درحقیقت نغمۂ عقیدت و محبت کا سرتاج ہے۔

اسے زیورِ طباعت وحسن ترتیب کا شہکار بنایا ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ شمع روشن کی ہے جو "صلی اللہ علیہ وسلم" کے نغمۂ جانفزا سے روشن ومنور ہے۔

"صلی اللہ علیہ وسلم" مرتب طاؔہر سلطانی کا منفرد انتخابِ نعت ہے۔ جس میں صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں ایمان افروز اور روح پرور نعتیں یکجا کی گئی ہیں۔ 136 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۴۲۵ھ/2004ء میں 16=23x36 کے سائز میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے ناشر جہانِ حمد پبلی کیشنز کراچی ہیں۔ اس کا نیا پتا یہ ہے، کمرہ نمبر 19 نوشین سینٹر دوسری منزل اردو بازار کراچی۔ واضح رہے کہ اس کتاب کے علاوہ ماہ نامہ ارمغانِ حمد کراچی نے بھی اسے شائع کیا تھا۔

نعتوں کی سوغات

مرتب: عرفان ثاقؔب قادری

2005ء

حاجی محمد عرفان ثاقؔب قادری نے "نعتوں کی سوغات" کے نام سے ایک ضخیم انتخابِ نعت ترتیب دیا ہے۔ یہ انتخابِ نعت کئی حوالوں سے یادگار ہے۔ اس میں اردو، پنجابی مناجات اور اردو، پنجابی حمدِ باری تعالیٰ ہیں۔ نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی، اردو اور پنجابی میں شامل کی گئی ہیں۔

"نعتوں کی سوغات" میں رباعیاں، مناقب، صلوٰۃ وسلام اور والدین کی شان میں بھی روح پرور کلام شامل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے انتخاب میں مرتب محمد عرفان ثاقؔب قادری نے اپنے تجربات ومشاہدات سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ نعت خواں ہیں۔ عوام وخواص کے ذوق و شوق سے واقف ہیں۔ محافلِ نعت کے مزاج آشنا ہیں۔ نعت خواں حضرات کو کہاں اور کس سلسلے میں پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں۔ انھوں نے اس کمی کو پورا کرنے اور اس پریشانی کو ختم کرنے کے لیے "نعتوں کی سوغات" کو ایک جامع انتخاب بنایا ہے۔ اس انتخاب میں ہر نعت خواں کی ضرورت موجود ہے۔

عموماً ہمارے ہاں بہت سے انتخاب روز وشب ترتیب دیے جارہے ہیں۔ کتاب کا نام بدل جاتا ہے۔ سرورق تبدیل ہوجاتا ہے مگر ہر انتخاب میں گھوم پھر کے وہی نعتیں نظر آتی ہیں جو پہلے سے مختلف منتخبات میں موجود ہوتی ہیں۔

محمد عرفان ثاقؔب قادری مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک ہی کتاب میں مناجات، حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ رسولِ مقبول، رباعیاں، مناقب، صلوٰۃ وسلام اور والدین کی شان میں کلاموں کو یکجا کیا۔ "نعتوں کی سوغات" ان تمام موضوعات کی وجہ سے کافی اہمیت کی حامل ہے۔

''نعتوں کی سوغات'' کو دو مختلف انداز میں شائع کیا گیا ہے۔ اولاً اسے بڑے انداز اور ثانیاً اسے جیبی انداز میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ فی زمانہ نعت خوانی کے حلقوں میں جیبی انداز کی کتابیں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ جیبی انداز میں کتابیں ترتیب دینے سے مرتب موصوف محمد عرفان ثاقبؔ قادری کا تجربہ بھی وسیع ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مرتب کردہ کتابیں جیبی انداز میں شائع ہو کر مقبول عام ہو جاتی ہیں۔

ثاقبؔ قادری اب تک 21 جیبی انداز کی کتب مرتب کر چکے ہیں۔ یہ ان کی مرتب کردہ 22ویں کتاب ہے۔ دو کتابیں نثر میں بھی مرتب کر چکے ہیں۔ اویس رضا قادری کی پڑھی نعتوں کا انتخاب ''روح کائنات'' کے نام سے مرتب کیا۔ ایک کتاب ''یارسول اللہ'' کی ردیف میں بھی ترتیب دے رہے ہیں۔ جشن آمد رسول یعنی جشن ولادت مبارک کے حوالے سے بھی چار کتب مرتب کی ہیں۔ مرتب موصوف کا اوڑھنا بچھونا نعتیہ کتب کی ترتیب و تدوین بن چکا ہے۔ نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حصار میں رہتے ہیں۔

ثاقبؔ قادری نعتیں بھی لکھتے ہیں۔ ان کا فکری رجحان زیادہ تر پنجابی نعتوں کی جانب ہے۔ وہ اب تک پنجابی میں 17 نعتیں کہہ چکے ہیں۔ اردو میں بھی دو نعتیں کہی ہیں۔ ثاقبؔ قادری کی نعتیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کے پاس ذوق وشوق کی فراوانی اور جذبے کی بہتات ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی صاحبِ دل اور صاحبِ نظر نعت گو ان کی اصلاح و رہنمائی فرمائے تاکہ ثاقبؔ قادری اپنی نعت گوئی کے سلسلے کو بھی کامیابی سے آگے بڑھاتے رہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ آپ یوں ہی نعت کے حصار میں رہیں۔ سرکار دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت کا چرچا کرنے والے دنیا وآخرت میں شاد و آباد رہتے ہیں۔ آپ کے گرد جو حصار کھنچا ہے وہ دنیا جہان کی بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ خدا اس حصار کی حفاظت فرمائے۔

میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ محمد عرفان ثاقب قادری صاحبِ فراش ہیں۔ مولا تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل صحت وعافیت عطا فرمائے۔

بجھے چراغوں کی روشنی — مرتب: شاعر علی شاعرؔ — 2007ء

''بجھے چراغوں کی روشنی'' شاعر علی شاعرؔ کا مرتب کردہ ایک اہم انتخابِ نعت ہے۔ جس میں مرحوم نعت گو شعرا کا منتخب کلام بطور خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ''بجھے چراغوں کی روشنی میں''

بطور خاص اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قیامِ پاکستان سے تاحال جو شعرائے کرام پاکستان میں وفات پا چکے ہیں ان کی مشہور و معروف نعتوں سے اس انتخابِ نعت کو سجایا گیا ہے۔ اتنے اہتمام اور اس قدر دل جمعی کے ساتھ اس کام کو کیا گیا ہے کہ بے اختیار مرتب موصوف کے لیے کلماتِ تحسین ادا ہوتے ہیں۔

شعبۂ حمد و نعت میں یوں تو بہت سارے کام ہو رہے ہیں مگر ان کاموں کی بات بالکل جدا ہے جو کسی مخصوص فکر کے ساتھ معلوماتی و تحقیقی انداز میں ترتیب دیے جاتے ہیں۔ وہ کام ہمیشہ یادگار رہتے ہیں اور جگہ جگہ حوالہ بنتے ہیں۔ ہمارے ممدوح محترم شاعر علی شاعرؔ کی فکرِ جدّت پسند نے اس راہِ دشوار کا انتخاب کیا ہے۔ اس کام کی ترتیب و تدوین میں انھیں مشکل حالات کا بھی سامنا رہا مگر اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہے۔ ''بجھے چراغوں کی روشنی'' کی اشاعت اخلاص پر مبنی ہے جس کا اندازہ مرتب کی فکر سے ہوتا ہے۔ وگرنہ زندہ حضرات پر صلہ و ستائش کے لیے بہت سارے کام کیے جا سکتے ہیں۔ اس اہم اور خوب صورت انتخابِ نعت کو حروف تہجی کی نہج پر ترتیب دیا گیا ہے۔

''بجھے چراغوں کی روشنی'' کی ترتیب، تالیف اور تحقیق و جستجو مؤلف کے اخلاص اور قلبی تعلق کی آئینہ دار ہے۔ موصوف نے حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ شعرائے کرام کا نعتیہ کلام صحت و سند کے ساتھ شائع ہو سکے۔ وہ بہت صبر آزما لمحات سے گزرے، انھیں محنت کے ساتھ ساتھ دقت طلبی کا سامنا بھی رہا۔ وہ تھکا دینے والے تحقیق کے نشیب و فراز بآسانی طے کرتے رہے۔ کم آمدنی اور محدود وسائل کے باوجود وہ کام کر گزرے جو کسی انجمن یا ادارے کو کرنا چاہیے تھا۔

شاعر علی شاعرؔ کی سوچ کی وسعت اور فکر کی ندرت پر قربان جایئے کہ انھوں نے اس کام کو بہت اہتمام اور عمدگی سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ حضرت حفیظ تائبؔ نے 1990ء میں ''بہارِ نعت'' کے نام سے منتخب نعتوں پر مشتمل 193 زندہ پاکستانی شعراء کا کلام پیش کیا تھا۔ اس انتخابِ نعت کو اس دور میں بہت سراہا گیا۔ یہ کام اتنا اہم ہے کہ اسے ہر دور میں پذیرائی نصیب ہوگی۔

الحمدللہ! اب ہمارے ممدوحِ محترم شاعر علی شاعرؔ نے پاکستان میں بسنے والے اور قیامِ پاکستان سے تاحال وفات پانے والے 205، شعرا و شاعرات کی نعتوں پر مشتمل ایک مثالی یادگار اور نمائندہ انتخابِ نعت ''بجھے چراغوں کی روشنی'' پیش کر کے اس سلسلۂ نعت کو دوام بخشا ہے کہ جس کا آغاز ''بہارِ نعت'' کی صورت میں حضرت حفیظ تائبؔ مرحوم نے کیا تھا۔

''بجھے چراغوں کی روشنی'' نعت کے ماضی پر مشتمل ہے۔ ''رنگ ادب پبلی کیشنز کراچی''

نے اس کی اشاعت کا اہتمام جنوری 2007ء میں کیا تھا۔ 258 صفحات پر مشتمل اس انتخابِ نعت کو مرتب موصوف کے پتا رنگ ادب پبلی کیشنز کراچی پی او بکس نمبر 17880 گلشن اقبال کراچی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

یہاں میں شاعؔر صاحب کے حوالے سے یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ وہ شعبۂ حمد و نعت کے لیے بہت مخلص ہیں۔ حمد و نعت کے فروغ کے لیے بہت اچھے جذبات رکھتے ہیں۔ شعبۂ نعت میں دیگر کام کرنے والوں کے درمیان ایک اچھے اور سلجھے ہوئے کام کرنے والے کا اضافہ ہو چکا ہے۔ وہ مستقبل قریب میں ''اس (بجھے چراغوں کی روشنی) نعت کے ماضی'' کے بعد ''نعت کا حال''۔ ''اور نعت کا مستقبل'' کے ضمن میں انتخابِ نعت مرتب کرنے کے جذبے سے سرشار اور کوشاں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اپنے کام ہوں یا پرائے وہ مزید مختلف حمدیہ و نعتیہ کام کے سلسلہ میں بے چین و بے قرار رہتے ہیں کہ ان کی اشاعت کو کس طرح سے ممکن بنایا جاسکے۔

شاعر علی شاعؔر حمدیہ و نعتیہ کتب کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی خوشہ چینی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی روشنی میں وہ مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تالیف کا کام بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ جس میں صرف ان قرآنی آیات کا احاطہ کیا گیا ہے جو مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ضمن میں آتی ہیں۔ موصوف نے پورے قرآنِ کریم سے ترتیب وار ہر سورہ اور ہر پارے سے مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عطر کو کشید کیا ہے۔ ایسے ایمان افروز اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پُر کاموں کو دیکھ کر شاعر علی شاعؔر کی درازیٔ عمر اور بلند اقبالی کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتی ہیں۔

راہِ نجات مرتب: غلام مجتبیٰ احدی 2011ء

غلام مجتبیٰ احدی عشقِ رسول کے جذبے سے سرشار ہیں جس کا برملا اظہار ان کی نشست و برخاست میں موجود ہے۔ اس حوالے سے وہ کوششیں بھی کرتے ہیں اور مثالی محافل نعت بھی منعقد کرتے ہیں۔

راہِ نجات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ غلام مجتبیٰ احدی خود ثنا خوانِ رسول ہیں۔ نعت خوانی کے بھی دلدادہ ہیں۔ روز و شب ذکرِ رسول کو عام کرنے کی فکر میں مصروف رہتے ہیں۔ شعبۂ نعت خوانی کے فروغ کے لیے جامع مسجد غوث الاعظم بفرزون کراچی میں ہفتہ وار محفلِ نعت کا آغاز بھی کیا تھا۔ اس کوشش سے متعدد نئے اور خوش الحان نعت خواں بھی متعارف ہوئے تھے۔ محافلِ نعت

کا یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ اپنوں کی ریشہ دوانیوں نے اس سلسلۂ خیر و محبت کو بند کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس نیک کام کو بھتہ مافیا کی نظر لگ گئی تھی۔ ہر سال گیارہ ربیع الاوّل شریف کی رات کو جامع مسجد غوث الاعظم میں روح پرور محفلِ نعت کا اہتمام بھی کرتے ہیں جو کراچی کی اہم محافلوں میں شمار کی جاتی ہے۔ راقم الحروف برسوں سے اس محفلِ نعت میں فرائضِ نظامت ادا کر رہا ہے۔

راہِ نجات کا پندرھواں پاکٹ سائز ایڈیشن جدید ترتیب اور ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ راہِ نجات کے مرتب غلام مجتبیٰ احدی ہیں جو فروغ نعت خوانی میں انتہائی مؤثر اور فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ نعت خوانوں کی تربیت بھی فرماتے ہیں اور انھیں نماز کی بھی ترغیب دیتے ہیں۔ شعبۂ نعت خوانی میں وہ ایسے نعت خوانوں کو پسند نہیں کرتے جو گفتار کے غازی ہیں۔ وہ ایسے نعت خوانوں کی مسلسل حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں جو نعت خوانی کے شعبے میں نمازی ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے اور جو گفتار کے نہیں بلکہ کردار کے غازی ہیں۔

غلام مجتبیٰ احدی بے نمازی اور بے کردار لوگوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ شعبۂ نعت خوانی میں عملی جہاد کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ خداوند قدوس اپنے حبیب مکرم کے صدقے ان کے ارادوں کو مزید استقامت عطا فرمائے۔ راہِ نجات مشہور و معروف نعتوں کا خوب صورت انتخاب ہے، جسے بہت اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ مقبول عام نعتوں پر مشتمل انتخاب، نعت خواں حضرات کے لیے بہت مفید اور کار آمد ہے۔ اس انتخاب نعت میں چند معروف حمدیں بھی شامل ہیں جو نعت خوانوں کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جن نعتوں کا انتخاب کیا ہے وہ روز مرہ محافلِ نعت میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان مقبول عام نعتوں کی ہر نعت خواں کو ضرورت رہتی ہے۔ راہِ نجات میں خلفائے راشدین و بزرگانِ دین کی خوب صورت مناقب بھی شامل ہیں۔ یہ وہ مشہور مناقب ہیں جو اکثر محافل میں گوش بر آواز رہتی ہیں۔

''راہِ نجات'' میں مشہور زمانہ اور منفرد و یگانہ سلام بدرگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں جو ہر محفل نعت میں حرز جاں بنے رہتے ہیں۔ یہ خوب صورت انتخاب نعت راہِ نجات نعت خوانوں کی ہر طلب اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے۔ اس انتخاب کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ تقریباً محافل نعت میں اس کی زیارت ضرور ہوتی ہے۔ یہی بات اس انتخاب کی مقبولیت کی علامت ہے۔

خوب صورت دو رنگے پاکٹ سائز انتخاب نعت راہ نجات 448 صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے جامع مسجد غوث الاعظم سیکٹر 15-اے-5 بفرزون۔ نارتھ کراچی۔ کراچی پاکستان سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اس کا ہدیہ "دعائے خیر" ہے۔ غلام مجتبیٰ احدی راہِ نجات کے ہر ایڈیشن کو ہزاروں کی تعداد میں متعدد بار شائع کرتے ہیں۔ ان کا یہ حسن عمل برسوں سے جاری و ساری ہے۔

"راہِ نجات" مرتبہ غلام مجتبیٰ احدی نے ذکر رسول کے فروغ اور نعت خوانی کی تشہیر میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ واحد انتخاب نعت ہے۔ جس کی ضرورت ہر نعت خواں کو ہے۔ شعبۂ نعت خوانی پر سب سے زیادہ اثرات راہِ نجات نے ثبت کیے ہیں۔ اس کا مزید نیا ایڈیشن (پندرھواں) ترمیم و اضافوں کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ غلام مجتبیٰ احدی کی صحت و سلامتی کے لیے دعا فرماتے رہیں تاکہ یہ سلسلہ دراز رہے۔ غلام مجتبیٰ احدی اسی طرح سے لوگوں کو راہِ نجات دکھاتے رہیں۔

مدینہ ردیف کی نعتیں (نعت نمبر) مرتب: شاعر علی شاعرؔ مارچ 2009ء

مدینۂ پاک، سرزمینِ محبت اور مرکزِ عقیدت ہے۔ سرمایۂ حیات اور اثاثۂ کائنات ہے۔ مسکنِ مصطفیٰ اور آرام گاہِ حبیب خدا ہے۔ جلوہ گاہِ حبیب العلیٰ مرکز نگاہ ہے۔ نعت نمبروں کی کہکشاں میں ایک خوب صورت اور یادگار "نعت نمبر" کا اضافہ، مدینہ طیبہ کی کرنوں سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ "نعت نمبر" کے مدیر مدینے کی مہک سے جہانِ حمد و نعت کی فضا کو مہکا رہے ہیں۔

کتابی سلسلہ "رنگ ادب" کا گیارھواں اور بارھواں شمارہ "نعت نمبر" کے طور سے سامنے آیا۔ اس کے مدیر شاعر علی شاعرؔ ہیں۔ اسی نعت نمبر میں مدینہ ردیف کی نعتوں کے علاوہ تنویر پھول کی غیر مطبوعہ منتخب نعتوں کا خصوصی گوشہ بھی شائع ہوا ہے۔ 16 = 36 x 23 کے سائز میں 400 صفحات پر مشتمل یہ نعت نمبر، رنگِ ادب پبلی کیشنز پی او بکس نمبر 17880 گلشنِ اقبال کراچی کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے۔

نعت نمبر پر سالِ اشاعت درج نہیں، البتہ راقم الحروف (شہزاد احمد) کے پیش لفظ میں رنگ ادب کے دیگر شماروں کی تفصیل میں مارچ 2009 درج ہے۔ یہی سالِ اشاعت درست ہے۔

رنگِ ادب نعت نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر "مدینہ" ردیف کی نعتیں شامل ہیں۔ جب کہ شاعرِ شاعرؔ نے صرف مدینہ ردیف کے علاوہ جن نعتوں میں لفظ مدینہ کا تسلسل اور

گردان موجود ہے، ان ردیفوں سے بھی نعت نمبر کو جلا بخشنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جیسے دیگر ردیفوں میں ''ہوا کے مدینے کی''، میسر ہو مدینے والا، چل یہ شہر مدینہ ہے، کے میں مدینے میں، آقا مدینے والے، مدینے کی گلیاں اور ایسی بے شمار ردیفیں جن میں لفظ مدینہ کی جلوہ گری ہے وہ اس نعت نمبر کی اہمیت کو اور بھی دوچند کر رہی ہیں۔ مدینۂ پاک کے حوالے سے بلاشبہ یہ ایک کامیاب اور احسن کوشش ہے جسے ان شاء اللہ برسوں یاد رکھا جائے گا۔

رنگ ادب کے مدیر نے نعت نمبر کو پوری عقیدت و اہتمام سے شائع کیا ہے۔ نعت نمبر کے دیگر پہلو تو ہماری نظر میں تھے، شاعر علی شاعرؔ نے نعت نمبر کی حیثیت میں یہ پہلو نیا اور منفرد متعارف کروایا ہے۔ جس میں مضامین وغیرہ تو نہیں ہیں مگر مدینہ ردیف کے موضوع پر انتخاب نعت لاجواب ہے۔

نعت نمبر کی اس خصوصی اشاعت میں معروف و مقبول شاعر تنویر پھولؔ کا یہ خصوصی گوشہ اس لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں غیر مطبوعہ نعتیہ کلام شائع کیا گیا ہے۔ تنویر پھولؔ کا شمار نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ بہت کہتے ہیں اور مسلسل کہتے ہیں۔ 12 عدد مجموعہائے کلام مختلف موضوعات کے تحت شائع ہو چکے ہیں...جن میں حمد و نعت کے علاوہ منظوم قرآنی تفہیم، قومی نغمے اور غزلیات وغیرہ شامل ہیں۔

رنگِ ادب ''نعت نمبر'' کے مدیر مدینے کی عطر بیز مہک سے دنیائے حمد و نعت کی سرمدی فضا کو یوں ہی مہکاتے رہیں۔ مدینہ ردیف کی نعتوں کا یہ بے مثال اور منفرد انتخاب نعت ہے۔ جو اپنے موضوع کی انفرادیت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رہے گا۔

نغمۂ حبیب — مرتب: مولانا محمد شفیع اوکاڑوی (خطیب پاکستان) — سن ندارد

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے ''نغمۂ حبیب'' کے نام سے ایک یادگار اور بے مثال مختصر انتخاب نعت ترتیب دیا تھا۔ جسے اپنے روزِ اوّل سے آج تک وہی پذیرائی حاصل ہے۔ اس انتخاب نعت نے فروغ نعت گوئی و نعت خوانی میں کلیدی کردار ادا کیا۔

''نغمۂ حبیب'' ہدیۂ عقیدت کے رنگ برنگے پھولوں کا ایک حسین گلدستہ ہے۔ جو حضور سیّد المرسلین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور بطور نذرانہ پیش کیا گیا ہے۔

''نغمۂ حبیب'' بلاشبہ نعت خواں حضرات اور محبانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے

ایک بے نظیر تحفہ ہے۔ صاحبانِ بصیرت واہلِ محبت اس کو پڑھ اور سن کر وجد و سرور میں آ جاتے ہیں۔

''نغمۂ حبیب'' کے مرتب مولانا شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس انتخاب نعت کی غرض و غایت اور اس کی اصل روح کی جانب یوں اشارہ فرمایا ہے، ''کیا ہی اچھا ہو اگر مسلمان بچے اور بچیاں بجائے فلمی گانوں کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت خوانی کا شرف حاصل کریں۔

سعادت کی گھڑی میں مانگی گئی یہ دعا ایسی مقبول و مستجاب ہوئی کہ آج الحمدللہ! مسلمان بچے اور بچیوں کا شعار ہی نعت خوانی ہے۔

انتخابِ نعت ''نغمۂ حبیب'' میں قادر الکلام شعرا کی معرکۃ الآرا مقبولِ عام نعتیں شامل ہیں۔ ہر رنگ کے پھول اس حسین گلدستہ میں موجود ہیں۔ اس انتخاب نعت نے شعبۂ نعت خوانی میں بے مثال اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقبول ترین و پسندیدہ منتخبات میں ''نغمۂ حبیب'' کا نام سرفہرست ہے۔ اس انتخابِ نعت کو ہر دور میں یاد رکھا جائے گا۔

''نغمۂ حبیب'' کے مطالعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی ایک نعت گو شاعر تھے۔ ان کی ایک نعت ۹ اشعار پر مشتمل اس میں شامل ہے۔

حبیبِ خدا ہیں، حسیں ہیں محمد\
نبی مصطفیٰ ہیں، امیں ہیں محمد\
حسینانِ عالم میں ان کی ضیاء ہے\
خدا کی قسم وہ حسیں ہیں محمد\
محمد شفیعؔ خادمِ دینِ حق ہے\
محمد شفیعؔ کے معیں ہیں محمد

بہت پرانا یہ انتخابِ نعت ہے۔ جس پر سالِ اشاعت درج نہ ہونے کی صورت میں اسے سالِ اشاعت ندارد والے حصے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ بلاشبہ یہ مقبولِ بارگاہ انتخاب ہے۔

فکر و فن

ذکر سرکار ہوا جب سے ترانہ دل کا

ہر زمانہ ہے دھنک رنگ زمانہ دل کا

(اختر لکھنوی)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی۔ بھارت

سیّدنا طاہر سیف الدین کے قصیدے

"فضیلۃ محمد رسول اللہ ﷺ" کا ایک تنقیدی جائزہ

عربی ادب اور عربی شاعری☆۱ کے حوالے سے ہندوستانی اہلِ علم کی خدمات قابلِ ذکر اور قابلِ قدر ہیں۔ ان کی خدمات کو بہت سے محققین نے موضوعِ بحث بنایا ہے، لیکن تفصیلی وتوضیحی جائزہ لینے والوں میں دو محققین کا ذکر ناگزیر ہے۔ ایک ڈاکٹر حامد علی خاں☆۲ (۱۹۹۸۔۱۹۲۷ء) جن کا مقالہ بعنوان "Arabic Poetry in India"☆۳ غیر مطبوعہ شکل میں مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ دوسرا مقالہ ڈاکٹر محمد صدر الحسن کا بعنوان "دراسات فی المدائح النبویۃ بالھند باللغۃ العربیہ"☆۴ شائع ہو چکا ہے جس میں ہندوستان کے نعت گو عربی شعرا کے کوائف زندگی کا مختصر ذکر کرتے ہوئے بطور نمونہ نعتیہ اشعار پیش کیے گئے ہیں جس پر خاکسار کا مفصل تبصرہ پاکستانی مجلّہ "نعت رنگ"☆۵ میں شائع ہوا ہے، ہندوستانی نعت گو شعرا میں ایک نام ڈاکٹر سیّدنا ابو محمد طاہر سیف الدین (۱۳۰۵۔۱۳۸۵ھ) کا ضرور شامل کیا جائے گا، داؤدی بوہرہ فرقہ☆۶ میں آپ کو روحانی پیشوا کی حیثیت حاصل ہے، آپ کی جائے ولادت ممبئی ہے۔

عربی زبان وادب اور اسلامی ثقافت وتمدن کے اعتبار سے ہندوستان میں گجرات کو خاص مقام ومرتبہ حاصل ہے۔ یہاں بے شمار خانقاہیں اور کتب خانے قائم ہوئے۔ عربوں نے یہاں آکر تبلیغ اسلام میں حیرت انگیز اقدامات کیے۔ سرزمینِ گجرات علمائے کرام☆۷ اور اولیا☆۸ کی سرزمین رہی ہے۔ یہاں پر بہت سی کتابیں عربی زبان میں ترتیب دی گئیں اور بہت سی کتب کے تراجم ہوئے۔ یہاں کے سلاطین اور وزرا نے بھی علوم وفنون میں محیر العقول کارنامے انجام دیے☆۹ اور اصحابِ علم وفضل کی پرورش میں دریا دلی کا ثبوت دیا، یہ وہ سرزمین ہے جہاں پر بہت سے صحابہ کرام بھی مدفون ہیں، آج بھی گجرات کے ذرّے ذرّے سے اسلامی تہذیب کی داستان سنائی دیتی ہے۔

یہی وہ علاقہ ہے جہاں بوہروں نے بھی اپنے قدم جمائے اور تبلیغ و ارشاد میں ایسی جاں سپاری کا ثبوت دیا کہ بہت سے غیر مسلمین دینِ اسلام میں داخل ہوئے۔ بوہری علمائے کرام نے بہت سے عملی کارنامے بھی انجام دیے، انھی علمائے کرام میں ایک معروف نام ابو محمد طاہر سیف الدین کا ہے، جنھوں نے عربی زبان میں متعدد نعتیہ قصائد کہے۔ آپ کا ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

صلی علی محمد ربه
حبيبه من حبه حبه

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے اپنے حبیب محمد پر درود بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق (اللہ تعالیٰ) نے آپ سے محبت کی۔

صلی علی محمد ربه
محمد عزبه حزبه

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ پر رحمتیں نازل کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے آپ کو معزز قرار دیا۔

ایک دوسرے قصیدہ لامیہ کے چند اشعار یہاں نقل کیے جارہے ہیں۔

طه النبی سیّد المرسل
خير البرايا قبلة القبل

طٰہٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں، مخلوقات میں افضل ترین ہیں، تمام قبلوں کے قبلہ ہیں۔

داع الى الله باذن له
منه و هاد أو ضح السبل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف بلانے والے ہیں، اللہ ہی کی طرف سے آپ کو اجازت ملی ہے اور (ایسے راستہ کی طرف) ہدایت دینے والے ہیں جو راستوں میں واضح ترین راستہ ہے۔

خير نبی آخر لم يكن
كمثله فی الأعصر الاوّل

تمام انبیا میں فائق ترین، گزشتہ زمانوں میں اس کی مثال ملنی ممکن نہیں ہے۔

احبه حبا صميماً ولا

أخاف من لوم لاعزل و

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نہایت گہری عقیدت رکھنے والا، مجھے لعنت و ملامت کی قطعاً کوئی پروانہیں۔

ایک قصیدہ میمیہ میں رسول اللہ ﷺ کی صفاتِ عالیہ، معجزات اور دیگر کمالات کو قلم بند کیا گیا ہے، اس قصیدہ سے بھی سیّدنا کی سرور کائنات ﷺ سے غیر معمولی محبت کا اندازہ ہوتا ہے، نیز رسالت محمدی اور دینِ اسلام کی حقانیت بھی منظر عام پر آتی ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

احمد المصطفى النبى التهامى

سيّد المرسلين خير الانام

احمد مصطفیٰ نبی مکی وحجازی تمام رسولوں کے سردار اور تمام انسانوں میں افضل ہیں۔

هيته فى الأنام كالمسک شاذ

ذكره فى الدهور لاريب نام

دنیائے انسانیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت شاذ و نادر مشک کی مانند ہے اور زمانوں میں آپ ﷺ کا ذکر خوب صورت نغمہ کے مثل ہے۔

نيله للعباد كالبحر طام

جوده للعفاة كا لغيث هام

بندوں کے لیے آپ کی فیاضیاں بحر ذخار کے مانند ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت طلب گاروں کے لیے انتہائی درجہ کی بارش ہے۔

دينه الحق عروة الله حق

و هى و ثقى مامونه الانفصام

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دراصل اللہ کی رسّی ہے جو بہت ہی مضبوط ہے، منتشر ہونے کا سوال ہی نہیں۔

هو للمذنبين خير شفيع

عندنا رب مهيمن علام☆۱۰

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نگہبان اور نہایت باخبر رب کے یہاں گنہ گاروں کے حق میں بہت بہترین شفاعت کرنے والے ہوں گے۔

نعت گوئی کے موضوعات میں خاصا تنوع ہے، اس کا صرف اتنا مفہوم نہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ کی تعریف، توصیف کی جائے بلکہ آپ کے تعلق سے اسلام سے قبل کی تاریخ، وحیٔ قرآنی، قبائلِ عرب، تاریخِ اسلام، خلفائے راشدین اور اہلِ بیت وغیرہ کو نعتیہ قصائد میں موضوع بحث بنایا جاسکتا ہے۔ یہ تمام مباحث نعت گو شعرا کے یہاں زیرِ بحث رہے ہیں۔ سیدنا نے بھی اپنے ایک نعتیہ قصیدہ میں اہلِ بیت کا محدود تصور پیش کیا ہے:

بنو المصطفی الغر الکرام الغطارف

لھم من کل فخر و طارف

آلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے روشن، عظمتوں کے حامل اور خوش طبع ہیں اور وہ تمام اعزاز اور خاندانی نجابت سے عبارت ہیں۔

لھم من لدن ذی العرش تیجان عظمۃ

و من حلل التطھیر حقا مطارف

مالکِ عرش کی جانب سے ان کے (سروں پر) عظمتوں کے تاج ہیں اور درحقیقت وہ زیورِ تقدس کی ریشمی چادروں میں ملبوس ہیں۔

و ھم لالہ الخلق حقا مظاھر

و ھم لرسول اللہ حقا خلائف

اور اہلِ بیت خالقِ کائنات کے حقیقی سنگِ میل ہیں اور وہی اللہ کے رسول کے حقیقی جانشین ہیں۔

و والدھم مولی البریۃ حیدر

مواطنہ مشھورۃ والمواقف

اور اہلِ بیت کے والدِ محترم اور مخلوق کے مولا حضرت علیؓ حیدرِ کرار ہیں، آپ کے درجات و مقامات مشہور و معروف ہیں۔

و نور ھداھم فی الخلیقۃ لامع

و غیث نداھم فی البریۃ و اکف[☆11]

اہلِ بیت کی ہدایت کا نور مخلوق کے مابین روشن ہے اور ان کی بارانِ سخاوت کے قطرات مخلوق پر ٹپک رہے ہیں۔

مذکورہ اشعار میں اہلِ بیت کی ثناخوانی کی گئی ہے، یقیناً اہلِ بیت کی جتنی ستائش کی جائے کم ہے۔ دنیا کا کوئی خاندان اس خاندان کی ہم سری کرنے سے عاجز ہے، لیکن سیّدنا کا یہ تصور کہ اہلِ بیت کے مورثِ اعلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، بالکل مناسب نہیں۔ اس کے مورثِ اعلیٰ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اگر اہلِ بیت کو صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین تک محدود رکھا جائے تو قرآن کریم کی صریح نافرمانی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

و قرن فی بیوتکن، ولاتبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ، و اقمن الصلوٰة و اتین الزکوٰة، و اطعن اللّٰه و رسوله، انما یرید اللّٰه لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا۔

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ گندگی کو دُور کرے اور تمھیں اچھی طرح پاک کر دے۔

اس آیت کریمہ کی توضیح میں درجہ ذیل سطور ملاحظہ فرمائیں:

اہلِ بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے، بعض نے ازواجِ مطہرات کو لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے، قرآن نے یہاں ازواجِ مطہرات ہی کو اہل البیت کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بیوی کو اہلِ بیت کہا گیا ہے، مثلاً سورۂ ہود آیت نمبر ۷۳ میں، اس لیے ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت ہونا نصِ قرآنی سے واضح ہے۔ بعض حضرات بعض روایات کی رُو سے اہلِ بیت کا مصداق صرف حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو مانتے ہیں اور ازواجِ مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ جب کہ اوّل الذکر ان اصحابِ اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ تاہم اعتدال کی راہ اور نقطۂ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہلِ بیت ہیں۔ ازواجِ مطہرات تو اس نصِ قرآنی کی وجہ سے اور

داماد وداماد واولاد روایات کی رُو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بھی میرے اہلِ بیت سے ہیں یا یہ دعا ہے کہ یا اللہ! ان کو بھی ازواج مطہرات کی طرح میرے اہلِ بیت میں شامل فرمادے۔ اس طرح تمام دلائل میں بھی تطبیق ہو جاتی ہے۔☆۱۲

مذکورہ قصائد کے علاوہ آپ کا ایک قصیدہ ''یارسول اللہ یا خیر البشر''☆۱۳ کے عنوان سے ہے جس کے کچھ اشعار نقل کرنے سے ہم قاصر ہیں۔ بہرنوع مذکورہ اشعار کی روشنی میں یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ ہندوستان کے عربی نعت گوشعرا کے مابین سیّدنا نے اپنا ایک تشخص اور مقام ضرور بنایا ہے اور نعت گوئی کو فروغ دینے میں قابلِ توصیف کردار نبھایا ہے۔ آپ کی دیگر علمی وادبی اور تعلیمی و ملّی خدمات کے جائزے کے لیے ''مہرجان الافتتاح السعید شمس الزماں'' مطبوعہ ۱۳۹۵ھ ہفت روزہ ''ترجمان'' سیّدنا نمبر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر حامد علی خاں نے اپنے مضمون ''سیّدنا ابومحمد طاہر سیف الدین'' (فکر ونظر، علی گڑھ مسلم، یونی ورسٹی، علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد اوّل جنوری ۷۸، ماہ جولائی ۱۹۸۸ء، جلد ۲۴، ص ۴۵۵۔۴۶۳۔۴۶۳) میں آپ کی علمی وادبی اور ملّی خدمات کا ایک قابلِ قدر خاکہ پیش کیا ہے۔ عربی زبان وادب اور عصری علوم کے فروغ کے لیے آپ نے بے شمار مدارس، مراکز اور کالجز قائم کیے۔ قصائد کی زبان ان کی عربی دانی کا غماز ہے۔ زبان شناسی کی قدرت سے اللہ نے نوازا ہے۔ الفاظ وتراکیب کا ایک بڑا ذخیرہ مستحضر ہے۔ لفظوں کے انتخاب پر قدرت ہے۔ اگر یہ فن آ جائے تو تحریر وشعرگوئی میں سحر پھونکا جاسکتا ہے۔ قارئین کے ذہن ودماغ کو قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ سیّدنا کے یہاں فکری بے راہ روی لیکن فنی محاسن سے انکار ممکن نہیں۔ اس مضمون میں آپ کے قصیدہ ''فضیلۃ محمد رسول اللہ'' کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ قصیدہ جشن میلاد النبی ﷺ کی مناسبت سے ماہِ ربیع الاوّل ۱۳۷۹ھ میں پیش کیا گیا۔ مترجم نے اس قصیدہ کی خوبیوں کی طرف درج ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

اس بلیغ قصیدہ نعتیہ کے انشاء اور اس سلک گہر کی ترتیب میں نعت نبی کے خصائص جلیلہ منسلک فرمانے میں الداعی الاجل سیّدنا طاہر سیف الدین اطال اللہ بقاء والشریف نے وہی اسلوب اختیار فرمایا ہے جو دین حنیف کا طریقہ ہے اور اس میں آپ نے ملت وثقافت اسلامیہ کی ان خوبیوں کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے جو سرکار دوعالم کی خداپسند اور جلیل القدر سیرت میں ضوفگن ہیں۔ اس

قصیدہ میں فصاحت و بلاغت کے بیش بہا موتی پروئے ہوئے ہیں اور جن سے داعی محترم علامہ سیدنا طاہر سیف الدین متعنا اللہ بطول بقاء والشریف کی عبقریت ہمیشہ درخشاں رہے گی۔☆۱۴

قصیدہ ”فضیلۃ محمد رسول اللہ“ ۶۳ / اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ سرورِ کونین ﷺ کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ آپ کی مختلف صفات، حسب و نسب، مقام و مرتبہ، سخاوت اور معجزات کو سمیٹے ہوئے ہے اس میں اس پر تاکید کی گئی ہے کہ اتباعِ رسول اُمتِ مسلمہ کے اوّلین فرائض میں شامل ہے۔ اس کے بغیر دنیا و آخرت میں فوز و فلاح ممکن نہیں۔ اس کے بغیر انسان کی تمام نیکیاں اکارت ہو جائیں گی۔ یہ زاویہ بھی اُٹھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالیہ کے حوالہ سے اللہ کے حضور دست بہ دعا ہوا جاسکتا ہے۔ دشمنانِ اسلام سے جنگ جیتی جاسکتی ہے۔ اپنے مقاصد و مطالب کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مصائب و مسائل سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس قصیدہ سے قرآن کریم، احادیث شریفہ اور اسلام کی قدر و قیمت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی ایک قابلِ ستائش کوشش ہے کہ اُمتِ مسلمہ ہمہ آن حبل من اللہ سے اپنے رشتے کو ہمیشہ استوار رکھے۔ یہ قصیدہ قرآن کریم سے مستفاد ہے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سیدنا طاہر سیف الدین کی اسالیب قرآن اور مفاہم قرآن پر نظر ہے۔ سب سے پہلے یہاں چند اشعار ایسے نقل کیے جارہے ہیں جس میں شمائل النبی ﷺ پیش کیے گئے ہیں:

طه النبی المصطفی العربی
معطی الأمانی مسعف الارب

طہٰ، مصطفیٰ نبی عربی خواہشات کو بر لانے والے اور حاجت روائی کرنے والے ہیں۔

سلطان کل راکع ساجد
سیّد کل مرسل و نبی

ہر راکع اور ساجد (تمام عبادت گزاروں) کے تاج دار، جملہ انبیا و رُسل کے سردار ہیں۔

قد اخصہ ذو العرش من بین من
ارسلھم با رفع الرتب

صاحبِ عرش نے آپ کو تمام مرسلین میں بلند ترین رُتبوں سے سرفراز کیا ہے۔

اکرم به من مرسل مجتبی

من ربه بالوحی منتخب

رہے رسول مجتبیٰ جو اپنے پروردگار کی طرف سے آسمانی ہدایت کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔

فی افق النبوة المصطفی

شمس و کل الرسل کالشهب

اُفق نبوت میں حضرت مصطفیٰ ﷺ آفتاب ہیں اور تمام مرسلین چمک دار ستاروں کے مثل ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار میں اللہ کے رسول ﷺ کی عظمت و رفعت کو پیش کیا گیا ہے۔ صاحبِ قصیدہ نے اپنے مخصوص انداز میں آپ کی اعلیٰ حسین اور نجابت نسبی کا ذکر کیا ہے۔ گویا ذاتِ اکرم کو جس رُو سے دیکھا جائے آپ بلند و برتر نظر آئیں گے۔ آپ خاندانی جاہ و حشمت میں تمام قبائل سے ممتاز و منفرد تھے۔

هو ابن عبدالله ابائه

سادة عدنان اولو الحسب

آپ عبداللہ کے فرزند (ارجمند) ہیں، آپ کے آبا و اجداد عدنان کے اعلیٰ حسب سردار ہیں۔

و أمه آمنة البرة اب

نة السری ذی العلیٰ وهب

اور آپ کی پاک طینت والدہ محترمہ آمنہ عالی مرتبت سردار وہب کی بیٹی ہیں۔

سیرت اور تاریخ کے تمام مراجع و مصادر شاہد ہیں کہ نبوت سے قبل بھی اللہ نے آپ کو اعلیٰ کردار اور اخلاق عالیہ سے نوازا تھا۔ آپ کی صداقت اور دیانت کا چرچا تھا۔ قریش اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے اور بہت سے معاملات میں آپ کو حکم قرار دیتے۔ چناں چہ حجرِ اسود کے نصب کرنے کا مسئلہ جب باعث نزاع بن گیا تو آپ نے اسے ایک چادر میں رکھوا کر تمام قبائل کے سرداروں کو چادر پکڑ کر اٹھانے کے لیے کہا، جس سے ایک بہت بڑا طوفان تھم گیا، اسے بھی شاعر نے بڑے حسین

انداز میں پیش کیا ہے:

خیر امین طالع واضع
للحجر الاسود و ھو صبی

ایسا نہایت قابلِ ذکر امانت دار جو (دنیا میں پہلی بار) منظرِ عام پر آیا، جس نے بچپنے میں حجر اسود کو نصب کیا۔

للمکرمات الملکوتیۃ ال
قدسیۃ الغراء مصطحب

آپ ملکوتی، مقدس اور روشن صفات کے مجموعہ ہیں۔

حائز مجد باذخ شامخ
حاولشان باھر عجب

آپ بلند و برتر مجد و شرافت کے حامل ہیں، نیز عجیب و غریب اور نمایاں شان کے مالک ہیں۔

آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے بلکہ یہ بھی کہنا مناسب ہے کہ اس سے بڑا معجزہ دنیا کی آنکھوں نے اب تک نہ دیکھا، تمام انبیا و رسل کے معجزات اس سے کہتر اور کم تر، اس قصیدے میں آپ کی انگلیوں سے پانی بہنے کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی کے توسط سے آپ کی فیض رسانیوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ آپ کا وجود ہی دینے کے لیے ہوا تھا، تمام انبیا و رسل دنیا میں صرف دینے کے لیے آتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی سخاوت اور فیاضی کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ معاشرتی اور دینی اعتبار سے مستقل اپنی قوم کو مالا مال کرتے رہے لیکن کبھی ان سے کسی صلہ کی خواہش نہ کی، ارشاد ربانی ہے:

قل ما سالتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللّٰہ و ھو علی کل شیء شھید. (سبا:۴۷)

کہہ دیجیے کہ جو بدلہ میں تم سے مانگوں وہ تمھارے ہی لیے ہے۔ میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

جدید شاعر شوقی نے آپ کی سخاوت کی تصویر کشی اس طرح پیش کی ہے:

واذاسخوت بلغت بالجود المدی
و فعلت مالا تفعل الانواء

اور جب آپ نے سخاوت کی تو انتہا سخاوت پر پہنچ گئے اور (سخاوت کی رُو سے) آپ نے وہ کچھ کر دکھایا جسے بارشیں دکھانے سے قاصر ہیں۔

و اذا عفوت فقادراً او مقدراً
لایستھین بعفوک الجھلاء☆۱۵

اور جب آپ نے درگزر کیا تو آپ پوری طرح قادر تھے اور (عفو و درگزر) آپ کی فطرت میں ہے اور آپ نے اپنی عفو سے نادانوں (کفار) کو رُسوا نہیں کیا۔

اسی پہلو کو سیّدنا نے بڑے خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے:

بنانہ أطم من خضرم
بیانہ اھلی من الضرب

آپ کی انگلیاں کنوؤں سے کہیں زیادہ پانی دینے والی تھیں، آپ کا طرزِ بیان گاڑھے سفید شہد سے کہیں زیادہ لذیذ تھا۔

کم و لکم أعطی العفاۃ اللّٰھی
بلا سوال و لا طلب

آپ نے دستِ سوال دراز کرنے والوں کو بغیر طلب اور تقاضے کے بے پناہ نوازا۔

من یاتہ مستوھباً یعطہ
مناہ أو فوق المنی یھب

جو شخص آپ کے حضور طلب گارِ بخشش بن کر آتا آپ اس کی آرزو کی تکمیل فرماتے بلکہ آرزو سے سوا نوازتے ہیں۔

و من اتاہ راجیاً فضلۃ
ینلہ رجواہ و لم یخب

اور جو شخص آپ کی عنایت کا متمنی ہو وہ لازماً اپنی تمنا کو پالیتا ہے اور (آپ سے سوال کرنے والا) کبھی ناکام نہیں ہوتا۔

آپ کی جود و سخا کی توضیحات احادیث کی کتب میں موجود ہیں، الطاف حسین حالی نے

اپنی مسدس میں اچھا خاکہ پیش کیا ہے۔ سیّدنا نے بھی اسے بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے، سیرت پاک کی تعلیمات کا ایک اہم گوشہ ہے کہ آپ نے پیغام محبت کو عام کیا اور قسی القلب عربوں کو اپنی محبت سے رام کیا اور دوسری طرف اللہ کی سرزمین سے ظلم وتشدد اور بت پرستی اور شرک کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی، جس کی طرف قرآن کریم نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا. (الکہف:۱۸/۶)

رنج میں اپنی جان ہلاک کرڈالیں گے۔

سیّدنا نے آپ کے اِس پہلو کو اِن الفاظ میں پیش کیا ہے:

دعا الی الوئام بین الوری
نھی عن الفرقة والشعب

آپ نے سارے عالم کو اتحاد کی دعوت دی اور تفریق (نیز باہمی) چپقلش سے احتراز کی دعوت دی۔

و جاھد العصاة من عابدی ال
صنام والاوثان والنصب

اور آپ نے ان سرکشوں سے جہاد کیا جو تصاویر بتوں اور پتھروں کی پرستش میں منہمک ہیں۔

قرآن کریم میں یہ نقطۂ نظر بصراحت موجود ہے کہ شریعت محمدی کے آنے کے بعد تمام شریعتیں کالعدم قرار پاگئیں۔ اس کی حقانیت قرآن کریم اور اُسوۂ نبی کریم ﷺ سے کی گئی ہے:

خطبہ حجۃ الوداع میں اس کی تائید وتوثیق کی گئی ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں اعلان کردیا کہ یہی دین اسلام آپ کے لیے پسند کیا گیا ہے نیز تمام انسانیت کے لیے بھی جیسا حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی قوم کو تلقین کی۔ ارشادِ ربانی ہے:

و وصی بھا ابراھیم بنیه و یعقوب: "یابنی اللہ ان اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون۔" (البقرہ:۲/۱۳۲)

اس کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ ہمارے بچو! اللہ تعالی نے تمھارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔

اس دین کے علاوہ کسی مذہب اور ازم کی پیروی قابل اعتبار اور قابل استناد نہیں ہے۔
ارشادِ ربانی ہے:

و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔ (آل عمران: ۳/۸۵)
جو شخص اسلام کے علاوہ اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا۔

سیدنا نے اسی قرآنی فکر کو اپنے اس قصیدے میں اس انداز میں پرو دیا ہے:

کتابہ المنزل من ربہ
علیہ حقا افضل الکتب.

آپ کی جانب سے نازل کی جانے والی آپ کی کتاب (قرآن مجید) یقیناً اسے افضل الکتب کا درجہ حاصل ہے۔

کم من احادیث لہ تنفع النا
س جمیعا و لکم خطب

آپ کی بے شمار احادیث اور ڈھیروں خطبے تمام دنیائے انسانیت کے لیے نفع بخش ہیں۔

شرعتہ دائمۃ سرمداً
طول مدی الاعصار و الحقب

زمانے اور حالات کے امتداد کے ساتھ ساتھ آپ کی شریعت ہمیشہ جاری و ساری رہے گی۔

و لم یزل یقیم احکامہا
بالجد طول الدہر و الداب

اور آپ نے اس کے احکام کو نہایت غور و خوض سے ہر دور اور ہر حالت کے لیے عام کیا ہے۔

مذکورہ اشعار میں شریعت اسلامی کی اس حکمت کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ ہر دور میں ہر قوم کے لیے راہنما کا درجہ رکھتی ہے۔ یہی تمام اقوامِ عالم کو فسق و فجور اور فتنہ و فساد سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ صراحت فرما دی کہ حالات و ظروف کے ساتھ ساتھ اجتہاد

ضروری ہے۔ یہی اس دین کی خصوصیت اور امتیاز ہے۔ اسی کی وجہ سے ابن تیمیہ، ابن قیم، علامہ البانی، عبداللہ ابن باز اور یوسف القرضاوی کی معنویت برقرار ہے۔ اس قصیدہ میں دین اسلام کی اہمیت و افادیت اُجاگر کی گئی ہے اور اتباعِ دین کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

ملته یجعل اکسیرها

مسّ النفوس خالص الذهب

آپ کے دین کی اکسیر نفس کے تانبے کو خالص سونے میں بدل دیتی ہے۔

دین اسلام کی اسی عظمت و رفعت کو دیکھتے ہوئے اُمت مسلمہ کو دین اسلام کا پابند بنانے کی اپیل کی ہے۔ اتفاق و اتحاد کی درخواست کی گئی ہے۔ یہ بھی التماس ہے کہ دین اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے لیے اَن تھک کوشش کی جائے۔ اس میں شاعر نے جہادِ نفس کے لیے اُکسایا ہے۔ چوں کہ یہی جہادِ اکبر ہے۔ اگر تزکیۂ نفس کی کوشش نہ کی گئی تو بیڑے کا پار لگنا ناممکن ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قد افلح من زکها. و قد خاب من دسها. (والشمس:۹/۹۱۔۱۰)

جس نے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ تزکیۂ نفس اور اتحاد و اتفاق کی بنیاد پر ہی دونوں جہانوں کی کامیابی کا حصول ممکن ہے اسی فکر واحساس کی ترجمانی شاعر نے اس انداز سے کی ہے:

ملته عمارة الدين والدنيا

حسن الخلق والادب

آپ کی شریعت دین اور دنیا دونوں کی عمارت ہے یہ حسنِ اخلاق اور ادبِ عالی کا مجموعہ ہے۔

یامعشر الاسلام فاستمسکوا

بحبلها حیاتکم تطب

اے ملتِ اسلامیہ! اس کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو تمھاری زندگی فرحاں و شاداں گزرے گی۔

اسعوا لما یرفع اعلامها

سعی امرء للخیر فتکذب

ان منازل واہداف کے حصول کے لیے کوشاں رہو جن سے ہر دم اسلام کی بلندی ہو، تمھاری کوشش بالکل اس شخص کی طرح ہو جو کارِ خیر کے لیے بیڑہ اُٹھائے ہو۔

و اتحدوا واتفقوا و اعمروا
داریکم بالجد لا اللعب

اے ملتِ بیضا! متحد و متفق رہو اور اپنی دنیا و آخرت کی تعمیر کے لیے شدید جدوجہد کرو، لہو ولعب سے گریز کرو۔

وجاھدوا انفسکم و انما
بعزمة أمضى من القضب

اور ہمیشہ اپنے نفس کے خلاف عزم وارادہ کے ساتھ برسرِ پیکار رہو (ہاں یہ جہاد) تیغ جو ہر دار سے کہیں زیادہ مستحکم ہو۔

کیوں کہ نفس کے اتنے پینترے اور شیطان کی اتنی چالیں ہیں کہ اس کے سامنے ٹکنا آسان نہیں، اس لیے اللہ کی کتاب میں اس طرح کی فریب کاریوں کو ''خطوات الشیطان'' یا ''الظلمات'' کہا گیا ہے۔ انسان کی کم زوری اور نفس کی تیزی کی طرف قرآن کریم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

وما ابریٔ نفسی ان النفس لامارہ بالسوء۔ (سورۂ یوسف:۱۲۔۵۳)
میں اپنے نفس کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا، بے شک نفس تو بُرائی پر اُبھارنے والا ہی ہے۔

اس قصیدہ میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جن میں قرآن کریم کا انداز جھلکتا ہوا نظر آتا ہے، اس سے قرآنی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس میں ایک شعر:

صابروا رابطوا واتقوا
اللہ یجیء بالنصر و لغلب

(ڈٹے رہو اور محاذ پر) ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرو (تمھارے لیے) وہ مدد اور غلبہ بھیجے گا۔

قرآن کریم کی مندرجہ آیت کریمہ کے مفہوم کو شاعر نے پیش کرنے کی سعی بلیغ کی ہے:

یاایھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا واتقوااللہ لعلکم تفلحون۔ (آل عمران:۳۔۲۰۰)

اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

سورۂ ابی لہب ☆☆۱۶ میں اللہ تعالیٰ نے ابولہب اور اس کی بیوی کے انجام اخروی کو پیش کیا ہے اور یہ حقیقت استکبار اور تمرد کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے سرکشوں اور باغیوں کو اسی طرح اسی انجام بد سے گزرنا پڑے گا، جس طرح ان دونوں کو آخرت میں اس ذلت و منکبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ارشاد باری ہے:

تبت یدا ابی لھب و تب ما أغنی عنہ مالہ وما کسب. سیصلی نارا ذات ابی لھب و امرأۃ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد۔ (سورۂ لہب:۱۱۱۔۱۔۴)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود ہلاک ہوگیا، نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی، وہ عن قریب بھڑکنے والی آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونڈنے والی ہے۔ اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔

پورے اس مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے سیّدنا کا یہ شعر پڑھیے:

اعدانہ فی لھب من لظی
یصلونھا مثل ابی لھب

آپ کے دشمن دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں ہوں گے، وہ اس میں ابولہب کی طرح جھونکے جائیں گے۔

قرآن مجید میں جنت اور اہلِ جنت کی متعدد انداز میں خوب صورت تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا کہ انسان نفس پرستی اور بت پرستی سے باز آ کر حب خداوندی میں گم ہوجائے اور "ادخلوا فی السلم کافۃ" کی تصویر پیش کرے۔ قرآن کریم میں اہلِ جنت کو جن بیویوں سے نوازا جائے گا اس کا بھی مختلف اسلوب میں مختلف آیات کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ان للمتقین مفازا حدائق و اعنابا و کواعب اترابا۔

(النبا:۷۸۔۳۱۔۳۲۔۳۳)

یقیناً پرہیزگاروں کے لیے باغات، انگور اور نوجوان ہم عمر کنواریاں ہیں۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کے تناظر میں یہ شعر پڑھا جائے:

امته فی جنة الخلد فی النع

یم مع کواعب عرب

آپ کی اُمت خلد بریں میں دوشیزہ اور محبت کرنے والیوں کے ساتھ ہوں گی۔

یہی مفہوم قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ اس طرح پیش کیا گیا ہے:

انا انشاھن انشاء" "فجعلنھن ابکارا عربا اترابا"

ہم نے ان کی بیویوں کو خاص انداز سے سنوارا اور ہم نے انھیں کنواریوں کو ہم سر دوست اور ہم عمر میں تبدیل کر دیا۔ (سورۃ الواقعہ:۵۶۔۳۵۔۳۷)

قرآن کریم میں یہ تصور موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی فرشتوں کے ذریعے مدد کرتا ہے۔ قرآن سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کے تعلق سے اس آسمانی مساعدت میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ بہرکیف قرآن مجید کی مختلف آیات کریمہ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ فرشتوں کے ذریعے اللہ نے اپنے بندوں کی مدد کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

یمدد کم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین۔

تمھارا رب تمھاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا۔

(آلِ عمران:۳۔۱۲۵)

فرشتوں کو اللہ کی فوج یعنی جنود السماوات والارض کہا گیا ہے۔ مختلف مواقع پر یہی فوج مومنین کے لیے ناصر و مددگار ثابت ہوئی۔ جنگ تبوک کی مدد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے:

فانزل اللہ سکینته علیه و ایده بجنود لم تروھا۔ (التوبہ:۹۔۴۰)

پس جناب باری نے اپنی طرف سے اس پر تسکین نازل فرما کر ان لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے دیکھا ہی نہیں۔

اسی قرآنی تصور کو سیدنا نے اس طرح منظوم کیا ہے:

و من ملائک الا له اغتدی
مؤید ابعسکر لجب

آپ کی اللہ کے فرشتوں سے لشکر جرار کی صورت میں مدد کی گئی۔

آں حضور ﷺ کی صفات میں سے ایک صفت ''مزمل'' بھی ہے جس کا ذکر سورۂ مزمل میں ہوا ہے۔ اس کو پہلی وحی قرار دیا گیا ہے۔ مفسرین کے یہاں اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ کچھ کے نزدیک ''اقرا'' پہلی وحی ہے، ارشاد ہے:

یایها المزمل قم اللیل الا قلیلا. نصفه او انقص منه قلیلا۔

اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات (کے وقت نماز) میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم آدھی رات یا اس بھی کچھ کم کرے۔ (المزمل:۳۰۔۱۔۳)

اسی پہلو کو اس قصیدہ میں یوں منظوم کیا گیا ہے:

بعصمة الرحمن مزمل
بعزة الجلیل معتصب

آپ عصمت رحمٰن میں ملبوس ہیں اور عزت ذوالجلال کے تاج سے سرفراز ہیں۔

بنی نوع انسان کی خلقت کے متعلق تصریح فرما دی ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

ان مثل عیسی عنداللّٰہ کمثل آدم خلقه من تراب۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال ہو بہو آدم (علیہ السلام) کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا! پس ہو گیا۔

(آل عمران:۳۔۵۹)

SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

اسی طرح خلقت کے تعلق سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ:

واللّٰہ خلق کل دابة من ماء۔ (النور:۲۴۔۴۵)

اور اللہ نے تمام چلنے پھرنے والوں کو پانی سے پیدا کیا۔

اس کی مزید تشریح اس طرح کی گئی ہے:

هو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا و کان ربک

قدیرا. (الفرقان:۲۵۔۵۴)

وہی ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا، پھر اسے نسب والوں اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار قدرت رکھنے والا ہے۔

مذکورہ آیات کریمہ کے علاوہ بے شمار آیات ہیں جن کی روشنی میں اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بنی نوع انسان من جملہ انبیا اور رُسل کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی انھی بنی نوع انسان اور انبیا اور رُسل میں شامل ہیں۔ یہ قرآن کریم میں کہیں نہیں ہے کہ آپ کو "نور" سے پیدا کیا گیا ہے۔ آپ ایک ایسے انسان تھے جسے اللہ نے نبوت سے سرفراز کر کے تمام انسانوں سے اعلیٰ و افضل بنا دیا۔ لیکن آپ کو انسان رہنے دیا۔ قرآن کریم میں بصراحت موجود ہے:

وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق. (الفرقان:۲۵۔۲۰)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

یہی اعتراض اللہ کے رسول ﷺ پر عربوں کی جانب سے تھا:

وقالوا مال ھذالرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا۔ (الفرقان:۲۵۔۷)

اور انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔

اب مذکورہ آیاتِ کریمہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تصور کہ رسول اللہ ﷺ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، بالکل غلط ہے بلکہ یہ شرک بھی ہے جس شرک کو ظلم عظیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس قصیدہ میں بھی یہی خیال پیش کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا وجود نورِ خداوندی سے ہے، اس خیال کی ترجمانی اس طرح کی گئی:

اکرم بہ من ساجد للذی
من نورہ انشاہ مقترب

رہے نبی کریم کہ جنھیں اللہ نے اپنے نور سے پیدا کیا، آپ (اپنے رب کے لیے) سجدہ ریز ہوئے اور تقرب کی منزل پر فائز ہوئے۔

نور ربوبی تجلی لنا
من شیحه فی النور الحجب

آپ نورِ ربانی ہیں، یہ نور آپ کے ہیکل ضیا بار سے منزل وجود میں جلوہ ریز فرمائی۔

کونه ذوالعرش من نوره
اذ کون الانام من ترب

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نور سے پیدا کیا جب کہ ساری دنیا کو مٹی سے پیدا کیا۔

مذکورہ بالا تینوں اشعار میں یہ بتایا گیا کہ اللہ نے آپ کو اپنے نور سے پیدا کیا، یہ تصور قرآن کریم ہے برعکس ہے بلکہ سراسر انحراف ہے۔ اللہ پر بہتان ہے۔ اگر یہ خیال کچھ احادیث میں موجود ہے تو وہ احادیث کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہیں۔ اسے موضوع احادیث کے خانہ میں ڈالا جائے گا۔ یہ تصور موضوع احادیث کی بنیاد پر بیش تر نعت گوشعرا کے یہاں در آیا ہے۔ اللہ کے رسول کی سب سے معتبر تصویر قرآن کریم میں پیش کی گئی ہے۔ اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انشراح کے ساتھ فرمایا: کان خلقه خلق القرآن۔ اس طرح کی قرآنی تصویر "نبی اُمی" میں[☆۱] دیکھی جاسکتی ہے۔

قصیدہ کا اختتام نہایت جذباتی اور مؤثر ہے۔ یہاں اللہ کے رسول کے حوالہ سے سیدنا اللہ سے سوالی ہیں۔ اپنے مصائب و مسائل کو پیش کیا گیا ہے، اپنے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے اضطرابات کے دُور کرنے کی دعا کی گئی ہے۔ اپنی حاجات اور مطالبات کی تکمیل کی عرض داشت پیش کی گئی ہے، خرابی حالات کے دُور کرنے کی دعا کی گئی ہے، اس انداز سے عشقِ رسول ﷺ جھلکتا ہے اور حبِ رسول ﷺ کے قطرات شبنم ٹپکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

ایا رسول الله جده زوزد، أعد
اجراغث، صل من اعط هب

اے رسولِ خدا! کرم فرمائیے، اضافہ فرمائیے، اعادہ فرمائیے، عذاب سے

چھٹکارا دلایئے، مدد کیجیے، عنایت فرمایئے۔ احسان فرمایئے۔ نوازش فرمایئے اور فیض جاری کیجیے۔

لطفا و عطفا یا نبی الهدی
بالمسلمین اجمعین ولی

اے پیغمبر ہدایت، تمام اُمت مسلمہ اور خود راقم الحروف لطف و عنایت کے لیے درخواست گزار ہے۔

انت ملاذنا نبی الهدی
فی ازمات الدهر و النواب

عصری مشکلات و مصائب میں آپ ہی ہماری پناہ گاہ ہیں اے نبی ہادی۔

یاربنا بجاہ خیرالوری
محمد دعاء نا استجب

اے پروردگار! اشرف المخلوقات حضرت محمد ﷺ کے توسط سے ہم دست بدعا ہیں تو اسے قبول فرما۔

أصلح لنا الحالات و انجح لنا ال
حاجات و احرسنا من العطب

بارِ الٰہا! ہمارے حالات کی اصلاح فرما، ہماری حاجتوں کی تکمیل فرما، ہماری (اپنے) غضب سے حفاظت فرما۔

بالعموم نعت گو شعرا کے یہاں جو بے احتیاطیوں وارد ہوئی ہیں وہ یہاں بھی ہیں۔ اب اللہ سے یا ﷺ کے لیے جد، زد، اجر، اغث، صل، من، اعط اور ھب وغیرہ کے الفاظ صرف اللہ کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ کسی شخص حتیٰ کہ انبیا و رسل کو جواد (سخی) بار بار سخاوت میں اضافہ و اعادہ کرنے والا، اجر و ثواب سے نوازنے والا، مستغیث و معطی، محسن اور وہاب قرار دینا شریعت اسلامیہ کے برعکس ہے۔ اللہ کی بہت سی صفات انسان سے وابستہ کی جاتی ہیں۔ لیکن وہ استمرار و سرمدیت سے عاری ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ میں دوام اور تسلسل ہے، انسان کی تمام صفات اور اعمال اسی طرح ہیں، جس طرح اللہ نے اپنی کتاب میں اشارہ کیا ہے:

ما عند کم یفدو ما عنداللہ باق۔ (النحل:۱۶۔۱۹)

تمھارے پاس جو کچھ ہے فانی ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے باقی ہے۔

یہی مفہوم سورۂ رحمٰن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

کل من علیھا فان، و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

زمین پر جو کچھ ہیں سب فنا ہونے والا ہے۔ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔ (الرحمٰن: ۵۵۔۲۶۔۲۷)

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ انسان من جملہ تمام انبیا و رُسل کے انتقال کے بعد اس کی تمام سرگرمیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ وہ انسانوں کو دینے پر کچھ بھی قادر نہیں بلکہ وہ زندہ انسانوں کی استغفار کا محتاج ہے۔ "مردہ بدست زندہ" کے مصداق ہے۔

انسانی احسان کی غایت و انتہا صرف اس کے دم واپسیں سے عبارت ہے۔ اسی لیے آیت کریمہ میں دنیوی زندگی کو تزئین آخرت کا سامان بتایا گیا ہے:

و ابتغ فیما اتٰک اللہ الآخرۃ والاتنس نصیبک من الدنیا۔

اور جو کچھ اللہ نے تم کو دے رکھا ہے، اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی مت بھولو۔ (القصص: ۲۸۔۷۷)

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کو "ملاذ" یعنی ماویٰ و ملجا کے درجہ پر فائز کرنا بالکل قرآن و حدیث کے منافی ہے۔ یہ تمام صفات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ نہ ہی نبی کریم ﷺ "ملاذ" ہوسکتے ہیں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ مولا۔

اس میں ایک شعر اس مفہوم میں ہے:

میلادہ　　المیمون　　عیدلنا
للبرکات　　أفضل　　والسبب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہماری عید ہے اور نزول برکات کا بہترین وسیلہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کی ولادت تمام کائنات کے لیے برکتوں اور سعادتوں کا ذریعہ تھی اور رہتی دنیا تک رہے گی، اسوۂ رسول ہر عید میں ذریعہ نجات رہا ہے اور آئندہ رہے گا، لیکن اسے عید کا درجہ دینا غیر اسلامی تصور ہے، اسی طرح اس کے لیے اہتمام کرنا، چراغاں کرنا، جشن منانا، اس کے لیے حکومت کی املاک اور بجلی کا استعمال کرنا، خلاف دین ہے۔ پاکستان میں عید میلادالنبی ﷺ کی رونق

کا سارا انحصار سرکاری بجلی پر ہوتا ہے، جو کسی طرح جائز نہیں۔ ذکرِ رسول ﷺ وہ بھی حرام طرز پر کس قدر تأسف اور افسوس نہ پوچھیے، چاہے عید میلاد النبی ﷺ ہو یا عید غدیر سب کے سب انحراف دین میں شامل ہیں۔ دین اسلام میں صرف عیدین کا تصور ہے۔

اس قصیدے کا اختتام درود وسلام پر ہوا ہے، یہی علامت ایمان بھی ہے کہ ہماری زبانیں درود وسلام سے تر رہیں اور یہی "ورفعنالک ذکرک" کی تفسیر وتشریح بھی ہے اور قرآن کریم کا کثرت درود کے لیے حکم بھی سیدنا کا انداز درود وسلام کس قدر پیارا ہے۔

قبته الخضراء فی یثرب
تحت السماء ارفع القبب

یثرب میں آپ کا گنبد خضرا زیرآسمان سب سے بلندترین گنبد ہے۔

سحت علیها من صلوة الال
ه دائما هواه طل السحب

اس گند خضرا کو رحمت خداوندی سے موسلادھار بارش برسانے والے بادل ہمیشہ سیلابی بارش سے سیراب کرتے ہیں۔

بلغ سلامت نسیم الصبا
سوح النبی المصطفی العربی

بادِ صبا! روضہ رسول مصطفیٰ عربی تک ہمارا درود وسلام پہنچادے۔

صلی علیه الله سبحانه
و اله و صحبه النجب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے رسول، اہلِ بیت اور برگزیدہ اصحاب رسول پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔

اس قصیدہ کو ہندوستانی نعت گوشعرا کے اچھے نعتیہ قصائد میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس میں حب رسول اور علاقۂ رسول کی عمدہ مثال موجود ہے۔ شاعر کا انداز نہایت مؤثر اور خاص کیفیت کا حامل ہے۔ اس پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ اسوۂ حسنہ رسول کی اتباع ہی سے اپنے مسائل ہم حل کر سکتے ہیں۔ ذلتوں اور رُسوائیوں سے نکلنے کا یہی واحد راستہ ہے۔ خود دنیا جن فتنہ انگیزیوں اور شرپسندیوں میں گھری ہوئی ہے، وہ بھی طریقہ رسول کو اختیار کر کے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ یہ قصیدہ اسوۂ رسول

کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے، اس میں آپ کی بہت سی تصاویر کی عکاسی کی گئی ہے۔ کچھ تسامحات سے قطع نظر یہ ایک قابل قدر نعتیہ کاوش ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی ایک سعی حسنہ ہے۔ الفاظ میں حسن اور سبک پن ہے، شاعر کو الفاظ کے برتنے کا ڈھنگ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ پڑھتے ہوئے عجمیت کا احساس کم ہوتا ہے۔ (عجیب اندازِ بیان میں سلاست و روانی، زبان صیقل شدہ اور جذبات کی حسین پیش کش ہے۔

حواشی

☆۱۔ ہندوستان میں عربی شاعری پر ایک قابل قدر مضمون دیکھیے۔ ہندوستان کے عربی شعرا پر ایک نظر۔ ابو محفوظ الکریم معصومی۔ معارف۔ اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۰ء۔ ۶۵/۳، ص ۱۸۰/۲۰۲۔ معصومی صاحب مرحوم کے مقالہ پر استدراک کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہندوستان کے عربی شعرا پر ایک نظر۔ سید اختر علی تلہری۔ معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۰ء، ۶۷/۳، ۱۸۳/۲۰۱۔ خاکسار نے استاد مخدوم ڈاکٹر حامد علی خاں کے انتقال پر ایک مضمون تحریر کیا تھا، دیکھیے: محسن عزیز، ڈاکٹر حامد علی خاں، جنوری ۲۰۰۷ء۔

☆۲۔ ا۔ کانفرنس گزٹ، سلان جہاں منزل، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ص ۱۶۔۲۱

☆۳۔ Arabic Poetry in India، مقالہ آزاد لائبریری، پی ایچ ڈی، سیکشن میں موجود ہے جو چار سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے۔

☆۴۔ یہ مقالہ دو جلدوں پر زیر نگرانی پروفیسر عبدالباری ترتیب دیا گیا، مولانا آزاد لائبریری کے پی ایچ ڈی سیکشن میں موجود ہے۔ یہ پہلا مقالہ ہے جس میں سب سے زیادہ ہندوستانی عربی نعت گو شعرا کا استقصاء کیا گیا ہے۔ ۱۰۴۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

☆۵۔ اس مقالہ پر خاکسار کا ایک تجزیاتی مقالہ شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو، ہندوستان میں عربی نعت گوئی، تحلیل و تجزیہ، ایک جائزہ، کراچی، شمارہ نمبر ۱۳، ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۸۔۱۶۹، یہ مقالہ ۲۰۰۷ء میں معہد الدراسات الاسلامیہ اورنگ آباد، مہاراشٹر ہند سے شائع ہو چکا ہے۔ نعت رنگ۔

☆۶۔ بوہروں کی تفصیلات اور تاریخ جاننے کے لے ملاحظہ ہو: The Bahros, Asghar Ali Engineer Shalimar, Copy Mumbai 400001, 1993, Pages:335۔

☆۷۔ گجرات کی علمی تاریخ پر ایک مستند مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: یادِ ایام (یعنی مختصر تاریخ گجرات) مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی، مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام، لکھنؤ، بار سوم، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، (صفحات ۱۴۰)

☆۸۔ گجرات کے عربی مدارس اور مختلف اسلامی موضوعات پر کام کرنے والی شخصیات کے لیے دیکھیے: گجرات کی تمدنی تاریخ۔ (مسلمانوں کے عہد میں) مولانا سید ابو ظفر ندوی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء، صفحات: ۳۳۵

☆۹۔ گجرات کے سلاطین اور وزرا نے علمی خدمات انجام دیں۔ ملاحظہ: تاریخ گجرات، پروفیسر مولانا سید ابو ظفر ندوی، ندوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی، شعبان ۱۳۹۱ھ، ستمبر ۱۹۷۱ء، صفحات ۴۳۸

☆۱۰۔ یہ تمام اشعار محمد صدر الحسن صاحب کے پی ایچ ڈی مقالہ: "دراسات فی المدائح النبویۃ بالھند باللغۃ العربیۃ" سے نقل کیے گئے ہیں۔ صاحب مقالہ نے سیدنا ابو محمد طاہر سیف الدین کے کئی نعتیہ قصائد سے بطور مثال اشعار نقل کیے ہیں۔ مقالہ نگار نے سوانحی خاکہ سے بحث نہیں کی ہے۔

☆۱۱۔ یہ اشعار ڈاکٹر حامد علی خاں کے مقالہ سے ماخوذ ہیں۔ دیکھیے: فکر و نظر نامورانِ علی گڑھ، تیسرا کارواں، جلد اوّل، جلد ۲۳۔ جنوری ۸ تا جولائی، ۸۸۔علی گڑھ، ص ۵۵

☆۱۲۔ قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر (یہ ترجمہ مولانا محمد، جوناگڑھی کے قلم سے ہے اور تفسیری حواشی، مولانا صلاح الدین یوسف کے تحریر کردہ ہیں، مجمع کی جانب سے نظرِ ثانی کا کام ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس اور ڈاکٹر اختر جمال لقمان ہر دو حضرات نے انجام دیا ہے۔شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینۃ المنورہ، السعودیہ العربیہ ۱۴۲۳ھ، ص ۱۱۷۸

☆۱۳۔ یہ قصیدہ مولانا آزاد لائبریری کے عربی سیکشن کے کیٹلاگ میں موجود ہے لیکن اپنی جگہ پر موجود نہیں جس کی وجہ سے اس قصیدے کے اشعار نقل نہیں کیے گئے۔

☆۱۴۔ فضیلۃ محمد رسول اللہ، تقدس مآب ڈاکٹر سیدنا ابی محمد طاہر سیف الدین، (جشن میلاد النبی، شہر ربیع الاوّل ۱۳۷۹ھ)، ص ۴

☆۱۵۔ الشوقیات، احمد شوقی

☆۱۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن، مولانا حمید الدین فراہی (ترجمہ از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء، ص ۴۸۳۔۵۱۶

☆۱۷۔ پاکستان کے مشہور مصنف مرحوم خالد مسعود صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ہے، آپ مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ''تدبر قرآن'' کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ آپ کی کتاب ''نبی اُمّی'' پر خاکسار کا مقالہ ''حیاتِ رسولِ اُمّی'' ایک منفرد تصنیف ہے۔ (الکوثر، علی گڑھ، مسلم یونی ورسٹی، سیرت کمیٹی، اے، ایم یو۔ علی گڑھ'' مارچ ۹۔۲۰۰۸ء، ص ۳۱۔۳۲) شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالہ کو مزید اضافہ کے ساتھ رابطہ ادب اسلامی عالمی کی جانب سے اورنگ آباد میں منعقد ہونے والے سیمینار میں بتاریخ ۷۔۸ جون ۲۰۰۹ء کو پیش کیا گیا۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری۔ بھارت

علامہ احمد یار نعیمیؒ کی نعتیہ شاعری

نعت درحقیقت ایک باعظمت اور مقدس صنف سخن ہے اس صنف کی طرف ہر وہ شاعر و سخن ور متوجہ ہوا جس کے اندر تخلیق شعر کا قدرے بھی مادہ موجود تھا۔ چوں کہ یہ صنف ادب سے زیادہ ایمان و عقیدے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے ہر شاعر و سخن ور نے نعت کے اشعار کہنا اپنے ایمان کا فریضہ اور محبت رسول اکرم ﷺ کا تقاضا سمجھا اور اپنی سکت بھر نعت گوئی کے عمل میں مصروف رہا۔

ان نعت گو شعرا کی جماعت میں صحابہ رسول اکرم ﷺ سے لے کر اپنے زمانے کے جید علمائے کرام، صوفیائے عظام بزرگان دین مسلمانان عالم اسلام اور غیر مسلم نعت گو شعرا بھی ہیں۔ جسے اپنی زبان میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کے اس راہ کے مسافر یا راہ رو عوام و خواص دونوں گروہ کے لوگ ہیں۔ ظاہری بات ہے جس راہ کے راہ رو عوام و خواص دونوں طبقے کے لوگ ہوں تو دونوں کی روش میں نمایاں فرق ہونا یقینی ہے۔ یہی وجہ رہی کہ اس صنفِ سخن میں معیاری اور غیر معیاری دونوں طرح کے کلام پائے جاتے ہیں۔ میں اس مقام پر واضح کرنا چاہتا ہوں کے صرف صنف نعت ہی میں معیاری اور غیر معیاری کلام نہیں پائے جاتے ہیں بلکہ دیگر اصناف ادب کا بھی یہی حال ہے۔

نعت کے اشعار کہہ کر نعت گو نے تو اپنا حق ایمانی اور محبت رسول ﷺ کا تقاضا تو پورا کر دیا مگر اس صنف کے ساتھ ستم یہ ہوا کہ غیر معیاری نعتیہ کلام کی وجہ سے اس کا پورا سرمایہ اہل علم و ادب یا ناقدین ادب کی فکری توجہ سے محروم رہا۔ جب کہ دیگر اصناف میں چاہے جتنا غیر معیاری کلام کیوں نہ ہو ناقدین ادب اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لے کر اہل فکر و دانش کو اس کی طرف متوجہ ضرور کرتے ہیں۔

صنفِ نعت کی تنقید کی طرف ناقدین ادب کے متوجہ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی رہی کہ

اس صنف میں فن سے زیادہ معانی و مفاہیم سے بحث ہوتی ہے اور معانی و مفاہیم کا تعین قرآن و احادیث، سیرت رسول، خصائص و فضائل رسول ﷺ سے کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے مذہبی علوم میں علم راسخ کی ضرورت درکار ہوتی ہے جو کہ جید عالم دین ہی کرسکتا ہے اس لیے ناقدین ادب اس فن کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور سوچتے رہے کہ کون اس صنف پر تنقید کا قلم اٹھا کر خود کو گردن زدنی کا شکار ہونے جائے۔ اس لیے کہ اگر کسی شعر کے معانی و مفاہیم صحیح طور پر قرآن پاک، حدیث رسول یا سیرت رسول ﷺ سے متعین نہ ہوسکے تو پھر علمائے کرام کا قلم ان کا محاسبہ و محاکمہ فرمائے گا جو خود ان کی اپنی علمی شوکت کے شایان شان نہیں۔

غیر معیاری نعتیہ کلام در آنے کی وجہ

نعت کے فن میں غیر معیاری کلام یا خلاف شرع کلام کے در آنے کی وجہ یہ رہی کے ہر آدمی قرآن و حدیث کا جید عالم نہیں ہوسکتا اور جب قرآن و حدیث پر گرفت مضبوط نہیں ہوگی تو یقیناً اندازِ گفتگو اندازِ تدبر میں فرق ہوگا بالکل یہی فرق نعت گو شعرا کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ جو نعت گو شعرا قرآن و حدیث کا درک رکھتے ہیں۔ ان کا کلام تو معیاری اور بلیغ ہوتا ہے مگر جو نعت گو شعرا قرآن و حدیث کا راسخ علم نہیں رکھتے۔ قرآن و حدیث پر ان کی پکڑ مضبوط نہیں ہے یا وہ سطحی اور عوامی علم رکھتے ہیں تو ان کے کلام میں کہیں نہ کہیں جھول ضرور آجاتا ہے۔ اس بات کو میں ایک مثال کے ذریعے واضح کرنا چاہتا ہوں کے ایک ہی موضوع سے متعلق دو نعت گو شعرا نے ایک ایک شعر موزوں کیے اور دونوں عالم دین بھی ہیں مگر دونوں کے تدبر اور شعر گوئی میں بہت فرق ہے حضرت مولانا غلام محمد ترنم صاحب فرماتے ہیں:

اب دل میں ہیں ترنم یادِ نبی کے جلوے
غم اپنی زندگی کے ہم نے بھلا دیے ہیں[۲۱]

اور حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل پڑے ہیں کوچے بسا دیے ہیں[۲۲]

ان دونوں اشعار کا جب ہم گہرائی و گیرائی سے جائزہ لیتے ہیں تو دونوں نعت گو شعرا کے شعر کا ماحصل "غم سے نجات" نظر آتا ہے مگر دونوں حضرات نے غم سے نجات کے الگ الگ طریقے

بیان فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا غلام محمد ترنم صاحب غم سے نجات نبی اکرم ﷺ کی یاد کے جلووں سے فرمایا ہے۔ اور حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ غم سے نجات یاد نبی کی خوش بو سے فرمایا ہے۔ خوش بو اور جلوہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں کی تاثیر الگ الگ ہے۔ یقیناً خوش بو سے آدمی ایک لمحے کے لیے تازہ دم اور مفرح محسوس کرنے لگتا ہے۔ خوش بو سے تو غم غلط کیا جا سکتا ہے مگر جلوے سے غم غلط کرنے کی بات کم سمجھ میں آتی ہے۔ علامہ حسن رضا خان حسن بریلوی علیہ الرحمہ بھی ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

خزانِ غم سے رکھنا دور مجھ کو اس کے صدقے میں
جو گل اے باغباں ہے عطر تیرے باغ صنعت کا[۳]

چناں چہ مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ مولانا حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اظہارِ خیال فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

میں اپنے چھوٹے بھائی حسن میاں یا حضرت کافی مراد آبادی کا کلام سنتا ہوں اس لیے کہ ان کا کلام میزانِ شریعت میں تلا ہوا ہوتا ہے اگر چہ حضرت کافی کے یہاں لفظ رعنا کا استعمال بھی موجود ہے۔ اگر وہ اپنی اس غلطی پر آگاہ ہو جاتے تو یقیناً اس لفظ کو بدل دیتے۔[۴]

گویا کہ دو طبیب ایک مریض کا علاج کر رہے ہیں مگر دونوں کے طریقہ علاج میں نمایاں فرق ہے۔ مولانا غلام محمد ترنم صاحب غم زندگی کا علاج یاد نبی کے جلووں سے کر رہے ہیں اور مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی خوش بو سے کر رہے ہیں۔ آپ یقیناً بول اٹھیں گے کہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی طبیب حاذق کے مرتبے پر فائض ہیں اور مولانا غلام محمد ترنم صاحب صرف طبیب کے مرتبے پر فائض ہیں۔

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ مولانا غلام محمد صاحب ترنم بھی عالم دین ہیں اور مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی بھی عالم دین ہیں۔ اور جب نعت گوئی کے میدان میں علمائے کرام کی فکر میں تفاوت ہو سکتا ہے تو جو حضرات قرآن و حدیث، سیرتِ رسول و خصائص و فضائل رسول ﷺ سے ناواقف ہیں یا ان کا علم محدود و سطحی ہے تو ان کی فکر ان کے تدبر میں کتنا فرق ہوگا۔ اگر چہ مذکورہ اشعار میں فنی و ادبی اعتبار سے کوئی سقم نہیں ہے مگر فکری اعتبار سے تو ہے ہی میں نے اس تمہید کو محض اس اعتبار سے تحریر کیا ہے کہ حضرت علامہ مفتی احمد یار خان بدایونی علیہ الرحمہ اپنے

زمانے کے جید عالمِ دین تھے۔ انھوں نے قرآن پاک کی تفسیر "تفسیرِ نعیمی" اور حدیث پاک کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" کی شرح و ترجمہ تحریر فرمایا ہے ان کا کلام یا ان کا دیوان اس قابل ہے کہ اس کا جائزہ لیا جائے۔

مفسرِ قرآن حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمہ کا شمار اکابر اہل سنت میں ہوتا ہے آپ کی ولادت ہندوستان کے مشہور شہر بدایوں کے قصبہ اوجھیانی کے محلہ کھیڑا میں ماہ شوال المکرم ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء میں ہوئی۔ اوجھیانی ریلوے اسٹیشن بدایوں شہر سے ۱۳ کلومیٹر کی دُوری پر واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ محمد یار خان بدایونی علیہ الرحمہ اپنے زمانے کے ایک جید عالم دین تھے فارسی زبان و ادب میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ نے اپنے قصبہ اوجھیانی کی ہی جامع مسجد میں ایک مکتب قائم کر رکھا تھا جہاں وہ طلبہ کو دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرتے تھے۔ حضرت مفتی احمد یار خان صاحب علیہ الرحمہ نے بھی اوّلاً اسی مکتب میں آغوشِ پدر میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب آپ کے اکتسابِ علم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

> مولانا مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں داخل ہو کر تین سال تک ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء مولانا قدیر بخش بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ اسی زمانے میں بریلی شریف جا کر حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ابتدائی کتب محنت و جان فشانی سے پڑھیں، امتحان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ مولانا حافظ بخش بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مہتمم) نے خاص طور پر ان کی تعریف کی اور انھیں انعام کا مستحق قرار دیا، ماہنامہ شمس العلوم، بدایوں میں بے کیفیت شائع ہوئی۔☆۵

مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کی بارگاہ میں حاضری کے متعلق خود حضرت مفتی احمد یار خان تحریر فرماتے ہیں:

> میری عمر اس وقت کوئی دس بارہ کے لگ بھگ ہوگی اور میں بدایوں میں تھا۔ ان دنوں ۲۷ رجب قریب تھی اور اعلیٰ حضرت کے یہاں تقریب معراج کی

تیاریاں زوروں پر تھیں، آپ اس تقریب کے لیے بڑا اہتمام فرماتے اس مصروفیت کے باعث ہمیں صرف ایک مجلس میں حاضری نصیب ہو سکی جس میں اعلیٰ حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔☆۲۶

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب کی شاعری کے حوالے سے حضرت مولانا محمد احمد صاحب صدر مدرس الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ تحریر فرماتے ہیں:

شعر و سخن سے بھی مفتی صاحب کو تعلق تھا۔ سالک تخلص فرماتے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام ''دیوان سالک کی شکل میں پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ فن شعر سے ان کی وابستگی کا واقعہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۵ء میں جب وہ کچھوچھ شریف، شیخ الحدیث کی حیثیت سے پہنچے تو علامہ حکیم سید نذر اشرف صاحب فاضل علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لیے گئے۔ حکیم صاحب نے ابتدائی ذکر و تعارف کے بعد برملا سوال کیا ''آپ کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ ہے؟ مفتی صاحب نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا آپ نصف عالم معلوم ہوتے ہیں۔'' حکیم صاحب کی یہ بات کچھ اس انداز سے مفتی صاحب کے دماغ میں اتر گئی کے آپ نے باقاعدہ فنِ شعر گوئی کی تحصیل کی اور حکیم صاحب سے برابر اصلاح لیا کرتے اس طرح جلد ہی آپ ایک باکمال شاعر بھی ہو گئے۔☆۲۷

حضرت مفتی احمد یار خان صاحب علیہ الرحمہ کے دیوان ''دیوان سالک'' کی زیارت کا شرف پہلی بار مکتبہ رضویہ ۵۱۰ر مٹیا محل دہلی سے شائع شدہ حضرت مفتی صاحب کے مجموعہ رسائل ''رسائل نعیمیہ'' میں ہوا۔ جسے مکتبہ رضویہ مذکورہ نے حضرت مفتی صاحب کے آٹھ مجموعہ رسائل میں شائع کیا ہے اور سر فہرست دیوان سالک کو ہی شمار کرایا ہے۔ اس مجموعہ رسائل میں دیوان سالک کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے جن رسائل کو شامل کیا ہے ان کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) رسائل نور (۲) سلطنت مصطفیٰ (۳) الکلام المقبول (۴) ایک اسلام
(۵) اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں (۶) اسرار الاحکام (۷) درس القرآن۔

میری سمجھ سے بالاتر بات ہے کہ دیوان سالک کو کس طرح مکتبہ رضویہ مذکورہ کے مالک نے مجموعہ رسائل میں شمار کیا ہے۔ اگر نشر و اشاعت کا کوئی قاعدہ کلیہ ہو تو میں اس سے نابلد ہوں اور

اگر ان کا مقصد حضرت مفتی صاحب کی تصنیفات وتالیفات کا فروغ اور تعارف ہے تو انھیں کم از کم دیوان سالک کو خوب صورت اور معیاری انوار میں الگ سے مقدمے کے ساتھ شائع کرنا چاہیے تھا جس سے کہ اس کا صحیح تعارف ہوسکتا۔

دیوان سالک حضرت مفتی صاحب کا یہ دیوان ۴۴، صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے۔ ممکن ہے ان کا اور بھی کلام ہو جو مجھ ناچیز کو ہزار کوششوں کے باوجود دستیاب نہیں ہوسکا۔

دیوان سالک کا آغاز باقاعدہ ''حمد باری تعالیٰ'' سے ہوا ہے جس کا مطلع ہے:

اے خالق و مالک رب علیٰ سبحان اللہ سبحان اللہ
تو رب ہے میرا میں بندہ تیرا سبحان اللہ سبحان اللہ

اور مقطع ہے:

یہ سالک مجرم آیا ہے اور خالی جھولی لایا ہے
دے صدقہ رحمت عالم کا سبحان اللہ، سبحان اللہ

اس کے بعد نعت نبی اکرم ﷺ کا آغاز ہوتا ہے پہلی نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا
لبوں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا
وہ ہادی جس نے دنیا کو خدا والا بنا ڈالا
دلوں کو جس نے چمکایا عرب کا مہ جبیں دیکھا
بسے جو فرش پر اور عرش تک اس کی حکومت ہو
وہ سلطان جہاں طیبہ کا اک ناقہ نشیں دیکھا
بھلا عالم کی شئی مخفی رہے اس چشم حق بیں سے
کہ جس نے خالق عالم کو بے شک بالیقیں دیکھا
ہو لب پر امتی جس کے کہیں جب انبیا نفسی
دو عالم نے اسے سالک شفیع المذنبیں دیکھا☆

اس کے بعد مسلسل نعت پاک کی جلوہ سامانیاں ہیں ایک نعت پاک میں حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کی حسرتوں کو ملاحظہ فرمائیں وہ فرماتے ہیں:

خاک مدینہ ہوتی میں خاکسار ہوتا
ہوتی رہ مدینہ میرا غبار ہوتا

آقا اگر کرم سے طیبہ مجھے بلاتے
روضے پہ صدقہ ہوتا ان پر نثار ہوتا
وہ بے کسوں کے آقا بے کس کو گر بلاتے
کیوں سب کی ٹھوکروں پر پڑ کر میں خوار ہوتا
طیبہ میں گر میسر دو گز زمین ہوتی
ان کے قریب بستا دل کو قرار ہوتا
مرمٹ کے خوب لگتی مٹی مری ٹھکانے
گر ان کی رہ گزر پر میرا مزار ہوتا☆۱۰

دیوانِ سالک میں ایک ترانہ ولادت ہے جو چھوٹی سی زمین ہے فرماتے ہیں:

ماہ ربیع الاوّل آیا	رب کی رحمت ساتھ میں لایا
وقت مبارک ہے رات سہانی	صبح کا تڑکا ہے نورانی
پیر کا دن تاریخ ہے بارہ	فرش پہ چمکا عرشی تارہ
آج کی رات برات رچی ہے	آمنہ کے گھر دھوم مچی ہے
گھر میں حوریں اور ملک ہیں	جن کی قطاریں تا بہ فلک ہیں
ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا	شور مچا اک صلی علیٰ کا
لو وہ اب اٹھی گرد سواری	پیدا ہوئے محبوب باری
باغ خلیل کا وہ گل زیبا	کشت صفی کا نخل تمنا
رحمت عالم نور مجسم	صلی اللہ علیہ وسلم
تم بھی اٹھو اب وقت ادب ہے	ذکر ولادت شاہ عرب ہے
تخت ہے ان کا تاج ہے ان کا	دونوں جہاں میں راج ہے ان کا

اور مقطع میں ذکر ولادت پاک کا ماحصل عرض کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

چشم کرم للہ ادھر ہو
سالک خستہ پر بھی نظر ہو☆۱۱

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے ولادت سرکار کے حوالے سے قصیدہ تحریر فرمایا ہے جس میں حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے قصیدہ معراجیہ کا رنگ اور اس کی فکری

جھلک نمایاں ہے فرماتے ہیں:

نصیب چمکے ہیں فرشیوں کے کہ عرش کے چاند آ رہے ہیں
جھلک سے جن کی فلک ہے روشن وہ شمس تشریف لا رہے ہیں
زمانہ پلٹا ہے رت بھی بدلی فلک پہ چھائی ہوئی ہے بدلی
تمام جنگل بھرے ہیں جل تھل ہرے چمن لہلہا رہے ہیں
ہیں وجد میں آج ڈالیاں کیوں یہ رقص پتوں کو کیوں ہے شاید
بہار آئی ہے مژدہ لائی کے حق کے محبوب آ رہے ہیں
خوشی میں سب کی کھلی ہیں باچھیں رچی ہے شادی مچی ہیں دھومیں
چرند اِدھر کھلکھلا رہے ہیں پرند اُدھر چہچہا رہے ہیں
نثار تیری چہل پہل پر ہزار عیدیں ربیع الاوّل
سوائے ابلیس کے جہاں میں سبھی تو خوشیاں منا رہے ہیں
شب ولادت میں سب مسلماں نہ کیوں کریں جان و مال قرباں
ابولہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں
زمانہ بھر میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کھانا اسی کا گانا
تو نعمتیں جن کی کھا رہے ہیں انھیں کے ہم گیت گا رہے ہیں
حبیب حق ہیں خدائی نعمت بنعمت ربک فحدث
خدا کے فرمان پر عمل ہے جو بزم مولا سجا رہے ہیں
میں تیرے صدقے زمین طیبہ فدا نہ کیوں تجھ پہ ہو زمانہ
کے جن کی خاطر بنا زمانہ وہ تجھ میں آرام پا رہے ہیں
ہیں جیتے جی کے یہ سارے جھگڑے مچی جو آنکھیں تمام چھوٹے
کریم جلوہ وہاں دکھانا جہاں کہ سب منھ چھپا رہے ہیں
نکیرو پہچانتا ہوں ان کو یہ میرے آقا یہ میرے داتا
مگر تم ان سے تو اتنا پوچھو یہ مجھ کو اپنا بتا رہے ہیں☆۱۳

ایک نعت پاک کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبداؤ منتہیٰ
نہیں دوسرے کی جگہ یہاں کے یہ وصف دو کو ملا نہیں

کوئی تجھ سے بچ کے کہاں رہے تیرا منگ چھوڑ کہاں بے
تو حبیب رب تیری ملک سب جہاں تو نہ ہو کوئی جا نہیں☆☆۱۳

ایک نعت پاک میں چار کے عدد سے کیا ہی مضمون آفرینی کی ہے پڑھ کر دل وجد کرنے لگتا ہے فرماتے ہیں:

چار رسل فرشتے چار، چار کتب ہیں دین چار
سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک باد ان ہی سے سب کا ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں☆☆۱۴

الغرض حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیں اس قابل ہیں کہ ان کی طرف خصوصی توجہ کی جائے اور اگر گہرائی و گیرائی سے ان کا مطالعہ کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ ان کے کلام میں کوئی ایسا شعر نظر نہیں آئے گا کہ اس پہ انگلی رکھی جا سکے چوں کہ آپ قرآن پاک کے مفسر اور حدیث پاک کے شارح و مترجم کی حیثیت سے عالم اسلام میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے جو بھی شعر کہا ہے وہ قرآن و حدیث اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کہا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے دیوان میں ایک نعت ہندی زبان میں ہے اگرچہ ہندی رسم الخط کو اردو رسم الخط میں پڑھنے میں قدرے تکلف ہوتا ہے۔ مگر قدرے توجہ کے بعد پڑھنے سے اس کی لذت اور چاشنی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے ملاحظہ ہو پوری نعت پاک:

صورت مت بھولنا پیا ہماری
تمری ہی اک آس ہے ہم تمرے واری
پی نگری کی پہلی منزل سکھین چھوڑ ساتھ
اس گھونگھٹ کی لاج ہے پیا تمھارے ہاتھ
رتی چھوٹی ہاتھ سے مورے اور نیا منجدھار
تم جو بھیاں چھوڑ و پیارے کون لگاوے پار
جگ نے چھوڑا رات بتانے گھر سے دیو نکاس
تم راجہ کے چرن پڑوں میں اب تمری ہے آس
گھر گھر جھانکا در در مانگا سب کے آنکھ بچائے
اک تم سنگ نہ چھوڑیو کہ کوئی بھاروٗ نائے

میں ہتیاری چلی پیا گھر جانوں کام نہ کاج
اے سیاں بیاں پکڑے کی تم ہی رکھیو لاج
کھیل کود میں عمر گنوائی سو کاٹے دن رین
جب پی گھر سے آئی پلکیاں ٹپ ٹپ ٹپکت نین
لیس یہ گٹھڑی ڈگر کٹیلی گھائل مورے پاؤں
پیارے تم ہی سنبھالیو جب ڈگمگ میں ہو جاؤں
تم کچھ کرپا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے
کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس کندن سبھی بنائے
تیل جو نبڑے بتی بھجرے دیا میرا بڑھ جائے
سانچے سورج جوت تمھاری سالک پہ پڑ جائے ☆۱۵

اس کے بعد دیوان میں ایک قصیدہ ''تضمین بر نظم منسوب بہ زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے نیز چاروں خلفائے عظام اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت آمنہ، خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا اور سیّد الشہدا حضرت امام عالی مقام امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں قصائد ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک موجیہ نظم ہے۔ اس کے بعد سرکار غوث اعظم سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کی شان میں ''التجا'' کے عنوان سے ایک نظم اور ایک قصیدہ ہے۔ اس کے بعد اپنے پیر و مرشد اور استاد صدر الافاضل حضرت علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی کی شان میں تین موجیہ قصیدے تحریر کیے ہیں در حقیقت ہر شاگرد اپنے استاد کا حق ہوتا ہے اور جب شاگرد لائق و فائق ہو پھر کیا کہنا حضرت مفتی صاحب نے بڑے بلیغ انداز میں اپنے پیر و مرشد اور استاد مکرم کی مدح سرائی کی ہے اور انھوں نے شاگرد رشید ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔

دیوانِ سالک میں مختلف عنوانات کے تحت بھی کچھ کلام ہیں جیسے ''دعا'' شہزادی اسلام مالکہ دارالسلام حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح، جہیز، شہزادی کونین کی زندگی پاک، مناجات، عرض گدا بہ وقت وداع سیرج پر مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت عرض کی گئی) مختلف اشعار، واحسرتا، وغیرہ دیوان کے آخر میں ایک نظم بہ عنوان، ''قصیدہ در شانِ غوث پاک'' کے ہے۔

دیوانِ سالک کا خاتمہ ایک نظم پر ہے جسے حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک عزیز لالہ

فضل مرحوم کے حوالے سے تحریر کی ہے لالہ فضل مرحوم نے حضرت مفتی صاحب کی علمی جلالت کا احترام کرتے ہوئے انھوں نے اپنی بڑی بیٹی کی شادی حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کے مطابق شریعت کی روشنی میں کیا اور جملہ خرافات و منہیات سے اپنے آپ کو بعض رکھا حضرت مفتی صاحب اُن کے اس کردار سے بہت متاثر ہوئے اور آپ نے ان کی شان میں باقاعدہ ایک نظم ہی کہہ ڈالی جو مطالعہ اور نصیحت حاصل کرنے کے قابل ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے نعتیہ دیوان ''دیوان سالک'' سے میں نے خاطر خواہ کلام تحریر کیے ہیں ان کے مطالعہ کی روشنی میں ارباب علم کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا نعتیہ کلام کس معیار کا ہے اسی لیے میں نے دو چند اشعار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خاطر خواہ کلام تحریر کیے ہیں بلکہ یوں کہہ لیں کہ میں نے پوری پوری نعتیں تحریر کی ہیں اور ایسا میں نے پروفیسر جلیل قدوائی کی رائے سے متفق ہو کر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

> چوں کہ میں ایک اک، دو دو متفرق اشعار پیش کر کے کسی شاعر کے انداز سخن اور اس کے کلام کے حسن و قبح پر کوئی دلیل قائم کرنا محکم طریقہ کار نہیں مانتا اگرچہ شاعر کے متفرق اچھے اشعار کو ان کی ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے داد و تحسین کا بالکل غیر مستحق بھی نہیں سمجھتا۔☆۱۶

حوالا جات

☆۱۔ مجموعہ نعت صلی علیٰ محمد۔ پیرزادہ سید محمد عثمان نوری، نور کتب خانہ، لاہور، ص ۴۷

☆۲۔ حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ص ۶۰

☆۳۔ ذوق نعت۔ علامہ حسن رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر، گجرات، ص ۲۵

☆۴۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری رضوی کتاب گھر دہلی، ص ۳۲

☆۵۔ تذکرہ اکابر اہل سنت (پاکستان) علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی مکتبہ قادریہ، لاہول، ص ۵۴

☆۶۔ مشکوٰۃ المصابیح اردو ترجمہ جلد اول علامہ مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ ادارہ استقامت کان پور ص ۴۸۸

☆۷۔ ایضاً ص ۴۹۰

☆۸۔ دیوان سالک۔ حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکتبہ رضویہ ۵۱۰ مٹیا محل، دہلی ص ۳

☆۹۔ ایضاً ص ۵ ☆۱۰۔ ایضاً ص ۶ ☆۱۱۔ ایضاً ص ۱۰ ☆۱۲۔ ایضاً ص ۱۳

☆۱۳۔ ایضاً ص ۱۵ ☆۱۴۔ ایضاً ص ۱۶ ☆۱۵۔ ایضاً ص ۳۲

☆۱۶۔ ماہ نامہ ''القول السدید'' نعت نمبر محمد طفیل شمارہ مارچ تا مئی ۱۹۹۰ء کرم پارک مصری شاہ لاہور ص ۳۷

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

نازمانک پوری کا ارمغانِ عقیدت رہبرِ اعظم

حضور ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہر دور میں ممدوحِ کائنات رہی ہے۔ صدیوں کے تراتر سے وجود میں آتے ہوئے زمانے کے زیر و بم کو دیکھیے، حالات کی کوکھ سے اُبھرنے والے وقت کے ہر لمحے کو دیکھیے، زندگی کے سیلِ بے کراں سے اُبھرتے ہوئے ہر بھنور کو دیکھیے، ہر جگہ اور ہر مقام پر اسمِ محمد ﷺ کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔ عنایاتِ خداوندی کی بدولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی سیرت و کردار کو ان بلندیوں تک لے گئے کہ انسانی تصور وہاں تک رسائی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ جہاں میں جس طرف دیکھیں آپ کے اوصافِ حسنہ کے تذکرہ ہورہا ہے۔ جب خدائے کریم نے آپ کے خلق کو خُلقِ اکمل بنا دیا تو پھر کون ہوگا جو اس کے اعتراف میں رطب اللسان نہ ہوگا۔

جب ہم ہر صدی، عہد اور دور میں اعترافِ عظمت حضور ﷺ کے لاہوتی نغمے سنتے ہیں تو وقت کے مؤرخ کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہر زمانہ آپ کا ہے۔ ہر صدی آپ کی چوکھٹ سے اذنِ وجود طلب کررہی ہے۔ اُبھرنے والے سورج اور چاند آپ کے رُخِ منور کی ضیاؤں سے حسن کی زکوٰۃ طلب کررہے ہیں۔ غرضیکہ ہر صدی کے اصحابِ فکر و دانش اپنا بہترین ادبی و شعری اثاثہ لے کر آپ کی جانب لپک رہے ہیں:

چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

انسانی زندگی کا معراج وہ خُلق ہوتا ہے جو دلوں کو تسخیر کرتا اور افکار کو معطر کرتا ہے۔ جس کی ایک تصوراتی جھلک ہی اقوام کا مقدر بدل دیتی ہے، جس کے احساس کا لمس میسر آتے ہی زندگی پائندگی کی علم بردار بن جاتی ہے اور پھر تاثر پذیری میں اصحابِ ایمان تو سب سے آگے نظر آتے ہیں مگر ان فرزندانِ روزگار کو کس شان سے سلامِ عقیدت پیش کریں جو مشرف بہ اسلام تو

نہیں ہوئے مگر جن کے دلوں میں خُلقِ محمدی ﷺ کی بہارِ جاوداں اس طور سے جلوہ گر ہوئی کہ ان کے قلم کی عظمتیں بارگاہِ رسول ﷺ میں سرخمیدہ ہوگئیں۔ یہ تاثر پزیری اُن کے لیے کوئی مذہبی یا نظریاتی مجبوری نہیں تھی بلکہ یہ تو عظمتِ مصطفوی ﷺ کا چار جہات برستا ہوا اسحابِ کرم تھا جس نے ان محسوسات کو بے اختیار اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ مسلمان تو نہ ہوسکے مگر سیرت و کردار حضور ﷺ کی نورافشانی کی بدولت حضور ﷺ پر اپنا قلمی ولسانی وقار نچھاور کرنے پر مجبور ہوگئے اور بعض تو اس حد تک آگے چلے گئے کہ اصحابِ اسلام ان کی کاوشوں اور جذباتِ شوق کو دیکھ کر ورطۂ حیرت میں گم ہوجاتے ہیں کہ اگر ان کی شعری اور فکری کاوشوں سے ان کا نام غائب کردیا جائے تو محسوس ہی نہ ہو کہ یہ کسی غیر مسلم کا بارگاہ مصطفےٰ ﷺ میں نذرانۂ عقیدت ہے یا محبتِ رسول ﷺ کی وسعتوں میں گم کسی صاحبِ ایمان کی تاریخی شعری کاوش۔ یہاں الفاظ اس حقیقت کے ترجمان بن جاتے ہیں:

غیر مسلم اور کریں مدحت رسول اللہ کی — کس قدر ہے جاوداں عظمت رسول اللہ کی
غیر مسلم ہوں یا مسلم سب کا کہنا ہے رضا — نورِ جاں ہے صورت و سیرت رسول اللہ کی

ہمارے گفتگو کا خلاصہ ہے کہ مسلم ہی نہیں غیر مسلم بھی اپنے ہی نہیں بیگانے بھی، محبانِ حضور ﷺ ہی نہیں، اعدائے اسلام بھی صفت و ثنائے سرورِ کونین ﷺ کو اپنے لیے وظیفۂ حیات جانتے اور اس پر پُر تقدیس تقاضوں کو پہچانتے ہیں۔ اہلِ ایمان کے لیے تو نعت دینوی و اُخروی سربلندیوں کا احسن ترین ذریعہ ہے۔ ان کے پہلو بہ پہلو ہندو، سکھ، بدھ، عیسائی اور دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد مدحت سرائی میں مشغول نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں بلند بخت دلّو رام کوثری کا یہ شعر اعلانِ حق نظر آتا ہے:

کچھ عشقِ پیمبر میں نہیں شرطِ مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلب گارِ محمد

ہندو سکھ شعرا کی ایک طویل فہرست ہے جس میں شامل ہر نام مدحتِ مصطفوی ﷺ کے حوالے سے عشق و عقیدت کے نئے ابواب رقم کرتا نظر آتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہمارے پیشِ نظر ایک نامہ ہندو شاعر چرن سرن ناز مانک پوری کا مجموعۂ نعت ہے جسے انھوں نے رہبرِ اعظم کے نام سے اصحابِ شوق کی نذر کیا ہے۔ ''رہبرِ اعظم'' محض ایک مجموعۂ نعت ہی نہیں بلکہ سلطانِ دوعالم ﷺ کی منظوم سوانحِ حیات ہے۔ (''رہبرِ اعظم'' ۱۹۸۶ء) میں دلّی اُردو اکادمی کے مالی

تعاون سے شائع ہوئی۔ صفحات ۱۴۴ ہیں۔ کتاب نعت لائبریری میں موجود ہے)

حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سوانح مقدسہ اور اخلاقِ حسنہ کے حوالے سے بہت سے شاعروں نے اپنے گلہائے رنگارنگ کھلائے ہیں جن میں حفیظ جالندھری کی شاہنامہ اسلام، محشر رسول نگری کی فخرِ کونین، منظور حسین منظور کی جنگ نامہ اسلام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان تمام سوانحی تذکروں میں کہیں تو مسدّس کا اور کہیں مثنوی کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ان میں سے ''رہبرِ اعظم'' اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے کہ شاعر نے سلطانِ مدینہ ﷺ کی سوانح مقدسہ کو اس طریق سے نظم کیا ہے کہ ہر حصہ ایک علیحدہ نعت نظر آتا ہے۔ اس مجموعۂ نعت میں ۱۰۵ نعتیں یا منظوم سوانحِ حضور کے نعتیہ پارے ہیں۔ ہر نعت یا نعتیہ پارے کا قافیہ اور ردیف علاحدہ ہے جب کہ ہر نعت کا آخری شعر اپنی جگہ کامل اور مکمل ہے اور اسی ایک شعر سے پورے سوانحی حصے کا خلاصہ سامنے آجاتا ہے۔

چرن سرن ناز مانک پوری کا شمار ان غیر مسلم مدحت نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے نعت کو نعت سمجھ کر لکھا ہے۔ یہ ہندو نعت گو اُن بہت سے مسلم نعت گوؤں سے بعض معاملوں میں سربلند نظر آتا ہے جو نعت کو مصلحت کا تقاضا، وقت کا آوازہ، یا نمودِ فکروفن کا ذریعہ سمجھ کر نعت کہہ رہے ہیں۔ ناز مانک پوری کو ایسی کوئی مجبوری لاحق نہیں ہے۔ ان کی نعت میں آورد نہیں، آمد ہے، مصنوعیت نہیں بلکہ حقیقت پسندی کی جھلک ہے۔ ظاہری رکھ رکھاؤ نہیں بلکہ باطنی دل کشی ہے۔ نظریاتی کجروی نہیں بلکہ فکری راست روی ہے۔ محض لفاظی کا اہتمام نہیں بلکہ حسنِ عقیدت کا التزام ہے، پُرشکوہ اور دُور از کار تراکیب کی بھرمار نہیں بلکہ سادگی بیان اور ذوق وشوق کی وارفتگی کا اظہار ہے۔

ناز مانک پوری نے ابتدائی میں کہا ہے:

> میری نعتوں کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلی قسم وہ تھی کہ نعت کسی دین دار مسلمان کی کہی ہوئی معلوم ہو۔ جب کہ میری دوسری قسم کی نعتیں وہ ہیں جنھیں میں نے ہندو ہوکر لکھا ہے۔

وہ نعتیں جن کے بارے میں ناز مانک پوری کا کہنا ہے کہ یہ کسی دین دار مسلمان کی کہی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ان میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مہر کا سایہ دھوپ ہے جیسے نور کا سایہ نور ہے یوں ہی
تجھ سے عیاں ہے شانِ وحدت میرے محمد رحمتِ عالم

ساری دنیا ایک ہوئی ہے شاہ و گدا کا فرق نہیں ہے
تو نے وہ دی تعلیمِ اخوت میرے محمد رحمت عالم

☆

آیا لباسِ نور میں پیغمبر خدا
ذرّوں پہ جا کے برسی جو اس نُور کی گھٹا
ہر ذرّہ آفتاب کی مانند ہوگیا
کہتے ہیں اُس کے جسم کا سایہ کہیں نہ تھا
جلوہ جلال و نور کا یوں بے نقاب تھا
جو عکسِ آفتاب تھا وہ آفتاب تھا

☆

چھائی ہے کیسی گونج ذرا نغمگی تو دیکھ
نامِ نبیؐ کا سلسلۂ روشنی تو دیکھ
جس سے جڑی ہے روشنئ ارتقا کی بات

دوسری قسم کی نعتوں سے جن کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ میں نے یہ نعتیں ہندو ہو کر لکھی ہیں، ایک نعت کے کچھ بند پیشِ خدمت ہیں۔ انھیں پڑھیے اور انصاف کیجیے کہ یہ ''ہندو'' عشق وارادات میں کتنے نام نہاد مسلم بزرجمہروں کو پیچھے چھوڑ گیا ہے:

عشق نے کفر کو ایماں کے سکھائے انداز
مرکزِ عشق پہ مل جاتے ہیں ہند اور حجاز
بربطِ شوق کی ہے ایک ہی ہر سو آواز
چاہیے عشقِ حقیقی کے لیے عشقِ مجاز
بے وسیلہ کہیں بندے کو خدا ملتا ہے

آج ناکامِ محبت ہوں تو شکوہ کیسا
کشتۂ رنج و مصیبت ہوں تو شکوہ کیسا
وقت کی تلخ حقیقت ہوں تو شکوہ کیسا
نازؔ محروم عنایت ہوں تو شکوہ کیسا
حاصلِ عشقِ نبی روزِ جزا ملتا ہے

اب ہم ''رہبرِ اعظم'' پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی منظوم سوانح حیات ہونے کے ناطے سے ایک نظر ڈالتے ہیں۔ سوانح حیات لکھنے کے لیے ضروری ہے کہ چند اُمور کا

خصوصیت سے خیال رکھا جائے۔ اولاً لکھنے والے کا دل عشق و عقیدتِ مصطفیٰ ﷺ سے آباد ہو، کیوں کہ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں تحقیقی غلطی بے ادبی کے مترادف ہوگی۔ یہ بہت بڑا اعزاز بھی ہے اور سخت ترین امتحان بھی۔ شبلی نعمانی جیسا نامور مورخ بھی زمانے بھر کے شہنشاہوں کے تذکار لکھ چکا اور سیرت النبی ﷺ لکھنے کے محترم سلسلے کا آغاز کیا تو اس افتخار سے سرشار ہوگیا:

مگر اب لکھ رہا ہوں داستانِ ساقئ کوثر
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

ناز مانک پوری کا دل بھی کچھ ایسے ہی اعزاز سے مہک رہا ہے:

ازل سے گونجتی پھرتی ہے جو ہر سو فضاؤں میں
مرے سینے میں اس الہام کی آواز ہے ساقی

ناز مانک پوری نے سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کی تابانیوں سے اپنے دل و جان کو منور کیا ہے۔ سیرتِ سرورِ کونین ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے اُنھوں نے تجلّیاتِ جمالِ مصطفوی ﷺ کو بھی فراموش نہیں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت و سیرت کے حوالے سے مختلف واقعات اور حقائق رقم کرتے ہوئے ناز مانک پوری نے اپنے جذبات کو تعصبات کی نذر نہیں ہونے دیا بلکہ جہاں بھی عظمت و شانِ حضور ﷺ کا ذکر آیا ہے اُنھوں نے دل کھول کر اپنے جذبات کو عقیدت و ارادت کی چاشنی دے کر اہلِ ذوق کے سامنے پیش کیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اُسوۂ عالی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں

ہر دامنِ تر میں مہک اُٹھتی تھی حق کی معرفت
جب بھی شرابِ شوق سے دامن بھگو جاتا تھا وہ
اپنوں کے حالِ زار پر آنسو بہاتے ہیں سبھی
اغیار کے داغوں کو بھی اشکوں سے دھو جاتا تھا وہ
مجبور کر دے جو گنہ گاروں کو توبہ کے لیے
تقدیس کے ہر قلب میں وہ بیج بو جاتا تھا وہ
تھی نرئ گفتار اس کی آتشِ خاموش سی
جس سے کہ تھراتی تھیں روحیں ظلم و استبدا کی

☆

تا زندگی سعئ دفاعِ کارواں کرتا رہا
جرأت سے اپنی رہزنوں کا منہ دھواں کرتا رہا
تھا امن کا پیغامبر، پیغامِ امن اس نے دیا
انسانیت کے واسطے کارِ جہاں کرتا رہا
وہ جنگ کا حامی نہ تھا مجبور ہو کر جنگ کی
اس زمیں کو یوں بھی رشکِ آسماں کرتا رہا
ہر اک شعاعِ برق کو ظلمت شکن اس نے کیا
ہر ابرِ ہیبت ناک کو رحمت نشاں کرتا رہا

اب ذرا جمالِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے حوالے سے ناز مانک پوری کے قلم کا ارمغان ملاحظہ کیجیے:

حور و فرشتہ آسماں پر محوِ نظارہ ہوئے
اُترا زمیں پر سوئے کعبہ کاروانِ قدسیاں
پھر اس کے جسمِ پاک سے ایسی چمک پیدا ہوئی
لگتی تھی نور افشاں زمیں، لگتا تھا روشن آسماں
اس طرح محبوبِ خدا محبوبِ دنیا ہوگیا
ہر اک نظر اخلاص تھی ہر اک ادا رحمت نشاں

سوانح کو نظم کرتے ہوئے شاعر کو غیر معمولی تاریخی اور تحقیقی دقتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ حقائق کو نظم کے جامے میں سمونا، صداقتوں کو شاعری کا ملبوس عطا کرنا، سچائیوں کے بحرِ بے کراں کو بلاغت کے کوزے میں بند کرنا، تاریخ کے پس منظر کو حالات کے پیش منظر میں اُجاگر کرنا، لامحدود داستانِ شوق کو نظم کی حدود و قیود کا پابند کرنا، بے جان لفظوں کو جذبے کی مسیحائی سے ابدی زندگی عطا کرنا، فکر و دانش کے گلاب کھلا کر چاہتوں کی چاندنی بکھیرنا، یہ ایسے مراحل ہیں جن سے دوچار ہوکر کسی بھی برق رفتار کا اشہبِ قلم رفتار کا توازن کھو بیٹھتا ہے اور وہ حقائق کی دشوار گزار راہوں پر چلتے ہوئے یا تو ابلاغ کی لطافتوں سے محروم ہوجاتا ہے یا ابلاغ کا ضرورت سے زیادہ سہارا لے کر حقائق کے حسن کو مجروح کر بیٹھتا ہے۔ ناز مانک پوری نے ''رہبرِ اعظم'' کی صورت میں سیرتِ سرورِ کائنات ﷺ رقم کرتے ہوئے حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ حقائق اور بلاغت کا توازن بگڑنے نہ پائے۔ اس امتحان میں وہ بڑی حد تک سرخ رُو رہے ہیں۔ اُنھوں نے ''رہبرِ اعظم'' کے ابتدائیہ میں ''نظرِ ثانی'' اور پیغمبرِ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں کے عنوانات کے تحت بتایا ہے کہ اُنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح مقدسہ کو نظم کرتے ہوئے معروف اسلامی مآخذ سے استفادہ کیا ہے اور بھرپور کوشش کی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی انسانیت نوازی، رحمۃ للعالمینی، عفو و درگزر اور لطف و کرم کے روشن پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔

''رہبرِ اعظم'' میں شاعر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف پہلو اُجاگر کیے ہیں۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے خطۂ عرب کی حالت، محسنِ انسانیت کی ولادتِ اقدس، آپ کا عالمِ طفولیت، آپ کی پاکیزہ جوانی، صادق اور امین کی حیثیت سے آپ کی دوست دشمنی

کے نزدیک مسلمہ طور پر محترم شخصیت، دورِ نبوت، ابتلا و مصائب، ہجرت، غزوات، آپ کا پیغامِ عالم گیر، آپ کے فیوض و برکات کی تاثیر، آپ کی تجلیاتِ ایمانی کی تنویر، آپ کا حسنِ تکلم اور کمالِ تقریر، آپ کی راہنمائی و قیادت، آپ کی بے مثال سیادت، آپ کی لازوال صداقت، عالمِ انسانیت کے جسدِ مردہ کی مسیحائی۔ غرضے کہ شاعر نے نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ شعری بلاغت کے تمام تر پہلو مدِ نظر رکھتے ہوئے پیغمبرِ اسلام کی سروری عظمتوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

منظوم سوانح رقم کرتے ہوئے شاعر کے لیے ایک اہم مسئلہ منظر آرائی ہوتا ہے۔ دنیاوی سلاطین کے قصے رقم کرتے ہوئے منظر آرائی کوئی مشکل امر نہیں ہے کیوں کہ یہاں مبالغہ عروج پر ہوتا ہے مگر سلطانِ عالم پناہ ﷺ کی سوانح حیات منظوم کرتے ہوئے شاعر نے مبالغہ آرائی سے گریز کرتے ہوئے منظر کشی کے خوب صورت نمونے پیش کیے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے پہلے کے دورِ جہالت کا منظر یوں کھینچتے ہیں:

دورِ جہالت میں عرب، اس درجہ بد اطوار تھے
ہر اک گھڑی ہر آن رہتے برسرِ پیکار تھے
کوئی بھی قدرِ زندگی سے بہرہ ور پہلے نہ تھا
عقلیں تھیں سب فالج زدہ اور ذہن سب بیمار تھے
تھا زیرِ دستوں کے لیے جینا کٹھن، مرنا کٹھن
نے صاحب گفتار تھے، نے صاحبِ کردار تھے
کوئی کسی کی پرسشِ احوال کو آتا نہ تھا
تھے آدمی کی شکل میں لیکن سبھی خوں خوار تھے

منظر کشی کا ایک خوب صورت نمونہ وہ ہے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کعبہ کی تعمیرِ نو کے بعد حجرِ اسود کی تنصیب کے سلسلے میں فیصلہ فرما کر قتل و غارت گری کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کو روک دیتے ہیں۔ حجرِ اسود کی تنصیب کے واقعے کو نازمانک پوری نے بڑی تفصیل، جامعیت اور تاریخی صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کعبہ کی تعمیرِ نو اور سنگِ اسود کی تنصیب کے بعد شاعر سنگِ اسود کی خوش بختی پر اظہارِ خیال کرتا ہے:

ہے سنگِ اسود اب بھی کیوں سرمایۂ تقدیسِ جاں
کیوں آستانِ حق سا ہے حق کا نہیں گو آستاں

انسان کو گھائل کیا ہر ایک ضربِ سنگ نے
پھر ہوگیا یہ سنگِ آخر کس طرح رحمت نشاں
ہے سنگ کے بوسے میں کیا جو داخلِ سنت ہے یہ
باطن ہے کیا ظاہر ہے کیا، کیا ہے نہاں کیا ہے عیاں
شاعر کے غور و فکر میں اک بات آتی ہے یہی
افشا ہوا اسود سے جو وہ تھا یہی سرِّ نہاں
واضح نہ ہوتا رشتۂ حق و مجاز ہرگز کبھی
ہر وقت بحث کفر و دیں میں محور رہتا آدمی

شعب ابی طالب کے حوالے سے ان کے قلم کی نظارہ آفرینی ملاحظہ کیجیے:

گل رنگ چہرے عورتوں کے بھوک سے کُملا گئے
مردوں کی آنکھیں دھنس گئیں، بچوں کے دل مرجھا گئے
کچھ نوجوانانِ جری لڑنے پہ آمادہ ہوئے
اور کچھ نقاہت کے سبب اُٹھے مگر غش کھا گئے
کچھ سربجدہ ہوگئے حق کی رضا کے سامنے
کچھ صبر و استقلال کا اپنی اثر دِکھلا گئے
یعنی ہوا کی سادگی اپنا اثر دِکھلا گئی
اعجازِ قدرت یہ ہوا کتبے کو دیمک کھا گئی

تاریخِ اسلام میں ہجرتِ نبوی ﷺ کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ اس ہجرت کی بدولت ہی مسلمانوں کو پنجۂ کفار سے رہائی ملی اور مسلمانوں نے مدینہ کو اپنا مستنصر بنا کر یہاں سے عظمتِ اسلام کے قافلے چار سو روانہ ہوتے ہوئے دیکھے۔ تمام تذکرہ نگاروں اور سیرت نویسوں نے اس واقعے کے بہترین نتائج پر روشنی ڈالی ہے۔ نازؔ مانک پوری اس واقعۂ ہجرت سے کیا نتائج اخذ کرتے ہیں، اس کی ایک جھلک دیکھیے:

ہجرت سے ہی سرمایۂ عرشِ بریں حاصل ہوا — ہجرت سے ہی اک روز مقصودِ زمیں حاصل ہوا
ہجرت سے دنیا بھی بنی، ہجرت سے عقبیٰ بھی بنی — ہجرت سے اس کو مرکزِ دنیا و دیں حاصل ہوا
ہجرت سے ہی اس کو ملا پیغامِ جہد زندگی — ہجرت سے اک دیباچۂ فتح مبیں حاصل ہوا

سرکارِ دوعالم ﷺ نے عالمِ انسانیت کی کس طور راہنمائی فرمائی، نازؔ مانک پوری کے لفظوں میں ملاحظہ کیجیے:

اک بوریے پہ بیٹھ کر فرماں روائی اس نے کی
ہر کاروانِ زندگی کی رہنمائی اس نے کی
یوں قافلہ بڑھتا گیا، تنظیمِ نو ہوتی گئی
دشوار تھی راہِ یقیں، عقدہ کشائی اس نے کی
قائم حکومت اس نے کی اللہ کے اعجاز سے
آئینِ نو نافذ کیا اس نے نئے انداز سے

وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم المرسلینی کا ذکر کرنا بھی نہیں بھولتے، کہتے ہیں:

یہ آخری اعزاز ہے اس پر نبوت ختم ہے
اس پر سیاست ختم ہے اس پر شریعت ختم ہے

نازؔ مانک پوری نے اس تاریخی شکوہ اور ابدی صداقتوں کے ساتھ پیغمبرِ اسلام کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف ادوار کو قلم بند کیا ہے کہ کہیں بھی گمان نہیں ہوتا کہ یہ کسی غیر مسلم کا ارمغانِ مدحت و نعت ہے۔ انھوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زندگی کے مہتم بالشان واقعات کا تذکرہ کرکے ایمان و یقین کی وہ قندیل روشن کی ہے جس کی تابانی سے عشاقِ رسول ﷺ مدتوں فکر و نظر کی جلا کا سامان حاصل کرتے رہیں گے۔ سیرتِ مصطفوی ﷺ کے روشن پہلوؤں کو سلامِ عقیدت پیش کرکے نازؔ مانک پوری اس ایمان کا اظہار کرتے ہیں حضور پیغمبرِ اسلام کا اسوہ، آپ کا ضوفشاں کردار آپ کے ارشادات و فرمودات، تاابد کاروانِ انسانیت کو منزل آشنائی کے آداب عطا کرتے رہیں گے۔ اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں:

عشقِ نبی سے منکشف ہوتا ہے ہر سرِ نہاں　　　اب بھی حقیقت آفریں ہے یہ زمیں و آسماں
اب بھی ہے نگراں عزم کی اس حق نگر کی زندگی　　　اب بھی نیا عنوان ہے خیرالبشر کی زندگی
جاری رہے گا تا ابد جس ارتقا کا سلسلہ　　　دینِ محمد سے ہوئی اس ارتقا کی ابتدا

”رہبرِ اعظم“ کی صورت میں نازؔ مانک پوری نے ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فقط مسلمانوں کے ہی راہبر و مقتدا نہیں ہیں بلکہ آپ عالمِ انسانیت کے ناخدا اور ہر دور کے پیشوا ہیں۔ نازؔ مانک پوری نے جس ہستیٔ والا صفات کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اس کی

مدح خوانی اور مدحت نگاری کا سورج کبھی بھی گہنا نہ سکے گا بلکہ ہر آنے والا اس آفتابِ ایمان و یقین کے جلووں سے خرد کی تاریکیوں کو عشق کا نور عطا کر کے محبتِ رسول ﷺ کے عملی تقاضوں کا ایمان آفرین نظارہ دکھانے کا اہتمام کرے گا۔

"رہبرِ اعظم" ایک مجموعۂ نعت ہی نہیں، اشعار کا گراں مایہ سرمایہ ہے جو ان مسلمانوں کے لیے خاص طور پر مشعلِ راہ ہے جنھیں خوش بختی سے اسلامی ماحول میسر آیا مگر اپنی اسلام پسندی کا ہلکا سا نمونہ بھی پیش نہ کر سکے۔ جن کے نام اسلامی و دینی تشخص کے علم بردار ہیں مگر جن کے علم و عمل سے اطاعتِ رسول ﷺ کی ادنیٰ سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ کاش وہ اصحابِ فکر و نظر جو مسلمان کہلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تمام تر شعری و ادبی صلاحیتیں رکھتے ہوئے مدحتِ رسول ﷺ کے شہرِ نور میں بھی کچھ وقت گزار آئیں۔ کیا خبر اسی بہانے اس شہرِ نور کی آفاقی تجلیات کا کوئی جلوۂ ضو بار ان کا مقدر بن جائے۔ ناز مانک پوری نے "رہبرِ اعظم" میں عام نوعیت کی شعری نعتیہ تصنیف پیش نہیں بلکہ انھوں نے احساس دلایا ہے کہ سیرت و سیرت حضور ﷺ کا کوئی نورانی گوشہ ان کے قلم کی وسعتوں سے دُور نہیں۔ اے کاش عصرِ حاضر کے نعتیہ ادب میں بھی ناز مانک پوری جیسے اصحابِ قلم تاریخ نعت کا اعزاز بن سکیں جو اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو کر بھی "رہبرِ اعظم" جیسا فکر آفریں شہ پارہ پیش نہیں کر سکے۔ اب ربِ محمدؐ! "رہبرِ اعظم" کے حسنِ عقیدت کو ہر صاحبِ ایمان کے دلوں کی دھڑکنوں میں بسا دے۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس دشت کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

☆

غلام مصطفیٰ رضوی، بھارت

نظمی مارہروی کی نعت گوئی

محبت کا تعلق دل سے ہے اور جب دل کا تعلق گنبد خضرا کے مکیں اور رحمۃ للعلمیں ﷺ سے ہوتا ہے تو ''محبت'' کی معراج ہو جاتی ہے۔ نعت اظہار محبت کا ذریعہ اور اُلفت کا خزینہ ہے اور یہ وہ نگینہ ہے جو بڑا تاباں و روشن ہے۔ نعت آفاقی نغمہ ہے اور یہ وہ نغمہ ہے جو فضاؤں میں گونجتا اور پھیلتا ہے، آفاق پہ چھاتا اور دلوں کو چھوتا ہے۔ نعت گوئی کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ اس کے جلوے ہمیں اس کتاب زیست میں ملتے ہیں جو ساری انسانیت کے لیے دستورالعمل ہے۔ ورفعنا لک ذکرک سے اس کی عظمت ظاہر ہے اور ''اذان'' کے لاہوتی نغمے میں بھی آشکارا ہے۔ اور نعت گوئی در اصل رضائے رب اکبر ہے، حیات کا نکھار اور دلوں کا قرار ہے۔ ذہن کی پاکیزگی اور روح کی بالیدگی ہے۔

ماحول کا اثر فکر پر پڑتا ہے۔ راقم نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والدہ محترمہ رضوی زیتون بانو (رحلت: ۱۵/اگست ۲۰۰۹ء) نے فکری و عملی تربیت کی۔ جب فہم الفاظ کے خدوخال سے نا آشنا تھے اس وقت والدہ کی زبانی جو الفاظ کانوں میں پڑے تھے اور ذہنوں پہ نقش ہوئے تھے وہ نعت کے اشعار تھے۔ محبت و عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاشنی نغمہ ہائے نعت سے باطن میں بس گئی۔ یاد آیا سب سے پہلے ماں کی درس گاہ میں جو نعتیہ اشعار سننے کو ملے وہ حسان الہند امام احمد رضاؔ کے تھے اور حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی کے بھی، مثلاً حضرت نظمی کے یہ اشعار شعور میں ازبر ہو گئے:

کعبے کے در کے سامنے مانگی ہے یہ دعا فقط
ہاتھوں میں حشر تک رہے دامنِ مصطفیٰ فقط

اُجالا جس کا ہے دو جہاں میں
وہ میرے آقا کی روشنی ہے
انھیں کے قدموں کی برکتوں سے
یہ زندگی آج زندگی ہے

مارہرہ کی خانقاہِ برکاتیہ ہندوستان کی تاریخ میں اپنے دینی و علمی، اصلاحی و فکری اور ادبی کارناموں کی بنیاد پر خاص شہرت رکھتی ہے۔ سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی اسی خانقاہ کے مسند نشیں ہیں۔ وہ عالم ہیں، دانش ور ہیں، مصنف ہیں، مترجم ہیں، مصلح ہیں اور تصوف کے رمز شناس، اردو کے علاوہ انگریزی، ہندی، سنسکرت ادب کے مانے ہوئے ادیب ہیں، سخن فہم اور سخن شناس ہیں، نعت گو اور نعت نگار ہیں۔ آپ کی نعتیں ہند و پاک کے طول و ارض میں بڑی مقبول ہیں اور یہ مقبولیت عام ہے۔ ایسی کہ اسے خداداد کہیے۔ نظمی کی مقبولیت کے بہت سے اسباب ہیں۔ فنی بھی اور ادبی بھی، ظاہری بھی باطنی بھی، علمی بھی فکری بھی اور روحانی بھی۔

مانی ہوئی بات ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ نظمی کا دل محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہے۔ وہ شعر برائے شعر نہیں کہتے بلکہ اظہارِ محبت کے لیے کہتے ہیں۔ جب محبت عشق کی منزل پر پہنچ جائے اور شعر دل کی کیفیات کا آئینہ بن جائے تو وہ سننے اور پڑھنے والے ذہنوں کو متاثر کرتا اور دلوں میں گھر کر لیتا ہے، فکر کی صدا اور روح کی پکار بن جاتا ہے۔ یہی کیفیت نظمی کے کلام کی ہے۔ چند اشعار دیکھیں، اور محسوسات کی تقویت کا سامان کریں اور شاید اس نتیجے کے اخذ میں دیر نہیں لگے گی کہ نظمی احساسات کے ترجمان ہیں:

انسانیت کی نظمی ہے معراج بس یہی
ہو جان سے بھی بڑھ کے محبت رسول کی
میں عشق شہ دیں میں ہو جاؤں فنا اِک دن
ہر سو ہری شہرت ہو کچھ ایسی کلا لے آ
اس لیے پڑھتے ہیں ہم سنی کھڑے ہو کر سلام
ہے یہی سرکار طیبہ سے محبت کی سند
مژدہ فردوس کا لاتی ہے محبت ان کی
اور لے جاتی ہے دوزخ میں عداوت ان کی

نظمی کے نظم محبت میں سادگی ہے، وہ آسان لفظوں میں احساسات کو منتقل کرتے ہیں اس وجہ سے نظمی کی شاعری کو سمجھنا آسان ہے۔ کم پڑھا لکھا شخص بھی ان کے شعر کی معنویت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور مفہوم کی تہ تک پہنچ جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں سوز و عشق کی تپش محسوس کی جا سکتی ہے وہیں لطافت و چاشنی کی تاثیر بھی۔ نظمی کے اشعار میں نئے نئے جلوے اور نئی نئی فکریں مستور نظر آتی ہیں۔ وہ کہیں کہیں مضمون آفرینی اور پُر کاری کا نقش بھی چھوڑ جاتے ہیں، ان کی فکر نئی صبح کی تلاش کرتی ہے جس میں جمالیات کا بھرا پرا چمن سجا ہوتا ہے، مضامینِ نو کے چہرے سے جب نقاب اٹھتے ہیں تو روح جھوم جاتی ہے:

آقا کے اشارے پہ جو ڈوبا ہوا پلٹا
اے مہر ہمیں حال سنانے کے لیے آ
نقشِ قدمِ پاک کو سینے میں جگہ دی
اے سنگ ہمیں موم بنانے کے لیے آ

اگر ہماری صبح و شام مدحت آقا میں گزرے تو یہ روشنی کا استعارہ ہے، کام یابی کا مژدہ ہے، بشارت کا توشہ ہے، سعادت کا عطیہ ہے، عنایت کا تمغہ ہے، بخشش و نجات کا نغمہ ہے، کیسے؟ نظمی کے الفاظ میں دیکھیں:

شب و روز آقا کا چرچا کریں ہم
اسی میں ہے پوشیدہ بخشش ہماری

آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے: **لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین** (بخاری) ''تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہ ہوگا جب تک میں اس کو اس کے ماں باپ، بال بچے (بلکہ اس کی جان) اور سارے جہاں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔'' یعنی پوری کائنات میں سب سے بڑھ کر، تمام عزیزوں سے بڑھ کر، اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی جائے، انھیں کی الفت کے ترانے گائے جائیں، انھیں کے عشق کے خطبے پڑھے جائیں، نعت کیا ہے؟ نعت محبت کا نغمہ ہے، جذباتِ قلبی کا آئینہ ہے، اس آئینے میں نظمی سراپا محوِ سراپاے مصطفیٰ نظر آتے ہیں، ان کی زباں وقفِ نعتِ مصطفیٰ ہے، ان کی جبیں کا قبلہ تو کعبہ ہے اور ان کی فکر کا قبلہ طیبہ ہے:

نظمی کہتے رہو مصطفیٰ مصطفیٰ
ہو گی تم کو عطا قربتِ مصطفیٰ

تمنا ہے مری اتنی کہ مرتے وقت بالیں پر
رسول اللہ کا یا رب مجھے دیدار ہو جائے
نعت کہنے کو تو سب کہتے ہیں نظمی لیکن
تیرا ہر شعر ہے اعجاز و کرامت ان کی

محب کی محبت کا محور محبوب کی ادائیں بھی ہوتی ہیں، شمایل بھی اور محبوب کے کمالات و نوازشات بھی۔ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق نے دنیا کو انسانیت اور اخوت کا درس دیا، سخاوت و دیانت کا درس دیا، صبر و رضا کا درس دیا، عفو و درگزر کا درس دیا، عنایت و شفقت کا درس دیا، آج دنیا میں تشدد کی بہتات ہے اور نرمی و امن کا فقدان، نظمی نے نبوی عنایت اور اخلاق بلندی کے معاملات کو بھی اپنی سخن دانی کا محور بنایا ہے اور شعر کا موضوع، میرے اس موقف کی تائید میں تین اشعار ملاحظہ کریں:

وہ امن والے امان والے بہت ہی اونچے نشان والے
وہ صابروں کی کمان والے روایتیں بے مثال ان کی
وہ فتح مکہ کے دن معافی کا عام اعلان کرنے والے
عداوتوں کے جواب میں یہ عنایتیں بے مثال ان کی
دشمنوں کو بھی انھوں نے دی تھی دامن میں پناہ
انکساری ان کی فطرت حلم و رحم ان کا مزاج

نظمی کی شاعری کا مصدر کیا ہے، اس کے عشق کو شعری پیرہن کہاں سے ملا، اس کی ادبیت کو الفت کی چاشنی کہاں سے بہم ہوئی، اس رخ سے جب غور کیا تو نظمی کے ذخیرے میں ہی یہ سراغ پایا کہ اس کی شاعری پر گہرے اثرات ایک مثالی عاشق رسول کے ہیں، جس کی فکر بلند ہے اور سخن دل نواز، اس کی ذات آئینۂ ہمہ صفات ہے، اس کا کلام بزم عشق و عرفان کی جان ہے، وہ امام احمد رضا فنائے الفتِ محبوبِ رحمٰن ہے، اور اسی کا نظمی پہ فیضان ہے:

نظمی کے قلم پر ہے فیضانِ رضا غالب
جو شعر بھی کہتا ہے تازہ نظر آتا ہے

مادی چکا چوند نے دلوں کی دنیا کو ویران اور فکروں کی بزم کو سونا بنا ڈالا ہے، انسان

سکون کی تلاش میں ہے، راحت کا متمنی ہے، یہ سکون کہاں ملے گا؟... یادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں... نعت اسی یاد کا سہارا ہے اور روح کا حرارہ... آج ضرورت ہے پیغامِ عشق نبوی کو عام کرنے کی۔ حضرت نظمی مارہروی کی نعتیں اب دلوں کی دھڑکن بن چکی ہیں، ضرورت ہے کہ جذبات و احساسات کے اس ترجمان کے کلام کو عام کیا جائے۔ نصاب ساز کمیٹیوں کو چاہیے کہ عصری علوم کے نصاب میں نعت بھی شامل کریں اور ادب شناسوں کو نظمی کے نظامِ محبت سے روشناس کرائیں تاکہ فکر کی تطہیر کے ساتھ ساتھ صحت مند ادب کو پروان چڑھایا جاسکے۔

آپ کا دیوان "بعد از خدا بزرگ توئی..." ادب کی میز پر خوش نما گل دستہ ہے اور فن کی کسوٹی کا قیمتی نگینہ جس کی مقبولیت کا یہ عالم کہ سمتوں میں اپنے علم نصب کر آیا۔ اس سے جہاں نظمی کے نظم نعت کا جلوہ پھیلے گا وہیں خانقاہ مارہرہ کے خوش رنگ پھولوں کی مہک فکر و نظر کے صحن میں عطر بیزی کرے گی اور دل کی ہر کلی کھل اٹھے گی۔

عزیز احسن۔ کراچی

صبا اکبر آبادی کی نعت گوئی

اردو کی ابتدائی شعری تصنیف ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' میں حمد و نعت شامل ہے۔ الحمدللہ اس کے بعد تقریباً ہر با سعادت شاعر نے نعت کہی۔ پاکستان بننے کے بعد یہ سلسلہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ شروع شروع میں تو اشتراکی کوچہ گردوں نے اس سمت توجہ نہ کی اور اس ضمن میں معاندانہ رویہ اپنائے رکھا۔ لیکن پچھلے تین عشروں سے وہ خود بھی صف نعت گویاں میں شامل ہو گئے۔ الحمدللہ صبا اکبر آبادی تو کبھی اشتراکی کوچہ گردوں کے ہتھے نہیں چڑھے، بلکہ سن ۱۹۳۶ء میں جب اشتراکی ادبا الحادی ادب تخلیق کرنے کے لیے اپنا منشور تیار کر رہے تھے، صبا صاحب نعتیہ ادب میں ایک خوب صورت مثنوی ''معراج رسول ﷺ'' کا اضافہ کر چکے تھے۔ تاہم با قاعدہ نعت گوئی کی طرف وہ بالوجوہ ذرا تاخیر سے آئے۔

بہر حال صبا اکبر آبادی ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ اس لیے وہ جب نعت کہنے کی طرف مائل ہوئے تو ان کا شعری مزاج بھر پور طریقے سے ان کی نعت گوئی میں جھلکنے لگا۔ استادانہ ہنر مندی، لفظوں کی کلاسیکی پرکھ، بندش کی چستی اور خیال کی ترسیل کا راست داعیہ ان کے مزاج کا حصہ تھا جس نے ان کی نعتیہ شاعری کو بھی چمکا دیا۔

میں نے ۱۹۸۱ء میں ایک نعتیہ مجموعہ مرتب کیا تھا ''جواہر النعت'' اس کے لیے میں ایک مرتبہ ناظم آباد میں سٹی کالج کے عقب میں ان کے دولت کدے پر حاضر ہوا تھا۔ وہ انتہائی خلوص اور خورد نوازی کے جذبے سے ملے۔ اپنے قلم سے دو نعتیں لکھ کر مجھے عطا فرمائیں:

ابھی میں لب کشائی کیا کروں نعت پیمبر میں
زبان شوق کو دھولوں ذرا تسنیم و کوثر میں

اور:

نگہ ترستی ہے طیبہ کے بام و در کے لیے
وہ جلوہ اک بڑا انعام ہے نظر کے لیے

یہ دونوں نعتیں ''جواہر النعت'' کے صفحات ۲۷ اور ۳۷ کی زینت بنیں۔ ان نعتوں سے ہی مجھے ان کے قادر الکلام شاعر ہونے کا اندازہ ہوگیا تھا۔ ویسے بھی وہ غزل اور نظم کے تسلیم شدہ شاعر تھے۔

میرے نزدیک حمد و نعت کے علاوہ کوئی اور صنفِ شاعری دینی سچائیوں کی امین نہیں ہے۔ کیوں کہ اور شاعری کا مدار صرف تخیل پر ہوتا ہے، شعری متن (Text) کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہوتی، لیکن حمد و نعت میں اور بالخصوص نعت میں Text یا متن کی اہمیت مسلم ہے۔ یہاں تلوار کی دھار پر چلنا ہوتا ہے افراط و تفریط کے دونوں رویئے اس میدان میں نہ تو شاعر کے لیے سودمند ہیں اور نہ شاعری کے لیے۔

''دست دعا'' میں نے صبا صاحب کے صاحبزادے جناب مجیع عالم صاحب سے لے کر پڑھی۔ کتاب کا حسن صوری بھی بہت اچھا ہے اور حسن معنوی بھی۔ اس کتاب کے پڑھنے کے دوران میں ایک مصرعہ مجھے ایسا ملا کہ میں خود اس پر فریفتہ ہو کر نعت کہنے بیٹھ گیا۔ صبا صاحب کا شعر تھا:

دعا کرو کہ کوئی نیند رائیگاں نہیں جائے
انھی کا خواب نظر آئے خواب جب دیکھو

میں پہلے مصرعے سے متاثر ہوا اور یہ مطلع کہہ دیا:

غزال عشق جہاں میں کہاں کہاں نہیں جائے
کہیں بھی روح بجز ایک آستاں نہیں جائے

بہر حال یہ فیضان تھا صبا صاحب کا جو مجھ تک ان کے نعتیہ مجموعے کے توسط سے پہنچا۔ نعت میں شعری اقدار کو ملحوظ خاطر رکھ کر جس نے بھی سعی، سخن گوئی کی ہے اسے اللہ رب العزت نے خود اپنے محبوب جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کی شان میں مدحت کا سلیقہ سکھادیا ہے۔ جذبے کا خلوص، فنی ریاضت، زبان شناسی، اسلوب میں کلاسیکی رچاؤ اور قدرت اظہار جیسے اوصاف ہی کسی کلام کے دل نشین ہوجانے کے لیے کافی ہیں اور بلاشبہ صبا صاحب کا کلام اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

اب کچھ اشعار بھی ملاحظہ فرمالیجیے تاکہ میرے دعوے کو دلیل کی روشنی میں پرکھا جاسکے:

غائیت ارض مدینہ تھی بھی　　　　ایک جنت بھی تہ افلاک ہو

پھر دیار شاہ دیں کا قصد کر
پہلے سب آلائشوں سے پاک ہو

مدحت شاہ مدینہ کا صلہ تو دیکھیے، دونوں مصرعے برابر ہوں گے:

فکر کو رفعت طبیعت کو روانی مل گئی

شاہ احمد رضا خاں نے کہا تھا:

واہ کیا جودو کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

اور صبا صاحب فرماتے ہیں:

نور آنکھوں میں بسا ہے شہ بطحا تیرا
دیکھ آیا ہوں ترے شہر میں جلوہ تیرا
کوئی ثانی ہی نہیں اے شہ والا تیرا
دیکھنے والوں نے سایہ بھی نہ دیکھا تیرا

اور دیکھیے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان لانے کی کیفیات اور بالخصوص سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا استعارہ کس خوبی سے رقم ہوا ہے کہ وجدان درود پڑھنے لگتا ہے:

جس کو چاہا اسے قدموں میں ترے ڈال دیا
خود مشیت بھی سمجھتی تھی ارادہ تیرا

قصیدہ شاعری کی مشکل ترین صنف ہے، کیوں کہ اس میں الفاظ کا شکوہ، بیان کی صفائی، خیال کی بلندی، تخیل کی رنگینی اور تسلسل بیان میں فنی خوبی مطلوب ہے۔ صبا صاحب کے جو قصیدے ''دست دعا'' میں شامل ہیں ان کے مطالعے سے صبا صاحب کی قادرالکلامی اور فن شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہوں چند اشعار:

صاحب لوح و قلم، سرور سردار امم
سیّد عرش حشم منتخب ہر دو سرا

پیکر نور ازل، تکملۂ علم و عمل
نقش بت مثل و بدل، سارے جہاں میں یکتا

وہ رسول عربی، ہاشمی و مطلبی
جان عالی نسبی، رہبر نوح و موسیٰ

جس کے دامان عطوفت میں زمانے کو پناہ
وہ یتیموں کا سہارا ہے، ضعیفوں کا عصا

جس کے اخلاق نے تسخیر کیے قلب و نظر　　جس کے انصاف کا ہے سارا جہاں مدح سرا
وہ امیں جس کی امانت کے تھے قائل دشمن　　وہ سخی جس نے سخاوت کے بہائے دریا

ایک اور قصیدے کے اشعار دیکھیے:

معجزہ قرآن ہے تیرے لب اظہار کا
کی زباں سے تیری خود اللہ نے بندوں سے بات
جنبشِ انگشت سے تو چاند کے ٹکڑے کرے
تیرے ابرو کا اشارہ کردے حل سب مشکلات
تیری آمد کی سحر سے تا حد شام وداع
تیری ساری زندگانی ایک سیلِ معجزات
تیرا روضہ اہلِ دل کے واسطے طور کرم
تیری مسجد قبلہ گاہ پاک بازانِ حیات

الفاظ کا چناؤ، لہجے کی شگفتگی، بیان کی صفائی اور جذبے کی سچائی، کیا ہے جو ان اشعار میں نہیں ہے؟ کسی بھی شاعر کے کلام میں اتنی خوبیاں اس کے قادر الکلام ہونے کے ساتھ ساتھ فن پر عبور کی بھی غمازی کرتی ہیں اور بلاشبہ صبا صاحب اپنے عہد کے وہ منفرد قصیدہ گو تھے جن کی زبانِ قلم نے کسی کلب دنیا کے جاہ و جلال کی شان میں کوئی قصیدہ کہنا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا

صبا وہ دولت دنیا پہ کیوں نظر ڈالے
جسے نصیب سے حاصل ہو خاکِ در اس کی!

یہی وجہ ہے قصیدے کا یہ فن شریف صرف ہوا تو اس تاجدار ﷺ کے لیے جس کے لیے کائنات بنائی گئی اور جس کا قصیدہ خود اس کے خالق نے قرآنی الفاظ میں بیان فرما دیا۔ اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے شیفتگی کا جوہر قلب شاعر میں نہ ہو تو ایسے نادر قصائد ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ کا کرم ہے کہ صبا صاحب کے کلام سے ان کی قلبی کیفیات متبادر ہوتی ہیں۔ نعت گو کا اولین فریضہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے ان ثمرات کا بیان ہے جو سیرت پاک ﷺ کے توسط سے انسانیت کو عطا ہوئے اور یہ انداز بیاں، تبلیغی لہجے کے بجائے فنی اسلوب چاہتا ہے۔ صبا صاحب اس ذمہ داری سے آگاہ تھے۔ وہ حضور ﷺ کی تعلیمات کے ذریعے انسانیت کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ، فنی خوبیوں کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ تاریخی حقائق، شعری عمل کا حصہ بن

کر لطافتِ اظہار کا نمونہ بن جاتے ہیں:

دور دنیا سے نظام تیرگی اس نے کیا
بزم جاں میں اہتمام روشنی اس نے کیا

جو ملا حکم خدا اس کو، وہی اس نے کیا
مرضیٔ خالق سے کار بندگی اس نے کیا

آدمی پہلے تھے لیکن آدمیت سے الگ
آدمی کو در حقیقت آدمی اس نے کیا

جتنی زنجیریں ہوا و حرص کی تھیں توڑ دیں
ہر مصیبت سے زمانے کی، بری اس نے کیا

اس نے دل میں روشنی بھر دی خدا کے نور کی
گم رہوں کو افتخار رہبری اس نے کیا

ان اشعار میں تاریخی صداقتیں، تلمیحات کے پیکر میں ڈھل کر شعرِ عقیدت کی جان بن گئی ہیں۔ غالباً ایسے ہی طرزِ شعر گوئی کے حوالے سے فلپ سڈنی (۱۵۵۴ تا ۱۵۸۶ء) نے کہا تھا ''شاعری بحیثیت معلم اخلاق، فلسفہ اور تاریخ سے برتر ہے کیوں کہ یہ فلسفے کی طرح محض مجرد قضیوں سے سروکار نہیں رکھتی بلکہ ٹھوس مثالیں رکھتی ہے اور چوں کہ اس کی مثالیں حقائق سے براہِ راست جڑی ہوئی نہیں ہوتی ہیں (بلکہ صرف تلمیحاتی اشارے ہوتے ہیں) اس لیے یہ انھیں تاریخ کے مقابلے میں زیادہ موزوں اور دل نشین بنا سکتی ہے۔''

(Critical approaches to literature, David Daiches)

سڈنی کی اس رائے کی روشنی میں جب ہم صبا صاحب کے ''نعتیہ کلام'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ تاریخی حقائق کو شعری زبان کس طرح دی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال کیا تھے ذرا صبا صاحب سے سنیے:

گلیوں میں مدینے کی بپا شور تھا ایسا
جیسے کہ اتر آئی ہو دنیا میں قیامت

گریاں تھے جو انصار تو اصحابؓ پریشاں
مصروف غم و رنج تھا ہر صاحب الفت

اک حشر سا برپا تھا حریم نبوی میں
خاموش ہوئی تھی جو ابھی شمع رسالت

وہ بزم نبوت کے چمکتے ہوئے تارےؓ
ہے نام سے جن کے ابھی اسلام کی عزت

بو بکرؓ وفا کیش وفا پیکر و خوش خو
وہ خلق کی تصویر سراپائے صداقت

فاروقؓ معظم وہ فدائے شہ یثرب☆
منسوب جوان سے ہے تو نازاں ہے شجاعت

(☆ کاش صبا صاحب یثرب کے بجائے طیبہ لکھتے۔ ر۔ ع۔ ا)

عثمانؓ غنی پیکر اخلاق حقیقی
مشہور ہوئی جن کے تعلق سے سخاوت

وہ حیدر کرارؓ در علم نبوت
سرچشمۂ عرفان و شہنشاہ ولایت

ہر ایک کو وہ صدمہ کہ لفظوں میں نہ آئے   ہر ایک کو وہ رنج کہ بیرون طاقت

یہ ہے وہ ملفوظی تصویر جو تاریخ میں حقیقت نویسی کے ذیل میں آئی لیکن صبا صاحب کے شعروں میں ڈھل کر فن کا ایک اچھا نمونہ بن گئی۔ مثنوی، شعری کائنات میں ایک ایسا سیارہ ہے جس کی سیر ہر اس شاعر نے کی ہے جو اپنی بات ذرا تفصیل سے، شعری ہنر کو زادِ راہ بنا کر، سفر پر روانہ ہونا چاہتا ہے۔ مثنوی کے لیے خیال کی 'راست ترسیل' کا ہنر جاننا بہت ضروری ہے، ورنہ شعر مثنوی کے کلی شعری نظام میں نہ تو صحیح طور پر مناسب جگہ پاسکیں گے اور نہ ہی بیان میں لطف برقرار رہ سکے گا۔ صبا صاحب نے ''معراج رسول کریم ﷺ'' کے زیرِ عنوان جو مثنوی لکھی ہے وہ کلاسیکی شعرا کے لہجے، فنی اکتساب، واقعاتی صداقتوں اور اسلوب کی دل نشینی کا آئینہ ہے۔ مثنوی بڑی رواں دواں بحر یعنی بحر ہزج مسدس اخرب محذوف (مفعول، مفاعلن فعولن) میں ہے۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کی معروف مثنوی گلزارِ نسیم بھی اسی بحر میں ہے اور محسن کاکوروی کی مثنوی ''صبح تجلی'' بھی، مثلاً:

دیکھا تو وہ گل ہوا، ہوا ہے   کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل   جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے   بو ہو کے تو گل اڑا نہیں ہے

(گلزارِ نسیم)

محسن کہتے ہیں:

بیضاویٔ صبح کا بیاں ہے   تفسیر کتاب آسماں ہے
ہے خاتمۂ شب دل افروز   دیباچہ نگار نسخۂ روز
آثار سحر ہوئے نمایاں   سیپارہ لیے ہوئے ہے دوراں
والیل کو ختم کرچکا ہے   آمادۂ دور والضحیٰ ہے
عنوان فلک ہے درمنثور   لوح زریں سورۂ نور

(مثنوی صبح تجلی، محسن کاکوروی)

مثنوی چراغ کعبہ بھی اسی بحر میں ہے اور اس میں محسن نے معراج کی شب کا عجب انداز سے تذکرہ کیا ہے:

بھیگی ہوئی رات آبرو سے   داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٔ گل اندام   شبنم کی ردا بقصد احرام

کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے
نا محرموں سے چھپائے چہرہ — پروین کو بنائے منھ کا سہرا

(چراغ کعبہ۔ محسن کاکوروی)

اب ذرا اس مثنوی کے چند اشعار دیکھیے جو صبا صاحب نے لکھی ہے:

معراج رسول کا بیاں ہے — الفاظ میں نزہت جناں ہے
خامے کا دماغ عرش پر ہے — رفعت کا چراغ فرش پر ہے
پرواز خیال لا مکاں ہے — پہنچی مری کم رسی، کہاں ہے
انوار خیال کی گواہی — دینے لگی خامے کی سیاہی
سجدے میں قلم گرے نہ کیوں کر — میں اور یہ سعادت مقدر

صبا نے رات کا منظر اس طرح قلم بند کیا ہے:

اک رات وہ آفتاب تاثیر — بیدارئ روح کی تھی تفسیر
وہ رات فروغ حسن لیلیٰ — یا مردم چشم ناز عذرا
خال رخ روشن زمانہ — خال رخ روشن زمانہ
جھرمٹ میں تھی نور کے ہویدا — جس طرح ہو قلب میں سویدا
جلووں سے نظارہ سوز تھی وہ — یا رشک ہزار روز تھی وہ

ان اشعار سے مترشح ہے کہ صبا صاحب نے معراج کے بیان کے لیے مثنوی کا انتخاب شاید محسن کاکوروی کی اتباع میں کیا تھا لیکن اس میں تقلید کے بجائے اپنی راہ الگ نکالی اور محسن کے مقابلے میں نسبتاً مختصر مثنوی لکھ کر اپنی فن شناسی کا لوہا منوالیا، مجھے یقین ہے کہ نعتیہ مثنویوں کے تذکرے میں کوئی بھی دیانت دار ادبی مورخ، صبا صاحب کی اس مثنوی کا حوالہ دیے بغیر آگے نہ بڑھ سکے گا!

غزل اردو شاعری کی جان ہے۔ یہ حدیث دل کے لیے وقف شدہ صنف شعر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے نعتیہ ادب میں سب سے زیادہ اسی طور نعتیں لکھی گئی ہیں۔ یعنی ہیئت کے اعتبار سے نعتیہ سرمائے میں غزل کی ہیئت زیادہ برتی گئی ہے۔ صبا صاحب نے بھی غزل کی فارم میں نعتیں کہی ہیں اور بعض بہت اچھے شعر نکالے ہیں، مثلاً:

مٹ رہے ہیں در حضور پہ ہم — زندگی کیسی کام آئی ہے

ہم غریبوں کی شان تو دیکھو	درِ سرکار پر رسائی ہے
پھر بسا ہے نفس میں کیف نیا	پھر گھٹا آج دل پہ چھائی ہے
راہ طیبہ میں کیا مرے آنسو	یہ ستاروں کی رو نمائی ہے
درِ حضور پہ اک دن گدائی کر لی تھی	بھرا ہوا ہے مرا دامنِ طلب دیکھو!

''مزمل'' قرآن کریم میں باتشدید آیا ہے اور رسول گرامی ﷺ کے اس صفاتی نام کو اسی طرح شعری بنت میں لانا چاہیے۔ بیش تر شعرا اس بات کا خیال نہیں رکھتے ہیں، لیکن صبا صاحب نے فن کی آگہی کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی کا بھی ثبوت فراہم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو یہ شعر:

امین و صادق و مزمل و نذیر و بشیر
مرے حضور کو کیا کیا ملے لقب دیکھو!

فلسفیوں نے اور جمالیاتی بنیاد گزاروں نے ''حسن'' کی بہت سی تعریفیں کر رکھی ہیں۔ لیکن زندگی کو خوب صورت بنانے کے لیے جو طریق، جو نظام اور جو اسلوب 'خیر' کا درجہ رکھتا ہے صرف وہی حسن ہے باقی تمام باتیں محض خوش گپیاں ہیں۔ اس نظریے کو پیش نظر رکھ کر ذرا یہ شعر پڑھیے:

اُجالا جو دو عالم میں پھیلا ہوا ہے
ضیائے محمد نہیں ہے تو کیا ہے؟

غزل میں چھوٹی بحر کا استعمال بڑی ریاضت مانگتا ہے۔ صبا اکبرآبادی صاحب چوں کہ کہنہ مشق شاعر تھے انھوں نے چھوٹی بحر میں بھی اچھے شعر نکالے ہیں:

نقش پا یاد آگئے ان کے	چاند جب آسمان پر آیا
بات اس کی اتر گئی دل میں	تیر گویا کمان پر آیا

اور:

نگاہ جہاں کو قرار آگیا	کہ محبوبِ پروردگار آگیا
ادب سے چل اب اے نسیمِ سحر	خدا کے نبی کا دیار آگیا
پڑی گنبدِ سبز پر جب نظر	نگاہوں میں رنگِ بہار آگیا

کلاسیکی روایت میں بات بڑی واضح کی جاتی ہے۔ کوئی ابہام نہیں چھوڑا جاتا۔ تشبیہات کی بھی کسی نہ کسی طور مفہوم کشائی کر دی جاتی ہے۔ صبا صاحب کے اس شعر سے کلاسیکی طرز اظہار کا بھرپور ظہور ہو رہا ہے:

کفار میں ہے وہ داعیٔ حق
کانٹوں میں بہار پل رہی ہے

اس شعر میں ''کفار'' کو کانٹوں سے اور داعیٔ حق یعنی حضور اکرم ﷺ کو بہار سے تشبیہ دی گئی ہے لیکن دوسرے مصرعے کے تشبیہاتی دروبست کو پہلے مصرعے ہی میں کھول دیا ہے۔ علم بدیع میں اس صنعت کو ''لف ونشر مرتب کہتے ہیں''۔ لیکن خیال رہے کوئی صنعت صرف صنعت کھپانے کے لیے شعر میں نہیں ٹھونسی جاتی ہے اگر ایسا کیا جائے تو شاعری کمزور اور بھدی ہوجاتی ہے۔ ہاں شعر کی آمد کے دوران میں جو صنعت برجستگی سے متن کا حصہ بن جائے وہ قابلِ تحسین ہوتی ہے۔ اس شعر میں بھی صنعت برائے صنعت نہیں ہے بلکہ مضمون کی مناسبت اور بیان کی توضیح کے لیے ہے۔

چلتے چلتے حمدیہ شاعری کے نمونے کے طور پر ایک مسدس کے دو بند ملاحظہ فرمالیجیے تاکہ شعری اصناف میں مسدس پر شاعر کی فنی گرفت کا بھی احساس ہوجائے اور بارگاہِ ربّ العزت میں لب کشائی کی سلیقہ مندی بھی ظاہر ہوجائے:

اے ربِ کائنات میں عصیاں شعار ہوں
بازارِ زندگی میں زرِ کم عیار ہوں
نادم ہوں، منفعل ہوں مگر بے قرار ہوں
ظاہر میں پر سکوں ہوں مگر بے قرار ہوں
واپس چمن میں بھیج دے گزری بہار کو
دولت ملے سکوں کی دلِ بے قرار کو

ہر دن ہے ہول ناک تو ہر رات ہے سیاہ
آشوبِ روزگار سے ملتی نہیں پناہ
دولت سکونِ قلب کی سب ہوچکی تباہ
اٹھتی ہے بس ترے ہی کرم کی طرف نگاہ
عذرِ خطا کا اب کوئی حیلہ نہیں رہا
تیرے سوا کسی کا وسیلہ نہیں رہا

یہ ہے فکروفن کی وہ دنیا جس کی ہم نے سرسری سیر کی۔ آخیر میں میں بھی پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مرحوم و مغفور کی زبان میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ''اُمید ہے کہ حضرت صبا اکبر آبادی کی یہ آرزو ضرور پوری ہوگی:

صبا نعتِ رسولِ پاک اپنے ہاتھ میں رکھو
شفاعت کی سند لے کر چلو دربارِ داور میں''

ڈاکٹر اِفضال احمد انور۔ فیصل آباد

ریاض حسین چودھری کی نعت گوئی

ریاض حسین چودھری عہدِ حاضر کے بے حد اہم نعت گو ہیں۔ انھوں نے نعتیہ موضوعات کو جہانِ رنگ و بو کی ہر چیز اور ہر چیز کے ہر اچھے پہلو تک پھیلانے کی کامیاب سعیِ سعید کی ہے۔

عشقِ رسول ﷺ ایمان کی اساسی شرط ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی صاحبِ ایمان بھی ہو اور حبِ رسول اکرم ﷺ سے خالی بھی ہو۔ اس محبت میں جب بے پناہ ادب قرینے شامل ہو جاتے ہیں تو ریاض حسین چودھری کی نعت طلوع کرتی ہے تو آسمانِ سخن جگمگ جگمگ کرنے لگتا ہے۔

انھوں نے عشقِ رسول ﷺ کو صرف اپنی ذات میں مضمر اور دل میں ملفوف نہیں رہنے دیا، بلکہ انھوں نے اِس جذبے کو کائنات کے ذرّے ذرّے میں ضوفشاں دیکھنے کی تمنا کی ہے۔ وہ ذاتِ ختمی مرتبت ﷺ کو باعثِ ایجادِ کن فکاں سمجھتے ہیں، لہٰذا دینی اور دنیاوی تمام معاملات میں رسول اکرم ﷺ ذاتِ بابرکات کے واسطے کو نظر انداز نہیں کرتے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ ہر مسئلے کا حل درِ مصطفےٰ کریم ﷺ سے ملتا ہے۔ اسی لیے انھوں نے نعت میں صرف اپنی ذات ہی کے نہیں بلکہ کل کائنات کے غم بھی اس طرح پیش کیے ہیں کہ نہ تو معنویت کا خون ہونے دیا ہے اور نہ شعریت میں کمی آنے دی ہے۔ نہ اُن کا کہیں عقیدہ لڑکھڑایا ہے اور نہ اُن کی عقیدت کسی مقام پر ڈگمگائی ہے۔ انھوں نے نعت کو صنفِ ہزار رنگ ثابت کرنے کے لیے خونِ جگر صرف کیا ہے۔ اُن کی نعت میں بھی عشق و محبت، عقیدت و عقیدہ اور احوال و واقعات کے بے شمار رنگ ہیں۔ اُن کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی کسی نعت کے کسی پہلو کے کسی رنگ میں حبِ نبی ﷺ کو پھیکا نہیں ہونے

دیتے۔

ایک وقت تھا جب شہر آشوب لکھے جاتے تھے، نجی اور علاقائی مسائل و مصائب کو حزنیہ انداز میں پیش کیا جاتا تھا۔ تب غم و الم کا مارا، شاعر جو ان بیوہ کی طرح سر پیٹتا، خود روتا اور دوسروں کو رُلاتا تھا۔ اسی رونے رُلانے کو شاعر کا کمالِ فن سمجھا جاتا تھا۔ شہر آشوب کے شاعر کو انجام اور مستقبل کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ دشتِ اَلم کے تھکے ماندے راہی کے سامنے نہ منزل تھی نہ منزل تک پہنچنے کا راستہ، پھر شعر و سخن کے سر پر نعت نے دستِ شفقت رکھا تو شاعروں نے نعت میں استمداد و استغاثہ عرض کرنے کا ہنر سیکھا۔ انھیں معلوم ہوا کہ جب اُن کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، احمد مجتبےٰ ﷺ صرف حیات ہی نہیں بلکہ اصل حیات و جانِ حیات بھی ہیں: صرف راہنما ہی نہیں منزل تک پہنچانے والے بھی ہیں بلکہ منزل تک پہنچانے والے ہی نہیں خود منزل ہیں۔ وہ ایسی ہستی ہیں کہ جن کی رضا کا ہر وقت خود خداوندِ کریم طالب رہتا ہے۔ اُن کی خواہش پر قبلہ تبدیل ہو جاتا ہے، تقدیریں بدل جاتی ہیں، زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ جن کی نگاہِ کرم سے ذرّہ دِیا... دِیا ستارہ... ستارہ ماہتاب اور ماہتاب آفتاب بنتا ہے۔ جن کی منوّر ذات سے ہر روشن شے اکتسابِ نور کرتی ہے، جو زندگی کا حاصل ہیں، جو ہر حاصل کا حقیقی سبب ہیں۔ انھی کی ذات بابرکات کے سامنے اپنے ذاتی اور اجتماعی مسائل پیش کر کے اُن کا حقیقی حل ڈھونڈا جاسکتا ہے۔

اُردو نعت گو شعرا نے نعت میں ذاتِ ختمی مرتبت ﷺ کے حضور اِس نوعِ استمداد و استغاثہ کا دروازہ کھولا تو ریاض حسین چودھری اِس فن اور اِس ہنر میں سب سے بازی لے گئے۔ وہ گہری نظر رکھتے ہیں۔ اُن کا مشاہدہ تیز اور وقت کی نبض پر اُن کی انگلیاں مضبوط ہیں۔ ان کی قوتِ فیصلہ صائب ہے اور شدید حساسیت نے اُن کی فکر کو تاثیر بخشی ہے۔ انھوں نے ''زرِ معتبر'' سے موجودہ مجموعۂ نعت ''خلدِ سخن'' تک اپنے ساتوں شعری اثاثوں میں ملتِ اسلامیہ کے مصائب و مسائل کو بارگاہِ نبوت میں پیش کر کے اپنے مسلمان ہونے کا حق ادا کیا ہے۔ ریاض حسین چودھری کا کمال یہ ہے کہ وہ بیانِ مسائل میں شعری خصائل کا خون نہیں ہونے دیتے۔

آج بھی سورج سوا نیزے پہ آیا ہے مگر
ہے رواں آبِ خنک تشنہ لبوں میں آج بھی
دُخترِ حوا ردائے عافیت مانگے حضورؐ
ابنِ آدمؑ ہے ہوس کے جنگلوں میں آج بھی

خوف کی چادر میں ہے لپٹا ہوا میرا بدن
راہ زن کب سے کھڑے ہیں راستوں میں آج بھی
لب مقفل ہیں سرِ مقتل مرے آقا حضور
حشر برپا ہے خدا کی بستیوں میں آج بھی

ایک اور جگہ شاعر نے ممالکِ اسلامیہ کی یوں نقشہ کشی کی ہے:

حصارِ خوف میں ہیں اُمتِ مظلوم کے خطے
پرندے شب کے اُڑتے ہیں فضا میں یا رسول اللہ
لبوں پر خوش کلامی کی دھنک اُترے تو کیا اُترے
ابھی بارود کی بو ہے ہوا میں یا رسول اللہ
کھلی آب و ہوا میں سانس لینے پر ہے پابندی
رگِ جاں ہے گرفتِ ناروا میں یا رسول اللہ

آج کا منظرنامہ اس سے بہتر کس شعری پیرائے میں پیش ہو سکتا ہے؟ عہدِ موجود کی یہ زبوں حالی صرف انسان کے خارج ہی میں نہیں اُس کے اندر بھی ہے، اور ریاض حسین چودھری بیروں میں ہی نہیں بلکہ اندروں میں بھی ہیں۔

اپنے باہر، بھی ہیں قتل گاہیں بہت
اپنے اندر بھی برپا ہے جنگ و جدل

ملّتِ اسلامیہ بظاہر ترقی و روشن خیالی کے پردے میں جس زوال و انحطاط کی شکار ہے، وہ حساس دل کو مایوس کر دینے کیلیے کافی ہے لیکن اِن حالات میں بھی شاعر سمجھتا ہے کہ بارگاہِ نبوت میں التجا سے حالات بدل سکتے ہیں، ذلت، عزت میں ڈھل سکتی ہے۔ پستی اوجِ ثریا سے ہمکنار ہو سکتی ہے، لہٰذا وہ اِس بارگاہ کرم میں التجاؤں کے سلسلے کو کبھی ترک نہیں کرتا۔

اُڑ رہی ہیں حوادث کی آندھیاں آقاؐ
غبارِ جاں میں ہے اک شہرِ التجا، روشن

حالات کیسے بھی ہوں، شاعر نہ خود مایوس ہوتا ہے نہ اپنے رفقاء کو مایوس ہونے دیتا ہے:

کل یہ سورج سروں پر سے ڈھل جائے گا
ہم سفر اتنی جلدی نہ رستہ بدل

شاعر کی اُمید اور یقین کا اندازہ کیجیے: وہ کس سرشار لہجے میں نغمہ سنج ہے:

شعور و عدل کا موسم اُترنے والا ہے
ہوائے شہرِ مدینہ ضرور آئے گی
حضور اپنے غلاموں کو حوصلہ دیجے
نظامِ جبر کی زنجیر ٹوٹ جائے گی

شاعر سمجھتا ہے کہ ہوس و مفاد کے روگ کا علاج صرف عشقِ رسولِ مقبول ﷺ ہے:

انسان کب سے قصرِ مفادات میں ہے بند
دے گی اسے نجات محبت حضورؐ کی

شاعر صرف اپنے گھر میں ہی نہیں بلکہ بستی کے ہر گھر میں بھی امن اور آشتی کا متلاشی ہے:

میں بھی اُترتے دیکھوں صدقے میں مصطفےٰؐ کے
بستی کے ہر مکاں میں آسودگی کا موسم

اس ضمن میں ریاض حسین چودھری کی نعتیہ نظم "الکرم یا خدا" المدد یا نبی کا مطالعہ مفید مقصد ہے۔ شاعر نے خود کلامی کو اعلان کی شان دیتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی کرب و زوال کو کیا پیش کیا ہے، گویا کاغذ پر کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے:

اپنی تاریخ کے ہم ہی قاتل ہوئے
داستانوں میں اب داستاں بھی نہیں
وہ امامت کہاں، وہ عدالت کہاں؟
اپنے ماضی کا نام و نشان بھی نہیں
مقتلِ شب میں ہے اُمّتِ بے نوا
آج پہلی سی طرزِ فغاں بھی نہیں

درج ذیل اشعار پر غور کیجیے اور شاعر کی تیز حساسیت کا اندازہ کیجیے:

کیا ازل سے ہمارے مقدر میں ہے؟
آشیاں شاخِ نازک پہ جلتا ہوا
چہرۂ شب ہے خارش زدہ، ہم نفس
جسم عصیاں کے پنجوں سے نوچا ہوا

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ ریاض حسین چودھری کی نعت میں روحِ عصر کی فراوانی ہے۔ وہ مرض کی تشخیص کے بعد علاج بھی بتاتے ہیں۔

چلو چل کر تلاشیں نقشِ پائے مصطفٰےؐ ہم بھی
کہ ہر عکسِ حسیں اپنی ثقافت کا مٹا جائے

ریاض حسین چودھری نسبتِ نبی ﷺ سے تہی کسی شخص کو اپنا قائد نہیں مانتے:

میں کیسے اُس کی قیادت پہ اعتماد کروں
درِ نبیؐ سے وہ نسبت اگر نہیں رکھتا

خلدِ سخن کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہماری ملی شاعری حالی، اکبر اور اقبال سے ہوتی ہوئی جب ریاض حسین چودھری تک پہنچتی ہے، تو ایک نئی آب و تاب ظاہر کرتی ہے۔ نعت شعورِ ذات و کائنات کا بہترین وسیلہ بنتی ہے، نعت انسان کو وہ شانِ غنا اور توقیر و طاقت عطا کرتی ہے کہ اُسے اپنے کریم آقا ﷺ کے سوا کسی کی پرواہ نہیں رہتی۔ یہ صرف اور صرف نسبت مصطفٰے ﷺ کا اعجاز ہے کہ ہمارا شاعر کہتا ہے:

شہر یاروں کو نہیں لاتا میں خاطر میں بھی
اُن کی نسبت نے مجھے ایسی ہے قامت بخشی

بلکہ ہمارا شاعر صرف نعت کی بدولت جس مقامِ استغناء پر فائز نظر آتا ہے، اِس پر شہنشاہ بھی رشک کریں تو بجا ہے:

مت اُلجھنا ہم غلامانِ پیمبر سے ریاضؔ
تاجِ شاہی ہے ہماری ٹھوکروں میں آج بھی

ہمارا شاعر دربارِ رسالت مآب ﷺ میں عجز و ادب کا پیکر بن جاتا ہے۔ اُس کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ وہ اُس بارگاہ میں کسی قسم کی بے تکلفی برداشت نہیں کرتا۔

درِ آقاؐ پہ شوخی کا تصور بھی نہیں ممکن
ضروری ہے صبا، چاک گریباں بھی سیا جائے

ریاض حسین چودھری کے نزدیک نعت لامحدود وسعتوں کی حامل ہے، لہٰذا اِس میں ہر موضوع سمویا جاسکتا ہے لیکن اِس سمونے کا انداز، ہنر کے بغیر ہاتھ نہیں آتا۔ الحمدللہ! ذاتِ لم یزل نے یہ ہنر انھیں وافر عطا کیا ہے۔

ان کے چند شعر دیکھیے: آپ چاہیں تو انھیں اقوالِ زریں کا نام بھی دے سکتے ہیں:

جسے یقین کی دولت نصیب ہو جائے
سفر میں ساتھ وہ زادِ سفر نہیں رکھتا
جسے ہو خوف، خدا کا، خدا کی بستی میں
وہ زر کے جھوٹے خداؤں کا ڈر نہیں رکھتا

ریاض حسین چودھری کی نعت ہماری ملی سوچ کا قیمتی اثاثہ ہے، فنی لحاظ سے اِس کلام کو اثاثہ بنانے میں ان کی عالی دماغی، بلند فکری اور تیز حساسیت کے ساتھ ساتھ ان کے رنگِ تغزل نے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اُن کی نعت، غزل کی ہیئت میں بھی ہو تو نظم کے ربط وضبط کی چھب دکھاتی ہے۔ آزاد نظم ہو یا مسمط کی کوئی شکل، ترکیب بند ہو، یا مثنوی، قطعہ ہو یا سانیٹ، الغرض کوئی بھی شعری ہیئت ہمارے شاعر کے لیے مشکل نہیں۔ وہ آسمان فکر پر تغزل کے ستارے روشن کرنے کا ماہر ہے، جس سے کلام میں رعنائی اور دل کشی پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ریاض حسین چودھری نے اپنی غزل کو نعت کر دیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

اپنی پلکوں کو نکو ے بنا کر تو چل
دیپ حبِّ نبیؐ کے جلا کر تو چل
اے شعورِ غزل ہے مقامِ ادب
قریۂ عظمت مرسلاں میں اُتر

ریاض حسین چودھری نعت میں تجربوں کے شاعر ہیں۔ وہ محض فکری ہی نہیں بلکہ فنی سطح پر بھی نعت کی بے پناہ اور ان گنت توانائیوں اور صلاحیتوں کے دعوئ کے علم بردار ہیں بلکہ اُن کی اپنی شاعری اِس کی دلیل جمیل بھی ہے کسی بھی شاعر کی عظمت پیمائی کا ایک قرینہ اُس کے منتخب الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ حسب ضرورت، برمحل الفاظ وتراکیب کے استعمال کا گر ہمارے شاعر کو خوب آتا ہے۔ کسی تلمیح کا استعمال ہو، یا کسی منظر کی تصویر کشی، جذبۂ دل کی عکاسی ہو یا ذہن پیمائی، الفاظ ہمارے شاعر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے نظر آتے ہیں۔ اُن کے ہاں فکری نارسائی، معنوی ژولیدگی یا عسیر الفہمی کا احساس کہیں نہیں ہوتا۔ شاعر، عرش کے تارے فرش پر اُتارنے کا فن جانتا ہے اور اِس میں اُس کی قادر الکلامی کا بڑا دخل ہے۔ شاعر کی کچھ تراکیب ملاحظہ کیجیے:

کشکولِ دُعا... جمودِ مسلسل... مقتلِ شب... اُمتِ بے نوا... گرفتِ شب... گردابِ غم،

جیسی تراکیب صفحے صفحے پر نظر آتی ہیں۔ ہمارا شاعر توالیِ اضافت سے بھی کام لیتا ہے تو غرابت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ مثلاً چند تراکیب دیکھیے:

خیالِ نقوشِ کفِ پا، غبارِ شبِ امتحاں، خطۂ نور و نکہت فشاں، سیاہ شبِ قدامت... ضمیرِ گلشنِ صبر و رضا... طوافِ سنگِ شکم... غبارِ شامِ حوادث... بہارِ نعتِ پیمبر... سایۂ شامِ زوال... نقش و نگارِ جمالِ ہستی... اور... گلابِ اسمِ محمد ﷺ

ان تراکیب سے شاعر کی فنی پختگی کا ثبوت ملتا ہے۔ شاعر کو اپنی تخلیقی توانائیوں کا بخوبی احساس ہے، لہٰذا اُس کا یوں کہنا بجا اور مبنی بر حقیقت ہے۔

بفیضِ نعتِ رسولِ خدا، ہے در آئی
بیان و نطق میں تخلیق کی توانائی
ہر ایک لفظ میں رکھتا ہے آئنوں کا دماغ
مرے قلم کا مقدر ہے وصفِ زیبائی
غبارِ خُلدِ مدینہ کا تاج ہے سر پر
ملی ہے ملکِ سخن کی ریاض، دارائی

میں لفظوں میں آئنوں کا دماغ رکھنے والے اِس ملکِ سخن کے دارا کی عظمتوں کو سلام کرتے ہوئے اس عہد کے قابلِ ذکر اور قابلِ قدر مجموعہ نعت ''خلدِ سخن'' کا دلی کشادگی کے ساتھ استقبال کرتا ہوں اور دُعاگو ہوں کہ اُن کی یہ شعری کاوش بھی اللہ کریم اور رسول کریم ﷺ کی بارگاہوں میں مقبول ٹھہرے اور قارئین کے دل و دماغ میں نعت کے نور کے فروغ کا باعث بنے۔ خداوندِ کریم لفظوں میں آئینوں کا دماغ رکھنے والے عظیم نعت گو کو صحت و سلامتی کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے تاکہ وہ اُردو ادب کی جھولی میں ایسے ہی نعتیہ مجموعے ڈالتے چلے جائیں۔ (آمین)

(ایوانِ صنعت و تجارت سیالکوٹ میں ریاض حسین چودھری کے نعتیہ مجموعے ''خلدِ سخن'' کی تقریبِ پذیرائی، منعقدہ ۱۳ر جولائی ۲۰۱۰ء میں پڑھا گیا مقالہ)

پروفیسر شفقت رضوی (مرحوم)

امان خاں دل نعتیہ شاعری کے آئینے میں

کرہ ارض پر ایک ایسا ملک بھی ہے جس میں اس کے اصل باشندوں (Son of the soil) کو تلاش کرنا مشکل ہے۔ دنیا بھر سے آنے والے تو آبادکاروں نے انھیں نیست و نابود کر دیا ہے یا دُور دُور کے اُجڑے علاقوں میں دھکیل دیا ہے یا ان کو اپنے میں ضم کر کے ان کی انفرادی شان کو ختم کر دیا ہے۔ اب ان کی شناخت تک باقی نہیں رہی تو دریافت براعظم آباد ہوئے چند صدیاں ہوئی ہیں لیکن وہ مادی ترقی میں سب سے آگے ہے اور مادہ پرست دنیا کا واحد رہنما کہلاتا ہے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی جن کا کبھی ڈنکا بجتا تھا ماندگی کے شکار ہیں۔ مادی دنیا کا رہنما معیشت کے اسباب، سائنسی اصولوں اور جنگی ہتھیاروں کی طاقت آزمائی کر کے سب کا کس بل نکال رہا ہے۔ چاہے اس کے لیے اسے ویت نام کی جنگوں میں ۶۸ ہزار اپنے سپاہیوں کو دفن ہی کیوں نہ کرنا پڑا ہو۔ وہ چاند پر کمند ڈال چکا ہے لیکن معراج کی روحانی بلندی، پاکیزگی، طاقت و کیف و سرور سے آشنا نہیں۔

یہ ہے وہ دنیا جسے امریکا کہتے ہیں۔ اس میں معیشت کے مسائل کو حل کرنے دنیا بھر کے لوگ اپنے آشیانوں کو جلا کر یہاں کی کم زور شاخوں پر بسیرا کرنے چلے آتے ہیں۔ اس میں جنوبی ایشیا کے مسلمان بھی شامل ہیں جن کی صبح اللہ کے نام سے شروع ہوتی ہے اور جن کی شام اللہ کی یاد میں گزرتی ہے جو شب و روز ”اذان“ سے نغمہ جاں فزا پھیلاتے ہیں۔ وہ جنگ و رباب سے کھیلنے کی بجائے خدا کی وحدت اور رسول خدا ﷺ کی عظمت کے گیت گاتے ہیں جن کے طفیل مادہ پرست دنیا ”غرق مثلِ طوفان نوح سے بچی ہوئی ہے۔ اس دیارِ طوفان بہ داماں میں رمقِ حیات اس لیے باقی ہے کہ انھوں نے ”چراغِ مصطفوی“ جلائے رکھا ہے۔ ان خون پسینہ ایک

کرنے، حلال روزی کمانے اور صبر وشکر سے زندگی اللہ اور اس کے رسول کی یاد میں گزارنے والوں میں امان خاں دل بھی ہیں، انھیں جز و معاش ہونے کے باوجود تسکین قلب و جان حاصل ہے کیوں کہ وہ دولتِ توحید اور حبِ رسول ﷺ سے مالا مال ہیں۔ وہ اپنے week end سایۂ زلف و رخسار میں بسر نہیں کرتے۔ نشاطِ روحانی سے اسباب تلاش کرتے ہیں۔ وہ تقریباً ۲۰ برسوں سے نیویارک میں مقیم ہیں پھر بھی شعائر اسلام کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان کی Non Productive مصروفیات میں شعر گوئی شامل ہے۔ فن کی دنیا میں وہ غزل گوئی کے وسیلہ سے داخل ہوئے ہیں۔ مشقِ سخن نے انھیں "شوخیِ تحریر" اور "متاعِ سخن" سے نوازا ان کی آواز دنیا کے طول وعرض کے مشاعروں میں گونجی تب کہیں ان کے تجربوں نے احساس دلایا۔

شعر کہنے کا فائدہ کیا دل
نعت گوئی اگر نہیں آتی

روحانی جذبات نے جو وراثت میں ملے تھے انھیں ایک جدت سجھائی، وہ نعت کہنے لگے۔ اس انہماک اور دل سوزی نے یہ کام انجام دیا کہ "حرم تا حرم" اور "شہِ لولاک" جیسے مجموعے شائع کیے۔

ہم نے برسوں پہلے کراچی میں رہتے ہوئے سنا تھا کہ امریکا میں کوئی بزرگ شاعر غالب کی زمینوں پر قبضہ کے کوشاں ہیں۔ بڑا ڈر لگا کہ غالب کی زمینوں کا بھی وہی حشر نہ ہو جو اسلام آباد میں قابضین ارض سے انھیں مالِ حلال بنانے کے لیے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس خبر وحشت اثر سے جاں بر ہوئے تو انتظار کرتے رہے کہ امریکا کے قابض ارضِ غالب کسی لال، سبز، نیلی، پیلی، کالی زمین کی تعمیر کا اعلان کریں مگر ایسا نہ ہوا۔ ایک ملاقات میں بزرگ نے "شہِ لولاک" کا ایک نسخہ ہمارے ہاتھ میں تھمایا اور کہا "یہ غالب کی زمینوں پر قبضہ کا حاصل ہے" ہم نے دریافت کیا غالب کی زمینوں پر قبضہ کی وجہ؟ کہا یہ فعل ناجائز نہ تھا۔ غالب کے وارث تمام اردو کے چاہنے والے ہیں۔ جیسے آپ اس کے وارث ہیں ویسے ہی ہم وارث ہیں۔ وراثت پہ قبضہ فعل جائز اور شرعی ہے۔ جب انھوں نے ہمیں بھی وارثِ غالب ٹھہرایا تو اب اعتراض کی گنجائش بھی باقی نہ رہی۔

غالب کے معاملہ میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ غالب کو کوئی اولاد نہ تھی تب ان کی نظروں کے آگے جنت نشاں ہو کے رہا دیوان، سو زندگی بھر غالب کو یہی کھٹکا لگا رہا کہ یہ بھی ان

کے جیتے جی ''جنت نشاں'' نہ ہو جائے۔ انھوں نے دیوان ایک بار نہیں چھ بار چھپوایا اور اسے جنت نشاں ہونے سے بچانے کی اپنے حوصلہ بھر سعی کی۔

انھیں اشعار کو جنھیں ایک ڈومنی کے سوا کوئی الاپتا نہ تھا، آج اس درجہ اعتبار حاصل ہے کہ کوئی ان کی زمینوں پہ مشقِ سخن کر رہا ہے، کوئی اپنی کتاب کا نام تلاش کر رہا ہے، پرانے گل دستوں کو دیکھیے تو شعرا اور شاعرات کا ایسا کلام بلاغت نظام ملے گا جو سرخی کی جگہ لکھا ہوا ''بہ طرز غالب'' اللہ اللہ کیا زمانہ تھا جس طرز کے بارے میں کہا جاتا ''ان کا کہا آپ سمجھیں یا خدا سمجھے'' آج غالب شکن سے لے کر مبتدی تک غالب فہمی کا دعوے دار ہے۔ آخر غالب ہی کیوں اس قدر محبوب و مشہور ہے۔ جسے دیکھو اولاد کے نام دیوان غالب میں تلاش کر رہا ہے۔ جو ہے طرزِ غالب میں شعر کہہ رہا ہے۔ اور تو اور غالب کے پامال بحور اور زمینوں کو مشقِ سخن کے لیے معیار ٹھہرا رہا ہے۔ غور کیا تو اندازہ ہوا کہ غالب نے اپنی مشہوری کے لیے کالجوں کے استادوں اور پروفیسروں کو لگا رکھا ہے۔ انھیں بڑی بڑی تنخواہیں اور ڈگریاں غالب پرستی کی وجہ سے ملتی ہیں۔ یہ نہ ہوتے تو غالب کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

غالب کے وارثوں میں ساجد اسدی (پیامبر مغفرت ۱۹۷۵ء) راغب مرادآبادی (مدحتِ خیرالبشر ۱۹۷۹ء) ابرار کرت پوری (مدحت ۱۹۹۲ء) ایاز صدیقی (ثنائے محمد ۱۹۹۳ء) بشیر حسین ناظم (جمالِ جہاں فروز ۱۹۹۸ء) گزرے ہیں جنھوں نے امان خاں دل سے قبل غالب کی زمینوں میں نعتیں کہی ہیں اور مجموعے مرتب کیے۔ یہ تو حوصلوں کی بات ہے کسی نے کم کسی نے زیادہ نعتیں کہیں۔ غالب کی پیروی کوئی آسان بات نہیں۔ یہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ وہ مشکل گو شاعر ہے۔ آج بھی شارحین ان کے بعض اشعار کو سمجھ نہ سکے تو کہہ دیا ''شعر مہمل ہے'' غالب کی مشکل پسندی، بیان، اظہار اور زبان میں نظر آتی ہے۔ خاص مواقع پر ان کے خیال کی وسعتوں کو شعر کی تنگ دامنی قبول نہیں کر سکی ہے۔ کہیں مخطوفات تک نارسائی انھیں مہمل قرار دیتی ہے۔

نعت گو شاعروں کے لیے غالب کی پیروی اس لیے بھی مشکل ہے کہ وہ غزل میں غزل کی روایت کا پابند ہو کر شعر کہتا ہے۔ گو مجاز کا شاعر ہے اس اعتبار سے حکایت، حسن و عشق کی زبان، طرزِ اظہار تشبیہ و استعارے سب کچھ متعین ہے۔ انھیں نعت میں استعمال کرنا سوئے ادب ہوگا۔ اس لیے نعتیہ اشعار کا تقاضا ایسا Diction ہوتا ہے کہ وہ مضامین کی پاکیزگی اور تقدس

کا ہم آہنگ ہو۔ یہ کام کسی بھی شاعر کے لیے مشکل ہے۔ جس کسی نے ان باتوں کا لحاظ کر کے نعت گوئی کی ہے ان کے حوصلہ و ہمت، زبان اور فن پہ عبور کی داد دینا پڑتی ہے کیوں کہ:

آداب و احترام کا دامن نہ چھوڑیے
عشقِ رسول ہے کوئی عشقِ بتاں نہیں

ساتھ ہی جن شعرا کرام نے غالب کی زمینوں میں نعت کہہ کر مجموعے مرتب کیے ہیں ان کے بارے میں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ غالب کی پیروی کے باوجود انھوں نے اپنی انفرادیت کو باقی رکھا ہے۔ اماں خاں دل کی ایک شخصیت ہے۔ مرنجاں مرنج، سنجیدہ مزاج، مطمئن، پُرسکون، دوست نواز، انسان دوست، اپنوں اور غیروں کے غم خوار، دوسروں کی خوشی اور غمی میں برابر کے ساتھی، احسان کر کے بھول جانے والے، قرآن کے احکام سے واقف، ان کی پیروی اور حکم برداری میں دل و جان سے راضی، اخلاقِ حسنہ رسول خدا ﷺ سے آشنا، ایک ایک عمل کو دل نشیں کیے ہوئے، دوسروں کو ان کی طرف راغب کرنے والے، غرض کہ ایک ''مسلمان'' کی ساری خوبیاں ان میں موجود جن خوبیوں کے وہ مالک ہیں، چاہتے ہیں کہ دوسروں میں بھی پیدا ہو جائیں، ان تمام باتوں کا عکس ان کی شاعری میں ملے گا۔ اگر میں یہ کہوں کہ دیگر غالب پرست شعرا کی طرح انھوں نے بھی غالب سے کندھے سے کندھا ملا کر چلنے کی کوشش کی ہے اس میں جس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اس سے زیادہ ان کی انگلی پکڑ کر چلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

ان شعرا کرام کے دل میں غالب کی زمینوں میں طبع آزمائی کا شوق پیدا ہوا تو چاہیے یہ تھا کہ جن غزلوں میں جو ردیف قافیہ برتا ہے پہلے وہ قافیہ ردیف نعت میں استعمال کیا جاتا اور بعد میں اپنی طرف سے قوافی کا اضافہ کیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ زیادہ غالب کے قوافی کو شعرا نظر انداز کر کے دیگر نئے ہم قافیہ الفاظ سے کام نکالا گیا ہے جس سے موازنہ و تقابل ممکن نہ رہا۔ نعت کہنا فن اور زبان کا امتحان بھی ہے اور جذبہ کے خلوص و شرف کا اظہار بھی ہے۔ جذبے علم سے ہوتے ہیں۔ لاعلمی کا شکار جذبے سے عاری ہوتا ہے۔ نعت کہنے والے شاعر کا حضور اکرم ﷺ کے بارے میں علم وسیع اور اثرات عمیق ہونا چاہیے۔ ان کی صفات اور اسوۂ حسنہ نقوش اس طرح دل پر نقش ہوں کہ انسان پیروی پر مجبور ہو جائے۔ روایت کی پابندی میں شاعری مجاز کی تو ہو سکتی ہے حضور کے بارے میں شعر کہنے کے لیے عقل و عرفان ضروری سہی اور یہ علم اور ان کو جذب کرنے کی صلاحیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ دل کی جن صفات کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں علم کی

بنیاد نہایت مستحکم ہے۔ وہ صرف عشقِ رسول ﷺ کی بات نہیں کہتے، عشق کی بنیاد اور وجوہِ بنیاد کرنے میں ان کا عشق مجازی کی طرح سطحی نہیں۔ اس میں پاکیزگی، رفعت، تقلید کی خواہش، جان سوزی و جاں نثاری کی کیفیت میں جو فکر بلند اور لائق تحسین بنا دیتی ہیں وہ رسول خدا سے عشق عقیدت کی سطح پر کرتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ ایسا کرنے کو خدا نے کہا ہے اور اس لیے ان کے کردار، اعمال اور اقوال اس طرح کرنے کو کہتے ہیں، مثلاً:

ہر عمل آپ کا محفوظ احادیث میں ہے
زندگی کا کوئی شعبہ کہیں مستور نہیں

آ کے فرماتے ہیں اس کے حال کی پُرسش حضور
بے کسوں کے حال کا پُرساں جہاں کوئی نہ ہو

خلق ان کا کہہ رہا ہے یہ دنیا کو جیت کر
ہاتھوں میں دیکھ لو کوئی تلوار بھی نہیں

بندگانِ حق سے الفت درگزر کا حوصلہ
مومنوں کو ہے یہی پیغامِ پیغمبر کھلا

قہر سے جبر سے اسلام کی تشہیر نہیں
خلق ہے اس کا سبب قوتِ شمشیر نہیں

یوسف کو جس پہ رشک مسیحا کو جس کی چاہ
ان کی حیات پاک میں وہ اعتدال ہے

غیرت و حمیت کو مل گئی جلا اُن سے
سر اٹھا کے جینے کا ہم نے حوصلہ پایا

اسوۂ محمد سے شکر کا سبق سیکھا
دل نے عالمِ غم میں صبر کا مزہ پایا

دل میں درسِ مصطفیٰ سے ہو اگر خوفِ خدا
آج بھی بے خوف رکھیں لوگ گھر کا گھر کھلا

حیف! ہم بھول گئے قولِ رسول اکرم
تم نہ آپس میں کبھی دست و گریباں ہونا

قول یہ نبی کا ہے اس جہاں کی خاطر ہم
اس جہاں میں دیتے ہیں روز امتحاں اپنا
رحمت و عنایت کی حد نہیں سخاوت کی
اک سوال پر ان سے فیض بار ہا پایا
علم و حکمت کے معلم راز دانِ کبریا
آپ سے عقدہ کھلا قرآن کی تفسیر کا
آپ کی ذات مبارک ہے سراپا رحمت
فائدہ آپ سے کونین میں کس کا نہ ہوا
آپ کی عدالت کا حسن تو کوئی دیکھے
بد کو دی سزا لیکن نیک نے صلہ پایا

اللہ کے یہاں آپ کے کردار سے آپ کے مقام کا تعین ہوتا ہے جو لازمی طور پر بلند وارفع ہے۔ کیا یہ حقیقت لائق بیان نہیں ہے کہ زمانہ کی گم راہی کے باوجود ایسے حق شناس اب بھی موجود ہیں جو اعتراف کرتے ہیں کہ عالمِ انسانیت کو فیض پہنچانے والی عظیم اور گنی چنی ہستیوں میں سب سے پہلا اور افضل نام رسول پاک کا ہی لیا جاسکتا ہے۔ اس مقام کے لیے ان سے بڑھ کر کوئی اہل نہیں۔ کیا یہ شاعر کی ہم نوائی نہیں ہے؟

خدا کے بعد ہر عالم میں افضل
شہِ دیں سے کوئی بڑھ کر ہوا کیا؟
رسول حق امام انبیا ہیں
ہم اُن کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
یوں تو تھے سارے نبی رتبوں میں رفعت والے
پائے معراج مگر کوئی بھی ایسا نہ ہوا

جب انسان حضور ﷺ کے صفاتِ عالیہ سے واقف ہوکر ان کی مدح سرائی پر مائل ہوتا ہے تو روح کی گہرائیوں میں وہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جسے ابتدائی مرحلہ میں عشق یا محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کی انتہا احترام اور عقیدت ہے۔ یہی منزل تکمیلِ انسانیت کی ہے۔ یہ محبت طلب سے ماورا، حیوانیت سے مبرا، روحانی پاکیزگی کی آفریدہ اور لائق صد ہزار تحسین ہے۔ اس

کے سرور اور کیف میں وجدانی کیفیت پائی جاتی ہے جو بیان نہیں کی جاسکتی۔ شاعر کوشش کے باوجود ان جذباتِ روحانی کو شعر کا پیکر دینے میں کامیاب نہیں ہوتا پھر بھی کوشش کرتا ہے، مثلاً:

مال و زر سے الفت میں کیف وہ کہاں اے دل
آپ سے محبت میں ہم نے جو مزہ پایا
محبت آپ کی ہر شے سے بڑھ کر دل میں ہو اے دل
طریقہ ہے یہ مومن کا، تقاضا ہے یہ ایماں کا
آپ کی چاہت نہ ہو تو ہے خسارے میں حیات
سودا اچھا ہے وہی جس میں زیاں کوئی نہ ہو
خود کو اے دل آنچ حب مصطفیٰ کی دیجیے
جوشِ ایمانی رگ و پے میں رواں ہو جائے گا
کیسے ہو جائے گا ایمان مکمل اے دل
استوار ان سے محبت کا جو رشتہ نہ ہوا
جاگزیں دل میں ہو سرکار کی الفت اے دل
چاہتا ہے جو حقیقت میں مسلماں ہونا
بخت کی بات ہے جس کو بھی یہ توفیق ہوئی
عاشقِ اسوہ محبوب خدا ہو جانا
خدا کا خوف ہو دل میں نبی سے بھی محبت ہو
گناہوں سے یہی صورت ہے اب دامن بچانے کی

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہوئے عبد و معبود کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ بات اتنی نہ بڑھائی جائے کہ ذاتِ خداوندی کی عظمت و توقیر میں فرق آجائے۔ بلاشک دونوں ذاتِ گرامی ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ خدا کو سمجھنے کے لیے نبی کے اوصاف و اقوال مددگار ہیں تو رسول کو سمجھنے کے لیے ارشادات خداوند سے استفادہ ضروری ہے۔ اگر شعرا اس فرق کو ملحوظ نہ رکھ سکے تو گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن دل ایمان اور عقیدت کے اس درجہ سے فیض یاب ہیں۔ وہ خود عبد و معبود کے فرق کو سمجھتے ہیں اور فرق کو واضح کرتے ہیں:

افضل نہیں خدا سے کوئی بھی پر اس کے بعد
ڈھونڈو اگر تو میرے نبی کا مقام ہے

خدا کے بعد ہر عالم میں افضل
شہ دیں سے کوئی بڑھ کر ہوا کیا؟
وہ محبوبِ خدا ہیں ان کی مرضی رب کی مرضی ہے
وہی ناراض ہوں تو پھر خدا بھی مہرباں کیوں ہو

حضور ﷺ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی یاد کو، ان کے اسوۂ حسنہ کو اور ان کے فرمودات کو یاد رکھا جائے اور ان کا بار بار اعادہ کر کے حرزِ جان بنا لیا جائے۔ یہ یاد، ذکر اور فکر ہر حال میں تازہ ہونی چاہیے۔ انھیں ان کے اسم گرامی یا کسی نسبت سے یاد کرنے کا رواج عام ہے۔ زیادہ تر ذکر مدینہ کا یا روضہ مبارک کا اسی غرض سے کیا جاتا ہے۔ یہ وسیلہ بن کر ذکر میں تنوع اور تازگی کے باعث ہوتے ہیں۔ حقیقت میں جو محبوب ہوتا ہے اس کی ذات کی نسبت اور تعلق سے ہر چیز محبت کے لائق ہو جاتی ہے۔

کوئی آرزو نہ ہوتی جو یہ روزگار ہوتا
کہ دیارِ مصطفیٰ میں مرا کاروبار ہوتا
کہیں فضلِ رب سے ہوتا میں گدائے کوئی بطحا
تو درِ نبی پہ پھیرا مرا بار بار ہوتا
وہ دیارِ دل نشیں ہے وہ نبی کی سرزمیں ہے
میں وہیں کا ہو کے رہتا کہ جو اختیار ہوتا
میں یہ شوقِ دید بطحا ابھی اور روک لیتا
اگر عمرِ چند روزہ ترا اعتبار ہوتا
جب مدینہ کی گدائی مل گئی
کہیئے اس شاہی سے ہم پھر جائیں کیا
شکرِ خدا کہ اذنِ مدینہ بھی مل گیا
میری نگاہِ شوق کو سرشار دیکھ کر
مدینہ کی جانب جو ہم دیکھتے ہیں
تو مٹتے ہوئے اپنے غم دیکھتے ہیں

گدائی ملی ہے مدینہ کی جس کو
وہ قیصر کے رتبے کو کم دیکھتے ہیں
آپ کا شہر بھی کیا خلد سے کم ہے ہم کو
دشتِ طیبہ بھی بہ اندازِ ارم ہے ہم کو

حضور ﷺ کی عظمت کے گیت گانے کے لیے ان کے کردار، اوصاف، اسوۂ حسنہ و فرمودات ہی کافی نہیں، صاحبانِ عقل و ہوش ان سے سبق حاصل کر کے اپنے لیے راہِ حیات متعین کرتے اور ہمیشہ نفع میں رہتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ عام انسان کی سمجھ اتنی توانا نہیں ہوتی کہ ان کو رہنما بنا سکے۔ وہ فوق الفطرت اور فوق البشر سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ انبیا کو خدا نے اس درجہ پر فائز کیا تھا کہ ان سے فوق الفطرت اعمال سرزد ہوں تا کہ کم فہم بھی ان کے قائل ہو جائیں۔ اسی لیے انبیا کو مخصوص معجزات سے نوازا گیا تھا۔ کسی کو طور پر نور دکھائی دیا۔ کسی کے عصا نے مخالفین کو حیران کر دیا، کوئی لحن سے نوازا گیا تو کسی کو تمام مخلوقات کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت عطا ہوئی۔ ان معجزات کی تفصیل میں جائے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر نبی کو ایک یا چند معجزات کا حامل بنایا گیا تھا۔ حضور ﷺ کی برتری اس لیے ثابت ہے کہ انھیں کثرت سے معجزات کی قدرت حاصل تھی۔ شعرا کرام ان معجزات میں سے چند کا ذکر اکثر کرتے ہیں۔ دل کے ہاں بھی ان کی چند مثالیں ہیں:

کلمہ کنکر نے پڑھا جب تو مجھے
نعت گوئی کا ہنر یاد آیا
یاد آتا ہے تو بے ساختہ پڑھتا ہوں درود
دستِ سرکار پہ کنکر کا گل افشاں ہونا
یہ پتھروں نے دستِ مبارک سے دی صدا
اک بے نوا کے منہ میں بھی گویا زبان ہے
سرکار! جو مہک ہے پسینے میں آپ کے
خس میں ہے وہ مہک نہ وہ خوشبو گلاب میں
جا کے پل میں خدا سے مل آئے
کیا ہی براق کی سواری ہے

شبِ معراج ہے سند اے دل
کیا خدا آپ پر فدا نہ ہوا

شعرا کا عام وتیرہ ہے کہ اشعار میں حضور کا ذکر دیگر انبیا کے تقابل کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور موشگافی کرتے ہوئے حضور کی فضیلت اور اکرام کے لیے ان کے بارے میں گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہیں حالانکہ جن انبیا کو مسلمہ طور پہ تسلیم کیا جاتا ہے ان کی شان کے مطابق ان کا ذکر کرنا جزو ایمانی ہے۔ کسی کو کسی پر فضیلت کار خداوندی ہے۔ بندہ کو اس کا اختیار نہیں۔ سب انبیا اپنی جگہ قابلِ احترام ہیں۔ یہ بات "شہہ لولاک" میں میں نے خصوصیت سے نوٹ کی ہے کہ دل نے دوسرے انبیا کے ذکر سے اجتناب برتا ہے۔ ایک آدھ جگہ ذکر ہے بھی تو عام رویہ کے برخلاف مثلاً:

حسنِ یوسف بھی خوب ہے لیکن
آپ سا حسنِ لازوال کہاں
یوسف کو جس پہ رشک مسیحا کو جس کی چاہ
ان کی حیاتِ پاک میں وہ اعتدال ہے
عرش پہ پہنچے ہیں مرسل مرے نعلین بغیر
دیکھیے حضرتِ موسیٰ یہ کوئی طور نہیں

مضمون آفرینی، شعری حسن و قوس اور ندرتِ بیان کے لیے نعت گو شعرا سراپا نگاری کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ عام ہے بلکہ "شمائل نامہ" نعت کی ایک ذیلی صنف کے طور پر مشتمل ہے۔ میں معذرت کے ساتھ اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ جس موضوع کے بیان کی شاعر قدرت نہیں رکھتا کیوں کر اس پر طبع آزمائی ہے۔ سراپا نگاری کو حقیقت کا روپ اس وقت دیا جاسکتا ہے جب حسن ظاہری نظر بھر کر دیکھنا نصیب ہوا ہو۔ کتابوں میں لکھے حضور کے خدوخال کو سوفی صد درست قرار دے کر انھیں بنیاد بنانا درست نہیں۔ عام طور پر سراپا نگاری میں حقیقی خدوخال کے بیان کے بجائے تشبیہ و استعارے سے کام لیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ تشبیہ و استعارے کے لوازمات کا معروف اور برتر ہونا ضروری نہیں جن سے تشبیہ دی جانے میں معروف تو ہوتی ہیں لیکن ذاتِ رسول سے برتر نہیں ہوتی۔ اگر حسن کو چاند سے یا گلاب سے تشبیہ دی جائے تو غور کرنے کی بات ہے کیا حضور ﷺ کا حسن چاند اور گلاب کی طرح ہی ہوتا ہے؟ ہمارا

تصور حضور ﷺ کے مقابلہ میں ان کو حقیر ترین باور کرتا ہے۔ بہرحال میں نے شمائل کی یا سراپا نگاری کی مثالیں ”شہِ لولاک“ میں نہیں پائیں۔ اس حد تک میں دل کے محتاط ہونے پر انھیں داد دیتا ہوں۔ ”شہِ لولاک“ کے اشعار کو میں اس لیے بھی داد دینے پر مجبور ہوں کہ دل نے شعرگوئی کرتے ہوئے زبان پر قدرت اور مضمون کی دل آویزی کے لیے شاعرانہ پیتروں سے کام نہیں لیا ہے۔ ان کے لیے تو تصنع اندازِ بیان ہے اور نہ نمائشی زبان۔ وہ سادہ مزاج تو سہل اور عام فہم زبان میں شعر کہتے ہیں۔ ان کا کلام تصنع سے مبرا ہے اور کہیں کہیں سہلِ ممتنع کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ خلوص دل سے بیان ہو تو حقیقی جذبات مؤثر قرار پاتے ہیں۔

کہنے کو تو اور بہت سی باتیں ہیں لیکن یہاں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ”شہِ لولاک“ کو بارگاہِ عالی میں شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور حکمِ حاضری صادر ہوا۔ چناں چہ اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد شاعر کو طوافِ کعبہ اور زیارتِ روضہ رسول ﷺ کی سعادت کے لیے حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ یہ دل کی خوش نصیبی ہے کہ ان کی دیرینہ آرزو تکمیل کو پہنچی۔ انھوں نے ہر دو مواقع پر سپاس گزار ہو کر اپنے جذبات کا نذرانہ اشعار کی صورت میں پیش کیا جس کے منتخب اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

لکھی تھی اپنی قسمت میں زیارت دونوں عالم کی
مدینے کی زیارت کی، کبھی سوئے حرم نکلے

دل مدینے میں لگا یوں میرا
ہم نفس یاد نہ گھر یاد آیا

شکرِ خدا کہ اذنِ مدینہ بھی مل گیا
میری نگاہِ شوق کو سرشار دیکھ کر

اپنے دربار کی آقا نے حضوری بخشی
نعت گوئی کا اسی کو تو صلہ کہتے ہیں

اب تک مری نظر میں ہے وہ منظرِ جناں
بھولا نہیں مدینے کی شام و سحر کو میں

حضوری کی دعا ہے اس کے لب پہ بیٹھتے اٹھتے

کہ دل ہے فکر میں پھر سے نبی کے در پہ جانے کی

ہے آرزو کہ در پہ نبی کے پڑھوں سلام
روضے پہ لے چلا ہے یہی مدعا مجھے
گزرا ہوں جس جگہ سے دیارِ حضور میں
خوشبوئے آنحضور ملی جا بجا مجھے

لکھا ہوگا ملک نے بھی کہ کس جانب قدم نکلے
نبی کے روضہ اقدس پہ جانے کو جو ہم نکلے
مدینہ پھر میں جاؤں اور وہیں کا ہو کے رہ جاؤں
تمنائے دلی نکلے جو ان کے در پہ دم نکلے
ہم اپنی کیفیت اس دم بتائیں بھی تو کیا اے دل
دیارِ مصطفیٰ سے ہم کیے آنکھوں کو نم نکلے

شفقت رضوی، ۹رنومبر ۲۰۰۹ء، ڈلاس (شمالی امریکا)

پروفیسر قیصر نجفی۔ کراچی

ستیہ پال آنند کی ایک نعتیہ نظم

"پیغام رساں"

وہ اکیلے تھے
حبیبِ کبریا انوارِ کل۔ شاہِ اُمم، حضرت محمد ﷺ
رات تھی اور اُن کا بستر
ایک بے حد کھردرا سا بوریا تھا
فرش ناہموار تھا غارِ حرا کا
غار تیرہ تھا مگر روئے مبارک روشنی کا قمقمہ تھا
بند تھیں آنکھیں، مگر گہرائی میں اُترے ہوئے وہ سن رہے تھے
گھنٹیوں کی جانی پہچانی سی اک آواز... جو لمحہ بہ لمحہ
پاس آتی جا رہی تھی
روشنی کے نرم گالے
برف سے اُجلے گرے روئے مبارک
مطلعِ نورِ ہدیٰ پر
اور شہنشاہِ اُمم تو خود سراپا روشنی تھے
نا ملائم کالی کملی، بوریے کی نور بافی
اور ان کی بیخ و بن میں
نورِ عالم تاب کی کرنیں یکایک یوں سمائیں
غار کے منھ سے ہویدا

روشنی ہی روشنی چاروں طرف پھیلی جہاں میں
اور جب آواز پاس آئی تو پوچھا
''اے فرشتے!
بول کیا پیغام لایا ہے میرے مالک سے امشب؟''

☆☆

ستیہ پال آنند کے تخلیقی اظہار میں اُن کے ذہن، قلب اور روح کی کیفیات بہ یک وقت ایک جا و ہم آہنگ ہو جاتی ہیں۔ گویا ان کا تخلیقی تفاعل ایک ایسے تخلیقی نظام کے تحت ہے، جو خودکار ہے اور ان کی تمام تر حسیات کو متحرک کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اس خودکار تخلیقی نظام کی روشن مثال ان کی نعتیہ نظم ''پیغام رساں'' ہے جو ہر زاویۂ فکر و فن سے ایک مکمل نعت قرار دی جاسکتی ہے۔ ''پیغام رساں'' اپنے تخلیقی پس منظر میں نہایت حیرت افزا ہے۔ یہ نعت کسی شعوری کاوش کا حاصل نہیں ہے، بلکہ ایک حقیقت نما خواب کا ماحصل ہے۔ ہمیں اس نعت کے تخلیقی پس منظر سے آنند صاحب نے اپنی ایک ای میل میں ان الفاظ میں آگاہ کیا ہے:

> **Last night I had a dream. It was so vivid, like a moving picture, frame by frame which passed and left indelible visual impression on my mind. I got up at midnight and wrote a poem-nay the poem itself got it written through my hand. It's a "Naat" or a "Naatiya poem" whatever you may call it.**

ہر چند نوعیت کے اعتبار سے مختلف مگر ایسے ہی ایک **visual impression** کی مثال انگریزی ادب میں بھی ملتی ہے۔ ہمارا اشارہ **Leigh Hunt** کی نظم **"Abu Ben Adhem and the Angel"** کی طرف ہے۔ اس نظم میں شاعر نے ایک مشہور مسلمان صوفی بادشاہ ابو بن ادھم کے ایک شب کو بیداری کے عالم میں دیکھے گئے۔ ایک نورانی منظر کو مصور کیا ہے۔ البتہ تصویر کی گئی روحانی فضا اور ماحول کا خود شاعر ناظر نہیں ہے۔ اس نے شاید پڑھے یا سنے ہوئے واقعے کو نظم کر دیا ہے، لیکن ستیہ پال آنند نے ''پیغام رساں'' میں جس روحانی فضا اور ماحول کی تصویر کاری کی ہے، اس کے بنفسہٖ عینی شاہد ہیں۔ ہمارے خیال میں خواب ہو یا بیداری، جو انسان کے بطون ذات ہوتا ہے، وہی متشکل ہو کر افکار و خیالات یا اعمال و افعال کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

ستیہ پال آنند کا خواب ان کے اندر کی حقیقت و ماہیت اور درونی احوال کا کاشف ہے۔ ایک شاعر داس عمر نے اپنے ایک گیت میں اس نفسیاتی حقیقت کی یوں نشان دہی کی ہے:

پاپ اور پُن کے راگ چھپے ہیں
من بنسی کے اندر
راگی بس وہ راگ الاپے
جو بھیتر وہ باہر

ستیہ پال آنند نے سرکارِ دوعالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سنا ہوگا اور یہ آں حضرت ﷺ کے مکارمِ اخلاق اور درجاتِ اولیٰ سے آگہی کا منطقی نتیجہ ہے کہ وہ آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں اور عقیدت و ارادت مندی کے نقوش ان کے دل و دماغ پر مرتسم ہیں۔ حال ہی میں بہ حالتِ خواب حضور ﷺ کو نزولِ وحی کے عالم میں دیکھنا (جس عالم میں غالباً آپ کو کسی نے نہیں دیکھا) اُن کا ایک منفرد و اختصاص ہے اور اس اختصاص کے شاید وہ اس لیے مستحق ٹھہرے ہیں کہ کوئی مذہبی، تہذیبی یا تاریخی سمبندھ نہ ہونے کے باوجود اُن کا آپ ختمی مرتبت ﷺ سے ہی نہیں، آپ کے دست و بازو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی سے بھی تعلقِ خاطر ہے اور یہ تعلقِ خاطر سر بسر عقیدت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے:

علی تم نے تو اپنے در پہ آئے ہر سوالی کو
ہزاروں بار اپنی بخششوں سے یوں نوازا ہے
کہ ان کی مشکلیں آسانیاں بن کر اُبھرتی ہیں
تو پھر یہ ستیہ پال آنند، جو اک ٹک نظر گاڑے
کسی بت سا تمھارے در پہ ٹھہرا ہے مہینوں سے
اگر شکوہ کرے تم سے تو کیا جائز نہیں ہوگا؟
تمھارے در کا بھک منگا دہائی دے رہا ہے کیوں؟

اس موقع پر ہمیں ایک آرٹیکل یاد آرہا ہے جو برسوں پہلے Ali My Friend کے عنوان سے غالباً ''ریڈرز ڈائجسٹ'' یا ''السٹریٹیڈ ویکلی'' میں (معذرت! صحیح طور پر یاد نہیں آرہا) شائع ہوا تھا۔ یہ آرٹیکل ممبئی کے ایک بھارتی نژاد پارسی صحافی نے تحریر کیا تھا۔ جس میں اُس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنے روحانی تجربات بیان کیے تھے۔ پارسی صحافی عالمِ خواب

میں شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کے دیدار سے مشرف باد ہوا تھا اور ستیہ پال آنند کو محبوب خدا نے اپنی زیارت سے نوازا ہے۔ بعض روایات میں وہ خواب جس میں رسول اللہ ﷺ کا نفس اطہر نظر آجائے، وہ رویائے صادقہ ہے۔ کیوں کہ سرکار ﷺ کی شباہت اختیار کرنے کی کسی مرئی یا غیر مرئی طاقت یا کسی سفلی شیطانی قوت کو اجازت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی انسان حضور پُرنور ﷺ کا مقدس سراپا خواب میں دیکھتا ہے تو اسے آپ کے اصل دیدار ہی کا شرف نصیب ہوتا ہے۔ ستیہ پال آنند نے واقعتاً نورِ مصحفِ حبیبِ کبریا ﷺ سے آنکھیں منور کی ہیں۔ ان کے بختِ رسا پر جتنا بھی رشک کیا جائے کم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین.

یہ آیت مبارکہ سیّد المرسلین ﷺ کے خلقِ عظیم اور رحمت وحلم کی عالم گیر وسعت کا اعلان ہے۔ یعنی اس نص ناطق میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ آپ کسی مخصوص قوم، طبقہ یا اُمت یا کسی ایک عصر یا عالم کے لیے مبعوث نہیں ہوئے ہیں بلکہ پوری انسانیت، تمام عالمین اور سارے زمانوں کے واسطے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ شاید کنور مہندر سنگھ بیدی نے اسی تناظر میں یہ شعر کہا ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

لہٰذا "ہندوام، کافرم، گنہگارم" ایسے احساسِ ندامت میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں مصروف استغاثہ ستیہ پال آنند پر رحمت للعالمین ﷺ کی توجہات بعید از قیاس نہیں ہیں۔

"ہندوام، کافرم، گنہگارم" ستیہ پال آنند کی نعت "دھیان میں گم" کی اختتامی لائن ہے۔ "دھیان میں گم" کو ایک منظوم عرض داشت کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ متذکرہ بالا خواب سے پہلے ستیہ پال آنند نے "دھیان میں گم" کے عنوان سے بظاہر ایک نعت لکھی تھی لیکن حقیقت میں درِ مصطفیٰ ﷺ" پر دامن طلب دراز کیا تھا مگر نہ زر و مال کے لیے اور نہ جاہ وحشم کے لیے، نہ صحت وتن درستی کے لیے اور نہ قوت وتوانائی کے لیے۔ نہ مسرت وشادمانی کے لیے اور نہ راحت وسکون کے لیے، وہ طالبِ دیدار ختم الرسل ﷺ ہوئے تھے۔ روئے مبارک کی نورفشانی اور کالی کملی کی نور بانی دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ پیغامِ حق کے راز ہائے سربستہ جاننے اور توحید کے مفہوم ومعنی سمجھنے کے متمنی تھے اور حیاتِ جاوداں کے بھید پانا چاہتے تھے۔ ان کی عرض داشت کی چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

ستیہ پال آنند کی ایک نعتیہ نظم

دھیان میں گم رہوں، تو شاید میں
دیکھ پاؤں حضور کا جلوہ
چہرۂ پاک کی ضیاء پاشی
کالی کملی سے نور چھنتا ہوا
درمیاں میں گم رہوں تو سن پاؤں
آپ سے میں پیامِ حق کے راز
جاوداں زندگی کی تعبیریں
لفظِ وحدت کے معنی و تفسیر

بحمد اللہ درِ فیض رساں پر اُن کی مراد پوری ہوئی ہے۔ خواب میں انھوں نے وہ سب کچھ پالیا ہے جس کے وہ طلب گار تھے۔ ''پیغام رساں'' کو ان کی قبولیت التماس کا شہادت نامہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ستیہ پال آنند بھگتی تحریک اور اسلامی متصوفانہ فکر و فلسفہ سے بے حد متاثر ہیں۔ خصوصاً اسلامی روایات کا شعور اُن کی نعت و منقبت سے واضح طور پر نمایاں ہے۔ یہ شعور جب ان کی بھگتی فکر سے آمیز ہوتا ہے تو ایک پوتر، پاکیزہ جذبے کی صورت اختیار کر کے ان کی شعری حس میں رچ بس جاتا ہے اور نتیجتاً ''دھیان میں گم''، ''دہائی علی مشکل کشا'' اور ''پیغام رساں'' جیسی روح پرور نظمیں منصۂ شہود پر آجاتی ہیں۔ ہمارے نزدیک ستیہ پال آنند گیان دھیان کے شاعر ہیں۔ بھگتی رس سے سرشار نظمیں لکھتے وقت وہ اپنے اطراف سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ سے بیگانگی اختیار کرلیتے ہیں۔ گیان دھیان کی اس فضا میں پھر شعر کہنے کے لیے کسی شعوری یا لاشعوری کاوش کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ شعر از خود وضع ہوکر ان کے ذہن پر نقش ہوجاتا ہے اور جب وہ اس نقش کو صفحۂ قرطاس پر اُتارتے ہیں تو کبھی وہ نعت و منقبت کے رنگ و نور میں ڈوبا ہوا ظاہر ہوتا ہے۔ ایسا نقش بلاشبہ ارمغانِ غیب متصور ہوتا ہے۔ فی الوقت ہمارے سامنے ایسے ارمغانِ غیب کی عمدہ مثال ستیہ پال آنند کی نظم ''پیغام رساں'' ہے جو اُن پر الہام ہوئی ہے، بلکہ ''کمت پھل'' بن کر من وسلویٰ کی صورت میں اُن پر اُتری ہے۔

بنت ایک جب پریم کی پکڑی آجے سکھ من پائے
میرا کہے ست کرمانوں بھگت کمت پھل پائے

ستیہ پال آنند کی نعت گوئی کی حرکی قوت جذبۂ عشقِ رسول ﷺ ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کی بے کرانی کا انعام انھیں نعت گوئی کی صورت میں ملا ہے۔ ان کے ہاں ثنائے محمد ﷺ میں تقدیس و احترام یعنی ''با محمد ہوشیار'' کا قرینہ بھی ملتا ہے اور جذب و کیف اور والہانہ پن کا احساس بھی ہوتا ہے۔ بے شک وہ ایسے نعت گو شعرا کی صف میں ہونے کے لائق ہیں، جنھیں محمد ﷺ شناسی کا شرفِ عظیم نصیب ہے۔ ''پیغام رساں''، ''معرفتِ سرکار ﷺ کی ایک دستاویز بن کر سامنے آئی ہے۔ اس نعت میں آنند صاحب نے حضور اکرم ﷺ کو حبیبِ کبریا انورکل اور شاہِ اُمم جیسے صفاتی ناموں سے مخاطب کیا ہے جو اس امر کی شافی دلیل ہے کہ انھیں سیرتِ محمد ﷺ کی جامعیت کا بھی ادراک ہے اور ہر گوشۂ سیرت پر بھی ان کی نگاہ ہے۔

نعت کا ایک فنی تقاضا محبوبِ سبحانی ﷺ کی سراپا نگاری ہے۔ اس تقاضے پر پورے اُترنا بھی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے، کیوں کہ سب سے زیادہ تخفیف شانِ رسالت اور تقلیلِ مراتب ختم الرسل کا اندیشہ اسی پہلو سے ہوتا ہے۔ الفاظ کا غیر محتاط انتخاب اور بے محل استعمال افضل البشر ﷺ کو ایک عام بشر کی سطح پر لا سکتا ہے۔ ''پیغام رساں'' میں ستیہ پال آنند نے رسالت مآب ﷺ کی سراپا نگاری میں طہارت فکر و نظر کا جو مظاہرہ کیا ہے اور انتخاب و استعمال الفاظ میں حزم و احتیاط کے ساتھ ساتھ جس شاعرانہ ہنروری سے کام لیا ہے وہ قابلِ رشک ہے:

روشنی کے نرم گالے
برف سے اُجلے، گرے روئے مبارک، مطلعِ نورِ ہدیٰ پر
اور شہنشاہِ اُمم تو خود سراپا روشنی تھے
نا ملائم کالی کملی، بوریے کی نور بافی
اور ان کی بیخ و بن میں
نورِ عالم تاب کی کرنیں یکایک یوں سمائیں
غار کے منھ سے ہویدا
روشنی ہی روشنی چاروں طرف پھیلی جہاں میں

یہ بات عام مشاہدے میں آئی ہے کہ شاعری میں جذبات کا اظہار کرتے وقت افکار و خیالات ہی میں نہیں لفظیات میں بھی ترتیب، ربط، تنظیم اور تسلسل کا فقدان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس

حوالے سے بھی ستیہ پال آنند ایک استثنا قرار پاتے ہیں۔ ہر چند اُن کی نعت نگاری جذبات سے مملو ہے لیکن اُن کے ہاں نہ تو کہیں فکری بدنظمی نظر آتی ہے اور نہ ہی لفظی انتشار... بلکہ ہر پہلو ایک سلیقے کا احساس ہوتا ہے۔ اس سلیقہ شعاری کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ ایک بڑے نظم نگار ہونے کی بدولت وہ نظم نگاری کے تمام تر رموز و اسرار سے بخوبی واقف ہیں۔ ''پیغام رساں'' جہاں ایک نعتیہ شہ پارہ ہے وہاں ایک نظمیہ شہ کار بھی ہے۔

''پیغام رساں'' کا نمایاں وصف منظرنگاری ہے پال جی نے نہایت فنی کاملیت، جذباتی رفعت اور روحانی عقیدت سے نزولِ وحی کی روحانی فضا کی منظرکشی کی ہے۔ نزولِ وحی کی تصویر کاری کی مثال اور اردو نعتیہ ادب میں کہیں نہیں ملتی۔ ہمارے ناقص مطالعے کے مطابق آج تک کسی نعت نگار نے اس واقعے کو اپنے شعری کینوس پر منتقل نہیں کیا ہے:

وہ اکیلے تھے
حبیبِ کبریا، انورِ کل، شاہِ اُمم، حضرت محمد ﷺ
رات تھی اور اُن کا بستر
ایک بے حد کھردرا سا بوریا تھا
فرش ناہموار تھا غارِ حرا کا
غار تیرہ تھا مگر روئے مبارک روشنی کا قمقمہ تھا
بند تھیں آنکھیں، مگر گہرائی میں اُترے ہوئے وہ سن رہے تھے
گھنٹیوں کی جانی پہچانی ہوئی آواز، جو لحہ بہ لحہ
پاس آتی جارہی تھی
اور جب آواز پاس آئی تو پوچھا
''اے فرشتے! بول کیا پیغام لایا ہے میرے مالک سے امشب؟''

محولہ بالا لائنوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی غارِ حرا میں آمد سے قبل گھنٹیوں کی آواز سنائی دینے کا تاثر دیا گیا ہے، ہم اس پر صاد نہیں کرسکتے۔ دراصل نزولِ وحی کے موقع پر گھنٹیوں کی آواز فضا میں گونجنے کی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی ہے۔ چوں کہ شاعر ہندومت کے پیروکار ہیں اور اس مذہب میں گھنٹیوں کی آواز کو ایک نوع کا تقدس حاصل ہے۔ لہٰذا عین ممکن

ہے کہ یہ آواز ان کے تحت الشعور میں موجود ہو اور روحانی خواب کی پاکیزہ فضا میں بھی سنائی دے گئی ہو۔ علاوہ ازیں جس سرزمین کے نمایاں ثقافتی خدوخال میں جرسِ کارواں کی صدا (اونٹوں کے گلے میں بندھی گھنٹیوں کی آواز) بھی شامل ہے، وہاں کسی بھی مقام پر کسی بھی لمحے اس آواز کا سنائی دے جانا قرینِ قیاس ہے۔ بقول ستیہ پال آنند...

The dream poem I sent to you was based on my frame by frame reproduction of what I saw, heard, felt, touched, breathed in that moment.

ہمارے خیال میں اس وضاحت کے بعد "گھنٹیوں کی آواز" کے حوالے سے کسی بحث یا حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیوں کہ کسی کے خواب کی اپنے نقطۂ نظر سے تعبیر بیان کی جاسکتی ہے، اس کی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔

نعت شناسی

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت
ساری اچھائیاں ایک انسان میں

(محشر بدایونی)

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت شناسی

ڈاکٹر ریاض مجید کا شمار اُن سربلند شعرا اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے عصرِ حاضر میں اپنی صلاحیتوں کو خوب منوایا۔ فکروفن کے حوالے سے ادبستانِ فکر میں دوامی اجالے بکھیرے مگر جب ایوانِ نعت میں آئے تو ان کی نثری اور شعری صلاحیتوں سے ہر طرف اجالے سے بکھر گئے۔ نعت میں آئے تو پھر ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ صاحب تحقیق و تنقید ہیں، خاموش اور گنگ لفظوں کو نعت کے حوالے سے گویائی بخشنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کی متعدد نعتیہ کتب شائع ہو کر اصحابِ فن سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں جن میں اردو کا دیوانِ نعت سیّدنا محمد ﷺ، اللھم صل علیٰ محمد،(اردو نعت) سیّد احمد ﷺ (پنجابی نعتیہ دیوان)

ممتاز معتبر نعتیہ جرائد و رسائل میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ متعدد کتابوں کے دیباچے لکھے۔ یہ تمام خصوصیات اپنی جگہ بجا مگر ان کا نمایاں ترین کارنامہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ''اردو میں نعت گوئی'' ہے۔ جسے بہت سے ناقدین ہر لحاظ سے نمایاں اور یادگار حیثیت دیتے ہیں۔ یہ مقالہ ۷۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ جسے اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے ۱۹۹۰ء میں شائع کیا تھا۔ ان سطورِ بالا سے ہمارا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ ڈاکٹر ریاض مجید کی حیثیت نعتیہ ادب کے اُفق پر روشن ستارے کی ہے اور علمائے فکر و نظر ان کی کاوشوں کو استحسانی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اب ایک نظر ہم دیکھتے ہیں کہ ریاض مجید کے نزدیک نعت کا تصور اور اس کی تشکیل کیا ہے؟ ان کا کہنا ہے:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق و عقیدت اور محبت کو نعت کے لوازمات

میں اساس اور بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ نعت گو شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ سے والہانہ عقیدت و شیفتگی رکھتا ہو۔ وہ جس قدر آپ کے عشق میں سرشار ہوگا اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہوگا۔ حفیظ جالندھری نے دینِ حق کے لیے حضور کی غلامی کو شرط اول قرار دیا ہے۔ محمد کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے۔ اسی طرح تخلیق نعت کے لیے آپ کی محبت کو ایک لازمہ کی حیثیت حاصل ہے۔ ایک شاعر نظمیں اور غزلیں تو لکھ سکتا ہے لیکن اس کے دل میں محبتِ رسول کی چمک موجود نہ ہو تو اچھی اور کیفیت انگیز نعت کبھی نہیں لکھ سکتا۔ اس میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنھوں نے اپنے دل میں محبتِ رسول کی باضابطہ پرورش کی ہے۔ اپنی فکر ونظر کی تربیت کی ہے اور قلب و روح کو احتیاط و احترام کا خوگر بنایا ہے ورنہ ہ٭ بات ہمیشہ دامنِ احتیاط چھوڑ کر اِدھر اُدھر نکل جانے کے عادی ہیں۔☆۲۱

آیئے ایک نظر ہم دیکھتے ہیں کہ نعت اور عشقِ رسول ﷺ کے درمیان انمٹ رشتہ تلاش کرنے والے ریاض مجید کے بارے میں حفیظ تائب کیا کہتے ہیں:

پچھلی رُبع صدی میں ڈاکٹر ریاض مجید نے تخلیق، تحقیق و تنقید اور تدوین کے میدانوں میں اتنے وافر کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا خوشبوؤں اور رنگوں کے شہر کو کسی باغیچے میں قید کرنے کے مترادف ہے۔ انھوں نے جدید غزل اور نظم میں اپنا جدید لب ولہجہ تسلیم کروایا۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ''اردو میں نعت گوئی'' لکھتے ہوئے اردو نعت کی پانچ سو سالہ روایت کو جذب کرنے کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، پنجابی وغیرہ کے نعتیہ ادب کا بھی مطالعہ کیا۔ دیارِ رسول ﷺ میں حاضریوں سے عشقِ حبیب ربّ کائنات کے آداب سیکھے۔ اس پس منظر سے ابھرنے والی ان کی اپنی نعت نہایت درجہ منفرد، دلآویز، قوی اور پُر تاثیر ہے۔☆۲۲

ریاض مجید محض لفظوں کا شاعر نہیں بلکہ اس کی نظر شعر کے باطنی حسن پر ہوتی ہے، کیوں کہ حقیقی حسن کے سوتے باطن سے ہی پھوٹتے ہیں۔ اسے الفاظ بھی عزیز ہیں۔ وہ الفاظ کا

چناؤ سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔ مخصوص بندشیں، حسین تراکیب، دل کش استعارات اور بزبانِ خاموشی بولتے ہوئے مصرعے، جب باطن سے بھی عشق و ارادت کی خوشبو پھوٹ رہی ہو اور ظاہری حسن بھی دل آویزی کے تمام تر محاسن لیے ہوئے ہو تو نعت از خود مقبولیت عام کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے۔ ریاض مجید کو خدائے محمد (ﷺ) نے نعت کے حوالے سے جن پاکیزہ تر اسالیب سے نوازا ہے وہ دوسرے نعت گو شعرا میں بھی یہی ظاہری اور باطنی جلوہ کاری دیکھنے کا آرزومند ہے۔ اس کے دیباچے اس کے مضامین بدرجہ اتم اس حقیقت کے شاہد ہیں۔ صوفی محمد افضل فقیر ریاض مجید کے اسی فہم و فراست اور پُر خلوص سوچ کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں:

> اِرتقائے نعت کے سلسلے میں ریاض مجید کی خدمات گراں بہا ہیں۔ اس نے نعتیہ مضامین میں رفعت و پاکیزگی ارادت اور گدازِ جاں کو پیدا کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پیکر الفاظ کو معنی بلند سے ہمنوا کرنے کے لیے ترکیب سازی بھی کی ہے مگر ترکیب سازی کرتے ہوئے ان الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت کے امین اور شعائر الٰہیہ کے علمبردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے الفاظ کی یہ توسیع و تعبیر کسی تکلف یا غرابت کی غماز نہیں۔ شاعر نے جملہ تراکیب کو الفاظ کی معنوی شان سے قریب تر رکھنے کی کوشش کی ہے۔☆۳

جب تک تنقید نگار کے افکار میں نعت کی تعریف اور اس کا تصور واضح نہ ہو وہ تنقید کا حق ادا ہی نہیں کر سکتا۔ نعت تو عشق و عقیدت کی لے پر آگے بڑھنے کا نام ہے۔ نعت تو عقیدت کے سنگ ریزے بو کر حقیقت کے ستاروں کی فصل کاٹنے کا نام ہے۔ نعت حکم الٰہی بھی ہے اور سنت ملائکہ بھی ہے۔ سنت صحابہ کرام اور سنت اولیا و اصفیا بھی۔ نعت عقیدت کا نغمہ ہے۔ چاہت کی چاندنی ہے۔ عشق و شیفتگی کی جلوہ گری ہے۔ نعت شاعر کے بطن سے پھوٹتی اس کے افکار سے نمو لیتی اور اس کی قبولیتِ عام کا سامان مہیا کرتی ہے۔ بحمد اللہ ریاض مجید پختہ فکر مسلمان اور چاہت کی آخری حدوں کو چھو لینے والے شاعر ہیں۔ انھیں ہر کام پر احساس ہے کہ وہ کس کی توصیف کر رہے ہیں اور یہی توصیف نگاری وہ اوروں میں بہ حسنِ اہتمام دیکھنا چاہتے ہیں۔ نعت کو تنقیدی رویوں سے دیکھتے ہوئے ان کا کہنا ہے:

> بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا

ہے کہ نعت حضور اکرم ﷺ کی مدح ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مدحِ نعت کا اہم موضوع اور صنفِ نعت کے آغاز ہی سے اِسے نعت کے ایک مرکزی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جب عربی زبان میں باقاعدہ نعت کاری شروع ہوئی تو کفارِ مکہ کی ہجو اور گستاخیٔ رسول ﷺ کے جواب میں مسلمان شعرا نے موثر طور پر حضور اکرم ﷺ کا دفاع کیا۔ نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دیارِ رسالت مآب کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرم ﷺ کے حسب و نسب اور کردار و صفات کی توصیف اور ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انھیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔☆۴

اسی ضمن میں آگے چل کر کہتے ہیں:

اِس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ نعت ایک ایسے ممدوح کی مدح ہے جس کی بارگاہ میں مبالغہ قربتِ ممدوح کا وسیلہ نہیں بن سکتا اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو صادق البیانی کی ترجمانی سے محروم ہے۔ پھر صدق و عطا کی زندگی کو سمجھنے کے لیے صدق و صفا کی حقیقت اور اس کی کیفیت کو قلب و نظر میں بسائے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس لیے نعت گو شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسری اصناف سخن سے نعت کو یکسر مختلف سمجھے اور تخلیق نعت کے دوران میں تخیل کی پرواز کو شرعی حدود و قیود کے اندر رکھے اور حقیقتِ محمدی ﷺ کے بیان میں عقائد کی تفصیلات اور جزئیات تک کی صحت کا خیال رکھے۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کو پیش نظر رکھے اور آپ سے محبت کے بارے میں آشفتگی کے بجائے شیفتگی اور شوریدگی کے بجائے سپردگی کا مظاہرہ کرے اور آپ کے ذکر میں جوش کے ساتھ ہوش بھی ملحوظ رکھے۔☆۵

اس حوالے سے ریاض مجید کی ع۔س مسلم کی نعتیہ تصنیف ''کاروانِ حرم'' پر تنقیدی نظر

ملاحظہ ہو:

> ''کاروانِ حرم'' کو یہ فوقیت اور تخصص حاصل ہے کہ اس میں اظہار پذیر مضامین و موضوعات کے حوالہ جات کو باقاعدہ سائنٹفک انداز میں قلم بند کیا ہے۔ شاعر نے ایک ایک بند یا مصرع کی نہیں بلکہ بعض جگہوں پر ایک ایک لفظ کے ماخذ کی نشان دہی کی ہے۔ پھر صرف نشان دہی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا حوالہ تلاش کیا ہے اور اسے نقل کرتے ہوئے اس کا ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ ''کاروانِ حرم'' میں حوالہ جات کے منضبط نظام کی موجودگی کے ساتھ ساتھ (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے) استخراج کا اہتمام اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی ہے۔☆۲۶

جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ ریاض مجید کی نظر جزئیات پر بھی ہے اور کل پر بھی۔ انھوں نے ع۔س مسلم کے نعتیہ مجموعہ کا جائزہ لیا ہے تو صرف اس کی مداحی میں قلم کو رواں نہیں کیا بلکہ اس کی وہ خصوصیات بھی مدنظر رکھی ہیں جو عام قاری کے زیرِ نظر نہیں ہوتیں۔ اس کتاب کا تنقیدی جائزہ انھوں نے ایک اور مقام پر نعت کے حقیقی مقاصد اور محامد و محاسن کے تذکرہ میں لیا ہے۔ کہتے ہیں:

> واضح رہے کہ فنِ نعت گوئی کے لیے جذبہ حبِ رسولِ اکرم ﷺ ایک بنیادی جوہر داعیہ اور بیج کی مانند ہوتا ہے۔ یہ بیج قرآن حکیم کے مضامین و ارشادات ہی کی زرخیزیوں میں پھولتا ہے۔ مستند احادیث اس کی آبیاری کرتی ہیں اور تاریخ و سیر کی معتبر کتابیں نخلِ نعت گوئی کو ہوائے تازہ عطا کرتی ہے۔ نعت گوئی کی تاریخ کے ہر دور میں حقیقی نعت گوئی انھی شعرائے کرام نے کی ہے جنھوں نے نعت کہتے ہوئے نعت گوئی کے ان حقیقی منابع اور ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔☆۲۷

اسی مضمون میں انھوں نے عبدالعزیز خالد کی نعتیہ تصانیف کی تعریف کی ہے۔ البتہ اعتراض ضرور کیا ہے کہ وہ اپنی نعت کے ذیل میں بعض اہم اشارات و مندرجات کا حوالہ تو دیتے ہیں مگر اردو میں اس کا ترجمہ نہیں کرتے۔ یوں بیرونی زبانوں کی عبارتیں اردو دان طبقے کو اصل ماخذات تک پہنچنے میں معاون نہیں ہوتیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں حوالہ جات

کا اہتمام برقرار نہیں رکھا گیا۔☆۸

اب ایک نظر ہم ریاض مجید کی نعت گوئی کی طرف کرتے ہیں کہ یہ معروف محقق اور نعت گو شاعر نعت کے حوالے سے کن رویوں کا امین ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ہر اک معراج فن ہے زیر سایہ اس بلندی کے
کس اوجِ نعت پر فائز یہ شاعر ہونے والا ہے

برکت نصیب و خیر فزا ہو ترا کلام
نعت رسول پاک کے شاعر درود پڑھ

پس ہر پردۂ توصیف یارب! تو نکلتا ہے
نبیؐ کی نعت میں بھی حمد کا پہلو نکلتا ہے

ریاض آنکھوں پہ یہ فیضان ہے نعت محمد کا
اثر میں ڈوب کر جو ایک اک آنسو نکلتا ہے

نظر میں دہر کی وسعت سمو لی جائے
زباں پھر آپ کی مدحت میں کھولی جائے

تیری مدحت کے لیے وقف زباں ہو میری
تیرے ہی واسطے تاثیر بیاں ہو میری

تیری مدحت کے لیے فخر ہمہ موجودات!
دلِ ہر ذرہ میں اے کاش زباں ہو میری

دہر ہو، قبر ہو، عقبیٰ ہو کوئی منزل ہو
نعت آمادہ یونہی طبع رواں ہو میری

پونجی حیات بھر کی یہ الفاظ ہی تو ہیں
نعتوں میں ڈھونڈتا ہوں وسیلہ حضور کا

عجب کیا خُلد ہر انعام میں ظاہر مدینہ ہو
طفیل نعت آنحضرت مری خاطر مدینہ ہو

در آئے ایسے نعت میں صورت حضور کی
الفاظ میں دکھائی دے صورت حضور کی

نعت سرخیل احسن تقویم
اسفل السافلین کیا لکھے

کیسے آغاز نعت ہو یہ دل
خاتم المرسلین کیا لکھے

اے ریاض ان کی عطا ہے یہ ثناخوانی بھی
میرے ہاتھوں میں امانت یہ قلم ہے ان کا

خوشا کہ نعت میں کام آئی مشقِ صنفِ غزل
زہے مساعی صبح و مسا قبول ہوئی☆۹

وفور جذب سکینت بتا رہی ہے ریاضؔ
یہ نعت بھی مری صلِ علی قبول ہوتی

لکھنے بیٹھے آپ کے گر وصف دفتر ختم ہیں
نور اُگلتی روشنائیوں کے سمندر ختم ہوں

نعت کی تخلیق میں ہوں صرف جذبے شعر کے
ولولے فن کے ثنا لکھنے کے اندر ختم ہوں

نعت آمادہ یوں ہی کُنجِ لحد میں بھی رہوں
نعت لکھنے کے ریاضؔ ارماں نہ مر کر ختم ہوں

تیری ثنا روز و شب لکھتے رہیں
توفیق دے جتنی رب لکھتے رہیں

ہر لفظ کی آپ سے نسبت رہے
تا زندگی نعت اب لکھتے رہیں

نعت کا یہ کمال ہے، لوحِ چمن مثال ہے　　لمسِ ثنائے شاہ سے کلک کو برگ و بر لگے

شائستگیٔ خوش سلیقگی کے، انداز تمام، سب سلیقے
فیضان ہے نعتِ شاہؐ کا یہ آتے تھے مجھے یہ کب سلیقے
لکنت زدہ طرز کے اندھیرے بھاگے، ہوئے اس طرح سویرے
کب خواب و خیال میں تھے میرے جو نعت کے آئے اب سلیقے

پُرنور ریاض اپنی ہو فردِ عمل　　گرد اس کے جو نعتوں کا جزدان رہے
اک شفاعت بخش ضو ہے سرِ قلب یہ　　جو ریاضِ نعت گو کے سدا ہمراہ رہے
لکھی ہے ریاضؔ ایسے ثناہ یہ کرن جیسے　　ورق پہ کسی ماہِ منور سے اُتری ہے☆☆۱۰

ہم نے ریاض مجید کی نعتیہ کتب سے فقط ان اشعار کا انتخاب کیا ہے جن میں نعت کے حوالے سے ریاض مجید کے حسنِ فن اور تاثرات کا کسی نہ کسی انداز سے تذکرہ آیا ہے۔ ورنہ اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ نعت کا ہر شعر ہی توصیف نبوی ﷺ کی جگمگاتی تصویر ہوتا ہے۔ فنِ نعت گوئی پر تنقید ہی وہ کر سکتا ہے جسے نعت کے اسرار و رموز سے آگاہی ہو۔ جو نعت کو فقط فن کاری کا ایک ذریعہ ہی نہ سمجھے بلکہ اس میں عشق و محبت کی مٹھاس گھلی ہوئی ہو۔ شیفتگی اور خودسپردگی کے ستارے دمک رہے ہوں۔ ذوق و شوق کے استعارے مچل رہے ہوں۔ بحمد اللہ ریاض مجید کے ہاں یہ تمام عناصر اپنی جلوہ کاری دکھا رہے ہیں۔

اس دور کے شعرا شعر و سخن کی مقبولیت کے لیے غزل کہتے ہوئے نعت کی طرف آگئے۔ غزل کا قالب نعت کہنے کے لیے نہایت برمحل اور خوشنما ہے مگر بدقسمتی سے بعض شعرا جن کی زندگی ہی غزل سرائی میں گزری تھی جب نعت کی طرف آئے تو غزل کے فطری لوازمات اور خواص کو فراموش نہ کر پائے۔ ان میں سے بعض کی نعت غزل سے انتہائی قریب محسوس ہوتی ہے اور اگر ایک آدھ ترکیب کو نکال دیا جائے تو ان کی نعت بالکل غزل نظر آئے گی۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے نعتیہ تنقید کے راستے پر چلنے والوں کی راہنمائی کرتے ہوئے کہا:

> مضامین نعت کے غزلیہ طرزِ اظہار کی مذمت کرتے ہوئے کم و بیش ہر ناقدِ نعت نے عامیانہ انداز کی ان غزل نما نعتوں کو حقیقی نعتیہ کلام سے فروتر سمجھا ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کے ادب و احترام کے سراسر منافی ہی نہیں بلکہ ناقابل معافی گناہ ہے۔ اے ڈی نسیم اپنی

ہی نعتوں (جن میں حضور اکرم ﷺ) کی ذات اقدس کو عام لکھنوی محبوب کے روپ میں پیش کیا گیا ہے) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے ان شاعروں نے عام محبوب کی جگہ رسول ﷺ کا نام رکھ دیا ہے۔ فرق صرف محبوبوں کے نام میں ہے شخصیت میں نہیں۔'' اسی طرح نعت گو کے ضروری ہے کہ وہ تشبیہات و استعارات میں بھی موضوع کے آداب احترام کو ملحوظ رکھے اور نعت کے اظہار میں ایسی تشبیہ یا استعارہ سے گریز کرے جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہے۔☆۱۱

ریاض مجید کے نعتیہ اشعار میں اسی پاکیزگی فکر شوکت ایمانی، روحانی تگ و تاز اور نظریاتی روحانی نزہت کا احساس ہوتا ہے۔ جس کی وہ دوسرے نعت گو شعراء سے توقع رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی کوچۂ غزل سے گلستان نعت میں آئے مگر انھوں نے غزل سے پیمانے ضرور مستعار لیے مگر ان میں نعت کی خوشبو کو سمو دیا۔ انھوں نے وہی کام کیا ہے جو فیصل آباد کے ایک ممتاز شاعر حافظ لدھیانوی مرحوم کر چکے تھے۔ شاید اسی لیے ریاض مجید کہتے ہیں:

دے کر دعا نعتوں کی ماتھا چومتے ہیں
اہلِ نظر جب میرا سینہ دیکھتے ہیں

ان غزل نما نعتوں کے مقابلے میں جب ریاض مجید کسی ایسے نعت گو شاعر کو دیکھتے ہیں جس کی زندگی ایوان نعت میں بسر ہوئی ہے۔ نعت ہی اس کی زندگی اور نعت ہی اس کی بندگی ہے۔ وہ نعت کے علاوہ کسی اور صنف سخن سے آشنائی کا تمنائی نہ ہو تو ان کا دل اس شاعر کے لیے بھرپور انداز سے داد و تحسین کا مخزن بن جاتا ہے اور وہ اپنے مضمون میں اس شاعر کے لیے محبتوں کا ارمغان پیش کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ انھیں نعت کے لیے اپنے کہے گئے الفاظ کا پاس ہوتا ہے۔ اس طرح جب نامور نعت گو شاعر محسن کاکوروی پر لکھنے بیٹھے تو ان کے قلم سے ان کے لیے محبت بھرے جذبات کے چشمے ابلنے لگے:

ان کے ہاں پہلی بار اردو نعت کا فن تکمیل آشنا ہوتا نظر آتا ہے۔ ان کی نعت اب تک کہی گئی نعت کا ماحصل ہے۔ تقلیدی روش اور تشکیلی مراحل کے بعد محسن کے ہاں پہلی بار اردو نعت فن کا ایک مثالی معیار اور ایک جداگانہ صنفِ سخن کا اعلیٰ درجہ حاصل کرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ

محسن کا شغفِ نعت ہے۔ انھوں نے اس صنف پر خصوصی توجہ دی۔ اردو کے دوسرے شاعروں نے تو دیگر اصناف کے ساتھ بھی نعت لکھی مگر محسن نے صرف نعت ہی لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو نعت کے ساتھ ہی محسن کا کوروی کا نام ذہن میں آجاتا ہے۔ ان کا کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محسن کا کوروی نعتیہ شاعری کو بامِ عروج پر پہنچانے کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ اسی لیے ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "نعت گوئی تو سب کے لیے ہے مگر محسن کاکوروی نعت گوئی کے لیے ہیں۔☆۱۲

ریاض مجید کسی نعت گو شاعر کے شعری مجموعہ پر دیباچہ رقم کرتے ہوئے اس کے نعتیہ یا حمدیہ شہپارے کا عروضی جائزہ بھرپور انداز سے لیتے ہیں۔ یہ بلا شبہ کٹھن امر ہے ورنہ بیش تر رائے دینے والے تو چند شعری تحریروں کو سامنے رکھ کر دیباچہ رقم کر دیتے ہیں۔ ریاض مجید نے پورا پورا التزام رکھا ہے کہ زیر تبصرہ شخصیت اور اس کے کلام کو ہر لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے۔ یہ امتیاز میں نے اور نقادوں کے ہاں نہیں دیکھا بلکہ کم ہی دیکھا ہے۔ اس حوالے سے حکیم شریف احسن ان کے بارے میں رقم طراز ہیں:

عروض ایک مشکل فن ہے۔ مشکل بحور و اوزان خصوصاً رباعی کے ۲۴/اوزان میں شعر کہنا تو ایک طرف ان کے پڑھنے میں بھی بعض اوقات بڑے بڑے اہل علم ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور خود شعرا بھی بحر رجز میں بحر رمل ڈال کر شاعری کی کھچڑی پکا دیتے ہیں۔ ریاض مجید قادر الکلام شاعر ہونے کے ساتھ عروض پر بھی کامل دسترس رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ مشکل پسند انسان ہیں۔ مشکل پسند عام معنی میں نہیں غالب کے معنی میں۔ یعنی مشکل کام بھی ان کے لیے آسان نکلتا ہے اور شعر کے ساتھ تو ان کا معاملہ کچھ "کن فیکون" سا ہے۔ کسی بھی بحر وزن قافیہ اور ردیف سے وہ شعر کہنا چاہیں تو کہتے ہیں۔ "ہوجا" پس وہ ہو جاتا ہے۔☆۱۳

"صاحب کن فیکون" کی ترکیب پہ اعتراض ہوسکتا ہے مگر ریاض مجید جس فکری پختگی اور عروضی بلند پروازی سے شاعر اور شاعری کا جائزہ لیتے ہیں وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ اسی کا کام ہے جو فکروفن کے سمندروں کی تہہ میں اتر کر غواصی کرنا جانتا ہو اور ریاض مجید

نے ایک دو مقدمات یا مضامین میں ہی ایسا نہیں کیا بلکہ ان کی درجنوں تحریریں ان کی عروض و بحور پر کامل دسترس کی گواہ ہیں۔ تخریج کا عمل ہو یا عروضی تجزیہ ان کا ذہن ان کے قلم کو بڑی تیزی اور روانی سے مواد فراہم کرتا ہے۔ ریاض مجید کی شاعری میں تنوع ہے۔ یہی ان کے شاعرانہ مضامین کی جان ہے مگر وہ تنوع یا عروضی مباحث میں الجھ کر شاعری کے حسنِ صوت کو فراموش نہیں کرتے۔ ان کی بہت سی نعتیں ترنم اور صوتی خوب صورتی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ ریاض مجید کا یہی عروض شناسی کا غیر معمولی جذبہ تھا کہ مقالہ میرزا امجد راز نے ان کے نعتیہ دیوان "سیدنا محمدؐ" کی تخریج کر ڈالی۔ کتاب کا نام "صحفِ ہزار رنگ" ہے۔ اس ضمن میں ضیاء حسن ضیا اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> آج کل کے شعرائے علم العروض سیکھنا ہی نہیں چاہتے اور یہ نہ سیکھنا ہی ان کے ناقابلِ اعتبار شاعر ہونے کی پہلی دلیل ہے۔ ایسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے بازوئے ہمت اور طنطنہ وصولت سے شہرِ سخن (فیصل آباد) کو فتنۂ اہل عروض سے پاک کرنے کے لیے سعی بلیغ فرمائی اور ہزارہا بحور پر کلام لکھے۔"☆۱۳

ریاض مجید نے بہت سے نعت گو شعرا اور ان کی نعت گوئی پر لکھا۔ ان پر دیباچے بھی قلم بند کیے اور مضامین بھی لکھے مگر ع۔س مسلم غالباً واحد شاعر ہیں جن کو ریاض مجید نے اپنی خصوصی توجہ کا حق دار سمجھا۔ ان پر مضامین بھی لکھے اور ان کے کلام کا عروضی جائزہ بھی لیا۔ ہم اس سے پیش تر بھی ع۔س مسلم اور ریاض مجید کی آپس میں ادبی وابستگی کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے ع۔س مسلم کی دو کتابیں ہیں۔ ایک "حمدِ باری" اور دوسری "زبورِ نعت" ہے۔ ریاض نے دو کتب کے دیباچے نہایت وضاحت سے لکھے ہیں اور یہاں بھی حمد الٰہی کا عروضی جائزہ لینے کے ساتھ اس کے دیگر فنی لوازم کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے کتابِ مذکورہ کو روایتی انداز میں نہیں لیا بلکہ ع۔س مسلم کے فکری کاوشوں کا ایک ایک پرت کھول کر رکھ دیا ہے۔ یہ ریاض مجید کی قادر الکلامی ہے کہ کتاب میں اس قدر ڈوب کر دیباچہ لکھتے ہیں۔ ان کا کوئی بھی دیباچہ رسمی یا محض شاعر کو خوش کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی تحریروں میں شاعر کی نگارشات کے معنوی حسن اور اس کے فنی خدوخال متعین کرنے کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ حمد الٰہی سے مقدمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

حمد کی صنف جس ادب آداب اور عزت و احترام کے قرینے کا تقاضا کرتی ہے۔ مسلم نے اسے ماہرانہ ذمہ داری اور شاعرانہ خوب صورتی سے نبھایا ہے۔ مجھے حمد باری تعالیٰ کی ترتیب میں مقدور بھر سے کچھ زیادہ ہی اہتمام نظر آیا۔ خدا یہ سلیقہ سبھی شعرا کو عطا کرے۔ حمد باری تعالیٰ کا اشاریہ اسی اہتمام کا مظہر ہے۔ بہت سی باتیں اہل علم کے لیے سامنے کی ہوتی ہیں مگر اس معاشرہ میں رہنے والے بعض لوگوں کے لیے بغیر تشریح اور وضاحت کے ان کی تفہیم مشکل ہوتی ہے۔ مسلم نے قرآن کریم اور احادیث رسول کریم میں سے جہاں جہاں استنباط کیا ہے اس کا حوالہ دیا ہے۔ حمد باری تعالیٰ کا اشاریہ اسی اہتمام کا مظہر ہے۔☆۱۵

اسی طرح ع۔ س مسلم کی نعتیہ تصنیف ''زبورِ نعت'' کا بھی انھوں نے خوب خوب جائزہ لیا ہے۔ محض مدح نگاری نہیں کی بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فاضل مقدمہ نگار نے ایک ایک شعر کو پڑھا ہے۔ ایک ایک نعت کو بحر وزن اور عروض کے سانچے میں رکھا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی سے بھرپور روشنی لی اور پھر کہیں یہ دیباچہ رقم ہوا۔ ایک اقتباس پیش ہے:

حوالوں کے بارے میں یہ احتیاط سرسری انداز کا کام نہیں۔ نہ اس کو وقت اور عارضی رویے کا عکاس کہا جاسکتا ہے۔ مسلم صاحب کے ہاں یہ انداز حوالہ جات ان کا ایک مستقل رویہ اور عادت بن گئی ہے۔ یہ ان کے تخلیقی انداز شعر کے ساتھ ساتھ ایک تحقیقی اسلوب ذہنی کی بھی آئینہ دار ہے۔ یہ رویہ ان کی تخلیقی حیات اور شعری صلاحیت کا فطری حصہ ہے جو ان کے مسودوں سے لے کر ان کی مطبوعہ کتب تک میں جھلکتا نظر آتا ہے اور جس پر وہ اپنے کمپوزر یا طابع سے کہیں سمجھوتہ نہیں کرتے۔☆۱۶

ع۔ س مسلم کی خوش بختی کہ ڈاکٹر ریاض مجید نے اس مقدمہ کے علاوہ اسمائے رسول ﷺ کے حوالے سے ایک مبسوط اور حوالہ جاتی مضمون بھی قلم بند کیا ہے۔ جس میں شاعر کی نعت کے حوالے سے تحقیقی تگ و دو کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ بڑے سائز کے کاغذ کے چھبیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ تحقیق نعت اور اسمائے رسول کے حوالے سے ایک فکر آفریں دل پزیر اور ایمان آفریں کاوش ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ اچھا غزل گو بہترین نعت گو ہوتا ہے۔ غزل تو محض ایک پیرایہ سخن ہے جس میں ڈھل کر نعت اپنے بلند مقام کو چھوتی ہے۔ حسن رضا خان، حافظ لدھیانوی، حفیظ تائب وغیرہم غزل کے ایوان کو چھوڑ کر گلستانِ جنت نظیر کی طرف آئے۔ آج کا شاعر بھی غزل کی زمین میں نعت کہہ رہا ہے۔ حالاں کہ بات فقط غزل کے سانچے اور قافیہ و ردیف کی ہوتی ہے ورنہ شاعر اس قالب میں نعت کے نام پر جو سموتا ہے وہ مدحت نبوی ﷺ کا گلزار جاں فزا ہوتا ہے۔

ایسے ہی توصیف تبسم کا نعتیہ مجموعہ ''سبیل'' کے نام سے ہمارے سامنے ہے۔ چوں کہ ابھی یہ مجموعہ اشاعت پزیر نہیں ہوا۔ اس لیے مقدمہ نگار ریاض مجید اسے عنوان بدلنے کا کہہ رہے ہیں کیوں کہ یہ عنوان ایک اور شاعر کا بھی ہے۔

توصیف صاحب کی نعت گوئی کا بڑا حصہ بھی غزل کی ہیئت میں ہے۔ اردو نعت میں عصرِ حاضر کی نعت کا تقریباً ۹۰ رفی صد اثاثہ غزل کی صنف میں تخلیق ہوا ہے۔ اردو شاعری کے معاصر منظرنامے میں نعت کا پھیلاؤ اور فروغ بھی (بعض دوسرے اسباب کے علاوہ) اس صنف کی بنیادی خصوصیات و کیفیات کی وجہ ہے۔ فارسی سے اردو تک اس صنف نے بڑی کامیابی سے قریباً ہزار سال کا سفر طے کیا ہے۔ کامیابی سے میری مراد مقدار اور معیار دونوں حوالوں سے اس صنف کا بلیغ اعتبار ہے۔ جس کی تائید اور توثیق ہر زمانے کی اور دور کی اوّل تاریخ ہوتی ہے۔[۲۷]

اسی طرح تجمل عباس سیّد کے نعتیہ مجموعہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> پاکستان میں کچھ دہائیوں سے اس نعت افزوں فضا کی تشکیل میں سیکڑوں نعت کاران کی مساعی جمیلہ شامل ہے۔ نعت کاران کی ترکیب میں نے وسیع تر حوالے سے استعمال کی ہے۔ ان میں نعت گو شاعر، نعت خواں، نعت کے ناقدین، مرتبین، مدیران، نعتیہ مجالس کے کار پردازان اور منتظمین کارکن سبھی شامل ہیں۔ سبھی احباب نے اپنی اپنی ذہنی و تخلیقی استعداد، جسمانی و دماغی وسائل اور منصبی پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے حضورِ اکرم ﷺ کی نعت کو عام کرنے کے لیے کوشش کی ہے۔ انھی میں نعتیہ فروغ کے لیے ممتاز شخصیت جناب تجمل عباس سیّد کی ہے۔

ریاض مجید کے فروغ نعت اور نعت کے ارتقا کے حوالے سے مقدمات اپنی جگہ، تفصیلی مضامین اپنی جگہ، تنقیدی اور تحقیقی رویے اپنی جگہ، مگر انھوں نے اپنے مشہور مقالے ''اردو میں

نعت گوئی'' کو جس انداز سے پیش کیا ہے اور اس ضخیم کتاب میں نعت کے مختلف ادوار کا جس محنت اور عرق ریزی سے جائزہ لیا ہے اس سے نعت شناسی کی زندہ و پائندہ روایت کو مزید تب و تاب عطا ہوتی ہے۔ ان کا مقابلہ بلاشبہ عصر حاضر میں نعت شناسی کے حوالے سے صدیوں سے سفر کرتی ہوئی روایت کا زرّیں باب ہے۔ اس قدر ضخامت میں ان کا نعتیہ مقالہ بصد شان جگمگا رہا ہے۔ ہم ان کے بارے میں اور کچھ بھی نہ لکھیں تو یہ تحقیقی مقالہ ہی ان کی نعت شناسی کے خطوط اُجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے آغاز میں پروفیسر شہرت بخاری نے نہایت اختصار سے خوب لکھا ہے:

> محمد ﷺ کی نعت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے۔ مسلمانوں نے ہر دور میں نعت رسول ﷺ میں اظہار و بیان کے جوہر عیاں کیے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے جو خود ایک ممتاز نعت گو شاعر اور اردو کے معلم ہیں۔ جس کمال انہماک، محنت اور خلوص کار کے ساتھ اپنے اس پی ایچ ڈی کے مقالے میں نعت کے موضوع، اس فن کی نازک خیالیوں اور نعت کے تاریخی بیان کو سمویا ہے وہ تحقیق کی ایک نادر مثال ہے۔ اس مقالے میں نعت کی پوری تاریخ، تمام مجموعوں اور نعت گو شعرا کا تذکرہ اس خوبی سے ہوا ہے کہ یہ مقالہ نعت گوئی کا تذکرہ بن گیا ہے۔☆۱۸

ریاض مجید کا انداز نگارش نہایت خوب صورت اور فوراً دل میں جگہ بنا لینے والا ہے۔ اتنا دل آفریں جیسے ان کی نعتیہ شاعری ہے۔ ان کی نثر میں تنقیدی رنگ غالب ہے جب کہ ان کی نعتوں میں سادگیٔ بیان، خلوصِ فکر اور عام فہم لہجے کی آمیزش ہے۔ انھوں نے نعت کو خوب خوب سمجھا ہے۔ تحقیق و تنقید کے رنگ میں پُرسوز شاعری کے رنگ میں، شاعری کی دل آویزیت پر انھوں نے تنقید کے مدبرانہ لہجے کو غالب نہیں آنے دیا۔ اوزان اور بحور کی پابندی کا پورا پورا خیال رکھا ہے مگر کوشش کی ہے کہ ان کی نعت خواص کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی فہم و فراست کے قریب تر رہے کیوں کہ یہی صورت شاعری کو زندہ و جاوداں رکھتی ہے۔ حضرت حافظ مظہر الدین پر ان کے لکھے ہوئے مضمون سے ایک اقتباس نذر قارئیں ہے:

> حافظ مظہر الدین کا نعتیہ کلام عصر حاضر کی نعت میں جس انداز وروایت کا نمائندہ ہے۔ اس کا تعلق حضور اکرم ﷺ سے وابستگی و شیفتگی ہے۔ نعت گوئی ان کے قلم کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت گوئی میں عبادت

کی سی یکسوئی اور انہماک پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام میں حبِ رسول اکرم ﷺ کا استغراق نمایاں وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اخلاص گداز اور تاثیر و کیفیت کے تمام تر عناصر اسی کیفیت کی دین ہیں۔ انھوں نے حضور ﷺ سے اپنی ارادت و عقیدت مندی کو اشعار میں سمونے کی جو کامیاب و مشکور سعی کی ہے وہ بہت کم نعت گو شعرا کا مقدر بنتی ہے۔☆۱۹

غرض ریاض مجید کی نعت گوئی نے اپنی فنی ضو سے کتنے ہی چراغ روشن کیے ہیں۔ ان کے شعری اثاثہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فروغ نعت کے حوالے سے ان کی ایمان افزا کاوشیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آج بلاشبہ ان کی ذات دبستان نعت میں ایک روشن مثال اور نور آفریں حوالے کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ اوپر سے ان کی نعتیہ تنقید نے بڑی تعداد میں قلم کاروں کو لکھنے کا ڈھنگ اور وقار عطا کیا ہے۔ خدائے کریم ان کی مساعیٔ جمیلہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے اپنی بارگاہِ اقدس میں قبولیت کی سندِ نور عطا کریں۔ آمین

ماخذ و مراجع

☆ ۱۔ ریاض مجید ڈاکٹر، اردو میں نعت گوئی، اقبال اکادمی ۱۹۹۰ء، ص ۴۰

☆ ۲۔ فلیپ حفیظ تائب، الہم صلے علی محمد، نعت اکادمی فیصل آباد ۱۹۹۳ء

☆ ۳۔ مقدمات فقیر محمد افضل فقیر، قرطاس، فیصل آباد، ص ۲۳۹

☆ ۴۔ ماہنامہ الرشید نعت نمبر شمولہ نعت رسول لوئر مال، لاہور، ص ۳۶۹

☆ ۵۔ ایضاً، ص ۱۳۸۵

☆ ۶۔ نعت رنگ سید صبیح رحمانی ریاض مجید شمارہ: ۱۹، فروری ۲۰۰۴ء

☆ ۷۔ ایضاً، ص ۲۸۳، ص ۲۸۳ ☆ ۸۔ ایضاً، ص ۳۸۴

☆ ۹۔ ریاض مجید، نعت اکادمی، فیصل آباد، صلے علی محمد نعتیہ تصنیف کے مسودے سے متفرق اشعار

☆ ۱۰۔ اردو نعت دیوان، ریاض مجید، نعت اکادمی فیصل آباد، ۲۰۰۳ء، متفرق اشعار

☆ ۱۱۔ الرشید نعت نمبر، ریاض مجید، نعت النبی، ص ۱۳۸۱

☆ ۱۲۔ مجلہ سفیر نعت، محسن کاکوروی نمبر، آفتاب اکیڈمی کراچی، ص ۱۷۵

☆ ۱۳۔ سیدنا محمد، ریاض مجید، دیباچہ نگار حکیم شریف احسن، ۲۰۰۳ء، ص ۹

☆ ۱۴۔ صنف ہزار رنگ، مرزا امجد راز سیدنا محمد کی تجرید، ص ۱۵، ۲۰۰۹ء

☆ ۱۵۔ حمد باری، ر۔ س مسلم، مقبول اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۷

☆ ۱۶۔ توصیف تبسم "سبیل" مقدمہ ریاض مجید، ۲۰۱۰ء (سبیل)

☆ ۱۷۔ تجمل حسین سید، مقدمہ ریاض مجید، ۲۰۱۰ء

☆ ۱۸۔ فلیپ اردو میں نعت، شہرت بخاری، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۰ء

☆ ۱۹۔ حافظ مظہر الدین، مجلہ مدحت لاہور ستمبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۶۳

ڈاکٹر شبیر احمد قادری۔ فیصل آباد

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی نعت شناسی

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ وہ ۵ر مارچ ۱۹۳۸ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا اسم گرامی محمد بشیر الحق صدیقی ہے۔ جو اپنے وقت کے نام ور عالم دین اور خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ مولانا محمد بشیر الحق صدیقی جامع مسجد حنفیہ مدن پورہ، فیصل آباد میں خطیب تھے۔

وہ پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ انھوں نے بشیر رسلات کے نام سے ۴۰۰۰ر اشعار پر مشتمل پنجابی زبان میں سیرت کو منظوم کیا۔ بشیر المقلدین میں احناف کے مسائل ہیں جو ۵۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے خصائص نبوی ﷺ بھی لکھی۔ ایصالِ ثواب کے موضوع پر بھی مدلل تحریر سے اوراق کو مزین کیا ایک اردو مجموعہ نعت بھی ہے۔ مولانا محمد بشیر الحق صدیقی کا شمار شیخ الحدیث مولانا سردار احمد قادری رحمتہ اللہ علیہ کے مقربین میں ہوتا تھا۔ وہ سول انجینئر تھے مگر اللہ اور رسول ﷺ کے پیغام کو عام کرنے کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ۱۹۹۳ء میں خالق حقیقی سے جاملے۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے چچا مولانا مفتی محمد مختار الحق صدیقی ٹوبہ ٹیک سنگھ اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ ۷۰ کی دہائی میں عبدالحمید بھاشانی نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے اپنے مخصوص نظریات کی ترویج کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں مولانا محمد مختار الحق صدیقی نے پہلی بار سُنّی کانفرس کا اہتمام کیا۔ جس میں ملک بھر سے ممتاز علماء و مشائخ عظام نے شرکت کی۔ مولانا محمد مختار الحق صدیقی بریلی شریف سے فارغ التحصیل تھے انھوں نے صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمتہ اللہ علیہ سے درود شریف کی تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا محمد بشیر الحق بھی صاحب تصنیف بزرگ تھے۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا سلسلۂ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔ ملک محبوب الرسول قادری کو انٹرویو میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ آباؤ اجداد عربوں کی آمد کے ساتھ ہی اس خطے میں آئے۔ سندھ کے راستے ملتان، ملتان سے قصور اور پھر وہاں سے بھنگواں امرتسر چلے گئے۔ یہ اکبر اعظم کا دور تھا۔ اس نے کئی گاؤں دیے تھے اس گاؤں کا نام ہاتھ تھا اس لیے وہاں چلے گئے۔ شروع سے خاندانی رجحان دینی تھا۔ ہمارے خاندان کے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر رہے لیکن دینی حوالہ ہمیشہ برقرار رہا۔ حضرت مولانا غلام مرتضیٰ قصوری رحمتہ اللہ تعالیٰ ہمارے اجداد سے ہیں۔ والدہ ماجدہ فاروقی خاندان سے ہیں وہ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ تعالیٰ کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے میں صدیقی بھی ہوں اور فاروقی بھی۔ خاندان کا شروع سے ہی موجود شجرہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رحمتہ اللہ علیہ سے آج تک کا شجرہ میرے پاس ہے۔☆۱۴

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی دو مرتبہ حج (۱۹۷۷ء۔ ۱۹۹۶ء) اور دو مرتبہ عمرہ (۲۰۰۰ء، ۲۰۰۱) کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ بی۔ اے آنرز (عربی) کا امتحان پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے پاس کیا۔ ایم اے عربی میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ایم اے اسلامیات، ایم او ایل اور فاضل عربی کے علاوہ غیر عربوں کی تدریس کے لیے ریاض یونی ورسٹی سعودی عرب سے عربی کا امتحان اے گریڈ میں پاس کر چکے ہیں۔

''برصغیر میں عربی نعت گوئی'' کے عنوان کے تحت مقالہ لکھنے پر انھیں پنجاب یونی ورسٹی لاہور کی جانب سے پی ایچ۔ ڈی کی سند عطا کی گئی۔ صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد کی حیثیت سے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اسی کالج میں پرنسپل رہے۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن اور گورنمنٹ اسلامیہ کالج فیصل آباد میں بھی پرنسپل رہے۔ ڈائریکٹر تعلیمات فیصل آباد کے منصب پر بھی فائز رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اسلامک یونی ورسٹی نیریاں شریف، آزاد کشمیر اور بعد ازاں انڈیپنڈنٹ یونی ورسٹی فیصل آباد کے وائس چانسلر رہے۔ آج کل گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی فیصل آباد میں کوارڈی نیٹر فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی ۴ر مارچ ۱۹۹۸ء کو سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ انھوں نے سرکاری ملازم کی حیثیت سے ۳۹ برس تک تدریسی اور انتظامی عہدوں پر خدمات سرانجام دیں اور یہ سلسلۂ خیر ریٹائرمنٹ کے بعد بھی رُکا نہیں ہے۔ اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد اُن کی جگہ جامع مسجد حنفیہ میں کم و بیش ۲۵ برسوں سے خطبۂ جمعہ دینے کا فریضہ ادا کر رہے ہیں اور یہ خدمات

دین کی سربلندی کی خاطر بلا معاوضہ ادا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ''مرکزِ تحقیق'' فیصل آباد کے بانی اور سربراہ ہیں۔ اس مرکز کے تحت کئی یادگار اجتماعات، مذاکرے اور سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، اور اشاعتی پروگرام بھی جاری ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے وطن عزیز، خاص طور پر فیصل آباد میں عربی زبان کے فروغ کے سلسلہ میں گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ شبانہ روز محنت کے بعد ۱۹۸۶ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں شعبہ عربی کی پوسٹ گریجوایٹ کلاس کا اجرا کرایا۔ اس شعبہ میں اب ایم فل اور پی ایچ ڈی کی باقاعدہ کلاسز ہو رہی ہیں۔

۱۹۹۷ء میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے شعبہ عربی کے زیرِ اہتمام گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں قومی سیرت کانفرنس منعقد کرائی۔ اِس موقع پر میں نے بحیثیت مدیر روزنامہ ''عوام'' فیصل آباد کی اشاعتِ خاص کا اہتمام کیا۔ اس میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا انٹرویو بھی شامل تھا۔ عربی زبان کے حوالے سے میرے سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ بتایا وہ عربی زبان سے قلبی لگاؤ کا آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ عربی تدریس، اسلامی علوم سے واقفیت کا تقاضا ہے کہ وطنِ عزیز میں وہ حجاب قائم نہ رہے جو عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے ہمارے ہاں بعض مشکلات کا باعث بن رہا ہے۔ باہمی نزاع، برتری کا زعم اور فرقہ وارانہ مناقشت سب عربی سے بے بہرہ (ہونے؟) کے اثرات ہیں۔ اس لیے نوجوان نسل کو وطن عزیز کی بقاء، استحکام اور تحفظ کے لیے عربی زبان کی تعلیم پر توجہ دینی ہوگی تا کہ وہ غیریت ختم ہو جائے جو فتنے اُٹھاتی ہے۔☆۲

ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے یوں تو بہت قابلِ قدر علمی و ادبی کام کیا ہے۔ تاہم ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ اُن کی علمی، ادبی اور تحقیقی کاوشوں کا نقطۂ عروج ہے۔ یہ مقالہ انھوں نے شعبہ عربی اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے زیرِ اہتمام لکھا۔ اُن کے نگرانِ کار پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر تھے۔ اس مقالے پر انھیں ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی گئی۔ کتابی سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل یہ مقالہ ۲۰۰۲ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ ڈاکٹر اسحٰق قریشی لکھتے ہیں کہ برصغیر میں عربی شاعری اور خاص طور پر مدحیہ شاعری کی تجمیع ایک مشکل مرحلہ تھا کہ صدیوں کے تاریخی سفر میں ادبیاتِ عربی کے کسی محقق نے اس کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ خود مدح نگار بھی اِن نگارشات کو اپنے دینی جذبوں کی تسکین خیال کرتے ہوئے شہرت دینے سے گریزاں رہے کہ یہ خالص عقیدت کے مظاہر تھے۔ ایسی شعری کاوشیں یا تو مخطوطات کی شکل میں رہیں یا کسی دینی مجلہ کا حصہ بن کر گوشۂ خمول میں چلی گئیں۔ ایسے نایاب مسودات کو حاصل کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ ضخیم کتب کی بالاستیعاب

ورق گردانی کے بعد کہیں کہیں سے دو چار شعر ملتے رہے جو کسی عنوان سے وابستہ نہ تھے بلکہ غیر متعلق گفتگو میں دَر آئے تھے۔ مخطوطات یا کمیات کتب و رسائل کے حصول کے لیے دور دراز کے سفر کرنا پڑے، یہ درحقیقت ریزہ کاری کا عمل تھا کوشش کی گئی کہ ہر ممکن طریقے سے دُرِ شہوار تلاش کر لیے جائیں، اِس کوشش میں کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ فیصلہ قارئین کو کرنا ہے۔''☆۳

اس دقیق مقالہ کو آٹھ ابوب میں تقسیم کیا گیا ہے:

الباب الاوّل	المدائح النبویہ	ص ۲۵ تا ۱۹۷
الباب الثانی	شعر و شاعری کی حیثیت	ص ۲۰۱ تا ۲۷۳
الباب الثالث	ابتدائی مدح نگار	ص ۲۷۷ تا ۵۰۵
الباب الرابع	عرب اور برصغیر پاک و ہند کے تعلقات	ص ۵۰۹ تا ۵۶۴
الباب الخامس	المدائح النبویہ... سلاطین کے دور میں	ص ۵۶۷ تا ۶۳۳
الباب السادس	المدائح النبویہ... مغلیہ دورِ حکومت میں	ص ۶۳۷ تا ۷۸۴
الباب السابع	دورِ جدید	ص ۷۸۷ تا ۹۳۵
الباب الثامن	المدائح النبویہ... مجموعی جائزہ	ص ۹۳۹ تا ۹۵۱

(ص نمبر ۹۶۰ پر ''حرفِ آخر'' کے عنوان کے تحت مندرجات و مشتملات کا تعارف کرایا گیا ہے)

اس تحقیقی مقالے کے مصادر مراجع ص ۹۶۵ سے ص ۱۰۰۰ تک کو محیط ہیں۔ جس میں عربی اُردو اور انگریزی کتابوں کے ساتھ ساتھ قلمی نسخے و رسائل و جرائد بھی شامل ہیں۔

پہلے باب کو موضوعات، محرکات، منابع، فن اور حواشی کے ذیلی عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ مدحِ رسول ﷺ کی وسعت بے پایاں ہے۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو سیرتِ مطہرہ کا ہر گوشہ اور پیغمبرانہ عظمت کا ہر رُخ اس میں سمویا گیا ہے۔ المدائح النبویہ کے طویل سلسلے کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آں حضرت ﷺ کی کتابِ زندگی کا ہر ورق شعرا کے پیشِ نظر کہیں آپ کے حسن و جمال کا تذکرہ ہے تو کہیں اخلاق و عادات کا، کسی کے ہاں معجزات قابلِ توجہ ہیں تو کسی کو اسوۂ حسنہ سے کسبِ فیض کی تمنا ہے۔ کوئی ذات میں گم ہے تو کوئی صفات میں، ایک کے ہاں ذات کے حوالے سے متعلقات کے ادراک کی خواہش ہے تو دوسرا متعلقات کے راستے ذاتِ اقدس تک رسائی کے لیے بے چین ہے۔ اس لیے وہ سیرتِ مطہرہ کے درخشندہ گوشوں کو الفاظ کا پیراہن مہیا کر رہا ہے تو بعض کے ہاں اپنے داعیات و محرکات کی فعالیت

نمایاں ہے اور وہ اپنی ذات کے حوالوں سے التجاؤں اور تمناؤں کی دُنیا بسائے ہوئے ہے۔☆۴ ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے مدح کے موضوعات کے ذیل میں قرآنِ حکیم حضور نبی اکرم ﷺ کے ذاتی اوصاف، اسماء النبی ﷺ، سوانح حیات، پیغمبرانہ عظمت، معجزات، صلوٰۃ وسلام کا مختصر مگر جامع تذکرہ کیا ہے۔☆۵ پیغمبرانہ عظمت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ جامع الترمذی، نواب صدیق حسن، ابنِ العربی، امام بوصیری، مولانا کرم الدین دبیر اور احمد شوقی حوالوں کے ساتھ رقم طراز ہیں کہ آں حضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی انسانیت کی معراج ہے۔ آپ انسانِ کامل ہیں اور سب انسانوں کے راہبر و راہنما۔ یہ آپ کی آفاقی حیثیت آج کی سمٹتی ہوئی دنیا کے لیے مینارۂ نور ہے۔ انسان، انسان کے قریب ہوتا جارہا ہے۔ دنیا ایک وحدت بنتی جارہی ہے۔ اس لیے پوری انسانیت کو ایک مشترک رہنما کی ضرورت ہے۔ جو سب کے درمیان محترم ہو اور سب میں ربط وضبط قائم کرے اور یہ کام حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے سوا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے دورِ جدید کا انسان اِس آفاقی پس منظر میں آپ کی کافۃً لِلنّاس کی حیثیت کو زیادہ بہتر طریق سے خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے احمد شوقی (م ۱۳۵۱ھ) کا ایک شعر نقل کیا ہے:

المصحلون اصابعٌ جُمعتْ یداً
هِیَ اَنْتَ بَلْ اَنْتَ الْیَدُ الْبَیْضَاءُ☆۶

آگے چل کر ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے ذاتِ رسول ﷺ کے حواشی کے ذیلی عنوان کے تحت مدح نگاروں کی اہلِ بیت، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم خلفائے اربعہ، عشرہ مبشرہ سے عقیدت کا ذکر کیا ہے، اور بتایا ہے کہ انسانی رابطے کے حدود سے بڑھ کر ہمارے شعرا کی نظر اُن متعلقات پر بھی پہنچی ہے جو اگرچہ ذی روح نہ تھے مگر ذاتِ رسول ﷺ سے خاص نسبت رکھتے تھے۔ حرمین شریفین کی توصیف، خصوصیت سے مدینہ منورہ کے شرف وتقدس کے ترانے مدحیہ شاعری میں جابجا موجود ہیں۔ مدینہ منورہ کے گلی کوچے، بازار، پہاڑ، وادیاں، گردونواح کی بستیاں غرض یہ کہ پورا مکانی پس منظر شاعروں کی عقیدت کا مرجع ہے۔ ہر ذرے سے پیار کیا گیا ہے۔☆۷ مدح کے عصری موضوعات کے ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی رائے یہ ہے کہ اس دور میں ذاتِ اقدس معلمِ دین واخلاق کے طور پر اُبھرتی ہے۔۔۔ مدحیہ شاعری، معروضی اندازِ توصیف سے آہستہ آہستہ وارداتی کیفیات کی شکل اختیار کرتی گئی۔ اب یہ صرف حسن و جمال کا تذکرہ نہ تھی بلکہ قلبِ مضطر کی پکار تھی جس میں ماحول کی ساری بے چینیاں سمٹ آئی ہیں۔ شاعر کا طائرِ خیال حالات کی سنگینی سے گھبرا کر پناہ کی تلاش میں پھڑ پھڑاتا تو اسے گنبدِ خضرا

کے سایوں کے سوا کہیں پناہ نہ ملتی۔ وہ اپنے ماحول سے فرار چاہتا تھا تا کہ مدینہ منورہ کی وادیوں میں گم ہو کر قرار پائے۔ ☆۸ مدح کے محرکات کو زیرِ بحث لاتے ہوئے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے حسن و جمال سے تاثیر پزیری کو انسان خاص طور پر شعرا کی فطرت قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک تاثر جس قدر شدید ہوگا اس کے اظہار میں اسی قدر شدت ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ تاثر مجموعی یا ہمہ گیر ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ شخصیت کا صرف ایک رُخ ہی اثر آفریں ہو اور اظہار کا متقاضی ہو۔ تاثر کی قوت اور تاثر کی شدت کا اجتماع وہ محرک ہے۔ جو مدح و ستائش کے جذبات کی تخلیق کرتا ہے۔ شعر چونکہ جذبات کا مناسب اور موثر ترین ترجمان ہے۔ اس لیے کلماتِ تشکر کا شعری پیراہن اثر آفرینی کو شدید تر کر دیتا ہے۔ اسی توجیہ کا اطلاق ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے ذات محبوب کائنات ﷺ کے مدح نگاروں پر کیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ ذاتِ محبوبِ کائنات ﷺ ہمہ صفت موصوف، بہر رنگ جاذب اور ہر پہلو اثر آفرین ہے۔ ☆۹ ڈاکٹر صاحب نے اس بات میں شاعری خاص طور پر نعت اور منظوم سیرت نگاری کے حوالے سے باتیں کی ہیں۔ انھیں ڈاکٹر صاحب کی باطنی کیفیات کا ترجمان خیال کرنا چاہیے۔ قارئین کے لیے بھی یہ سطریں خصوصی توجہ کی طالب ہیں کہ شاعری معروضی تصویر کشی نہیں کہ کیمرے کی آنکھ کی طرح ہر سامنے والے کو زینتِ قرطاس بنا دے بلکہ یہ ایسا ذاتی عمل ہے جس میں ذاتِ محبوب ﷺ کا عکس جمیل پہلے دل پر نقش ہوتا ہے اور پھر قلبی احساسات و کیفیات کے ساتھ عقیدت و محبت کے ہالے میں جلوہ ریز ہوتا ہے۔ شاعری ممدوح کی تصویر کشی نہیں اپنے باطن کا عکس ہے۔ وہ باطن جہاں ممدوح بصد حسن و زیبائی مسند نشین ہے، موضوعات کو جب شاعر اپنے داخل کے حوالے سے محسوس کرتا ہے تو اس کا قلبی تناظر جب اس احساس کو فعال قوت عطا کر دیتا ہے تو نعت وجود میں آتی ہے۔ اگر عقیدت و محبت کا سوز نہیں اور مدح دل کی آواز نہیں تو یہ منظوم سیرت نگاری ہوگی نعت نہیں کیونکہ شعر تو حسی مشاہدات اور نظری واردات کو ایسے حوالے سے بیان کرنے کا نام ہے جو سراسر انفرادی اور ذاتی ہوتا ہے اور یہی ذاتی حوالہ نعت کی جان ہے اور مدحِ رسالت پناہ ﷺ میں ایسے ہی حوالے معتبر ہیں۔ ذاتِ اقدس ﷺ کے خصائص و شمائل اپنے ہمہ گیر اثرات سے قلب و نظر کو تسخیر کرتے ہیں تو قلبِ مخمور کا والہانہ پن مدح نگاری کا محرک بنتا ہے۔ ☆۱۰

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے نزدیک حضور سے عقیدت و محبت اور اس کے اظہار یعنی مدح کے محرکات میں حضور ﷺ کی رسالت اطاعت و اتباع، عقیدت و محبت، توسل و استغاثہ شوقِ دیدار اور خواہش زیارت مدینہ منورہ شامل ہیں۔ جب کہ چند ثانوی محرکات کے سلسلے میں انھوں نے حاضریٔ مدینہ

کی کیفیات، مقامی اثرات اور عصری حالات، تتبع اور مجلسی محرکات کی نشان دہی کی ہے۔ مجلسی محرکات کے ذیل میں ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ محرکات کی بوقلمونی کے ساتھ اسے معاشری (معاشرتی؟) مفاہمت اور سماجی معاونت کی بھی ضرورت ہے چناں چہ تاریخی تجزیہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ مدحِ رسول ﷺ کے سلسلے میں منعقد ہونے والی محافل نے مدح نگاری کے ذوق کو پختہ تر کیا اور جہاں اِن محافل نے تہذیبی مظہر کی شکل اختیار کی وہاں مدحیہ شاعری کی کمیت دیگر علاقوں سے کئی گنا زیادہ رہی، صوفیا کے مختلف سلسلوں میں تزکیہ نفوس کی تقاریب میں یادِ رسول ﷺ ایک اہم عنصر رہا جس میں عقیدت کا اظہار بھی تھا اور خود سنورنے اور مشابہت کی خواہش اور اُمنگ بھی تھی۔☆۱۱

آگے چل کر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے مدحیہ شاعری کے منابع پر عالمانہ انداز میں بحث کی ہے، اور قرآن حکیم کو اولین حوالہ بتایا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں حضور اکرم ﷺ کے بارے میں جو آیات موجود ہیں ان میں توصیف کے چراغ بھی روشن ہیں۔ ڈاکٹر قریشی نے کم و بیش ایک سو اسی حوالوں کے ساتھ قرآن حکیم کو مدحِ رسول ﷺ کا بنیادی ماخذ ثابت کیا ہے۔ دوسرا منبع حدیث رسول ﷺ کو بتایا گیا ہے۔ یہاں بھی ڈاکٹر صاحب نے حوالوں کا دل کش مینار کھڑا کر دیا ہے اور صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع الترمذی، سنن نسائی، سنن ابنِ ماجہ کے علاوہ مسند طیاسی، مسند دارمی، مسند بزار، صحیح ابنِ حبان، معاجم للطبرانی، سنن دار قطنی، مستدرک حاکم، سنن بیہقی، کتاب المصابیح، فردوس للدیلمی، مشکوٰۃ المصابیح سے استنباط و استخراج کرتے ہوئے مصنف نے کہا ہے کہ احادیث کے مجموعے سیرتِ رسول اکرم ﷺ کے تقریباً تمام گوشوں کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ ان میں ذاتِ حضور ﷺ اس طرح نورفشاں ہے کہ مداحین کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو اُن کے فکرِ بلند اور فہمِ رسا کی ضرورت ہے۔☆۱۲

نعت گوئی کا تیسرا منبع کتبِ مغازی و سیر کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس حصے میں ابتدائی سیرت نگاروں عروۃ بن الزبیر بن عوام، ابان بن عثمان، وھب بن منبہ، عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری اور شرجیل بن سعد (جن کا شمار تابعین میں ہوتا ہے) کے علاوہ امام محمد بن مسلم کی واقدی البلاذری، ابنِ جریر الطبری کے بعد موسیٰ بن عقبی الاسدی المدنی، ابوعروۃ معمر بن راشد الازدی، ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن یسار، ابنِ ہشام، ابنِ سعد، حافظ ابوسعید النیشا پوری، ابنِ حزم، حافظ ابوعمر یوسف القرطبی، ابوالقاسم، عبدالرحمٰن السھیلی، حافظ عبدالرحمٰن الدمیاطی، ابنِ سیّد الناس، ابن قیم، علاؤالدین المغلطائی، حافظ ابنِ کثیر، الشہاب احمد بن اسماعیل الاشیطی، الشافعی، ابراہیم بن محمد البرہان الحلبی، شمس الدین الشامی، نورالدین علی بن برہان الدین الحلبی، السید احمد زینی الدحلان، امام محمد بن عیسیٰ الترمذی،

القاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی الاندلسی، امام ابوالفضل جلال الدین بن ابی بکر السیوطی، شیخ شہاب الدین احمد بن محمد ابی بکر الخطیب القسطلانی، محمد بن عبدالباقی، الزرقانی، یوسف بن اسماعیل النبہانی، امام احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، احمد بن ابی یعقوب بن واضح الیعقوبی، امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، ابن الاثیر الجزری، ابوالفدا اسماعیل بن علی، حافظ اسماعیل بن عمر، عماد الدین، ابوالفلاء، ابن خلدن کا بالاختصار ذکر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کامیاب اور مبارک سعی کی ہے کہ مداحین مصطفےٰ نے ان کتب سے بھی مدحت کی تحریک اور رہنمائی حاصل کی۔

پہلے باب کے آخر پر مدح کے فن پر مدلل بحث کی ہے۔ اس میں اغراض شعر کو نسیب، فخر، مدح، رثا، ہجا، اعتذار اور وصف میں بانٹنے کی بات کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مختلف مدحیہ اصناف مثلاً قصیدہ، قطعہ، معارضات، تضمین، (تشطیر، تخمیس، تسدیس، تسبیع، تعشیر) رباعی، موشح، کا تعارف کرانے کے بعد بحروں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان بحور میں بحر رجز، بحر کامل، بحر طویل، بحر بسیط شامل ہیں۔ اس باب کے آخر پر ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے ایک اہم سوال کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر ''فحول شعرا'' مدحِ پیغمبر ﷺ سے گریزاں کیوں رہے۔ اس سوال کا جواب ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا درست ادراک ہر کسی کے بس میں نہیں۔ اس کے لیے قلبی تعلق، روحانی رابطہ اور شریعتِ مطہرہ کی محبت درکار ہے۔ اظہارِ عقیدت کے لیے قوتِ اظہار کی صلاحیت ہونا بنیادی شرط ہے۔ اسے ملکۂ شعر کہا جاتا ہے مگر اس کی (کے؟) ساتھ خیالات کا تزکیہ، اعمال کا تقویٰ اور خیالات و میلانات کا توازن بھی ضروری ہے اور مدح رسالت ﷺ میں یہی مشکل ترین مرحلہ ہے۔ یہاں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ آخر 'فحول شعرا' مدح پیغمبر ﷺ سے گریزاں کیوں رہے، اُن کے ہاں شعر کہنے کی صلاحیت بدرجہ احسن موجود تھی۔ وجہ یہ تھی کہ یہ صلاحیت تو مدح کے مشتملات میں صرف ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے لیے اور بہت کچھ چاہیے تھا جو انھیں نصیب نہ تھا۔ درحقیقت جو چیز انھیں اس نعمت سے محروم رکھے ہوئے تھی وہ ان کا شعری رویہ تھا، یہ تذکرۂ صداقت ہے اور اُن کے ہاں 'اصدق الشعرا کذبہ' کی حکمرانی تھی۔ ☆۱۳

دوسرے باب میں شعر و شاعری کی حیثیت کو موضوع بنایا گیا ہے، اور اسے چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ الشعر فی رای النبی ﷺ		۲۔ موافق روایات
۳۔ غیر موافق روایات		۴۔ مدح اور مدیح

۵۔ قدیم عربی روایات ۶۔ اسلامی تعلیمات

اوّل الذکر میں ڈاکٹر صاحب نے ادب کو دو وسیع خانوں (نثر اور نظم) میں تقسیم کرنے کی بات کرتے ہوئے شعر کیا ہے؟ کا سوال اُٹھایا ہے۔ مختلف علمائے ادب کی آرا کی روشنی میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ قرآن و احادیث نبوی سے بھی رہنمائی لی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں شاعری کی مذمت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا موقف ہے کہ قرآن مجید کی وہ آیات... درحقیقت شعر کی مذمت میں وارد نہیں ہوئیں بلکہ اس قوتِ اظہار کو درست روش اور طریق کا پابند کر کے اس فطری صلاحیت کو انسانیت کے لیے کارآمد بنانا چاہتی ہیں۔ ذوقِ شعری انسان کی قوتِ گویائی کا حسین پرتو ہے، اور اسلام دینِ فطرت ہونے کے ناطے سے اس سے صرفِ نظر نہیں کرتا، اس لیے اسلامی تعلیمات نے کہیں بھی شعر کو بحیثیت شعر قابلِ نفرت نہیں گردانا بلکہ اس پیکرِ جمیل کے حسین مضامین کے انتخاب پر زور دیا ہے۔☆۱۴

اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے مدح کے لغوی معانی پر بھی بحث کی ہے، اور مدح اور حمد کی حدود کا تعین کیا ہے یہ حصہ خاصا دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ آگے چل کر مصنف نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مدح نگاری اور اس کے جواز پر مختصر مگر مدلل بحث کی ہے۔ اس ضمن میں ابتدائی سطور یہاں نقل کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اسلامی تعلیمات اپنی عمومی روش اعتدال کے ساتھ مدح نگاری میں جلوہ ریز ہیں۔ مدح نگاری ایک انفعالی عمل کا فعالی اظہار ہے، اس لیے مدح نگار بہ یک وقت تاثر پذیر بھی ہوتا ہے اور تاثر آفرین بھی۔ وہ ممدوح کی شخصیت سے مترشح ہونے والی صفات کو قبول کرتا ہے۔ اس دو گونہ عمل میں اگر کسی ایک کی تہذیب و تنقیح مناسب نہ ہو سکے تو نتیجہ غیر تسلی بخش نکلتا ہے۔ اس لیے مدح نگار کی تاثر پذیری کی اصلاح بھی ضروری ہے، اور اس کے اندرونی جذبات کے اظہار کی تہذیب بھی درکار ہے۔ اسلام طرفین کی اصلاح کا ضامن بنتا ہے تاکہ کسی بھی پہلو غیر صالح خیالات پرورش نہ پا سکیں۔☆۱۵

تیسرا باب المدائح النبویہ ہے۔ اسے سات ضمنی مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ ابتدائی مدح نگار ۲۔ صحابہ کرام کے عہد میں
۳۔ اموی و عباسی عہد میں ۴۔ سقوط بغداد کے بعد
۵۔ اندلس میں ۶۔ دور جدید
۷۔ ایران میں

سب سے پہلے آمدِ اسلام سے پہلے کے کلام پر نگاہ دوڑائی گئی ہے، جس میں حضور کی آمد کا ذکر ملتا ہے۔ دوسرے حصے میں صحابہ کرام کی مدح نگاری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت العباس بن مرداس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن الزبعریٰ رضی اللہ عنہ اور النابغۃ الجعدی رضی اللہ عنہ کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں خلفائے راشدین اور ستر کے قریب دوسرے صحابہ کرام کا (ان کے مدحیہ اشعار) ذکر کیا گیا ہے۔ بعدازاں تقریباً ایک درجن خواتین کا حوالہ اور ان کے اشعار بھی تذکرے کا حصہ ہیں۔ ان میں آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لختِ جگر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔ تیسرے حصے میں اموی اور عباسی، ادوارِ حکومت کے نعت گو شعرا کے فکروفن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ابتدائی سطور کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اموی و عباسی عہد میں مدح نگاری پر کماحقہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس کا سبب سیاسی گروہ بندیاں، مذہبی فرقہ بندیاں، ہوسِ زر، دین سے بیزاری اور قدیم شعری روایت کے اثرات بتائے گئے ہیں۔ چند مدح نگاروں کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، ابو العتاہیہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ سقوطِ بغداد کے بعد کے مدح نگاروں میں حضرت امام بوصیری رضی اللہ عنہ کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اُندلس کو اسلامی تاریخ میں خاص مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اندلس کی دینی شاعری کے چھ نمایاں خدوخال بیان کرنے کے بعد ابنِ حبیب، ابن حزم، ابنِ جبیر، ابنِ عربی، ابن الحیان، حجاج بن یوسف سمیت بعض دوسرے شعرا کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے۔

اس باب کے چھٹے حصے (دورِ جدید) میں اموی اور عباسی ادوارِ حکومت کے بعد ملتِ اسلامیہ پر اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر تک سقوطِ بغداد کا عطا کردہ اضمحلال اپنی انتہا کو پہنچا، منتشر حکومتیں اور دست وگریباں سلطنتیں یورپ کی صنعتی یلغار کے سامنے سپر انداز ہوگئیں، عثمانی سلطنت، ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ تھی، عالمِ عرب پر اس کی حکومت تھی مگر سلطنتِ عباسیہ کے ایامِ زوال کی طرح اس کی حیثیت بھی ایک متبرک وجود کی تھی جس کا احترام تو کیا جاتا ہے مگر جس کے احکام کی تعمیل نہیں کی جاتی۔ ☆☆۱۶

مسلم تہذیب و ثقافت پر یورپی معاشرت کے اثرات سے فکرو خیال کو نئی راہیں تلاش کرنے کی تحریک ملی۔ مسلمانوں کی حکومتیں غیروں کے تسلط کا شکار ہونا شروع ہوگئیں۔ اس پُر آشوب دور پر نگاہ دوڑانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ تیرھویں صدی آخر یا چودھویں صدی کی ابتدا میں عربی ادب پر شباب لوٹ آیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے عروج و زوال کے اس عہد کو چار شقوں میں بیان کیا ہے۔

اس طرح ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب بھی قوم کو سہارا درکار ہوا یا جب بھی کچھ کرنے کی فعالیت نے اکسایا جب کوئی مقصد مطمحِ نظر بنا تو نعتیہ ادب نے قومی احتیاج کے ان ایام میں قوم کو ذہنی وابستگی اور اعتمادِ نفس عطا کیا۔ دو صدیوں پر محیط اس مدحیہ ادب کے نمایاں خصائص کا جائزہ لیا جائے تو بقول ڈاکٹر صاحب چند بنیادی حقائق کی نشان دہی ہوتی ہے جو یہ ہیں:

۱۔ اس دور کے ابتدائی مدح نگاروں میں قدیم رنگ قائم رہا، بحورو اوزان اسلوب و انداز میں قدیم عربی شاعری کو معیار بنائے رکھا گیا۔ مدح کے مشتملات میں امام بوصیریؒ کا تتبع کیا گیا۔ عبدالحلیم اللوجی سے عمر آفندی تک روایتی انداز کی شاعری ملتی ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں معاشرتی پسماندگی اور سیاسی گھٹن کے اثرات ہیں۔

۲۔ البارودی سے شاعری کا آہنگ بلند ہوا مگر اس کے ہاں بھی روایت پسندی اور امام بوصیری کا تتبع واضح ہے۔ نظمِ مسلسل کے انداز میں سیرتِ رسول ﷺ کو شعر کا قالب مہیا کرنا، تذکارِ سیرت کے ساتھ ساتھ اس خواہش کا بھی اظہار تھا کہ اس پاکیزہ سیرت کو جزوِ زندگی بنایا جائے، اب منظوم سیرت صرف معلومات نہ تھی بلکہ اس میں قلبی واردات اور ذہنی تعلق بھی نمایاں تھا۔

۳۔ مدح نگار کے مقاصد میں قومی اصلاح کا پہلو بھی شامل ہوگیا تھا، شاعر صرف ایک فرد کی حیثیت سے حاضر دربار نہ تھا۔ قوم کا نمائندہ بن کر عرض گزار ہوتا تھا۔ مسلم قوم کی عظمتِ گزشتہ کے حوالے اور مستقبل میں ایسی عظمت و شوکت کی خواہش بھی موضوعِ گفتگو تھی۔

۴۔ یورپی اثرات کے تحت عیسائیت کی تبلیغ مسلمانوں کے لیے چیلنج بن چکی تھی۔ اس لیے عیسائی نظریات کا ذکر بھی بار بار کیا جاتا تھا۔ علامہ النبہانی کے ہاں عیسائی یلغار کے خلاف خاصے معاندانہ جذبات ملتے ہیں۔

۵۔ جدید علوم اور اشتراکی فلسفہ نے ''مساوات رزق کا تصور دیا تھا۔'' ہر مسلمان شاعر اس سے متاثر

ہوا اس کے ردِ عمل میں مدح نگار اسلامی تعلیمات کے اِن پہلوؤں اور سیرتِ رسول ﷺ کے ان گوشوں کی نشان دہی کررہے تھے جن میں اس مساوات کی اعلیٰ ترین مثالیں موجود ہیں۔ مدح کے مضامین میں معاشی راہنمائی کے اصول شامل ہوئے اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے اسوۂ رسول ﷺ سے خوشہ چینی کی گئی۔ احمد شوقی اس کے ہم عصر شعرا میں معاشی اور معاشرتی پہلو کا ذکر بڑا واضح ہے۔

۶۔ جدوجہدِ آزادی کے لیے قومی نغمے لکھے گئے۔ ان ترانوں اور نغموں میں ذاتِ رسول ﷺ کا ذکر کیا گیا۔ آپ کی ذات کے حوالے سے قوم کو حوصلہ اور میدانِ عمل میں نکلنے کا مشورہ دیا گیا۔ فلسطین پر غاصبانہ قبضے کے خلاف کئی ایسی نظمیں لکھی گئیں ''تلامیذ محمد'' ایک ایسی ہی نظم اور ترانہ ہے۔

۷۔ اسلامی تعلیمات اور سیرتِ رسول ﷺ پر یورپ کے علما کی طرف سے بعض اعتراضات کیے گئے تاکہ شکوک وشبہات کی فضا پیدا ہو، مسلمان علماء نے ان کے مؤثر جواب دیے۔ شعرا نے بھی اپنا فرض ادا کیا اور کبھی اشارۃً اور کبھی صراحۃً اُن کے دلائل کا رد کیا، غزوات پر اعتراض کو احمد شوقی نے بڑی مہارت سے رد کیا۔

۸۔ اسلوب کلام میں بھی بعض تبدیلیاں آئیں۔ ڈرامہ مقبول ہوتا جارہا تھا۔ اس لیے شعرا نے بعض مدحیہ نظمیں ڈرامائی اسلوب میں تحریر کیں۔ احمد محرم نے اس انداز میں خوب صورت نگارشات چھوڑی ہیں۔

الغرض دورِ جدید میں مدحیہ شاعری وقتی تقاضوں کو اپنے قالب میں سمونے میں کامیاب رہی۔ جدوجہدِ آزادی ہو یا قومی اصلاح کی کوئی خواہش، نظمِ حکومت کے مسائل ہوں یا معاشی مساوات کے نظریاتی اساس پر حملہ ہو، یا طریقِ عمل پر، مدحیہ شاعری نے تمام موضوعات اور قوم کی خواہشات کی عمدہ طریق سے ترجمانی کی۔☆۱۷

ایران میں مدح نگاری کو ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے ایرانیوں کے عربوں سے قدیم روابط کے تناظر میں دیکھا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں چودہ ہجری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر نے ایرانی جمعیت کو شکست دی۔ قادسیہ کے میدان میں ایرانی قوت وشوکت کا خواب بکھر گیا۔☆۱۸

ایران کے جن مدح نگاروں کا ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا ہے ان میں حافظ شیرازی،

خاقانی، مولانا رومی، سعدی شیرازی، خواجہ محمد پارسا، ابوالعلی الحسن الغزنوی، مولانا جامی، مولانا معین کاشفی، مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی اور قاآنی شامل ہیں۔ ایران میں اس عہد میں عربی شعرا کیوں سامنے نہ آپائے؟ اس کے اسباب ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں: عربی شاعری کے اثرات فارسی پر بتدریج پڑتے رہے مگر ایک وقت آیا کہ فارسی کو سطوت حاصل ہوئی اور عربی ایران سے پسپائی اختیار کرگئی۔ ایرانیوں نے عربی کو اپنے مذاق کے مطابق ڈھال لیا تھا اور یہی اثر برصغیر میں آیا۔ اس لیے برصغیر کی عربی شاعری پر بھی مقامی اثرات مرتب ہوئے، اور شاعری کا لب ولہجہ عجمی اسلوب سے قریب تر رہا جو عربوں کے لیے قدرے غیر مانوس تھا۔ اسی لیے عربوں کے ہاں ایرانی اور برصغیر کے شعرا کو وہ پذیرائی نہ ملی جس کے یہ مستحق تھے۔☆۱۹

اگلے باب (چوتھے باب) میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے عرب اور برصغیر پاک و ہند کے تعلقات کا محققانہ جائزہ لیا ہے۔ اس باب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ باب زیادہ طویل نہیں ہے مگر مصنف نے اپنے مدلل بیان کی بدولت اس کی اہمیت کو دو چند کر دیا ہے۔ ابتدائی خدوخال کے تحت ڈاکٹر صاحب نے انسانی فطرت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ جس سے ذہنی تعلق اور قلبی رابطہ ہو اس کا ذکر اچھا لگتا ہے، اور زبان پر ایسے کلمات آتے ہیں کہ جن کے بین السطور اسی کا ذکر ہوتا ہے۔ عربوں کا ہند سے اتنا قریبی تعلق تھا کہ گفتگو میں اکثر ہند کا حوالہ مل جاتا ہے یہاں تک کہ آں حضرت ﷺ نے متعدد بار ہند کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔☆۲۰ ڈاکٹر صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی برصغیر آمد کا ذکر بھی کیا ہے۔ بعد ازاں محمد بن قاسم اور فتح سندھ پر بات کی ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں عرب و ہند کے تہذیبی و معاشرتی تعلقات پر بحث کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں عرب اور برصغیر پاک و ہند کے تعلقات کے ذیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محمد بن قاسم کی ہندوستان میں آمد اور فتح سندھ کا جائزہ لیا گیا۔ اس حصہ میں مصنف نے عربوں کی برصغیر میں آمد اور اس کے نتائج و ثمرات کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ مقامی لوگوں نے مذہبی، سیاسی، ادبی لحاظ سے گہرے اثرات قبول کیے۔ اس باب کے دوسرے حصہ میں عرب و ہند کے تہذیبی و معاشرتی تعلقات کے ضمن میں ان امور کا جائزہ لیا گیا ہے کہ عربی زبان وادب پر ہندی، اور برصغیر کی زبانوں پر عربی کے اثرات کس قدر اور کتنے گہرے تھے۔ علاوہ ازیں یہاں کے علماء و ادباء کی خدمات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ اس باب کے تیسرے حصہ میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے برصغیر کی عربی شاعری اس کی خصوصیات اور خدوخال کا تعارف کرایا ہے۔ پیش رو شعرا میں سے محمد بن قاسم،

ہارون بن موسیٰ ملتانی، ابو عطاء السندی، ابو ضلع السندھی، کشاجم السندھی، البیرونی، عطا بن یعقوب الغزنوی، مسعود سعد سلیمان کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

پانچویں باب میں سلاطین کے دور میں المدائح النبویہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں سیاسی و معاشرتی کوائف، صوفیا کرام علماء کرام، چند استخراجات، مدح نگار اور عمومی جائزہ کے عناوین قائم کیے گئے ہیں۔

چھٹا باب بھی پانچویں باب کا تسلسل ہے۔ چھٹے باب میں مغلیہ دورِ حکومت میں موجود علمائے کرام اور صوفیا عظام کی نعتوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں مغلوں کے دورِ عروج اور دورِ زوال دونوں کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔ اس باب کے آخر میں مولانا آزاد بلگرامی کے طویل ذکر کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ سید آزاد بلگرامی برصغیر کی عربی نعتیہ شاعری کے وہ گل سرسبد ہیں کہ جن کو برصغیر پاک و ہند کا سب سے بڑا عربی شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔[۲۱]

ساتویں باب میں دورِ جدید کے عربی نعت گو شعرا اور علما کی خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

آٹھویں یعنی آخری باب میں برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعروں کا مجموعی جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مضامینِ مدح کے تدریجی سفر، عربی نعتوں پر مقامی (ہندی) اثرات، لب ولہجہ اور اوزان و بحور وغیرہ کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

حرفِ آخر کے عنوان کے تحت مصنف نے اس کتاب میں اُٹھائے گئے اہم نکات اور موضوعات کی جانب اشارات کیے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری لکھتے ہیں کہ مقالہ... میں نعت کے تمام گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اور اس کے معانی اور مبانی کے تنوع کا استقصاء کیا گیا ہے۔ مختلف ادوار میں نعتیہ شاعری میں مقام و مرتبہ معاشرتی پس منظر کے حوالے سے متعین کیا گیا ہے۔ ممتاز نعت گو شخصیات کا مختصر تذکرہ اور اُن کی عربی نعتیہ شاعری کا عہد بہ عہد جائزہ لیا گیا ہے۔ عرب دنیا کی مدحیہ شاعری کی مستند روایات کے تقابلی جائزے سے برصغیر کے مداحین کا درجہ متحقق کرنے کی سعی بلیغ کی گئی ہے۔ مدح النبی ﷺ کی بدولت درونی انقلاب کی مختلف تحریکوں کا بے لاگ جائزہ، سلاطین و امراء کے رویوں کا محاسبہ اور علاقائی و مقامی اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خالص فنی نوعیت کے مباحث نوکِ قلم پر لائے گئے ہیں اور سب سے بڑھ کر نفس مدح کا ادبی و علمی مقام متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مصنف نے مستند مصادر و مراجع سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور کوئی بات ظن و تخمین سے نہیں لکھی۔ اس تحقیقی نگارش میں ۳۴۵۰ سے زائد حوالے اور حواشی موجود ہیں۔☆۲۲

ڈاکٹر محمد اسحق قریشی نے جن دو موضوعات کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا وہ سیرت رسول ﷺ اور تصوف ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے حمد و نعت کے حوالے سے بھی گراں قدر اور عالمانہ شان کے حامل مضامین قلم بند کیے ہیں۔

سیرت سرور سروراں ﷺ کے ذیل میں ڈاکٹر محمد اسحق قریشی نے ''حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی'' کے نام سے ایک وقیع کتاب مرتب کی۔ ۵۸۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دراصل ۱۹۹۷ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں منعقدہ کل پاکستان سیرت کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات کا مجموعہ ہے۔ کتاب کو چار عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

☆حضور اکرم ﷺ اور رواداری
☆حضور اکرم ﷺ اور معاشی تحفظ
☆حضور اکرم ﷺ اور معاشرتی استحکام
☆حضور اکرم ﷺ اور نظام تعلیم

پہلے حصے میں راجہ محمد ظفر الحق، صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی، صاحب زادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالغنی شیخ، ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء، ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، ڈاکٹر قبلہ ایاز، ڈاکٹر حسنین نقوی، جب کہ دوسرے حصے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر غلام خاں نیازی، مولانا مجاہد الحسینی، ڈاکٹر نور الدین جامی، ڈاکٹر محمد شریف سیالوی، ڈاکٹر خالق داد ملک، حافظ محمد شکیل اوج کے مقالات شامل ہیں۔ مؤخر الذکر دو حصوں کو ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر محمد میاں قمر علی زیدی، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، ڈاکٹر حلقط احسان الحق، پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ، ڈاکٹر محمود الحسن عارف، ڈاکٹر وحید الدین اور ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر کے فکر انگیز مقالات سے زینت بخشی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر محمد حسین اقبال کا عربی قصیدہ فی مدح النبی ﷺ شامل ہے۔ ''حرفے چند'' میں مولف ڈاکٹر محمد اسحق قریشی رقم طراز ہیں کہ عصرِ حاضر کا انسان پریشان حال اور درماندہ ہے۔ اُس نے دردر کی گدائی اور خود ساختہ افکار کے خوش کن سرابوں سے بہت دکھ اُٹھائے ہیں۔ مظلوموں کی آہیں بے بسوں کی چیخیں اور ستم رسیدہ انسانوں کے نوحے داد طلب ہیں اور مسیحائی چاہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے اور یقین عملی مظاہر کے بے شمار مظاہر کا حامل ہے کہ انسانیت کے درد کا علاج صرف اور صرف نبی رحمت ﷺ کے دامنِ کرم کے ساتھ وابستگی میں ہے۔ عصرِ حاضر کا انسان اسی عہدِ ہمایوں کی تلاش میں ہے جس میں انسانی تکریم بحال ہو، کسی کا استیصال نہ کر سکے،

کسی کی نہ زبان دراز ہو اور نہ کسی کا ہاتھ، حدود آشنائی اور حق شناسی کردار کا جوہر بنے اور مظلومیت کے سارے بندھن ٹوٹ جائیں۔ ☆☆۲۳

سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے انھوں نے ایک اور کتاب بعنوان ''نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کی روشنی میں احترامِ آدمیت'' ترتیب دی۔ ۵۵۲ صفحات کو محیط یہ ۲۰۰۸ء میں طیب گروپ آف انڈسٹریز فیصل آباد کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ اس کتاب میں موضوع کی مناسبت سے بیس اسکالرز کے بائیس مضامین شامل ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	۲۔ ڈاکٹر محفوظ احمد
۳۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس	۴۔ محمد واصل اویسی
۵۔ پروفیسر محمد یوسف صابر	۶۔ ڈاکٹر سید قمر علی زیدی
۷۔ ڈاکٹر محمد طفیل	۸۔ مولانا محمد صدیقی ہزاروی
۹۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی	۱۰۔ ڈاکٹر محمد حسین آزاد
۱۱۔ پروفیسر قاری محمد اقبال	۱۲۔ محمد اسلم الوری
۱۳۔ محمد اکرم ورک	۱۴۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ صالح
۱۵۔ محمد اکرم ساجد	۱۶۔ قاضی محمد غوث
۱۷۔ پروفیسر شہباز احمد قاضی	۱۸۔ پروفیسر بشیر احمد رضوی
۱۹۔ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج	۲۰۔ ڈاکٹر محمد سجاد

ڈاکٹر اسحٰق قریشی اپنے مضمون میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اتحاد و اتفاق پوری نسلِ انسانی کا مقصود ہو یا ملتِ اسلامیہ کے افراد کے درمیان یہ یک جہتی مطلوب ہو۔ اس کے لیے بنیادی اساس تو نظریاتی اتحاد ہے کہ دراصل یہی ہم خیالی نسلِ انسانی کے اتحاد کی کفالت کر سکتی ہے۔ یہ اساس بین المذاہب مکالمے اور بین الممالک تعاون کی، مسلم ملت تو اس مشترک اساس کو اسی روز تسلیم کر لیتی ہے جب اسلام کو اپنا دین قرار دیتی ہے۔ کلمۂ توحید کا اعلان دراصل یک رنگی کا اعتراف ہے۔ ☆☆۲۴

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی شروع سے مصطفائی معاشرہ کے قیام کے لیے علمی کوششوں میں مصروف رہے ہیں۔ اس ذیل میں انھوں نے ''سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مصطفائی معاشرہ کی تشکیل'' کے نام سے معاصر اہلِ قلم اور اربابِ دانش کے وقیع مقالات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دی۔ ۲۴۷ صفحات پر یہ کتاب مرکزِ تحقیق، فیصل آباد کے زیرِ اہتمام منصۂ شہود پر آئی۔ سال اشاعت

درج نہیں ہے۔ پیش لفظ میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں کہ۔۔۔ یہ یقین ہر ایمان والے میں ودیعت ہے کہ اسلام ہر دور کے تقاضوں کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ یقین ہی پرورشِ خیر کا محرک اور اصلاحِ احوال کا ضامن ہے۔ ضرورت اس پر عمل کرنے اور اس کو بروئے کار لانے کی ہے یہ تب ہی ممکن ہوگا جب ماخذ تک رسائی کا ولولہ اور استخراج کی صلاحیت کی قوت نمایاں ہوگی۔☆☆

اس کتاب میں شامل مقالات میں یہی پیغام ملتا ہے اور اسی مقصد کے تحت یہ کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں جن صاحبانِ فکر و نظر کے مضامین شامل ہیں اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	۲۔ مولانا محمد صدیق ہزاروی	۳۔ راجا رشید محمود
۴۔ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج	۵۔ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری	۶۔ ڈاکٹر محمد شریف سیالوی
۷۔ ڈاکٹر خالق داد ملک	۸۔ ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	۹۔ پروفیسر منظور حسین سیالوی
۱۰۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس	۱۱۔ پروفیسر قاری محمد اقبال	۱۲۔ پروفیسر محمد جی، اے حق
۱۳۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی	۱۴۔ پروفیسر سعید احمد	۱۵۔ پروفیسر حافظ افتخار احمد خاں
۱۶۔ پروفیسر شہباز احمد چشتی	۱۷۔ ڈاکٹر قمر علی زیدی	۱۸۔ ڈاکٹر محمد حسین آزاد
۱۹۔ ڈاکٹر محفوظ احمد	۲۰۔ ڈاکٹر سید محمد سلطانی شاہ	

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی ایک اور کتاب ''بہارِ چشت'' ہے یہ کتاب خواجہ محمد یار (ٹرسٹ) پاکستان گڑھی شریف، تحصیل خان پور، ضلع رحیم یار خان کے زیرِ اہتمام ۲۰۰۹ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ کتاب کا انتساب حضرت خواجہ محمد یار فرید علیہ الرحمتہ کے لختِ جگر اور حضرت خواجہ غلام قطب الدین فریدی کے والد گرامی حضرت خواجہ غلام نازک کریم علیہ الرحمتہ کے نام ہے۔ یہ کتاب تصوف کے اساسی تصورات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب علی الخصوص نعتیہ شاعری کے موضوعات سے بھی بحث کرتی ہے۔ یہ کتاب، مصنف کی وسعتِ مطالعہ کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی لطافتوں اور خوبیوں کے حوالے سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک تصوف اگر تزکیہ نفوس کی تحریک ہے تو اسے ہر حال میں مادی آلائشوں سے پاک رہنا چاہیے۔ وہ اسے حدیث جبریل علیہ السلام کے مصداق، تلاشِ احسن کا سفر بتاتے ہیں۔ تاہم وہ اس بات پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہر کارِ خیر کو یونان، ہندیا مغرب کی خیرات قرار دینے والے اس کی لغوی ترکیب پر بھی کئی رائیں قائم کر چکے ہیں اور اس میں

عناصر خیر کو کسی غیر اسلامی تحریک کا چربہ تسلیم کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اصطلاحات کو یوں منسوب کر کے محدود کرنے کی روش کو غیر علمی خیال کرتے ہیں۔ انھوں نے واضح طور پر بتایا ہے کہ تصوف کی یہ اصطلاحی ترکیب یونان سے تعلق سے پہلے ہی وجود میں آچکی تھی۔

اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے تصوف کے حوالے سے ارشادات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے اقوال کے تناظر میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کہتے ہیں کہ تصوف کوئی درآمد کی گئی جنسِ علم و عمل نہیں، یہ خالصتاً اسلامی تعلیمات سے ترتیب پایا ہوا۔ طریقۂ عبادت ہے جو انسان کے باطن کو مصفّٰی کرتا ہے اور ظاہر کو مہذب بناتا ہے۔ صوفی معاشرے کا وہ برگزیدہ فرد ہوتا ہے جس کی ہر ادا سے شریعتِ اسلامیہ کا حسن آشکار ہوتا ہے اور جس کا وجود انسانی معاشرے کی تطہیر کے عمل کو خیر و برکت عطا کرتا ہے۔☆۲۶

یہاں ڈاکٹر صاحب نے اپنے والد گرامی حضرت محمد بشیر الحق صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے جو بقولِ ڈاکٹر صاحب تربیتِ اولاد میں ہمہ جہت باخبری کو تربیت کا بنیادی عنصر گردانتے تھے۔ اس لیے عملی نمونہ بن کر بھی اخلاقی منزلت کی راہ دکھاتے تھے اور بزرگانِ دین کے رویوں کے ذکر کو بھی کسبِ فیض کے لیے تربیت کی اساس بناتے تھے۔☆۲۷

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب میں پہلا مضمون نبی آخر الزماں ﷺ کے حوالے سے لکھا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ سلاسلِ تصوف کا مرکز وحید اور وجود اساسی حضور اکرم ﷺ کا وجود ہی ہے۔ تاہم اس سے پہلے تمہیدی گفتگو میں مختلف بزرگوں کا تصوف کے اہم ارکان کے طور پر ذکر کیا ہے۔

بہارِ چشت میں محبوبِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے بعد جن بزرگانِ دین اور صوفیا کا مفصل یا مختصر ذکر کیا ہے ان میں حضرت علی بن ابی طالب (ص ۴۶ تا ۵۱)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۵۲ تا ۵۴) حضرت خواجہ حسن البصری رحمتہ اللہ علیہ (۵۵ تا ۵۶) حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ علیہ (۵۷) حضرت خواجہ ابوالفیض فُضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ (۵۸ تا ۵۹) حضرت سلطان ابراہیم ادہم بلخی رحمتہ اللہ علیہ (۶۰ تا ۶۲) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی رحمتہ اللہ علیہ (۶۳ تا ۶۴) حضرت خواجہ امین الدین، ابی ہبیرۃ بصری رحمتہ اللہ علیہ (۶۵) حضرت خواجہ ممشاد علود ینوری رحمتہ اللہ علیہ (۶۶ تا ۶۷) حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۶۸ تا ۶۹) حضرت خواجہ ابواحمد ابدال بن فرسنافہ چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۷۰) حضرت خواجہ محمد بن ابی احمد رحمتہ اللہ علیہ (۷۱) حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف

چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۷۲ تا ۷۳) حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۷۴ تا ۷۵) حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۷۶) حضرت خواجہ عثمانی ہارونی رحمتہ اللہ علیہ (۷۷) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ (۷۸ تا ۸۲) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کا کی رحمتہ اللہ علیہ (۸۳ تا ۸۶) حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ (۸۷ تا ۹۲) حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بدایوانی رحمتہ اللہ علیہ (۹۳ تا ۱۰۰) حضرت نصیر الدین محمود اودھی المعروف بہ چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۱ تا ۱۰۶) حضرت شیخ کمال الحق والدین علامہ رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۷ تا ۱۰۸) حضرت شیخ سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ (۱۰۹) حضرت خواجہ علم الدین رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۰) حضرت خواجہ محمود راجن رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۱ تا ۱۱۲) حضرت شیخ جمال الدین چمن رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۳) حضرت شیخ حسن محمد رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۴) حضرت شیخ محمد رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۵) حضرت خواجہ شیخ یحیٰی مدنی رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۶) حضرت خواجہ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ (۱۱۷ تا ۱۱۹) حضرت خواجہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۰ تا ۱۲۱) حضرت خواجہ مولانا محمد فخر الدین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ۱۲۲ تا ۱۲۶) حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمتہ اللہ علیہ (۱۲۷ ار ۱۳۳) حضرت قاضی محمد عاقل رحمتہ اللہ علیہ (۱۳۴ تا ۱۳۶) حضرت خواجہ غلام فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ (۱۳۷) حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ (۱۳۸ تا ۱۴۲) حضرت خواجہ محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ (۱۴۳) حضرت خواجہ محمد معین الدین رحمتہ اللہ علیہ (۱۴۴ تا ۱۴۵) حضرت خواجہ محمد یار فریدی (۱۴۶ تا ۲۷۴) حضرت خواجہ غلام نازک کریم رحمتہ اللہ علیہ (۲۷۵ تا ۲۸۰)۔

اس کتاب میں بقیدِ حیات واحد شخصیت حضرت خواجہ غلام قطب الدین فریدی مدظلہ کا ذکر بھی موجود ہے۔ موصوف حضرت خواجہ غلام نازک کریم رحمتہ اللہ علیہ کے صاحب زادے اور حضرت خواجہ محمد یار فریدی رحمتہ اللہ علیہ گڑھی شریف ضلع رحیم یار خاں کے پوتے ہیں۔ اس کتاب کا سب سے طویل مضمون خواجہ محمد یار فریدی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی لکھا گیا ہے۔ خواجہ صاحب ۱۳۰۰ ہجری ۱۸۸۱ عیسوی میں پیدا ہوئے آپ کے والد گرامی کا اسم گرامی خواجہ عبدالکریم تھا۔ خواجہ محمد یار فریدی ۷ ۱۳۶ھ/ ۱۹۴۸ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ خواجہ صاحب عالم باعمل، واعظ اور عمدہ شاعر تھے۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے اپنے اس مضمون میں شاعرِ نعت ماہ نامہ ''نعت'' لاہور کے مدیر راجا رشید محمود کی ایک رائے نقل کی ہے۔ جس میں خواجہ صاحب کی بحیثیت واعظ تعریف کی گئی ہے۔ راجا رشید محمود لکھتے ہیں کہ: جن لوگوں نے حضرت قبلہ محمد یار فریدی قدس سرہ السامی کی تقاریر سنی ہیں وہ

زبان کے جادو کے مفہوم سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ مخالفین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ ان کے حضور سننے والوں کو سرِ نیاز خم ہو کر رہتے تھے۔☆۲۸

آگے چل کر ممتاز نعت گو شاعر بشیر حسین ناظم کا حوالہ بھی دیا گیا ہے کہ حضرت محمد یار بندۂ احمد مختار (ﷺ) کو بھی مبداء فیاض نے شیریں زبانی اور رنگین بیانی کے بے بہا جوہر عطا کیے ہوئے تھے اور سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضوری کا شرف حاصل ہوا تھا۔ خواجگانِ چشت کی فیاضیوں نے حضرت خواجہ محمد یار رحمتہ اللہ علیہ میں سینکڑوں خوبیاں پیدا کردی تھیں۔ جن میں سے خوبیِ سوز و گداز بر ذروہ معراج تھی۔ وہ بولتے تو سامعین کے دلوں کو برف کی طرح پگھلا دیتے تھے، احجار کو پھول بنا دیتے تھے، سنگ کو خاصیتِ موم بخش دیتے تھے اور بعض دفعہ بے زبانی زبان بن جاتی تو لوگ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتے۔"☆۲۹

اس مضمون میں تحریکِ حصول پا[کستان] کے لیے خواجہ محمد یار فریدی کی خدمات کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ جنھیں بنارس سنی کانفرنس کے بعد پوری سرائیکی بیلٹ میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے فرائض سونپے گئے۔ آپ نے صرف سرائیکی بیلٹ میں ہی نہیں تحریکِ پاکستان و تشکیل پاکستان کے لیے کام کیا بلکہ حضرت مولانا محمد بخش مسلم رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ پنجاب کے اضلاع جہاں یونینسٹ پارٹی کا اثر و رسوخ تھا، میں بھی کامیاب دورے کیے اور انگریز کی ٹوڈی پارٹی کا طلسم وسحر اچھی طرح توڑا۔☆۳۰ خواجہ محمد یار فریدی رحمتہ اللہ علیہ، ایک شاعر کی حیثیت سے کے ذیلی عنوان کے تحت ڈاکٹر صاحب نے اپنے ممدوح کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی رائے میں خواجہ محمد یار فریدی رحمتہ اللہ علیہ کثیر الجہت شاعر تھے۔ ان کی شاعری موضوع و ہیئت کے اعتبار سے بڑی متنوع ہے اگرچہ ہر مظہر ایک ہی وجود کی نشان دہی کرتا ہے۔ آپ ایک واعظ بھی تھے۔ جن کے حلقہ وعظ میں لوگ سانس روک لیتے تھے کہ تاثر تحلیل نہ ہو جائے۔ آپ صوفی تھے کہ صوفیا کا سا وقار رکھتے تھے، گفتگو میں ادبی حوالہ بھی تھا اور عشق و مستی کا وفور بھی، آپ کا دیوان جسے آپ نے "دیوانِ محمدی" قرار دیا ہے، ادب وجذب کا حسین پیکر ہے۔ "دیوانِ محمدی" میں تقریباً انیس سو اشعار ہیں جن کی ہیئتی حیثیت بڑی متنوع ہے مگر ان میں تقریباً نو سو شعر فارسی میں ہیں اس سے "دیوانِ محمدی" میں فارسی کی کارفرمائی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان اشعار میں نعت کے اشعار منقبت، غزل اور تاریخِ وصال کے حوالے سے کہے گئے ہیں۔☆۳۱ "دیوانِ محمدی" میں اُردو اور فارسی کے علاوہ

سرائیکی کلام بھی شامل ہے۔

''بہارِ چشت'' میں شامل آخر مضمون دربار عالیہ گڑھی شرف کے موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ غلام قطب الدین فریدی مدظلہ العالی (ولادت ۱۹۵۳ء) کے حوالے سے ہے۔ خواجہ صاحب عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ ان کا ایک مجموعہ کلام ''بیتابی'' کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔ اس مجموعہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا کہنا ہے کہ 'بیتابی' کا مطالعہ میرے اندر بھی بے تابیوں کا ایک طوفان اُٹھا گیا۔ خانقاہ، مسند نشینی، دست بوسیوں کا ایک سلسلہ، نیاز مندیوں کا ہالہ اور ایسا مجموعہ شعر جو صرف عروضی مشق نہیں اور نہ ہی بے جان حرفوں کی ایک شعوری قطار، حیرت بھی ہوئی اور حوصلہ بھی بڑھا۔ یہ ترحیب کلمات کی ایک کاوش ترکیب جذبات کا ایک مرقع ہے۔ انتخابِ الفاظ میں ایک سلیقہ ہے، تو تدوینِ معانی میں ایک قرینہ، لفظ لفظ باوضو اور باادب ہے، یہ مصرعوں کی پریڈ نہیں، محبت وعقیدت کی ایک صف بندی ہے۔ ہر صفحہ دامنِ دل کھینچتا رہا، اس میں حمد ہے، نعت ہے، منقبت ہے، غزل ہے، عنوان جدا جدا ہیں مگر اول سے آخر تک ایک ہی جذبہ کارفرما ہے۔ صوفیانہ سرمستی کے آثار بھی ہیں اور عالمانہ وقار کے مظاہر بھی ہیں۔ شعر کی حدود کا احساس بھی ہے اور ممدوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بلند منزلت کا شعور بھی ہے۔☆۳۲

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی یہ کتاب (بہارِ چشت) اُن کے تصوف کے بارے میں اُن کے افکارِ عالیہ اور شعر وادب کے بارے میں ان کے وقیع خیالات کی تفہیم کے ذیل میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ انھوں نے مختلف بزرگانِ دین، صوفیائے کرام کی اپنے موضوع سے متعلق آراسے اپنے خیالات کو مدلل بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ممدوحین کے بارے میں لکھتے ہوئے جہاں انھوں نے ان کے افکار و اقوال کی گرہ کشائی کی ہے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب نے اپنے مطالعات و مشاہدات کا ماحصل بھی پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں تصوف اور شعر وادب کی ایسی یک جائی نظر آتی ہے جو اس کی دل کشی میں اضافے کا موجب بنتی ہے اور قاری کی دلچسپی کو بھی دو چند کرتی ہے۔
حضرت خواجہ غلام قطب الدین فریدی سجادہ نشین آستانہ عالیہ گڑھی شریف لکھتے ہیں کہ: ڈاکٹر صاحب کے معیارِ تحقیق اور رفعتِ علمی کا ایک زمانہ معترف ہے۔ الحمدللہ کہ ان کے ذوقِ سلیم نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ کارنامہ انجام دیا جو اس کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔☆۳۳

یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس میں تصوف کی حقیقت اور اصلیت تک پہنچنے میں قاری کی رہنمائی کی گئی ہے۔ مستزاد یہ کہ اسلامی تصوف کا یونانی، ہندی اور مغربی روایات تصوف

سے الگ اپنا ایک تخصص اور تشخص دکھایا گیا ہے اور اس ضمن میں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ بزرگانِ دین کی تعلیمات سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔ جو بات کی گئی ہے دلیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ تصوف انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے، 'بہارِ چشت' میں اس پہلو کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا ہے۔ ''بہارِ چشت'' میں تصوف کے حوالے سے جن سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہیں:

☆تصوف کیا ہے؟ ☆کیا یہ اسلامی معاشرے کا ایک مثمر ہے یا کسی غیر اسلامی معاشرے کے اثرات کا بروز ہے؟ ☆کیا یہ ایک علم ہے یا صرف سماجی رویہ؟ ☆یہ کلمہ کس مادہ کا اشتقاق ہے اور بطور اصطلاح کب وجود میں آیا؟ ☆اسلامی تعلیمات کے حوالے سے اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ ☆اہلِ تصوف جو عموماً صوفیا کہلاتے ہیں کون لوگ ہیں؟ ☆کیا وہ خالصتاً اسلامی فکر کے حامل افراد ہیں یا اُن پر غیر اسلامی عقائد، نظریات اور تصورِ حیات کا غلبہ ہے؟ ☆صوفیا کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ملتِ اسلامیہ کی قوت کی صورت نمودار ہوا یا معاشرہ اسلامی تعلیمات سے انحراف کرنے والوں کے فروغ کا باعث بنا۔ ☆تاریخی تناظر میں اس تحریکِ تصوف کے اثرات کیا رہے ہیں؟

ان سوالات کے جوابات اس کتاب میں مل جاتے ہیں۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نعت میں حضور رحمتِ دوعالم ﷺ کے احترام اور عقیدت کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے حبیب ﷺ کے احترام پر زور دیا ہے۔ شعرائے کرام اِس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں کہ نعت میں ایسا کوئی لفظ نہ برتا جائے جس سے ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی نعت تقدس کے حوالے سے رائے ملاحظہ ہو:

> نعت گو پر لازم ہے کہ وہ جذبات کے سیلِ رواں میں حقائق کو مسخ نہ کرے، دربارِ رسالت کی عظمت کا تصور ذہن نشیں رہے اور شعوری طور پر یہ احساس رہے کہ وہ اس دربار میں قصیدہ خواں ہے جہاں ''جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے'' جو عرش سے نازک تر ہے اور جس کے آداب قرآنی تعلیمات کا حصہ ہیں... الغرض نعت میں شعری لوازم کا خیال اور ذاتِ ممدوح کے مرتبے و مقام کا ادراک نعت کو ادبِ عالیہ میں برتر مقام عطا کرتا ہے۔ نعت ایمان کی جان اور عقیدت کا حوالہ ہے۔ اِس لیے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کی

عظمت کا احساس رہنا چاہیے اور منصبِ رسالت کی بلندیوں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ احترامِ رسالت کے تقاضے نعت کو محبتوں کا گل دستہ اور نجات کا وسیلہ بنا دیتے ہیں۔ یہ عرش سے نازک مقام ہے اس لیے ''ادب'' کا قرینہ چاہیے۔☆۳۳

یہ مضمون ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے تصورِ نعت کو اُجاگر کرتا ہے۔ موصوف نے قرآن حکیم، احادیث نبوی، مفسرین و شارحین اور علمائے کرام کے نعت کے بارے میں خیالات سے استفادہ کرنے اور انھیں اس مضمون کا حوالہ بنا کر اپنے موقف کو مدلل بنانے کی سعی کی ہے اور یہ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا عمومی اسلوب ہے کہ وہ جو بات بھی کرتے اور کہتے ہیں اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے قرآن پاک اور احادیث کے ساتھ ساتھ حوالے کے دوسرے ذرائع کو بھی بروئے کار لاتے ہیں۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ وہ موضوع کے حوالے سے قارئین کو بھرپور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس مضمون میں ایک مقام پر حضرت امیر حسن سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے خواجہ نظام الدین اولیؒا سے شاعری میں مبالغہ آرائی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ایک مشہور کتاب کے حوالے سے جواب ''جھوٹ بولنا گناہ ہے لیکن وہ جھوٹ جو شعر میں بولا جائے، اس میں گناہ نہیں'' اس حوالے سے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ جھوٹ نہیں بلکہ گفتگو میں زور پیدا کرنے اور مفہوم کو واضح کرنے کے لیے چند استعاروں اور کچھ مبالغہ آرائی کا سہارا ہے۔ اس کا استعمال دل نشیں ہو تو یہ قاری کو مسحور کرتا ہے اور حسنِ شعر میں اضافہ کرتا ہے اور اگر استعمال ناقص ہو تو پھر مبالغہ پر کیا موقوف ہے۔ تشبیہ و استعارہ بھی خزف ریزوں کی طرح بدنما لگتے ہیں تو مبالغہ آرائی بھی مستحسن ٹھہرے گی اور مدح بھی بے پایاں ہوگی۔ شریعت مطہرہ کے احکامات مدح سرائی کو وسیع جولاں گاہ مہیا کرتے ہیں جس میں تخیل کو جرأتِ پرواز کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مگر جب قلتِ مطالعہ اور ذاتِ ممدوح کے اوصاف سے بے خبری، فریب خوردگی کا سبب بنتی ہے تو قدم صراطِ مستقیم سے بھٹکنے لگتا ہے اور مبالغہ کا شخصیت کا ایسا مرقع پیش کرتا ہے جس میں توصیف کے بجائے تنقیص کا پہلو نمایاں ہوتا ہے یہ تجاوز عن الحد ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس تجاوز عن الحد کے دو بڑے مظہر بیان کیے ہیں۔

(الف) یہ کہ عقیدت و محبت حدودِ شریعت میں نہیں رہتے اور ممدوحِ خیر البشر کے بجائے فوق البشر کے روپ میں نمودار ہوتا ہے۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ میں الوہی صفات تلاش کی جاتی ہیں۔ مبالغہ آرائی اگر بشری صفات میں احسن البشر اور افضل البشر ہونے کو واضح کرے تو مستحسن ہے اور اگر

مبالغہ آرائی آپ کو الٰہ بنا دے تو مردود اور لائق اجتناب ہے۔ (ب) آں حضرت ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان ناموافق مسابقت کی کیفیت پیدا کی جائے۔☆۳۵

گویا نعت اہلِ ولا کے لیے محبتوں کا خزینہ دل کی انگوٹھی کا دل کش نگینہ ہے۔ نعت گو احترام رسالت کے تقاضوں کو جتنا سمجھتا ہوگا اس کی نعتیں اتنی ہی مقبولیت کے درجے کو پہنچیں گی۔

ماہ نامہ "نعت" لاہور اور "نعت رنگ" کراچی کے بعد ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے نعت سے متعلق افکار و نظریات معاصر اہلِ قلم کے نعتیہ مجموعوں کے دیباچوں میں ملتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بیس ویں کتابوں کے دیباچے لکھے ہیں... نعت گو شعرا اور سیرت نگار ڈاکٹر صاحب کی رائے کو اپنے لیے اعزاز خیال کرتے ہیں۔ ان دیباچوں میں بھی ڈاکٹر صاحب کا انداز عالمانہ ہے تاہم وہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ قاری کسی قسم کے الجھاؤ کا شکار نہ ہو۔

نعت کو ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی صالحِ فکر کا حرفی اظہار قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں نعت ایک صنفِ سخن ہی نہیں کہ اس میں حرف و صوت کا ربط اور وزن و قافیہ کا شعور نمایاں ہوتا ہے۔ شاعر شعر کہنے سے پہلے ممدوحِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصافِ حمیدہ کی نورانی فضاؤں سے اپنے شعور و خیال کو معطر کرتا ہے۔ سیرتِ طیبہ کے ایک ایک رُخ کو وجدان کی تمازت سے حرزِ جاں بناتا ہے۔ اخذ و ترک میں ماصفا و ماکدر کا پیمانہ اس کا راہنما ہوتا ہے۔ خیال کا حسن سطحِ ذہنی پر سایہ فگن ہو کر محبت و گرویدگی کے جذبات کو تحریک دیتا ہے۔ سوچ میں پاکیزگی اور شائستگی راسخ ہوتی ہے اور وہ ہمہ تن با ادب بہر پہلو اطاعت کیشی کا پیکر بن جاتا ہے۔☆۳۶ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نعتِ رسول اکرم ﷺ کو سیرتِ طیبہ ہی کا عکسِ جمیل خیال کرتے ہیں۔ احتیام کے مزید چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتا ہے۔ ڈاکٹر قریشی کی رائے میں نعت کا سیرت کی کرنوں سے منور ہونا لازم ہے وہ لکھتے ہیں کہ نعت کی متعلقہ لغزشوں سے حفاظت صرف اور صرف خصائل و شمائل کے استناد سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کثرتِ مطالعہ کی مرہون ہے جو ہمارے ہاں مفقود ہے... نعت صنفِ سخن ہی نہیں ایمان کا تقاضا بھی ہے اِس لیے اس کا ہر حال ادب نبوی کی پناہ میں اور اس کا ہر لفظ تقدس کے حصار میں رہنا چاہیے۔☆۳۷ نعت کا موضوع ڈاکٹر قریشی کے نزدیک عظیم بھی ہے اور نازک بھی۔ عظیم اس لیے کہ یہ سب سے بڑے رسول کی مدح ہے۔ اس سے نعت کہنے والے کے سماجی رویے اور معاشرتی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے اور نازک یوں کہ یہاں جنبشِ لب یا لغزشِ قدم پر دنیا و عقبیٰ کی تباہی کا خطرہ ہے۔ نعت گو پر لازم ہے کہ وہ جذبات کے سیلِ رواں

میں حقائق کو مسخ نہ کرے۔ دربارِ رسالت کی عظمت کا تصور ذہن نشین رہے، اور شعوری طور پر یہ احساس رہے کہ وہ اُس دربار میں قصیدہ خواں ہے جو عرش سے نازک تر ہے اور جس کے آداب قرآنی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ یعنی قرآن حکیم احادیث اور سنت و سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ نعت گو کے لفظوں کو تاثیر مزید کی نعمت سے مالا مال کرتا ہے۔ مدح کے لیے ممدوح کی شخصیت، اس کی پسند ناپسند اور اس کے اسلوبِ حیات سے آگاہی بجائے خود اہم ہے۔ نعت کا معاملہ حد درجہ احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں شاعر کو رسول ﷺ کے احترام کو بہر کیف ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ ''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں'' اس مصرع کا حقیقی اطلاق یقیناً نعت رسول ﷺ پر ہوتا ہے۔ نعت میں عمدہ اور پسندیدہ تراکیب اور الفاظ شاعرُ کے ذوق وشوق اور احترام رسالت کے تقاضوں سے آگاہی کی جانب اشارہ کر رہے ہوتے ہیں۔ صفائے قلب کی موجودگی میں نعتیہ اشعار کی تاثیر دو چند ہو جایا کرتی ہے۔☆۳۸ محمد ظفر الحق چشتی نے اس ذیل میں بہت بنیادی بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یا تو صفائے قلب کا جذبہ نعت لکھنے پر مجبور کرتا ہے یا صفائے قلب کے حصول کی خاطر نعت لکھی جاتی ہے۔ ہمارے صوفیا کا اصل منشا اور مدعا بھی صفائے قلب ہے اور وہ صفائے قلب کے حصول کے لیے ذکرِ الٰہی اور ذکرِ رسالت مآب ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔☆۳۹ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی رائے میں نعت جامع الصفات ذریعہ اظہار ہے جو لغوی تقاضوں، صرفی ونحوی ضابطوں، لسانی حد بندیوں اور تکلم کی تمام تر جہتوں کا پاس دار بھی ہے۔ مگر ان سب سے ماورا بھی کہ یہ جذبوں کو ادب آشنا بنانے کا عمل بھی ہے۔ یہ عروضی جمع خرچ بھی نہیں کہ فاعلاتن فاعلاتن کی پریڈ کر دی جائے اور نہ تشبیہ استعاروں کی کہکشاں ہے کہ آورد کے ڈھیر لگا دیے جائیں۔ اس میں سنگ تراشی نہیں جگر کاوی ہوتی ہے۔ نعت صادق جذبوں کی عکاس اور ایمانی حرارت کی وہ آنچ ہے جہاں جذبوں کی تہذیب ہوتی ہے۔☆۴۰ نعت رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے افکار اور اُن کی آرا بے حد واضح اور دل پذیر ہیں۔ اُن کے اسلوب نگارش کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ قاری اسے قبول کرتا ہے، سمجھتا ہے اور حرزِ جاں بنا لیتا ہے۔ ادق الفاظ اور بھاری بھرکم تراکیب کا استعمال اُن کے ہاں نہیں ملتا۔ وہ ایک باوقار اور بہترین استاد کے مانند اپنی بات سننے والوں کو گویا سمجھانا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی سیرتِ رسول ﷺ کے ہر ہر گوشہ کا مطالعہ اور حاصل مطالعہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ''پیغمبر اسلام کا نظامِ معیشت'' کے نام سے ان کا مقالہ پنجاب اوقاف اکیڈمی لاہور کی جانب سے شائع ہونے والی کتاب میں شامل ہے۔ اس کتاب میں صوبائی سیرت کانفرنس ۱۹۹۷ء

میں پڑھے گئے مقالات جمع کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بجا طور پر تحریر کیا ہے کہ نظام معیشت کے جس پہلو کا بھی جائزہ لیا جائے حضور اکرم ﷺ کی عملی راہنمائی موجود ہے۔ آپ نے چند سالوں ہی میں اس جزیرہ نمائے عرب کو معاشی خود کفالت کا اہل بنا دیا جو ہمیشہ دوسروں کے نذرانوں اور نوازشوں پر پلتا تھا۔ عصرِ حاضر میں کامیابی اور کامرانی کے لیے ضرورت صرف اسی چشمۂ فیض سے متمتع ہونے کے لیے ایک عزمِ صادق کی ہے۔ عزم صادق ہو تو مسدود راستے بھی استقبال کرنے لگتے ہیں۔☆۴۱

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا ایک مضمون ''احتساب کا جامع تصور، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''، ''مقالاتِ سیرت'' کے نام سے اس مختصر کتاب میں شائع ہوئے جو صوبائی سیرت کانفرنس منعقدہ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ ۲۱ رجون ۲۰۰۰ء میں پڑھے گئے۔ یہ کانفرنس پنجاب اوقاف علما اکیڈمی محکمۂ اوقاف حکومت پنجاب لاہور کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی۔ اس مضمون میں ڈاکٹر صاحب نے تخلیق کائنات خاص طور پر تخلیقِ انسان کے محرکات کے ذیل میں قرآنی ارشادات سے استنباط کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں کہ اسلام میں کوئی حکم بلا مقصد نہیں دیا گیا۔ خالق کی رضا اور مخلوق کی فلاح ہر وقت مقصودِ نظر ہے۔ احتساب کا پورا عمل اور اس کا دائرہ کار بھی معاشرتی صلاح (اصلاح؟) کے لیے ہے۔ یہ حدود آشنا بنا کر، نیکیوں کے فروغ کا عمل ہے۔ اس کے ڈانڈے کبھی بھی انتقام سے نہیں ملے اگر یہ انتقام بن جائے تو اپنے اہداف سے بھٹک جائے گا بلکہ دوسرے احتساب کا متقاضی ہوگا۔☆۴۲

۲۰۰۳ء میں قومی سیرت کانفرنس منعقدہ اسلام آباد کا موضوع تھا۔ ''نئے عالمی نظام کی تشکیل اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں'' تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے موضوع کی مناسبت سے جو تقریر کی وہ مختصر مگر جامع ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ سیرت طیبہ گواہ ہے کہ اسلام تو ایک انسان بلکہ ایک حواں (حیوان؟) سے بھی حقِ سکونت اور حقِ معیشت نہیں چھینتا۔ بین الاقوامی امن و سکون صرف اس لیے پامال ہوتا ہے کہ ایک قوم یا ایک گروہ دوسروں سے ان کا جغرافیہ چھین لینا چاہتا ہے یا اُن کے وسائل رزق پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ دنیا ایک مثالی حکومت تشکیل دینے میں اس وقت کامیاب ہوگی جب سرکارِ دو جہاں ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں معاشرتی برابری معاشی انصاف، سیاسی دیانت، احسان کی عادت، برداشت کی قوت، ایثار کی ہمت اور سب سے بڑھ کر اولادِ آدم ہونے پر فخر اور ایک خالق کی مخلوق ہونے پر ناز پیدا ہو گیا، اور خالق سے محبت پوری کائنات اور ہر مخلوق سے محبت و قرب کی خوگر بنا دے گی۔☆۴۳

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحق قریشی کا ایک کتابچہ "اسلامی نظامِ تعلیم کے تقاضے اور دینی مدارس" ☆۴۴ کے نام سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا موقف یہ ہے کہ علم مقدس ہے تو اس کی تقدیس بحال ہونی چاہیے۔ مراعات یافتہ طبقات کی حسِ تفاخر کو زندہ رکھنے کے لیے الگ تعلیمی ادارے قومی یک جہتی کا وہ ناسور ہے جو اونچ نیچ کے تصور کو جنم دے رہا ہے۔ نوخیز اذہان جب اِن اداروں میں تربیت پاتے ہیں تو ان کے اندر ذاتی برتری کا عفریت ناچنے لگتا ہے جس سے ساری زندگی نجات نہیں ملتی۔ وحدتِ قومی اور اسلامی اخوت کا تقاضا ہے کہ علم کی بارگاہ میں سب کو یکساں مقام دیا جائے اور صرف صلاحیت کو اہمیت دی جائے۔☆۴۵

اسی طرح کا ایک اور کتابچہ عقائد وارکان کے نام سے مذکورہ ادارہ شائع کر چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحق قریشی عصرِ حاضر کی ایک باکمال اور وضع دار شخصیت ہیں۔ ان کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرنے والوں میں ممتاز علماء ومشائخ اور اساتذہ شامل ہیں۔ معاملہ فہم ایسے کہ ہر کوئی اس کا معترف ہے۔ مرنجاں مرنج ایسے کہ لطافت بھی رشک کرے۔ سیرتِ رسول ﷺ نعتِ سرکارِ دوعالم ﷺ کے حوالے سے تحقیق وتنقید ان کی ترجیحات میں سرِفہرست ہے۔ تصوف کی گتھیاں کھولنے میں انھیں یک گونہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کو بھی اظہارِ رائے کا ایک موثر ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ اس بات کو یوں بھی دُہرایا جاسکتا ہے کہ رب عطا نے ڈاکٹر محمد اسحق قریشی کو جتنی بھی صلاحیتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے پیغام کو عام کرنے کے لیے وہ انھیں بہر کیف بروئے کار لا رہے ہیں۔ غیر ملکی ثقافتی اور عسکری یلغار کے نتیجہ میں پریشان حال ملتِ اسلامیہ کی جادۂ روشن کی جانب رہنمائی لائق صد استحسان عمل ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحق قریشی سمیت وہ جملہ دانش ور اور اربابِ فکر ونظر قابلِ صد احترام ہیں۔ جو زبوں حالی کے شکار مسلمانوں کو ان کے تابناک ماضی کے حوالے سے اپنے حال اور مستقبل کو سنوارنے کے لیے اُن کی رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی سیرت پاک، نعت اور تصوف کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور ان کے امکانات کی جانب اشارات کے حوالے سے خدمات کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے۔ ان کے تذکرہ کے لیے دفتر درکار ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصی خصوصیات اور فکری میلانات سزاوارِ تحسین ہیں۔ ان کی تحقیقات کو بھی خوب سراہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ممتاز محقق اور نعت گو شاعر ڈاکٹر خورشید رضوی نے ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی مقالہ کے بارے میں لکھا ہے:

ڈاکٹر قریشی نے اس کتاب میں موضوعات کے پس منظر اور پیش منظر کا

بھرپور اور متوازن جائزہ لیا ہے چناں چہ پس منظر کے طور پر مدح کے موضوعات، محرکات، منابع اور فن، مدح کی روایت وحیثیت اور عربوں کی مدحیہ شاعری پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔ جو مصنف کی وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر کا سراغ مہیا کرتی ہے۔ اس حصے میں بعض نازک مباحث، حسنِ ادب اور دیانتِ اظہار کے اس امتزاج کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جو علمی تحقیق کی جان ہے، اور جس کی اساس افراط وتفریط سے دامن بچا کر چلنے کے ایک فطری سلیقے پر ہے۔ پس منظر کے اس پھیلاؤ میں، جو چودہ سو سال کے طائرانہ جائزے پر محیط ہے، لائقِ داد بات ہے۔☆۲۶

المختصر ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی علمی وجاہت کا سفر جاری ہے جس کے لیے سنجیدہ مطالعہ کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

☆۱۔ ملک محبوب الرسول قادری نے یہ انٹرویو اپنے رسالہ ماہنامہ ''سوئے حجاز'' لاہور کے لیے لیا۔ یہ انٹرویو اس ماہنامہ کی آٹھویں جلد کے گیارہویں شمارہ میں شائع ہوا۔ نومبر ۲۰۰۲ء

☆۲۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کا یہ انٹرویو روزنامہ 'عوام' فیصل آباد کے لیے لیا جو ۲۷ مئی ۱۹۹۷ء کی اشاعت (ص۳) میں شامل ہے۔

☆۳۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، لاہور: محکمہ اوقاف، ۱۹۰ء، ص ۲۱۔۲۰

☆۴۔ ایضاً، ص ۲۶　　☆۵۔ ایضاً، ص ۳۷

☆۶۔ احمد شوقی، الھمزیۃ النبویہ، مترجم، قاری فیوض الرحمٰن، ص ۷۱، بحوالہ: برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۳۷

☆۷۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۴۵

☆۸۔ ایضاً، ص ۴۸۔۴۷　　☆۹۔ ایضاً، ص ۴۹　　☆۱۰۔ ایضاً، ص ۵۰

☆۱۱۔ ایضاً، ص ۷۵　　☆۱۲۔ ایضاً، ص ۹۶　　☆۱۳۔ ایضاً، ص ۱۶۰

☆۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۰　　☆۱۵۔ ایضاً، ص ۲۵۵　　☆۱۶۔ ایضاً، ص ۳۳۳

☆۱۷۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۳۴۷۔۳۳۵

☆۱۸۔ ایضاً، ص ۳۶۶　　☆۱۹۔ ایضاً، ص ۳۷۲

☆۲۰۔ ایضاً، ص ۳۱۴۔۳۱۳　　☆۲۱۔ ایضاً، ص ۶۶۷

☆۲۲۔ طاہر رضا بخاری، ڈاکٹر، پیش لفظ، برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری، ص ۱۵

☆۲۳۔ قریشی، محمد اسحٰق قریشی، ڈاکٹر، حضور اکرم ﷺ پیغمبر امن وسلامتی، فیصل آباد: شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰

☆۲۴۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کی روشنی میں احترام آدمیت، فیصل آباد: طیب گروپ آف انڈسٹریز، ۲۰۰۸ء، ص ۱۸۷

☆۲۵۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مصطفائی معاشرہ کی تشکیل، فیصل آباد، مرکزی تحقیق، س۔ن، ص ۱۲

☆۲۶۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، بہار چشت، خان پور، خواجہ یار محمد ٹرسٹ پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۳۲

☆۲۷۔ ایضاً، ص ۱۷

☆۲۸۔ رشید محمود، راجا، بحوالہ: بہار چشت، ص ۱۷۹

☆۲۹۔ ناظم، بشیر حسین، بحوالہ: بہار چشت، ص ۱۸۲

☆۳۰۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، بہار چشت، ص ۲۱۸

☆۳۱۔ ایضاً، ص ۲۳۰

☆۳۲۔ ایضاً، ص ۲۸۷۔۲۸۶

☆۳۳۔ فریدی، غلام قطب الدین، اظہارِ تشکر، بہار چشت، ص ۱۴

☆۳۴۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، نعت میں احترامِ رسالت کے تقاضے، مشمولہ: ماہنامہ نعت، لاہور، جلد نمبر ایک شمارہ نمبر دو، فروری ۱۹۸۸ء، ص ۶۵۔۶۱

☆۳۵۔ ایضاً، ص ۶۰۔۵۹

☆۳۶۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، دیباچہ: ثنا کے پھول، شاعر: بشر حسین فیضی، فیصل آباد: ہیلو بکس، ۲۰۰۷ء، ص ۱۹۔۱۸

☆۳۷۔ ایضاً، ص ۲۰

☆۳۸۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، نعت میں احترامِ رسالت ﷺ کے تقاضے، مشمولہ: ماہنامہ نعت لاہور، (مدیر: راجا رشید محمود)، جلد نمبر ایک، شمارہ ۲، فروری ۱۹۸۸ء، ص ۶۱

☆۳۹۔ چشتی، محمد ظفر الحق، دیباچہ: سرمایۂ حیات، شاعر: اکرام الحق فاروقی، مرتبین: محمد ظفر الحق چشتی، محمد اجمل بھٹی، لاہور، عبدالمتین، اعظم پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص ۳

☆۴۰۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، دیباچہ: سرمایۂ حیات، ص ۱۴۔۱۳

☆۴۱۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، پیغمبرِ اسلام ﷺ کا نظامِ معیشت، مشمولہ: سیرتِ رسول (مقالات صوبائی سیرت کانفرنس ۱۹۹۷ء) لاہور: اوقاف اکیڈمی، ۱۹۹۷ء، ص ۴۱

☆۴۲۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، احتساب کا جامع تصور، تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں، مشمولہ: مقالاتِ سیرت (صوبائی سیرت کانفرنس ۲۰۰۰ء) لاہور، پنجاب اوقاف اکیڈمی، ۲۰۰۰ء، ص ۲۹

☆۴۳۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، نئے عالمی نظام کی تشکیل اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں، سیرتِ طیبہ کی روشنی میں، مشمولہ: مقالاتِ سیرت (قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۳ء) اسلام: وفاقی وزارتِ مذہبی اُمور، ۲۰۰۳ء، ص ۵۳

☆۴۴۔ یہ کتابچہ مکتبہ جمال لاہور، کی جانب سے شائع کیا گیا، صفحات ۳۲، اور سالِ اشاعت ۲۰۰۶ ہے۔

☆۴۵۔ قریشی، محمد اسحٰق، ڈاکٹر، اسلامی نظامِ تعلیم کے تقاضے اور دینی مدارس، ص ۳۲۔۳۱

☆۴۶۔ خورشید رضوی، ڈاکٹر، ایک تحقیقی کام کا جائزہ (برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، مشمولہ: سہ ماہی صحیفہ، لاہور، شمارہ نمبر ۱۸۶ء، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۵

پروفیسر محمد اکرم رضا۔ گوجرانوالہ

گوہر ملسیانی کی نعت شناسی

چمنستانِ ادب میں شعروسخن کی بہاریں دیدنی ہیں۔ اردو ادب کا آغاز بھی صنفِ نظم کی رعنائی سے جگمگاتا ہے۔ الفاظ وتراکیب کے جواہر پارے اپنی سج دھج دکھاتے ہیں۔ ایک سلیقہ، ایک قرینہ شعر کی بنت کو دل آویز و زرخیز بناتا ہے۔ اگرچہ علم کے شعبے پہلے وسعت پزیر نہ تھے، لیکن شعروسخن کا چلن عام تھا۔ خصوصاً صوفیائے کرام نے اردو ادب کی نشوونما میں معتدبہ حصہ لیا اور زیادہ تر شعر ہی کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ انھی کے آستانوں پر روحانی نسلیں جنمتیں۔ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور وحدانیت کے نغمے گونجتے، دعوتِ اسلام کے غنچے چٹکتے، قلب ونظر کی تطہیر ہوتی، رحمتِ عالم ﷺ کی تعلیمات کی تشہیر ہوتی، کتاب ہدایت کی حکمت سے لبریز آیات کی تفسیر ہوتی۔ اپنی روحانی درس گاہوں سے اسلام کی شعاعیں چاروں جانب پھیلتی چلی جاتیں، یہ سلسلہ اہلِ حال کی مسندوں تک کافی دیر تک محدود رہا، حمد ونعت کی بادِ بہاری چلتی رہی۔ پھر اہلِ قال اُٹھے تو ان کے ہاں بھی حمد ونعت محدود پیمانے پر تخلیق ہوئیں۔ ان ابتدائی ادوار میں نعت کی جمالیاتی کیفیات ضوفشاں رہیں اور وہ بھی ثواب وبرکت کے لیے دواوین کے آغاز میں شامل کی جاتی تھیں:

خبر ملی ہے یہ عاشقانِ قرونِ اولیٰ سے
جمال وحسنِ رسولِ حق ہی سرور دیتا ہے

یہ عقیدت ومحبت کا سلسلہ صدیوں سے لفظ ومعنی کے گل ہائے رنگارنگ بکھیرتا چلا آرہا ہے۔ ہر عہد میں عقیدت کا یہ آفتابِ جہاں تاب غیر معمولی دل کشی اور رعنائی طلوع ہوتا رہا۔ نعت کی اس جلوہ گری کا سلسلہ بیسویں صدی کے آخری تین عشروں میں خوب چمکا۔ نعت کے بہت سے چاند ستارے منصۂ شہود پر چمک دمک دکھاتے آتے ہیں، جن کی ضیابار کوشش فروغ نعت کی امین بنی۔ اسی

دور میں تحقیق و جستجو، تنقید و تبصرہ دنیائے ادب میں ضوفشاں ہوا۔ نعت ایک صنف کے طور پر تسلیم کی جانے لگی۔ نقد و نظر کے چند معتبر صاحبانِ علم و فن بھی صنفِ نعت کی عظمت پر سیر حاصل تبصرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نعت نگاروں میں سے اکثر کا نعتیہ کلام کتابی صورت میں اردو ادب میں ایک حسین اضافہ بنتا ملتا ہے۔

گوہر ملسیانی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ''ضیائے حرم'' کے صفحات پر میری غائبانہ ملاقات ہوتی رہی۔ پھر وہ مسلسل مجھے نعت کے گلشن پُر بہار میں کئی رنگوں میں اپنی تحقیقی کاوشیں یا نعتیہ نگارشات پیش کرتے نظر آئے۔ چناں چہ آج ان کی نعت شناسی کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ اس مقالہ کا مقصود ٹھہرا ہے۔

میاں طفیل محمد گوہر ملسیانی، ۱۵؍ جولائی ۱۹۳۴ء کو مشہور قصبہ ملسیان تحصیل نکودر ضلع جالندھر، مشرقی پنجاب (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ہندوستان کے دو مشہور شاعر لالہ لبھو رام جوش ملسیانی اور ان کے فرزند لالہ بالمکند عرش ملسیانی اس شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ مؤخر الذکر غیر مسلم شعرائے نعت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ گوہر ملسیانی کے والد محترم صدر الدین دانا ایک زمین دار اور آرائیں گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، وہ خود تو شاعر نہ تھے مگر پنجابی زبان کے سیکڑوں اشعار انھیں ازبر تھے۔ گوہر ملسیانی کا خاندان ''ملاّ'' کا خاندان کہلاتا تھا، غالباً ان کے آبا میں کوئی فرد قرآنی تعلیمات سے متعلق رہا تھا۔ گوہر ملسیانی نے مڈل تک تعلیم ملسیان کے گورنمنٹ مڈل اسکول میں حاصل کی۔

تخلیقِ پاکستان کا اعلان ملسیاں کے مسلمانوں کے لیے قیامتِ صغریٰ کا پیغام تھا۔ سب خالی ہاتھ، بے سروسامان، آگ کے بھڑکتے شعلوں میں نکلے۔ ان کے خاندان کے تین افراد گھر سے نہ نکلے جو شہید کردیے گئے۔ گوہر ملسیانی نے بارہ تیرہ سال کی عمر میں تحریکِ پاکستان اور تخلیقِ پاکستان کی لہو رنگ تصویر دیکھی۔ پاکستان میں پہنچ کر بھی آسودگی کے بجائے کٹھن زندگی کے مراحل طے کیے۔ ان کی خالہ محترمہ زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اپنے پاس لے گئیں۔ ایس اے ہائی اسکول احمد پور شرقیہ (ریاست بہاول پور) سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی ادارے میں ان کی شاعری کا آغاز ہوا۔ نقوی احمد پوری اسکول میں ان کے استاد تھے۔ شعر و سخن میں رہنمائی فرمائی۔ باقی تمام تعلیمی مدارج ایم اے (اردو، انگریزی) اور ایم ایڈ پنجاب یونی ورسٹی اور ایم فل (اقبالیات) علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد سے پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے پاس کیے۔ درس و

تدریس کا شعبہ منتخب کیا۔ اسلامی تعلیمات سے محبت اور طلبہ کی اسلامی نہج پر کردار سازی زندگی کی تمنا ٹھہری۔ تنظیم اساتذہ پاکستان اور تحریک اسلامی نے قرآن و حدیث کے مطالعہ، قلب و نظر کے تزکیہ اور فکر و خیالِ صالحہ سے رابطہ قائم کیا۔ بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں اردو نعت سے عشق و محبت کا نور بخشا۔ یہ ایک ادبی مناقشہ تھا جو سوچوں کا رُخ بدل گیا۔

(حیاتِ مستعار کے زاویے، سوانح حیات، غیر مطبوعہ)

گوہر ملسیانی ''عصرِ حاضر کے نعت گو'' سن اشاعت ۱۹۸۳ء کے ابتدائیہ ''عرضِ تمنا'' کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

> آج سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک معروف نعت گو شاعر (حافظ مظہر الدین) کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا اور نعت کی صنف پر کئی طرح کے حملے کیے گئے تھے۔ ایک خاص مکتبۂ فکر نے نعت کو گردن زدنی سمجھا تھا کیوں کہ ان کی ہمدردیاں ہمیشہ اسلام اور پاکستان کے خلاف رہی ہیں۔ ان نام نہاد سخن وروں نے نعت کو پراپیگنڈہ اور نہ جانے کیا کیا کہا۔ میری طبع نازک پر یہ تمام باتیں گراں گزری تھیں۔ چناں چہ میں نے اردو نعت پر کام کرنے کا تہیہ کرلیا۔ الحمدللہ ان اسلام دشمن سخن وروں کے ارادے خاک میں ملے اور میری محنت اس کتاب کی صورت میں کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔
>
> (عصرِ حاضر کے نعت گو)

یہی گوہر ملسیانی کی تذکرہ نگاری کا آغاز ہے۔ انھوں نے مختلف نعت نگاروں کے کلام پر تحقیق و تنقید تصریح و تبصرہ پر فکر انگیز مقالے رقم کیے جو عقیدت و محبت محسن انسانیت ﷺ کے انوار سے مزین ہیں۔ ان کے یہ نقوشِ قلم تذکرہ نگاری کی اوّلین آرا میں شامل کیے جاتے ہیں۔

جناب شہزاد احمد (کراچی) نے اپنے مقالہ ''نعتیہ تذکرہ نگاری اور نعت رنگ'' میں گوہر ملسیانی کا ذکر یوں کیا ہے:

> گوہر ملسیانی ایک مشاق تذکرہ نگار ہیں۔ مرصع تحریر لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ہر تحریر کو دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے۔ پُرانے لکھاری ہیں۔ تذکرہ نگاری کی تمام روایات کو برتنے کے فن سے بخوبی واقف ہیں جس شخصیت پر قلم اُٹھاتے ہیں، اس کا بھرپور اور جامع خلاصہ صفحۂ قرطاس پر منتقل

> کر دیتے ہیں۔ آپ کے اختصار میں بھی جامعیت کا فن موجود ہے۔ آپ کا تحریر کردہ اختصار لوگوں کے بھاری بھرکم تعارف سے بہتر ہوتا ہے۔
> ("نعت رنگ" ۲۱، ص ۳۵۰)

گوہر ملسیانی تذکرہ نگاری کے حوالے سے اوّلین کتاب "عصرِ حاضر کے نعت گو" ۱۹۸۳ء میں پیش کر چکے ہیں۔ اس کتاب کا تحقیقی حصہ اوّل مختصر ہونے کے باوجود بے حد جامع ہے۔ مختلف تحقیقی حوالوں سے نعت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ نعت کے اسکالرز افسر صدیقی امروہوی، اشفاق احمد، ممتاز حسن، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، راجا رشید محمود، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، وقار احمد رضوی، شمیم احمد، عاصی کرنالی، حکیم محمد سعید، رفیع الدین ہاشمی اور ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے حوالے سے اصطلاحاتِ شاعری میں نعت کے لفظ کی حدود متعین کی گئی ہیں۔ پھر قرآن و حدیث کے حوالے سے نعت کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> جبریلؑ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا، میرا رب پوچھتا ہے کہ میں نے کس طرح تمھارا ذکر ارفع کیا؟ میں نے عرض کیا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ تمھارا ذکر بھی کیا جائے گا۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم)

گوہر ملسیانی نے ایسی دو احادیث بھی تلاش کر کے نقل کی ہیں جن میں لفظ "نعت" آیا ہے، ایک کے راوی حضرت انس ہیں جن کی روایت بیہقی دلائل النبوت سے ہے جو مجموعہ احادیث ترجمان السنہ جلد اوّل از مولانا بدر عالم، ص ۴۲۹ حدیث نمبر ۱۷۳ ہے جب کہ دوسری روایت حضرت علیؓ سے ہے۔ یہ بھی بیہقی دلائل النبوت سے لی گئی ہے۔ "عصرِ حاضر کے نعت گو" کے متعلق جناب عاصی کرنالی رقم طراز ہیں:

> گوہر ملسیانی فروغِ نعت کے سلسلے میں مختلف پیرایوں اور زاویوں سے سرگرمِ عمل ہیں۔ انھوں نے "عصرِ حاضر کے نعت گو" کے نام سے ایک تنقیدی اور تحقیقی کتاب ۱۹۸۳ء میں مرتب کی جو اہلِ ذوق کے لیے ایک علمی و ادبی ذخیرہ ہے۔ اس کے حصہ اوّل میں نعت کے مسائل و نکات کے بارے میں علمی مباحث قلم بند کیے ہیں اور عربی، فارسی، اردو کی نعت گوئی کے سفر کی ارتقائی تاریخ نہایت محققانہ انداز میں تحریر کی ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصص میں عصرِ حاضر کے ۴۵ شعرا کا ذکر

ہے۔ ان کی شخصیت اور نعت گوئی کا تعارف اور ان کا نمونہ کلام انتخاباً درج ہے جو اعلیٰ درجے کی تنقید و تحقیق کا مظہر ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ طلبائے علم اور اہلِ علم دونوں کے لیے افادیت کا حامل ہے۔
(تحقیقی مقالہ، پی ایچ ڈی، ص ۶۰۵)

گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کی ضیائیں ان کے عمیق مطالعہ کی غماز ہیں اور قرآن و سنت سے محبت کا ثبوت ہیں۔ نعت ان کی زندگی کی متاعِ عزیز ہے۔ گلشنِ نعت کے عنادل کے نغمات ان کے نعت کے مباحث میں قلم کا حسن بنتے ہیں، جب بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں سنتِ نعت ان کے خیالات کی روشنی بنی تو عقیدت و محبت کے نغمے بھی ان کے لب پُرسوز پر تڑپنے لگے۔ ان کے فکر و فن کا گلشن نعت کے گل ہائے رنگا رنگ سے مہکنے لگا۔ انھوں نے نعتیہ ادب میں اپنے پہلے مجموعۂ حمد و نعت "مظہرِ نور" سے شرکت کی جو ۱۹۸۱ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ معروف نعت گو حضرت عزیز حاصل پوری نے "مظہرِ نور" کی تاریخ کہی:

حرفِ تاریخ طباعت

۱۹۸۱ء

گلدستۂ نعتِ رسول اللہ

۱۴۰۱ھ

مظہرِ نور

۱۴۰۱ھ

از نتیجۂ فکر شاعرِ باکمال والد حسب گوہر ملسیانی

سوچتا ہوں عزیز کیا لکھوں؟　　مظہرِ نور کی طباعت پر
ایک گلدستہ ہے یہ نعتوں کا　　یا عروسِ جمال کا زیور
ایک اک شعر گوہرِ فن ہے　　اور یہ گوہر نثارِ پیغمبر
فکرِ گوہر کا یہ نتیجہ ہے　　گوہرِ فکر آرہے ہیں نظر
ہجری و عیسوی کہو تاریخ
مظہرِ نور، مشہدِ گوہر

۱۴۰۱ھ + ۵۸۰ = ۱۹۸۱ء

"وحید القلم عزیز حاصل پوری غفرلہ"

۱۹۸۱ء

"مظہرِ نور" کا فلیپ، خالق "نور کی ندیاں رواں" مجموعۂ نعت اور مدیر "سیارہ" لاہور جناب نعیم صدیقی نے تحریر فرمایا۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

گوہر ملسیانی نے حضور ﷺ کی محبت میں زمزمہ پیرا ہو کر اپنے جذبۂ والہانہ کا خراج... اس ضیا پاش اور نور افروز ہستی کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

دنیائے شوق یقیناً "مظہرِ نور" کا خیر مقدم کرے گی:

تو نے گوہر جو سینچی زمیں نعت کی
اس کے نخلِ حسیں کا ثمر روشنی

(نعیم صدیقی ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

پروفیسر عبدالعزیز جاوید صدر شعبہ فارسی خواجہ فرید گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج رحیم یار خان نے "مظہرِ نور" کا دیباچہ خیالِ جاوید کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

گوہر ملسیانی جواں فکر شعرا میں سے ہیں۔ پندرھویں صدی ہجری کی برکات میں سے ہے کہ ہمارے شعرا کی ایک معتدبہ جماعت نعت گوئی کی طرف متوجہ ہوئی ہے... گوہر صاحب نے "مظہرِ نور" کے نام سے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عقیدت کے کچھ پھول پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اس کے لیے بھی مشام شرط ہے۔ آئندہ اوراق میں اس گلستاں کی سیر کیجیے اور شاعر کے قلب و نظر کی داد دیجیے۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی، گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"مظہرِ نور" گوہر ملسیانی کا مجموعہ نعت ہے، جو تین حمدوں کے علاوہ بہت سی عمدہ نعتوں پر مشتمل ہے... گوہر ملسیانی کی نعتیں جہاں ان کے جذبۂ عقیدت و اطاعت کا مظہر ہیں، وہیں مقامِ نبوت، مقاصد نبوت کے مبارک و مقدس مضامین سے معمور ہیں۔ گوہر ملسیانی نے حضور ﷺ کو تمام کائناتِ بشری کی ہدایت و راہبری کے طور پر پیش کیا ہے اور حضور ﷺ کی تعلیماتِ مقدسہ اور سیرتِ طیبہ سے اپنے اوراقِ نعت کو منور کیا ہے۔

حمد

خدا کی ذات کا جلوہ سراسر دیکھتا ہوں میں
حسین و جانفزا ہر ایک منظر دیکھتا ہوں میں
ستارے ٹمٹمائیں رات کی تاریک چادر میں
ضیائے بدر کا پُرکیف منظر دیکھتا ہوں میں
فضائے دہر میں سیارے ہرسُو محوِ گردش ہیں
دلیلِ حکمتِ خلاقِ اکبر دیکھتا ہوں میں

نعت

اس صاحبِ طیبہ سے ملتے ہیں قرینے کیا
اخلاق کی دولت کے ملتے ہیں خزینے کیا
ہر آنکھ میں جھوے ہیں اُس مہرِ ہدایت کے
عرفان کی دولت سے معمور ہیں سینے کیا
اک فقر کی دولت تو مومن کا اثاثہ ہے
انسان کو بخشی ہے معراج نبی نے کیا

(حوالہ: مقالہ پی ایچ ڈی از پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی)

''مظہرِ نور'' عقیدت و محبت کا ایک ایسا گلدستہ ہے، جس میں خلقِ عظیم کی کلیاں چٹکتی ہیں، رحمتِ عمیم کا گلشنِ خنداں مہکتا اور مہر و مروت کی شمیم اٹکھیلیاں کرتی ملتی ہے:

بہارِ زندگی ہے آپ کی سیرت رسول اللہ
نشاطِ آخرت ہے آپ کی اُلفت رسول اللہ
کہیں کلیاں چٹکتی ہیں کہیں پھولوں میں رنگت ہے
خیاباں در خیاباں آپ کی محنت رسول اللہ

''مظہرِ نور'' کی اشاعتِ اوّل پہلے سال ہی عاشقانِ سیّدِ ابرار ﷺ کے مطالعہ کی زینت بنی، دوسری اشاعت ۱۹۸۳ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ ''مہرِ درخشاں'' کے خالق، معروف نعت نگار جناب قمر یزدانی نے تاریخِ اشاعتِ ثانی پر صنعتِ تاریخ میں ایک نظم عطا فرمائی:

تحمیدِ احسن الخالقین
۱۴۰۳ھ

گوہرِ بے نظیر
۱۴۰۳ھ

تاریخ اشاعت
۱۹۸۳ء

مظہرِ نورِ بے مثل
۱۹۸۳ء

ادیبِ بے عدیل گوہر ملسیانی
۱۹۸۳ء

کلامِ گوہر خوش بخت، شاعرِ مشہور — ہے بے نظیر ثنائے شفیعِ یوم نشور
ہر ایک شعر ہے ان کا مثالِ سلکِ گہر — ضیائے عشق سے روشن ہیں ان کی فکر و شعور
ہر اک جبینِ عقیدت ہے اس سے تابندہ — جھلک رہا ہے بہر سُو سعادتوں کا نور
سنی ہے جب سے نویدِ اشاعتِ ثانی — دل و نگاہ کو حاصل ہوا ہے کیف و سرور
۱۴۰۳ھ

قسم خدا کی کبھی نعت ہو نہیں سکتی — نہ جب تلک ہو نگاہِ حبیبِ ربِّ غفور
یہ نعتِ سرورِ کونین، مدحِ شاہِ رُسل — اسی کے صدقے سے گوہر ہیں حشر میں مغفور
خمارِ عشقِ محمد ہے ان کی آنکھوں میں — دل ان کا بادۂ حبِ نبی سے ہے مخمور
۱۴۰۳ھ

یہ نعت و مدحتِ محبوبِ خالقِ عالم — ہے وجہِ مغفرتِ عاصیاں بروزِ نشور
وہ خوش نصیب ہیں دنیا و آخرت میں قمر — دل و دماغ میں جن کے بسی ہو یادِ حضور

سنِ اشاعتِ ثانی قمر! کہو تم بھی
ثنائے خواجۂ نیکو خصال، مظہر نور
۱۹۸۳ء

گوہرِ حقیقت سالِ اشاعتِ ثانی
۱۹۸۳ء

نذر گزار: قمر یزدانی

"مظہرِ نور" کی اشاعتِ ثانی میں چند اہلِ علم و فن کی آرا بھی شامل ہیں، جن میں گوہر ملسیانی کی نعت گوئی کے متعلق اظہارِ خیال ہے۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، جامعہ پنجاب لاہور:

جناب گوہر ملسیانی ادب کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں۔ انھیں شعرگوئی کا ملکہ حاصل ہے۔ مظہرِ نور نبی آخرالزماں ﷺ کے حضور ان کا ہدیۂ عقیدت ہے... گوہر ملسیانی کی نعت گوئی اُس ذوق و شوق کی آئینہ دار ہے جو ہر مسلمان کے ایمان کا جزو ہے۔

جناب راز کاشمیری، گوجرانوالہ:

جن لوگوں کی صورت اور گفتگو سے ان کے اندر کا انسان بھی اپنی اصل شکل میں سامنے آ جاتا ہے، ان میں ایک جناب طفیل محمد گوہر ملسیانی بھی ہیں۔ میں ان کے نام اور کام سے ایک عرصہ سے متعارف تھا، لیکن جب ان سے ایک تقریب میں ملاقات ہوئی تو یوں محسوس ہوا کہ دل کے آئینہ میں اُن کا عکس تھا، اس میں بال برابر فرق نہیں۔ وہ حسن، معصومیت اور پاکیزگی کا مرقع ہیں۔ ''مظہرِ نور'' ان کے عجز اور سلیقے کا آئینہ دار ہے۔ ان کے شعروں میں سادگی ہے، حسن ہے، توازن ہے، توحید و رسالت کے مقام کا تعین ہے۔

جناب پروفیسر قاری صغیر حسین، رحیم یار خان:

...حضرت کا یہ نعتیہ مجموعہ شعر و ادب میں ایک رسمی اضافہ نہیں ہے بلکہ اس میں سچا اور سچا سوز و گداز پایا جاتا ہے اور نبی محترم ﷺ سے والہانہ شیفتگی کا مظہر ہے۔ اس بنا پر یہ مجموعہ واقعی مظہرِ نور ہے اور اسمِ بامسمّٰی ہے... میری دعا ہے کہ گوہر ملسیانی نے ''مظہرِ نور'' میں آرزوؤں کے جو چراغ جلائے ہیں، ان کی روشنی سدا رہے اور اُن کی بخشش کا سامان بھی بنیں۔

جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، لاہور:

گوہر ملسیانی اسلامی فکر کے حامل ہیں اور دینِ حق کے انقلابی پہلو کو دنیا میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی نعت میں محض روایت کی پاسداری اور فیشن کی بجاآوری کا انداز نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ان کے جذبات و احساسات پر بے پناہ خلوص اور غیر معمولی

عقیدت کا پرتو ملتا ہے۔

جناب آسی خان پوری، خان پور:

> گوہر ملسیانی اردو ادب کے پختہ کار اور کہنہ مشق شاعر ہیں... نعت ان کی ضیائے سخن میں ایک خاص مقام رکھتی ہے... گوہر ملسیانی اردو ادب کے ان نعت گو شعرا میں شامل ہیں، جنھوں نے نعت کے ذریعے اپنی نسل کو ایک روحانی پیغام دیا ہے... "مظہرِ نور" اس عہد کے نعتیہ مجموعوں میں ایک حسین اضافہ ہے۔

گوہر ملسیانی کی علمی اور ادبی خدمات کے کئی زاویے ہیں۔ وہ مجلس اقبال صادق آباد کے بانی رکن اور آغاز ہی سے اس کے معتمد اعلیٰ رہے ہیں۔ مجلس اقبال صادق آباد ایک علمی اور ادبی تنظیم تھی جو فعال اور نوجوانوں کے تعمیر کردار، ذوقِ ادب اور علمی و ادبی سرگرمیوں میں شامل ہو کر قوتِ اظہار کے فن کو ابھارنے کی جستجو کرتی تھی۔ اس تنظیم نے قومی سطح کی تقریباً ہر سہ ماہی میں تقریبات منعقد کیں، جس میں پاکستان بھر سے علما و فضلا، شعرا و ادبا اور اسکالرز اپنی اسلامی، ادبی اور علمی نگارشات و خطابات سے نوازتے رہے۔ ان تمام سرگرمیوں کا سہرا گوہر ملسیانی کے سر ہے۔ ان کے علاوہ مجلس اقبال ہر شب مہتاب کو شعر و سخن کی محفل سجاتی رہتی تھی، جس میں ضلع بھر بلکہ بہاول پور ڈویژن اور سکھر ڈویژن کے شعرائے کرام حصہ لیتے تھے۔ ان تقریبات کی مفصل روئیداد قومی اخبارات، نوائے وقت، جسارت، جنگ اور مقامی و ضلعی اخبارات میں اشاعت پزیر ہوتی تھیں۔ جنھیں گوہر ملسیانی تحریر کرتے تھے۔ ہر پروگرام کی ابتدا گوہر ملسیانی کی نعت سے ہوتی جسے وہ ترنم سے پیش کرتے۔ (مجلس اقبال صادق آباد، مرتب حکیم احمد حسن)

گوہر ملسیانی کی نعت گوئی کا سلسلہ جاری رہا، جنوری ۱۹۹۵ء میں ان کا دوسرا مجموعہ نعت "متاعِ شوق" شائع ہوا۔ اس کے پیش لفظ میں گوہر ملسیانی صنفِ نعت کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> نعت گو شعرا اگر ایک طرف اپنے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کے سنہری اصول، حق و صداقت کی قدروں اور ہمدردی و جاں نثاری کے ولولوں کو بھی اُبھارتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ نعت گو شعرا تہذیبی قدروں کی بھی حفاظت کرتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے تہذیبی ورثہ کو... جو نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر کا پیغام رکھتا ہے... سرمایۂ حیات

بناتے ہیں۔

تصورات و خیالات اور جذبات و احساسات نے نعت کے اظہار کے لیے ایک خاص مزاج، لب و لہجہ اور اسلوب و انداز اپنا لیا ہے۔ مقدس مضامین، پاکیزہ اور خاص الفاظ و تراکیب، وجدان روح، متاعِ شوق بنتے جارہے ہیں... سوز و گداز، وارفتگی و بے ساختگی، حقیقت کی شیرینی اور عقیدت کی مٹھاس اس کی پہچان ہے۔

''متاعِ شوق'' کے چند اشعار دیکھیے:

زندگی کی دھوپ میں نخلِ تمنا آپ ہیں
باخدا، بیمارئ دل کا مداوا آپ ہیں
علم و عرفاں کے حسیں غنچوں میں خوشبو آپ سے
گلشنِ ہستی کی زینت کا حوالہ آپ ہیں

☆

کسی بھائی کی دل زاری نہ کیجے مرے آقا نے سب سے یہ کہا ہے
چنے ہیں لفظ کچھ ایسے ثنا کے ہر اک حرفِ تمنا بولتا ہے
فقط اہلِ عرب ہی نہ سنوارے شعورِ زندگی سب کو دیا ہے

گوہر ملسیانی، محسن انسانیت کے حضور گل ہائے نعت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کے ادب سے بھی منسلک رہے۔ ۱۹۹۷ء میں ''پھول اور کانٹے'' (بچوں کے لیے) دعوہ اکیڈمی اسلام آباد نے شائع کی جو خصوصی انعام کا حق دار ٹھہری۔ اس میں سید کائنات، منبع فیوضات، ارفع الدرجات کے دو جاں نثار اصحابِ ذی شان حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ دو مہکتے پھول ہیں اور دو دشمنانِ اسلام ابولہب اور ابوجہل دو زہریلے کانٹے ہیں۔ گوہر ملسیانی نے بچوں کو شمعِ رسالت ﷺ کے دو پروانوں کی زندگی میں حب خیرالوریٰ، بحر جود و سخا کے گلشن کی بہار دکھائی ہے اور رحمت عالم ﷺ کے دو بے حس دشمنوں کی مخاصمت کے زہریلے حربے پیش کیے ہیں۔ یہ گوہر ملسیانی کے تاریخی حوالے سے رحمت للعالمین ﷺ کی محبت کے لولوئے لالہ ہیں، جن کی روشنی معصوم قلب و نظر کو منور کرتی ہے۔

گوہر ملسیانی کا سفرنامۂ حج ''حرمین شریفین کی فضاؤں میں'' ۱۹۹۸ء میں لاہور سے شائع

ہوا۔ اگرچہ اس میں دونوں مقاماتِ مقدسہ کی حاضری کے احوال کا تذکرہ ہے۔ اس کتاب کی نثر بھی احساسات و جذبات اور عقیدت و محبت سے لبریز خیالات و واردات کا ایک مرقع ہے۔ حقیقتاً اس میں بھی فنِ نعت نثر میں درخشاں اور فروزاں ملتا ہے۔ حرمِ مدینہ میں ریاض الجنت، گنبدِ خضریٰ، مواجہ شریف، استوان اور جامعہ صفہ مسجد نبوی کے کیف زا مناظر کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے کہ رسولِ مکرم، خیر مجسم ہر مقام پر چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گوہر ملسیانی نے مواجہ شریف میں جو نعت پڑھی وہ قیامِ مدینہ کی تخلیق ہے جو احساسِ سرشاری عطا کرتی ہے۔ آپ بھی سنیے:

یارحمت للعالمین ﷺ

آیا ہوں ذوق و شوق سے کہنے سلامِ دلربا
جرأت کہاں سے لاؤں میں یا صاحب خیرالوریٰ
پھرتا ہوں ڈانواں ڈول سا نظر کرم بدرالدجیٰ
سارے جہاں میں آپ ہیں کردار و سیرت میں حسیں
یا رحمت للعالمیں ...... یا رحمت للعالمیں

شاہِ مدینہ آپ سے تھیں دُوریاں تھے فاصلے
ہنگامۂ صبح و مسا، تکلیف دہ تھے مرحلے
لیکن دلِ مضطر کہے، دیکھو! وہ زائر ہیں چلے
اک آرزو، اک چاہ تھی پہنچوں میں جالی کے قریں
یا رحمت للعالمیں ...... یا رحمت للعالمیں

بے چین ہوں، بے تاب ہوں، اے شافعِ روزِ جزا
محبوس ہوں، مل جائے پھر ایسی فضائے دل کشا
غنچے کھلیں کلیاں ہنسیں، ایسی چلے موجِ ہوا
لطف و کرم ہو اس طرح، پائے سکوں قلبِ حسیں
یا رحمت للعالمیں ...... یا رحمت للعالمیں

پھیلا جمالِ جانفزا، روشن ہیں چہرے نور سے
عشاق سب مدہوش ہیں جیسے ہوں جلوے طور کے
دھیمی صدائے سوز میں پڑھتے ہیں نغمے دُور سے
نظروں میں سب کے ہے بسا، بس آپ کا نورِ مبیں

یا رحمت للعالمیں ...... یا رحمت للعالمیں

دیکھے گدائے بے نوا، سرکار کے ایوان کو
لطفِ نظر ہو اب عطا، بے کار سے انسان کو
گوہر بھی ترسے رات دن، آقا حسیں احسان کو
جلوہ دکھا کچھ اس طرح، نعتیں کہے پھر دل نشیں

یا رحمت للعالمیں ...... یا رحمت للعالمیں

گوہر ملسیانی نے رسولِ اکرم ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی احادیث کے حوالے سے بچوں کے لیے ایک کتاب "روشن کرنیں" مرتب کی جو ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ بچوں کے لیے ایک ایسا کتابچہ ہے جس میں رؤف و رحیم، خلیل و حکیم کے جذبات واحساسِ رحمت کو پیش کیا گیا۔ اسی سال بچوں کے لیے گوہر ملسیانی کی دوسری کتاب "یادوں کے گلاب" اشاعت پزیر ہوئی جس میں تذکرۂ انبیائے کرام ہے۔ تعلیماتِ نبوی سے مزین یہ کتابچے گوہر ملسیانی کی حب رسول کے وہ گل دستے ہیں جو بچوں میں عقیدت ومحبت سیّد ابرار ﷺ کے جذبات کی آبیاری کرتے ہیں۔ یہ کام دیکھنے کو تو آسان نظر آتا ہے، لیکن اسلوب و بیان کی ندرت مانگتا ہے۔

۱۹۹۹ء ہی میں مقبول اکیڈمی لاہور نے گوہر ملسیانی کی "اقبال کی نظمیں" (بچوں کے لیے) شائع کی۔ ان منظومات میں بھی ایک پیغام ہے۔ بچوں کی اخلاقی اقدار کی تعمیر اور اسلامی روایات وتہذیب کی تصویر ہے۔ ہر نظم سے پہلے دل کش انداز میں اس کا خلاصہ درج ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کی تفصیل ہے، مثلاً نظم "ایک مکڑا اور مکھی" کے آغاز میں تحریر ہے:

> اسی طرح ہمارے پیارے نبی ﷺ کو دشمنوں نے مکہ میں تکلیفیں پہنچائیں اور آپ کا وہاں رہنا دوبھر ہوگیا تو خدا کے حکم سے آپ نے مکہ چھوڑنے اور مدینہ ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے پیارے رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ لیا اور دشمنوں سے بچتے بچاتے مکہ سے باہر غارِ ثور میں پناہ لی تو غار کے منھ پر اللہ کے حکم سے مکڑی نے جالا بن دیا۔ دشمن اس غار کے منھ پر پہنچے مگر مکڑی کے جالے کو دیکھ کر واپس چلے گئے اور حضور اکرم ﷺ حفاظت سے مدینہ روانہ ہوگئے۔

یوں گوہر ملسیانی کو جب بھی موقع میسر آتا ہے تو خامہ فرسائی کرتے ہوئے اپنے خریطۂ فکر سے شہ کارِ کمالِ قدرت، تاجدارِ ملکِ ہدایت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے نگینے نکالتے ہیں اور مدحت کے اشعار میں جڑ دیتے ہیں۔ یہی وہ ضیائیں ہیں جو نعت میں صداقت کے تر و تازہ گلاب بنی ہیں۔ گوہر ملسیانی انھیں آثارِ فروزاں سے اپنے جذبۂ شوقِ فراواں کو مدحت میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہی مدحت ان کے اشکِ عقیدت کی جھڑی بن جاتی ہے اور گلشنِ افکار ختم المرسلین ﷺ کے گل ہائے رنگا رنگ کی لڑی بن جاتی ہے۔ یوں گوہر ملسیانی کی نعت شناسی قوسِ قزح کی مانند حسن و جمال کا مظہر اور سرمدی جذبات کا چشمۂ کوثر بن جاتی ہے۔

دشتِ نعت میں جو عشقِ رسول ﷺ میں دیوانہ اور شمعِ حبِ رسول اللہ ﷺ کا پروانہ ہے جس کا جذبۂ احساس، تطہیرِ فکر کا میخانہ اور جس کا زاویۂ نظر شرابِ ایقان کا پیمانہ ہے وہ نعت گو، گوہر ملسیانی ہے، جو فروغِ نعت میں ایک جذبۂ ساحرانہ رکھتا ہے۔ ان کی زندگی کا سفر اب گلشنِ نعت میں رواں دواں ہے اور اسی نکہتِ جانفزا میں بسر ہوتا ہے۔ بلکہ ہر لحظہ مرہونِ خیالاتِ طیبہ نگر ہوتا ہے اور پھر درد کا علاج بہ نظرِ چارہ گر ہوتا ہے۔ پھر قرینۂ اظہار بھی بہ کرمِ ایزدی حاصلِ ہنر ہوتا ہے۔ میرے سامنے ان کا تیسرا مجموعہ نعت "جذباتِ شوق" ہے جو ۲۰۰۳ء میں مطلعِ ادب پر ضوفشاں ہوتا ہے۔

"جذباتِ شوق" پر علمائے نعت اور واقفانِ رموزِ مدحت نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ مگر پہلے جناب پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کا ایک خواب جو کتاب کی پشت پر ضوفشاں ہے درج کرتا ہو جو عقیدتِ سرورِ کائنات ﷺ کا ایک حسین زاویہ ظاہر کرتا ہے اور گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کو اُجاگر کرتا ہے۔

۲۸ صفر بمطابق یکم مئی (۲۰۰۳ء) جمعرات، نمازِ فجر کے بعد ذرا لیٹ گیا آنکھ لگ گئی، خواب کی فضا پیدا ہوگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں نعت سنا رہا ہوں اور میرے روبرو واحد سامع کے طور پر آپ تشریف فرما ہیں۔ میں نے کہا: گوہر صاحب ایک شعر سنیے، دیکھیے کیا تلمیح، کس قرینے سے آئی ہے۔ پھر میں نے کہا گوہر صاحب میں یہ نعت آپ ہی کو سنا رہا ہوں کیوں کہ آپ نعت گوئی میں ایک امتیاز رکھتے ہیں اور قبولیت کے مقام پر ہیں۔ آپ نے کہا میں کس لائق ہوں۔ میں نے عرض کیا، آپ کی نعتوں میں باطنی صداقت اور دل گدازی کا جوہر ہے۔ یہ کہتے کہتے میری آنکھیں (گدازِ قلب کی آنچ سے) نم ہوگئیں اور آپ بھی (ازراہِ عجز و انکسار) آبدیدہ ہوگئے۔ تب میری آنکھ کھل گئی۔

(وہ نعت تصوراتی تھی، وہ تلمیحی شعر حافظے میں نہیں رہا)

ہم دونوں کو یہ خواب مبارک ہو۔

آپ کا۔ عاصی کرنالی

آیئے اب "جذباتِ شوق" پر اہلِ علم وفکر کے خیالات کی ضیاؤں سے قلب ونظر منور کریں۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی نے "جذباتِ شوق" کے دیباچہ "اظہارِ خیال" میں گوہر ملسیانی کے حسنِ نعت کو یوں بیان کیا ہے:

> گوہر ملسیانی زبان کی لطافتوں اور نکتوں کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ نہایت سادہ لیکن دل ربا لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں جو بلاغت وفصاحت کا پورا حق ادا کرتا ہے۔ ان کے یہاں فنی اور معنوی محاسن کی کوئی انتہا نہیں۔ ایک خوب صورت بات یہ ہے کہ وہ بالعموم نئی نئی ردیفیں اور بہت عمدہ نظام قوافی اختیار کرتے ہیں جو افکار ومضامین کے تنوع اور رنگارنگی کا موجب بنتا ہے۔ اسی تناظر میں ان کی حمد ونعت عجب بہار دکھاتی ہے۔
>
> گوہر ملسیانی کی نعت میں وہ سب کچھ موجود ہے، جس کی توقع عصرِ حاضر کی نعت گوئی سے کی جا سکتی ہے۔ فرد سے لے کر اُمت تک کے تمام احوال ومسائل کا احاطہ ان کی نعت میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کی نعت جہاں ایک جانب بیانِ عجز اور عجزِ بیان کی مظہر ہے وہیں نہایت ادب واحترام، سلیقہ مندی اور قرینہ پسندی سے عبارت ہے۔ بے حد حزم واحتیاط، نہایت شائستگی وتہذیب، حرف حرف حضور پاک ﷺ کی عقیدت وحرمت کی فضا میں رچا بسا ہے۔ (جذباتِ شوق، ص ۴)

پروفیسر محمد محسن حبیب رقم طراز ہیں:

> رسول اکرم ﷺ ہمارے ہادیٔ برحق، رہبر اور رہنما، خاتم النبیین اور ختم المرسلین ﷺ ہیں جو ایک حقیقت ہے اور ہمیں اس امر کو واضح ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کریں۔ جب ہی ہم میں اخلاق اللہ اور اخلاقِ حسنہ پیدا ہو سکتے ہیں... چناں چہ گوہر ملسیانی بھی سرورِ کائنات ﷺ کی عملی زندگی کو بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسوۂ رسول ﷺ پر چلنے کی

تاکید کرتے ہیں۔ (جذباتِ شوق، ص ۴۰)

حبیب کبریا کا اسوۂ کامل صدا روشن
مثالِ مہر عالم تاب ہے وہ جا بجا روشن
اسوہ، رسولِ پاک کا ہے زندگی کا نور
فکر و عمل کی روشنی نورِ حیات ہے

☆

منزل کا ہے سراغ تو غم سے نجات ہے
خیرالبشر کی ایک جھلک روح کا سرور

(سانیٹ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر ''گہر ہائے گرانمایہ'' میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

محترم جناب گوہر ملسیانی کا ''جذباتِ شوق'' (مجموعہ حمد و نعت) اسم با مسمّٰی ہے۔ شوق کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ یہ بے پناہ وسعتوں کا حامل ہے اور شوق سے بھرپور جذبات تخلیق کار کو ہمیشہ اپنے مقصد، نصب العین، آدرش اور نظریہ کے مطابق کام کرنے میں منہمک رکھتے ہیں۔ جذبات سچے، سُچے اور کھرے ہوں تو ان کی انتہا کے کیا کہنے، بمصداق عبدالرحیم خان خاناں۔

شمارِ شوق ندانم کہ چند تا چند است
جزیں قدر کہ دلم سخت آرزو مند است

جناب گوہر ملسیانی کے حمدیہ اور نعتیہ کلام میں ایسا ذوق و شوق، دلی اور جذباتی لگاؤ اور جذبوں سے پُراحترام پایا جاتا ہے، جس کی زینت مالک ارض و سما اور نبی کریم ﷺ کا ذکرِ مبارک ہے۔ اس مبارک ذکر میں محبت، عقیدت، شیفتگی، درد، تاثیر، کیف اور سوز و گداز کی فراوانی ہی فراوانی ہے۔ انھوں نے حمد و نعت گوئی کی توانا اور شان دار روایت کو مزید مستحکم بنایا ہے۔

وہ دست بدعا ہیں:

حمد کہتا رہوں، نعت پڑھتا رہوں
دونوں اذکار دن رات کرتا ہوں
مجھ کو گوہر عطا ہو غمِ مصطفےٰ
اس میں جیتا رہوں اس میں مرتا رہوں

(جذباتِ شوق)

گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کے یہ زاویے قاسم علم و عرفاں، صاحب قرآں کے مکتب ادب سے تعلیم اطاعت پانے، دل کے عشق سیّد ابرار ﷺ کے سرشار ہونے اور ریاضت کے گہرہائے آبدار دل میں سمونے سے نکلتے ہیں۔ ان کی سوچ کے تمام سلسلے ساقیِ کوثر ﷺ کے چمنستانِ سیرت کی جولانیوں سے قوتِ تخلیق پاتے ہیں۔ جب وہ ثنائے خواجہ میں رطب اللساں ہوتے ہیں تو ان کی وادیِ دل کا سماں قابل دید ہوتا ہے۔ ان کی شبیں چراغِ مدحت سے تابانی پاتی ہیں، اُن کے دن عشق و عقیدت سے فروزاں ہوتے ہیں۔ بزمِ عاشقانِ مصطفےٰ ﷺ میں جب نعت کے نذرانے پیش کرتے ہیں تو وہ لمحے بڑے حیات پرور ہوتے ہیں۔ ''جذباتِ شوق'' کے چند اشعار دیکھیے:

کیا ہے یوں چراغِ مدحت خیر البشر روشن		مری ہر رات ہے تاباں، مری ہر اک سحر روشن

نعت رسول پاک کی جو روشنی ملی		ہر حرفِ آرزو کو نئی زندگی ملی

ذکرِ نبی سے دیدۂ دل میں بہار ہے		گوہر ثنائے خواجہ سے ہر دم خوشی ملی

رسول رحمت کی نعت کا یہ حیات پرور ثمر ہے گوہر
پہاڑ جیسی رکاوٹوں کو خدا نے یکسر ہٹا دیا ہے

☆

سخن کو اسوۂ محبوب سے گوہر منور کر
متاعِ نعت ہوگی حشر کے دن تیری تابندہ

☆

مری نعتوں میں پنہاں ہیں نکاتِ عشقِ لافانی
مری فکر رسا بھی گوہر نایاب رکھتی ہے
مرے شوقِ ثنائے مصطفےٰ کی ہر ادا گوہر
سراپا حسن بنتی ہے، حسیں آداب رکھتی ہے

نعتیہ شاعری میں صداقت کے گل ہائے رنگارنگ اس وقت مہکتے ہیں جب نعت کے حقیقی مصدر، سرمدی جوہر اور نکہت فشاں عنبر، قرآن و حدیث کی تعلیمات سے کشتِ ذہن و شعور کو زرخیزی ملے، قرآن کریم میں تذکار رسول کریم ﷺ کی آیاتِ مقدسہ کے جمالِ صفات سے قلب و نظر کو رعنائی میسر آئے۔ و رفعنا لک ذکرک، انک لعلی خلق عظیم، وما ارسلنک الا رحمة للعالمین، ان اللّٰہ و ملئکتہ یصلون علی النبیؕ یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا

تسلیما کی وسعتوں، بے مثال عظمتوں اور دل کشا نزاکتوں کے حسین پیام کو خیال و فکر کی میراث بنایا جائے تو مدحت سرائی کی رفعت پائی جاتی ہے۔ شعری ادب میں نعت کا خمیر انھیں انعاماتِ ایزدی، اکرام حقانی اور الطافِ جاودانی سے اُٹھتا ہے۔

اسی طرح ارشاداتِ نبوی، ہدایاتِ نبوی اور کلماتِ نبوی جب احاطۂ نعت میں ضیا بار ہوں گے اور نعت نگار کا اثاثہ بنیں گے تو نعتیہ کلام میں فکر کا گداز، جذبات کا ناز و نیاز اور اسلوب کا پُر کشش انداز، دلوں کی دھڑکن، تمناؤں کا مسکن اور احساسات کا گلشن بنیں گے۔ گویا قرآن و حدیث کا علم ہی قدیم و جدید نعت کا منبع ہے، مدح سرائی کا اساسی نقطہ ہے۔ البتہ جذبات کی شدت، احساسات کی رفعت اور فکری حشمت نعت کائنات کو دھنک رنگ اور فلک آہنگ بناتی ہے۔ گوہر ملسیانی ان دلربا رنگوں سے خیالاتِ نعت کو پُر بہار بنایا ہے۔

گوہر ملسیانی سیرت نگار بھی ہیں، ان کی تالیف ''سیرتِ ہادی برحق ﷺ'' ۲۰۰۵ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ وہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> بیسویں صدی کی ساتویں دہائی تھی کہ الحاد و کفر کے پجاریوں نے ادبی میدان میں اسلامی روایات، اسلامی علمی، ادبی کاوشوں اور خاص طور پر صنفِ نعت کے خلاف اپنی ہرزہ سرائی سے ایک شور برپا کیا۔ چناں چہ اسلام سے محبت رکھنے والے اہلِ قلم نے اس تحریک کا منہ توڑ جواب دیا اور محسنِ انسانیت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی قندیلیں روشن کر کے سرخ سویرے کے علم برداروں کے سامنے نورِ ہدایت رکھا۔ اسی زمانے میں اس ادنیٰ سے سیرت کے طالب علم اور محسنِ انسانیت ﷺ کے غلاموں کے غلام نے اپنے علم و ادب کا تعلق گلشن ادب اسلامی سے قائم کیا۔ خصوصاً سیرتِ اقدس کو رقم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چناں چہ نعت میں بھی جو اشعار تخلیق ہوئے، ان میں بھی سیرت و کردار کے غنچے چٹکتے ہیں۔ (سیرتِ ہادیِ برحق ﷺ، ص ۱۷)

گوہر ملسیانی کی سیرت نگاری کے متعلق فاروق شہزادسب ایڈیٹر روزنامہ ''ایکسپریس'' تحریر کرتے ہیں:

> عصرِ حاضر کے سیرت نگاروں میں گوہر ملسیانی کا نام اس لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ وہ اپنی حیاتِ مستعار کی ساعتوں کو ذکرِ محبوبِ خدا ﷺ

منور کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی زندگی آج کل تعلیماتِ قرآنی اور ارشاداتِ محبوبِ ربانی ﷺ کی فضاؤں میں عجز و انکسار سے گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم کی ثروت، قلم کی دولت اور خیالات کی عظمت سے نوازا ہے۔ ذکرِ سرورِ کونین ﷺ جب ان کی زبان اور قلم سے نکلتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تمنائیں اور آرزوئیں ان کے دامنِ دل کو جھنجھوڑ رہی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیلی و تصویر اگر دیکھنا ہو تو ان کی تالیف ''سیرتِ ہادیِ برحق ﷺ'' میں پھیلی ہوئی اسی تازگی سے حاصل کیجیے، جس میں فصلِ گل کی بہار ہے، دامنِ کوہ کی پاکیزہ فضا ہے اور خصوصاً تعلیماتِ نبوی ﷺ کے اسرار کی عقدہ کشائی ہے۔

''سیرتِ ہادیِ برحق ﷺ'' میں ادبی چاشنی، عقیدت و محبت کے گل ہائے رنگا رنگ ہیں۔ منظر نگاری جگہ جگہ قلب و نظر کو مسحور کرتی ہے۔ صرف ایک اقتباس حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت پیش کر کے اسلوب میں فصاحت و بلاغت اور تحریر کے حسن کا نمونہ پیش کرتا ہوں:

صبح کا نور ظاہر ہونے لگا، غنچے چٹک رہے ہیں، لالہ و سنبل مسکرا رہے ہیں، بادِ صبح خوشبو پھیلا رہی ہے۔ یاسمن نسترن کی پتیوں پر شبنم کے موتی دمک رہے ہیں، سرو سمن انگڑائی لے رہے ہیں۔ نور کی برسات ہو رہی ہے، خوشنوا پرندے اللہ کی حمد و ثنا بیان کر رہے ہیں، ان کے نغمے کانوں میں رس گھول رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ سچ مچ جنت زمین پر اتر آئی ہے۔ کلیوں کے چٹکنے اور پھولوں کے مہکنے سے ایک پُر کیف اور مدہوش کن سماں ہے، نورِ مجسم نے آمنہ کی گود کو شاداب کر دیا ہے۔ (سیرتِ ہادیِ برحق ﷺ، ص ۵۴)

یہ نعت شناسی کی وہ بنیاد ہے جس کے سبب نعتیہ تخلیق، نعتیہ تحقیق اور نعتیہ تنقید کے ادبی مزاج، علمی معراج اور اسلوبی منہاج میں گوہر ملسیانی کی فکری ضیائیں نور بکھیرتی نظر آتی ہیں۔ ان کی نعت، سیرت کی کتاب اور مضامین و مقالات میں قرآن و سیرت کے مطالعہ کی بہار ہے۔ آیات و احادیث، موضوعات کی مطابقت، افکار کی مناسبت اور اظہار و ابلاغ کی یگانگت کی آئینہ دار ہیں۔ تذکرہ نگاری ہو یا نعتیہ اشعار میں استحسان، سیرتِ سرورِ عالم ﷺ کی مرقع نگاری ہو یا شاعرِ نعت کی تخلیقی قدرت کا اظہار، گوہر ملسیانی حقیقت و صداقت کے ترجمان ہیں۔ مبالغہ آرائی سے گریزاں، فخر و

تعلّی سے ہراساں بلکہ عجز وانکساری میں فراواں دکھائی دیتے ہیں۔

نعت شناسی کی یہ حسین وجمیل ادا ہے کہ خیال کتابِ نور اور کلامِ نبوی ﷺ سے حقیقت کی جلا پائے۔ تہذیبِ اسلامی، شریعتِ اسلامی اور تعلیماتِ اسلامی سے تقدیسِ فکر حاصل کرلے۔ گوہر ملسیانی نے نعت کے اشعار، نعت کے افکار اور نعتیہ مقالات میں گفتار کے بتنے نقوش ابھارے ہیں، سب شانِ رسول، پہچانِ رسول، ایقانِ رسول اور فرمانِ رسول ﷺ سے منور ہیں۔ وہ احتیاط کا دامن تھامے، علم وفکر کا چلمن اوڑھے اور اظہار کا جوبن سجائے، نعت کی منزل کا مسافر بنے شب و روز رواں دواں ہیں۔

''نعت رنگ'' شمارہ ۱۷، نومبر ۲۰۰۴ء میں گوہر ملسیانی کا مقالہ بعنوان ''ضلع رحیم یار خان کے نعت گو'' شائع ہوا تو صنفِ نعت کے ادراک کے حقیقی زاویے سامنے آئے۔ اس مقالہ کی تمہید نعت کے جمالِ روایت اور نعت کی تدریجی اور ارتقائی لطافت کا تذکرہ گوہر ملسیانی کی نعت شناسی اور پُروقار اسلوب کی بہار دکھاتی ہے۔ اس میں پانچ شعرائے نعت کا تذکرہ اور ان کے کلام کی تحسین، ان کے فنی انوار کی تعریف ایک جدید رنگ میں ملتی ہے۔ گوہر ملسیانی نے نعت میں عقیدت ومحبت کے دمکتے نگینے تلاش کیے ہیں اور گلشنِ عشقِ رسول ﷺ کے گل ہائے کثیر رنگ میں شانِ دلربائی محسوس کی ہے۔

جناب شہزاد احمد نے اپنے مقالہ ''نعتیہ تذکرہ نگاری اور نعت رنگ'' مشمولہ ''نعت رنگ'' ۲۰ میں ذکر کیا ہے اور گوہر ملسیانی کی شعرفہمی اور خصوصاً نعت کے اشعار کی روح میں اُتر کر نعت کی حقیقت اور عقیدت کی ابدیت کے انوار بکھیرنے کا اظہار کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

> نعت رسول ﷺ کی نزاکت اور اصل روح سے واقف ہونے کے سبب بے مثال اشعار کا انتخاب پیش فرماتے ہیں، جس سے شاعر موصوف کی فکر و مزاج کو سمجھنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ مرحوم نادم صابری، گلزار احمد کا نعتیہ شعر دیکھیے:
>
> نامِ حق، عشقِ نبی، حسنِ وفا رکھا ہے
> ہم نے سینے میں، ہر گنجینہ چھپا رکھا ہے

ندیم نیازی، محمد عبداللہ خاں کی نعت کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

حبِ خدا ہے مدعا عشقِ رسول آرزو
دونوں مرے لیے ندیم نغمہ گرِ حیات ہیں

ضیاء الدین نعیم:

ایک ایک نقش ان کی سیرت کا
صفحۂ زیست پر فروزاں ہے

حفیظ شاہد کی نعت کا شعر دیکھیے:

جس کو نبی کا سایۂ داماں نہیں ملا
ایماں نہیں ملا، اسے عرفاں نہیں ملا

گوہر ملسیانی:

اک فقر کی دولت تو مومن کا اثاثہ ہے
انسان کو بخشی ہے معراج نبی نے کیا

("نعت رنگ" ۲۱، ص ۳۵۱)

گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کا یہ پہلو مزید اس وقت پھیلتا ہے، جب وہ شعرائے کرام کے نعتیہ کلام پر تحقیقی اور تنقیدی تبصرے تحریر کرتے ہیں۔ نعتیہ کتب کا تنقیدی جائزہ رقم کرتے ہیں۔ حقیقتاً گوہر ملسیانی نے مطالعہ قرآن و حدیث کی روشنی میں نعت کی حدود کی وسعتیں، عقیدت و عشقِ رحیق المختوم ﷺ کی نزاکتیں اپنی متاعِ عزیز بنائی ہوئی ہیں اور ان کی روشنی میں جمال و حسنِ نگارِ حسیں، حسن حسین ﷺ کو شاعرِ نعت کی تخلیقات میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ خیالات و جذباتِ شاعر اس تخلیق میں کس معیار کے ہیں۔ ادب و احترام اور مرتبہ و منصب کی صداقت کس قدر ملحوظ رکھی گئی ہے۔ رمزِ دلبری، عشقِ سروری اور مرتبۂ پیغمبری کے اظہار میں کہیں ٹھوکر نہیں کھائی ہے۔ پھر شعریت کی نزاکت، اسلوب کی طہارت، استعارات و تشبیہات کی صداقت قائم رہی ہے۔ یہ سب آئینے ہیں نعت کی عظمتوں کے، مدحت کی فضیلتوں کے۔ یہی نعت آشنائی کے آبگینے ہی جو ذرا سی ٹھیس پہنچنے پر ٹوٹ بجتے ہیں، بکھر جاتے ہیں۔ ان سے تجاوز، ان سے بغاوت، شانِ رسالت سے بے خبری، تعلیماتِ اسلامی سے دُوری اور نعت نگاری کے بجائے صنم گری ہے۔

گوہر ملسیانی نے جن شعرائے کرام کی نعتیہ تخلیقات پر قلم اُٹھایا ہے، اپنی فکر کے مطابق تحقیق و تنقید، تحسین و تعریف کا حق ادا کر دیا ہے، شاعر کے خیال کی طہارت، مدحت سے محبت اور الفاظ و تراکیب کی جدت میں خلوص و صداقت پر گہری نظر ڈال کر عالمانہ مباحث نوکِ قلم پر لائے ہیں۔ آیئے نعت شناسی کے اس کینوس پر گوہر ملسیانی کی ابھاری ہوئی چند قلمی تصویروں کا جائزہ لیں:

خان اختر ندیم نقش بندی نے سرورِ کائنات ﷺ کے حضور نعت کے اتنے خوب صورت اور دل کش نذرانے پیش کیے ہیں کہ ان کی تخلیق ''ساقیِ کوثر ﷺ'' عشق و محبت کی قندیل بن گئی ہے، جب آفتابِ نو بہار، پیکرِ تسلیم و رضا، شمعِ غارِ حرا ﷺ سے عشق و محبت زندگی کا مقصود بن جائے تو محبوب کی اک اک ادائے ناز پر قربان ہونے کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ ندیم نے اس جذبۂ محبت کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا ہے۔ ان کی اضطراری کیفیت نے عشق کی معراج پائی ہے۔ دیکھیے:

مرے ہر نفس میں ہیں مصطفیٰ، مرے دل پہ ان کا نزول ہے
مری زندگی بھی رسول ہے، مری بندگی بھی رسول ہے
یہ جواہرات یہ سیم و زر، نہ اُٹھے کی ان کی طرف نظر
میں ہوں بادشاہ نصیب کا، مرے پاس عشقِ رسول ہے

ان کے اشعار میں اخلاق کے درخشندہ پہلوؤں کا اظہار جگہ جگہ ملتا ہے بلکہ انھوں نے مدنی تاجدار ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کو اپنے جذبہ کی آنچ میں ڈال کر کندن بنا لیا ہے اور اخلاق کی ان اقدار سے انسانیت کو ضیائیں فراہم کی ہیں جو دنیا کی تاریک فضاؤں کو منور کرتی ہیں:

بھوکے تھے اور پیٹ پہ پتھر بندھا رہا — شاہا! وہ بے مثال قناعت ہے آپ کی
رکھا ہے دشمنوں کو بھی اپنی پناہ میں — مشہور دو جہاں میں مروت ہے آپ کی

☆

رکھو اپنے قلب کو صاف تم، کرو دشمنوں کو معاف تم
یہ مرے حضور کی بات ہے، یہ مرے نبی کا اصول ہے

(مسودہ: عصرِ حاضر کے نعت گو، دوم)

پروفیسر محمد مسعود اختر بھی نعت کا ایک درخشاں ستارہ ہیں، جدید اسلوب، ان کی نعت کا جمال ہے۔ مدحت کے گہرہائے گراں مایہ لٹانے والوں میں وہ اپنی تخلیق ''صلوا علی الحبیب ﷺ'' لے کر شامل ہوئے ہیں۔ جذبات کی صداقت، اسلوب کی ندرت، فکر کی عظمت، فن کی قدرت اور ابلاغ و اظہار کی حیثیت سے مالا مال ہیں۔ دیکھیے:

نالۂ قلب مضطرب آج تو کام کر گیا　　نامِ نبی ترے نثار، کاسۂ حرف بھر گیا

☆

سخن وروں میں عطا کر یہ امتیاز مجھے　　مرے کریم نبی نعت سے نواز مجھے

☆

مظہر قدرت باری صورت　　روحِ کونین وہ پیاری صورت
جس مصور نے بنایا تم کو　　دیکھتا ہے وہ تمھاری صورت

نعت کا کینوس بے حد وسیع ہو چکا ہے۔ اب وہ روایت کا جمال صوری صرف نعت کا لوازمہ نہیں رہا ہے بلکہ جدید نعت گو ایسے ایسے لولوئے لالہ کو لاتے ہیں کہ سخن کے گلشن میں نئے نئے غنچے چٹکنے لگتے ہیں۔ معنی آفرینی کی کئی جہتیں اسی طرح بکھر جاتی ہیں کہ نعت میں روحانی ترفع اور پیغامِ سرمدی کی بے انت عظمتیں ادراکِ سامع وقاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ مسعود اختر کی نعتیں بھی ان مسرت افزا کیفیات سے لبریز ہیں اور اسلوب کا جدید رنگ بھی مسحور کرتا ہے۔

ذکر کی پیہم بلندی، وعدۂ ربّ وفا　　نعت کی فرماں روائی شہرِ مستقبل میں ہے
بزمِ عالم میں چراغاں اس کا فیضِ عام ہے　　روشنی ساری کی ساری اس مہِ کامل میں ہے
تلخیِ حالات کا شکوہ نہیں کرنا مجھے　　جانِ رحمت جانتے ہیں اُمتی مشکل میں ہے

☆

چاند ٹوٹا، کبھی سورج پلٹا　　بات جو تو نے کہی ہو کے رہی
تاجِ نسبت ہے غلاموں کو نصیب　　اس غلامی پہ ہے قربان شہی

(مسودہ: عصرِ حاضر کے نعت گو، حصہ دوم)

''موجِ عشق'' خالد بخاری کا نعتیہ مرقع ہے۔ گوہر ملسیانی نے ''موجِ عشق'' میں روایت کی درخشانی دیکھی ہے۔ حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے جلوے قلب ونظر کو منور کرتے ہیں۔ وہ تمام رنگینیاں جو متقدمین سے لے کر الطاف حسین حالؔی کی جدید نعتیہ شاعری کے حسین موڑ تک تاریخِ نعت کا حصہ ہیں، گوہر ملسیانی کے مطالعہ کو ضیا بار کرتی ہیں، وہ کہتے ہیں:

> روایت کی پیروی میں خالد بخاری کے نعتیہ کلام میں جمالِ عارضِ گلگونہ، حسنِ ادا کا جلوۂ شاہانہ، موجِ تبسم کا رُخِ عاشقانہ، زلفِ عنبر فشاں کا اندازِ خسروانہ اور ذوقِ عمل کا رنگ عاجزانہ ایسی تڑپ رکھتا ہے کہ قاری کو اپنی گرفت میں

لے لیتا ہے۔ دراصل ان کی تخلیقی دانش میں یہ حسن رچ بس گیا ہے، جس نے ان کی مدحت میں روایت کا وہ نور شامل کر دیا ہے، جس میں گزشتہ پوری صدی کا ماحول چمکتا ملتا ہے۔

جانِ بہار، جانِ جہاں، جانِ انجمن — جن کے درودِ پاک سے عالم چمن چمن
رعنائی جمالِ مہِ آمنہ نہ پوچھ — یکتائی کمالِ شہِ انبیا نہ پوچھ
شمس، والضحیٰ ہے بوجہِ رُخِ حبیب — واللیل گیسوؤں کی سہانی گھٹا نہ پوچھ
زُلفیں کالی گھنگھریالی، آنکھیں ہیں متوالی — کملی والا، کتنا زیبا زیبا لگتا ہے

خالد بخاری کی تقریباً تمام بحریں مترنم ہیں۔ وہ پُر سوز لحنِ داؤدی میں نعت پیش کر کے محفل کو گرما دیتے ہیں اور ایک وجد کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے:

میسر شغل ہے ایسا کہ مشغولِ ثنا رہیے — حضورِ سیّدِ عالم سراپا التجا رہیے
ابرِ مدینہ ہرسُو چھایا چھایا لگتا ہے — کتنا ٹھنڈا میٹھا سایا، سایا لگتا ہے

(شہرِ نعت، فیصل آباد)

غلام مصطفیٰ قمر بزرگ نعت گو ہیں۔ وہ خوش قسمت انسان ہیں جنھیں میدانِ ادب میں اگر کوئی صنفِ سخن پسند آئی ہے اور جس سے متاثر ہوئے ہیں تو وہ مدحتِ سرکارِ مدینہ ﷺ ہے۔ ان کی زندگی کا اثاثہ نعت اور صرف صنفِ نعت ہے۔ وہ خود بھی صاحبِ اخلاق، بالغ نظر اور انسانیت سے پیار کرنے والے انسان ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ "سرورِ قلب" اشاعت سے قبل دیباچہ کے لیے گوہر ملسیانی کے پاس آیا تو انھوں نے حدیقۂ نعت کے عنوان سے "سرورِ قلب" پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے تحریر کیا:

قمر کے گلشنِ مدحت میں جمالِ شہِ عرب و عجم ﷺ کی رعنائیاں، الماس و جواہر کی طرح دمکتی ہیں اور یہ حسن آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے، ان کے ہاں یہ گہرہائے آبدار متنوع رنگوں میں اپنی بہار دکھاتے ہیں

اس پیکرِ انوار سے ضو لیتے ہیں سب ہی — خورشید بھی، مہتاب بھی، صبح و مسا بھی
اپنا تو ہے ایماں بھی، اپنی بھی ہے بندگی — چشمِ خیال و شوق ہو، محوِ جمالِ مصطفیٰ

قمر نے قرآن حکیم کے اس ارشاد کو بھی حرزِ جاں بنایا ہے:

انک لعلی خلق عظیم۔ "بے شک آپ خلقِ عظیم کے مالک ہیں۔"

آپ کے حسنِ اخلاق کی گواہی دشمنِ جاں بھی دیتے ہیں۔ باطل کے پجاریوں نے آپ کے جسم اطہر کو خون سے تر کردیا۔ دندانِ مبارک شہید کیے، مگر زبان صاحبِ قرآں ﷺ سے ان کے خلاف ایک کلمۂ تنفر نہ ٹپکا۔ خلقِ عظیم کے یہ غنچے حیات طیبہ کے گلشن میں ہر موسم میں چٹکتے رہے اور مشامِ جاں کو معطر کرتے رہے۔ قمر کی اس تخلیق میں بھی جذبوں کی ضو جگہ جگہ ملتی ہے۔ اخلاق کی عظمت کے یہ نگینے دیکھیے:

رب نے نوازا جو تجھے خلق عظیم سے ۔۔۔ بھیجا گیا بنا کے تجھے محسنِ عوام
جود و سخا بھی تجھ سے ہی منسوب ہے شہا ۔۔۔ رحمت تری سرشت ہے خاصہ ہے فیض عام
بخشیں قبائیں دشمنانِ جسم و جان کو ۔۔۔ بے مول تیرے خلق نے انھیں کیا غلام

دنیا کے آقاؤں نے تو دُکھ بھی بانٹے انساں کو
جو ہمدرد ہے ہر بندے کا ہم وہ آقا رکھتے ہیں

(مسودہ: سرورِ قطب)

گوہر ملسیانی نے ایک اور مجموعۂ نعت ''جزائے نعت'' از خادم رزمی کا پیش لفظ بعنوان ''نعت کی تازہ اور جاندار آواز'' تحریر کیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

> نعت کے اس سرمدی موسم میں ایک نئی آواز اُبھری ہے، جس نے جدید ڈکشن کو اپنایا ہے۔ یہ آواز جناب خادم رزمی کی ہے، جن کی غزل کے جمال نے نہ صرف برصغیر بلکہ بیرونِ پاکستان بھی رنگِ بہار کا لطف عطا کیا ہے۔ ان کی غزل اہلِ علم وفن سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہے...وہ غزل کے آبگینے شائقینِ غزل کو عطا کر کے اب صنفِ نعت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔
>
> ...خادم رزمی کی ''جزائے نعت'' کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو نعت کے موضوعات کا ایک سیلِ رواں ہے، جو قاری کی روح کو تڑپاتا جاتا ہے۔ مضامین کی ایک قوسِ قزح ہے جو جہانِ ادب کو رنگین بناتی جاتی ہے۔ دل کی وادی سے ایسی خنک ہوائیں چلنا شروع ہوجاتی ہیں کہ رزمی کی فضاؤں میں گم ہوجاتی ہیں۔

ملا ہے جو مجھے اعزاز مولا! تیری مدحت کا
پڑھوں تجھ پر درود آقا، بہت بھیجوں سلام آقا

تری مدحت کے صدقے اس میں بھی پختگی آئی
کہ اس سے پہلے تھا ورنہ ہنر سب میرا خام آقا

☆

مجھے شکوہ نہیں کچھ تختی حالات سے مولا!
تری مدحت وہ نعمت ہے، میں جس سے زر بداماں ہوں
خدا جن کا ثناگر ہے میں ان کی نعت کہتا ہوں
بہت چھوٹے سے منہ سے اک بڑی ہی بات کہتا ہوں

گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کے حوالے سے فکر کی صداقت کے وہ نگینے جوان کے قلم سے ان کے مقالات میں چمکتے ملتے ہیں، ہر قاری کے سامنے عقیدت ومحبت کی وہ کہکشاں سجا دیتے ہیں جن پر نعتیہ شاعری ناز کرتی ہے۔ بات تو خیر البشر ﷺ سے محبت کی ہے، عشق کی ہے، گوہر خود بھی غمِ عشقِ رسول ﷺ میں قلبِ منور وگداز رکھتے ہیں اور جس نعت نگار کی تخلیق میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا سوز و گداز پاتے ہیں، اس کی توصیف میں بھی بخل نہیں کرتے۔ کلام کے محاسن کو دل کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھتے ہیں اور نعت کی فکری، اسلوبی اور جذباتی خوبیوں کو نمایاں کرکے تخلیق کار کے فکر وفن کی داد دیتے ہیں۔

''نعت رنگ'' ۱۹ / دسمبر ۲۰۰۶ء میں ان کا ایک طویل مقالہ ''تذکرہ نعت گویانِ بہاول پور'' شائع ہوا ہے۔ جو نعتیہ ادب میں ایک جامع تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صنف نعت کی بہار آفرینی اس کا مرکزی نقطہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> مدحتِ رحمت للعالمین ﷺ ہر مومن کی متاعِ عزیز ہے بلکہ شافعِ محشر، ساقیِ کوثر ﷺ سے عقیدت ومحبت ایمان کا جزو ہے۔ مصحفِ ربانی تو خاص طور پر یٰسین وطٰہٰ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے اور واضح کرتا ہے اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو محسنِ کائنات، پیغمبر آخرالزماں ﷺ کی اتباع کرو، چناں چہ دنیا کا کوئی خطہ اور کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں مدحت کی بادِ بہاری محوِ خرام نہ ہو، مشرق ومغرب میں جہاں جہاں خالقِ ارض وسماوات کی کبریائی کی صدائے جاں فزا گونجتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ عظمت وفضیلت آفتاب نور بہار، شافعِ یومِ قرار ﷺ کا آوازہ بھی بلند ہوتا ہے۔ وہ گلستان

سرسبز و شاداب ہوں، کوہسار پُر جمال ہوں یا صحرائے پر شرار ہوں، ہر جگہ تذکارِ خیر الخلائق ﷺ فردوسِ گوش اور اشتیاقِ قلب ونظر کا ذریعہ بنتے ہیں۔
("نعت رنگ" ۱۹، ص ۴۷۸)

جناب شہزاد احمد نے اسی تذکرہ نگاری کی حسن و استحسان کا اظہار کیا ہے:

تذکار نگار گوہر ملسیانی نے اپنی سابقہ اور مستند روایات کو برقرار رکھتے ہوئے، اس "تذکرہ نعت گویانِ بہاول پور" کو بھی خزینۂ معلومات بنایا ہے۔ کل ۱۳ شعرا کے نعتیہ مجموعہ ہائے کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ("نعت رنگ" ۲۱، ص ۳۵۴)

اس مقالہ میں گوہر ملسیانی کی نعت آشنائی سے مزین خیالات قابلِ قدر ہیں، چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں جو آج کے موضوع کی ترجمانی کریں گے۔

آج کل تو بہاول پور میں نعت کی پُر سرور سرمدی ہوائیں چلتی ہیں اور مغرب سے اُٹھتی ہوئی استعماری بوباس سے لبریز ہواؤں کے طلسم کو توڑنے کے لیے آفتابِ ہدایت ﷺ کی ضیائیں ایک تحریک کی صورت میں ضوفشاں ہو رہی ہیں۔ اس اقدار کو پامال کرنے والے موسم میں یہاں کے شعرائے کرام اپنے تخلیقی سفر میں سرکارِ مدینہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا زادِ سفر لے کر اقلیمِ فکر کو تازگی عطا کر رہے ہیں۔ اگر روایت کی پاسداری ہے اور حسن و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کا پُرکشش تذکرہ ہے تو جدید اسلوب میں سیرت و کردار اور افعال و اطوارِ سرورِ کائنات ﷺ کی بوقلمونی بھی قصرِ توصیفِ سید الانبیا ﷺ کو پُرشکوہ اور دیدہ زیب بنا رہی ہے۔ ("نعت رنگ" ۱۹، ص ۴۸۴)

نعت نگاروں کے خیالات و جذبات اور اظہار و بیان کو پرکھتے ہوئے گوہر ملسیانی نے اپنے اندازِ گفتگو کے حسن سے ادبی اسلوب کے دھنک رنگ بھی پھیلائے ہیں۔ پروفیسر سہیل اختر کی نعت کائنات کی سیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

غزل کا شاعر حساس اور حسن و جمال کا رُسیا ہوتا ہے۔ نہ درد و غم، نشاط و مسرت اور فکری جہتوں جیسی آفاقی قدروں کا نقیب ہوتا ہے پھر عشق و محبت اس کے تصورات کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ جب ایسا شاعر نعت کی قلم رو میں

داخل ہوتا ہے تو اس کا جذبۂ شوقِ فراواں اور حسیت کا رنگ درخشاں ہو جاتا ہے۔ اب اس کا محبوب شان و شوکت، رفعت و عظمت، حسن و جمال اور شان و کمال میں یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب وہ ہستی اس کا محبوب، اس کی زندگی کی تمنا اور اس کی آرزوؤں کا مرکز بن جاتی ہے، جو خالق کائنات کی فرستادہ، منتخب اور محبوب ہوتی ہے۔ پھر ایسے مضامین خیالات کے گلشن میں نکہت فشاں ہو جاتے ہیں جن میں صداقت و فضیلت، امانت و متانت اور فراست و نفاست کے غنچے چٹکنے کے لیے بے تاب ہوتے ہیں۔ پروفیسر سہیل اختر بھی ایسے ہی ایک نعت نگار ہیں جو عشق و جنوں کی پُر عقیدت وادیوں میں گھومنے لگے ہیں اور مدحت کے سوز و گداز سے لبریز ہو کر شعر و سخن کے فلک پر چمکنے لگے ہیں۔ (ایضاً، ص ۹۱۔۴۹)

ڈاکٹر سیّد قاسم جلال خانوادۂ سادات کے درخشاں ستارے ہیں، علمی، ادبی، تحقیقی اور تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ درس و تدریس شعبہ ہے، دبستانِ حالیؔ اور اقبالؔ سے تعلق ہے۔ مدحت میں عشقِ رسول ﷺ اور سیرت و کردار کے عملی پہلو ان کی نعت کے مضامین ہیں۔ گوہر ملسیانی نے ان کے نعتیہ کلام میں مہکتے پھول چنے ہیں۔

مدحت کی سرزمین کو پُر بہار بنانے والا شاعر بھی اپنے شوقِ فراواں کے بل بوتے پر کامیابی کی منزل پانے کا حق دار بنتا ہے۔ وہ جانتا ہے، جب قلبی سوز و گداز، عقیدت و محبت میں ڈھل جاتا ہے تو مژدۂ جامِ کوثر نصیب ہوتا ہے، قاسم جلال کے ہاں بھی عشق و محبت کی یہ قندیلیں جگمگ کرتی ملتی ہیں۔

محمد عربی ہے وہ معرفتِ حق کا چراغ
ملا ہے جس سے زمانے کو دینِ حق کا چراغ
رسولِ پاک کی اُلفت ہو جاگزیں جس میں
وہ قلب پائے غمِ دوجہاں سے کیوں نہ فراغ

مجیب الرحمٰن خان مجیب کی جمالیاتی کیفیت کے متعلق کہتے ہیں:

سیرتِ چشمۂ خورشید ﷺ نکھری نکھری، پاکیزہ پاکیزہ، اس دنیا کے انسانوں کو آلائشوں سے پاک کرتی ہے اور زندگی کا سلیقہ سکھاتی ہے۔

گلستانِ نعت میں سرورِ عالم ﷺ کی حیاتِ مقدسہ کے یہ لمحے عہدِ حاضر میں زیادہ پُرتاثیر ہیں، جب مغربی تہذیب اور مادّی خواہشات تاریکیوں کے جال پھیلا رہی ہیں۔ نعت نگار اسوۂ ضوفشاں سے اس دنیا کے انسانوں کو بہار آفریں قرینۂ زندگی سے روشناس کرتے ہیں۔ مجیب کے نعتیہ کلام میں نورِ ہدایت کی شعاعیں بکھری ہوئی ملتی ہیں:

کرم کی بھیک جس کو بھی ملی قسمت کھلی اس کی
سلیقہ مل گیا ہے زندگی آئی قرینے میں
ولایت، خلعتِ فقر و قلندر سب کو ملتے ہیں
نہیں ہوتی کمی فیضانِ رحمت کے خزینے میں

اصناف ادب میں صنفِ نعت درحقیقت فکری تجسس، جذباتی لگن اور احساس کے جوبن کی تمنائی ہے، عشق و عقیدت تو ہر غزل کی میراث ہیں، لیکن جب نعت کے سفر میں ان کا ظہور ہوتا ہے تو دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ اس میں ہر قدم پر ضیائیں شعلہ بار ہوتی ہیں، جو ہر موڑ پر آرزوئیں شفقت رحمت عالم ﷺ کی خواست گار ہوتی ہیں۔ یہی تو نعت شناسی کی ادائیں ہوتی ہیں۔ دل کی صدائیں ہوتی ہیں۔ گوہر ملسیانی اپنی تحقیقات و تنقیدات، تخلیقات و نغمات اور تعلیمات و تشریحات میں، اسی پُرتاثیر سوچ کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔ وہ نعت کہتے ہوئے خیال و فکر کی برتری، قلب و نظر کی پاکیزگی اور اسلوبِ بیان کی دل کشی اپنے سامنے رکھتے ہیں، دیکھیے وہ خود یہ اقرار کرتے ہیں:

خیالوں میں طہارت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں　　خدا کی جب عنایت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
مضامین منور جب مرے ادراک پر اُتریں　　فروزاں جب بصیرت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
مدینے کے تصور میں مرا دل جب مچلتا ہے　　کوئی غیبی بشارت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
ہوائے گلشنِ طیبہ لیے جب کیفِ جاں آئے　　فضاؤں میں لطافت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
جہاں ہر لحظہ رہتے ہیں فروزاں دیپ حکمت کے　　وہاں سے جب اجازت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
زرِ افکار کی تابش، نویدِ لطف گویائی　　خدا سے جب ودیعت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
بھری محفل میں ہر دل جب سراپا گوش ہو جائے　　خموشی ہو، متانت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
فضائے دشت میں جب نغمہ ہائے سرمدی گونجیں　　بکھرتی جب صباحت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
مرے عشق و محبت کی فرشتے جب شہادت دیں　　فلک سے جب ہدایت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں

رسولِ ہاشمی کے اسوۂ حسنہ کی تابانی
مجھے گوہر عنایت ہو تو پھر میں نعت کہتا ہوں
(ارمغانِ شوق)

نعت کائنات میں خیرالوریٰ ﷺ کی شانِ دلربائی، زندگی کے مختلف پہلوؤں کی رعنائی کہکشاں کے ستاروں کی طرح بکھری ملتی ہے۔ اس عالمِ انسانیت میں انسان کی رہنمائی کے لیے ربِّ کائنات نے محسنِ انسانیت ﷺ کو بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے۔ انھی میں سے ایک وصف اخلاقِ حمیدہ ہے، جس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد ہے، ''انک لعلی خلق عظیم'' ہے۔ گوہر ملسیانی نے ایک مقالہ ''اخلاقِ محسنِ انسانیت ﷺ نعت کے آئینے میں'' تحریر کیا ہے جو ''نعت رنگ'' ۲۰ راگست ۲۰۰۸ء میں شامل ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ تاریخی بھی ہے اور ادبی خصوصیات سے بھی مزین ہے۔ گوہر ملسیانی نے قرآن و حدیث کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہو کر خلقِ عظیم کی جمال آفریں روایات کے موتی چن کر اسے سجایا ہے۔ پھر شعرائے کرام نے اپنی اپنی بساط کے مطابق جس طرح اپنے اشعار میں خلقِ عظیم کے گہر ہائے تابدار کو ضوفشاں کیا ہے، گوہر ملسیانی نے ان کی ضیاؤں سے اپنے مقالہ کو علمی، ادبی، فکری اور اسلوب و بیان کی نیرنگیوں سے منور کیا ہے۔ اس مقالہ کی تفصیل میں جانے کے بجائے آپ کو دعوتِ مطالعہ و فکر دیتا ہوں تاکہ آپ دیکھ سکیں کہ نعت شناسی کے حوالے سے گوہر کیسے گوہر نایاب ہیں۔

گوہر ملسیانی کا ایک اور تحقیقی مقالہ ''اردو نعت، حقائق کے آئینے میں'' الزبیر بہاول پور شمارہ نمبر ۲، ۲۰۰۹ء کی زینت بنا ہے۔ یہ نعت کی روایات جو قدما کے کلام میں جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی رعنائیاں دکھاتی ہے کا تفصیلی جائزہ ہے۔ عربی، فارسی شعرا کی نعت نگاری سے لے کر حالی تک پہلے حصے میں شعرائے نعت کا جامع تذکرہ ہے جو ان کے اشعار کی مثالوں سے مزین ہے۔ اس سلسلے میں گوہر رقم طراز ہیں:

> نعت کی روایت کے ابتدائی دور میں، یہ جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے لمحات سے منور خیالات، شعور و آگہی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اس عہد کی ادبی خوبیاں اور قلبی رعنائیاں ہیں۔ نعت تو نام ہی شیفتگی کے جذبے کے اظہار کا ہے۔ جب بھی کسی شاعر نے خراجِ تحسین بحضور سید المرسلین ﷺ پیش کیا ہے اس کے سامنے یہ زندۂ و تابندہ روایت درخشاں رہی ہے۔۔۔ درحقیقت شرطِ اوّل تو

ایمان کی پختگی ہے، محبت کی ایسی شدت ہے، جس میں اطاعت کا جذبہ موجزن ہے اور پھر جذبِ دروں خود بخود تڑپ اُٹھتا ہے۔ اگر خالق ارض و سماوات نے قوتِ تخلیق ودیعت کی ہے۔ فنی خوبیوں سے نوازا ہے تو وارداتِ قلبی خیالات کا نور بن کر صفحہ قرطاس پر خود بخود ضیابار ہو جاتی ہے۔ مگر اس ہنرمندی کے ساتھ ساتھ ہر نعت گو پر یہ شرط بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ رحمت للعالمین ﷺ کے جمالِ صوری و معنوی پر اپنے خیالات کو منصۂ شہود پر لانے سے قبل مقامِ مصطفیٰ ﷺ کا عرفان بھی حاصل کرلے۔ (ایضاً،ص ۷۹)

''نعت جدید دور میں'' اس مقالہ کا دوسرا حصہ ہے، جس میں گوہر ملسیانی نے خواجہ حالی سے لے کر عصرِ حاضر تک نعت کے جدید اسلوب اور جستہ جستہ مضامین کی نقاب کشائی کی ہے:

جدید نعت میں زندہ جاوید خیالات و تصورات پیش کیے جارہے ہیں، جن میں اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ، تعلیماتِ قرآنی اور علم و آگہی کی تابانی موجود ہے۔ اشعار میں ارفع و اعلیٰ اور عظیم موضوعات کو تہذیب و شائستگی کے اسلوب میں بیان کیا جارہا ہے۔ حرف و صوت کے موتی اپنی چھب دکھاتے ہیں۔ سراجِ منیر کے جمالِ کردار، حسنِ حیات اور تقدسِ اخلاق کے انوار قلب و نظر کو منور کرتے جاتے ہیں۔ دراصل نعت کا یہ ایسا دور ہے، جس میں سیرتِ سرورِ کائنات ﷺ کی تجلیات اور حالاتِ حاضرہ کے پُرآشوب لمحات میں جیدسپہ سالارِ اعظم کی تابانیاں نعت گوؤں کو وسیلۂ اظہار عطا کرتی ہیں۔ اب صنفِ نعت صرف متبرک ہی نہیں بلکہ عشق و عقیدت اور سیرتِ مطہرہ کی جلوہ گری اور ادب کے پُروقار معیار کی معراج بن چکی ہے۔

(الزبیر ۲، ۲۰۰۹ء، ص ۸۱)

''نعت رنگ'' ۲۱ میں گوہر ملسیانی کا ایک اور طویل مقالہ بعنوان ''جمالِ محسنِ انسانیت نعت کے آئینے میں'' شائع ہوا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ انگریزی ادب کی حسن و جمال کی وادیوں سے بھی مفکرین اور حکمائے عالم کے تصورات اور شعرائے کرام کی تخلیقات میں دمکتے گہرہائے گراں مایہ سے منور ہے اور پھر قرآن مجید کے نظریۂ جمال کے لولوئے مکنون کے انوار سے مرصع و مکمل ہے۔ قدیم روایت میں درخشاں جمالِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے جمالیاتِ سرورِ عالم ﷺ

کے مختلف رنگ بھی اس مقالہ میں اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ علامہ اقبال نے گوئٹے کی مشہور نظم ''نغمۂ محمد'' کا آزاد ترجمہ ''جوئے آب'' بزبانِ فارسی کیا ہے جو ان کی کتاب ''پیام مشرق'' میں شامل ہے۔ گوہر کہتے ہیں:

> یہ ساری نظم رمز و کنایات سے لبریز ہے۔ جمالِ محسنِ انسانیت ﷺ کے مختلف رنگوں کی کہکشاں سجائی گئی ہے۔ پھر علامہ اقبال نے اس ''جوئے آب'' کی درخشندگی کے مختلف روپ گہوارۂ سحاب، چشمِ شوق، آغوشِ کہسار، بحرِ بے کراں... تنگ نائے کوہ و دمن وغیرہ کنایوں سے دکھائے ہیں جن میں ذاتِ محمدی ﷺ کے حسن و جمال کی بوقلمونی قلب و نظر کو مسحور کرتی ہے۔ اسی نظم کا آزاد ترجمہ ''پاکیزہ چشمہ'' کے عنوان سے معروف شاعر و محقق جناب ڈاکٹر شان الحق حقی نے کیا ہے اس کا تفصیلی مطالعہ ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' از عزیز احسن کے صفحات ۳۶ تا ۴۱ کیا جاسکتا ہے۔ (نعت رنگ: ۲۱، ص ۲۰)

اس مقالہ کی تحقیقی وسعت بہت سی مثالوں سے لبریز ہے۔ پھر اس کی تفصیل میں شامل اشعار کے تاباں اسلوب میں جمالِ صادق و مصدق ﷺ کی رنگارنگ ادبی صنعتیں، قلب و نظر کو خیرہ کرتی ہیں۔ قاری گوہر ملسیانی کے مندرجات کی اہمیت کو پاکر اور اسلوب کی درخشانی کے ساتھ ساتھ عقیدت و محبت کو ضوفشانی سے مسحور ہو کر گلستانِ نعت کے حسن و جمال میں اپنے آپ کو محصور پاتا ہے اور یوں گوہر ملسیانی کی نعت شناسی کے دھارے کہساروں کی آبشاروں کی طرح برسنے اور چمکتے دمکتے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اس دور کی نعت کی وسعت پزیری کے متعلق کہتے ہیں:

> اردو نعت کے اس ترقی یافتہ دور میں شعرائے کرام کی مساعی قابلِ داد ہے اور یہ جمالِ صورت و سیرت کی تصویر کشی مسلسل ارتقا پزیر ہے۔ نت نئی جہات سامنے آرہی ہیں۔ لطیف اندازِ بیان، متنوع ہیئت اور خاص طور پر محسنِ انسانیت ﷺ کے جمالی پہلو سے حقیقت کی آگاہی قابلِ قدر ہے۔ اب تو نعتیہ کلام فکری جمال، صوری حسن اور والہانہ شیفتگی کا نیا طرزِ احساس، اجتماعی شعور اور تازہ لہجے لیے ہوئے ہے، جس میں ابلاغ کی چاشنی اور تفہیم کی چاندنی بھی ہے۔ یوں صنفِ نعت میرے خیال میں ادبِ عالیہ میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ (نعت رنگ ۲۱، ص ۹۷)

ایسے مقالات ''صنفِ نعت'' کی وسیع شعری کائنات کے مطالعہ سے شرف یاب ہونے والے محقق اور ادب کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن ہونے والے اہلِ قلم ہی صفحاتِ قرطاس کی نذر کر سکتے ہیں۔ گوہر ملسیانی نے میری اس سلسلے کی ہر تجویز کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ ابھی ایک اور تحقیقی مقالہ ''رحمتِ رحمت للعالمین ﷺ نعت کے آئینے میں'' میری گرفت میں ہے جو نعت رنگ کی اگلی اشاعت میں شامل ہوگا۔ چمنستانِ نعت کو ایسے اور کئی گلاب ان کے فکر کی رعنائیاں لے کر ان شاء اللہ منصۂ شہود پر ضوفشاں ہوں گے۔

گزشتہ دنوں ایک اور مقالہ ''نعت کے ضوفشاں لمحوں کا شاعر... منظر عارفی'' میرے مطالعہ کی زینت بنا ہے جو الزبیر بہاول پور شمارہ نمبر ۱، ۱۰، ۲۲ میں شامل ہے۔ گوہر ملسیانی نے حسبِ سابق منظر عارفی کی کتاب ''اللہ کی سنت'' کی حمد وثنا کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے مطالعہ کی زینت بنایا۔ ''اللہ کی سنت'' پر منظر عارفی کو قومی ایوارڈ ملا ہے۔ اس مقالے کے صرف دو اقتباس پیش کر کے گوہر ملسیانی کی نعت شناسی پر اس گفتگو کو کافی وشافی سمجھتا ہوں۔

> محبت کی کونپل اطاعت کے شجرِ شاداب وضیابار سے پھوٹتی ہے۔ قرآن حکیم نے اطاعت کی جمالیاتی کیفیت اور صاحبِ رُشد و ہدایت ﷺ کی اُنسیت کے امتزاج کو بیان کرتے ہوئے اہلِ ایمان کو جادۂ صحیح دکھایا ہے، جس پر گامزن ہو کر منزلِ مقصود میسر آتی ہے۔ مدحت طرازی میں شعرائے کرام نے اطاعت کا جمال من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء ۴:۸۰) ''جس نے رسول کی اطاعت کی سو درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' کے حکم ربانی سے پایا اور صحابہ کرام کی جاں نثاری، عقیدت ومحبت کی جلوہ گری سے اپنے کلام کو سوز وسازِ رومی سے مزین کیا۔ منظر عارفی کی ''اللہ کی سنت'' ایسے نگینوں کی ضیاؤں سے معمور ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی اطاعت و عقیدت کی ایسی ایسی شمعیں فروزاں کی ہیں، جن کا سوز قرۃ العین ہے اور جن کا جمال دل کی ٹھنڈک ہے۔ منظر عارفی ایک ایسا شاعر ہے جس کی نعت عشق کی تخلیق ہے اور محبت کی تعبیر ہے اور یہ دونوں زاویے اس کی اطاعت کے آبگینوں سے چھن کر سامنے آتے ہیں۔ (الزبیر، بہاول پور، ص ۸۷)

دو شعر دیکھیے:

نبی پاک کی اک اک ادا کو اپنائیں
نبی پاک کی اک ایک بات کو سوچیں

☆

جو اُن کے دامن طاعت سے وابستہ ہوئے منظر
سرِ ایقاں ہوئی روشن پسِ سان و گماں چمکے

دوسرا اقتباس بھی قرآن کریم کی اس آیت کے حوالے سے ہے، جس میں محسنِ انسانیت ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی صفات کا ذکر ہے۔ مدحت نگاروں نے اپنے کلام میں اسی نور کی جھلک دکھائی ہے:

قرآنِ حکیم میں رسولِ مبین، رحمت للعالمین ﷺ کی صورت میں جو اللہ تعالیٰ نے احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تمھاری جنس سے ہے۔ یعنی انھیں بشریت کا تاج پہنا کر بھیجا گیا۔ دوسری صفت یہ فرمائی کہ تمھاری مضرت کی بات انھیں گراں گزرتی ہے اور تیسری صفت یہ ہے کہ وہ تمھاری منفعت کے بڑے خواہش مند ہیں اور چوتھی یہ بتائی کہ آپ ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ (التوبہ ۹:۱۲۸)

منظر عارفی نے قرآن حکیم سے شفیق غم نصیباں، غم گسارِ دل فگاراں، انیسِ بے کساں ﷺ کی اخلاقی اقدار کے جواہر پارے چنے ہیں اور اپنی نعت میں ان آفاقی صفات کو بیان کیا ہے۔ یہ وہ بہار آثار اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پھول ہیں جن میں خلقِ عظیم کی ضیائیں ہیں۔ (الزبیر، ۸۸)

ہمیں خدا کی کتاب یہ بھی بتا رہی ہے بنامِ احمد
رؤف لکھنا، کریم لکھنا، عظیم و ذی احتشام لکھنا

☆

اس پیکرِ اخلاق و خوش اوصاف کا ثانی
نقاشِ ازل نے بھی سنوارا نہیں کوئی

☆

رسائی میں نہیں تخلیقِ نعت کا لمحہ
یہ سدرہ وہ ہے کہ جبریلِ لفظ تھک جائے
(ریاض مجید)

مطالعاتِ نعت

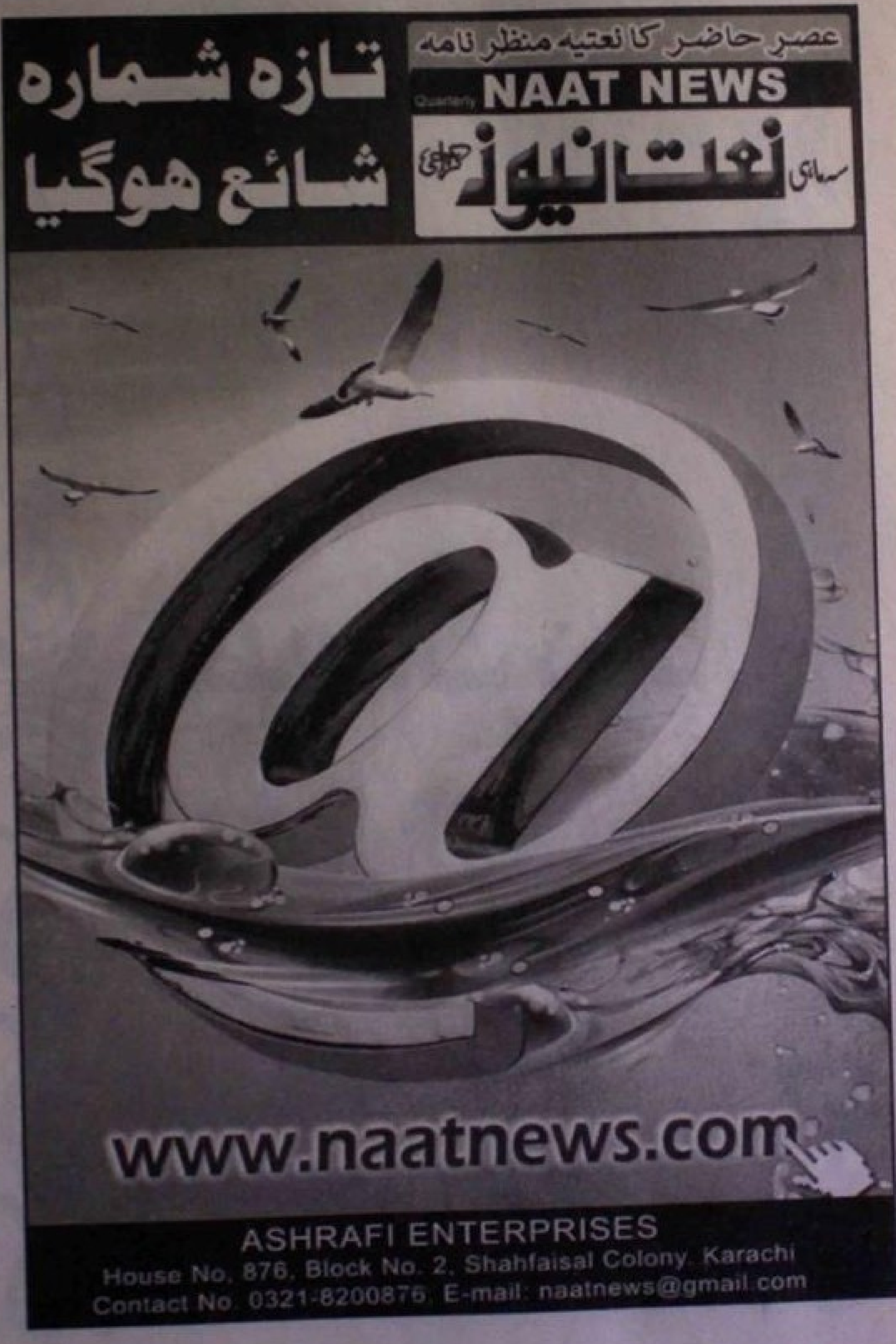
عصرِ حاضر کا نعتیہ منظر نامہ
Quarterly NAAT NEWS
سہ ماہی نعت نیوز کراچی
تازہ شمارہ
شائع ہوگیا
www.naatnews.com
ASHRAFI ENTERPRISES
House No, 876, Block No. 2, Shahfaisal Colony, Karachi
Contact No. 0321-8200876, E-mail: naatnews@gmail.com

حاصلِ مطالعہ

عزیز احسن

ماہ نامہ ''الاحسن'' کا نعت نمبر/شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی محمد زرولی خان و محمد ہمایوں مغل

اُمت کے ادبار و زوال کے اس دور میں ایک مثبت قدر یہ سامنے آئی ہے کہ امت کے ادبا، شعرا، علما و صوفیا کرام و مشائخ عظام کی توجہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدحت و توصیف کی جانب مبذول ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل فکر و نظر عہد رواں کو عہد نعت کا نام دے رہے ہیں۔ الحمدللہ! پچھلی تین دہائیوں سے نعتیہ شاعری عروج پر ہے اور انفرادی نعتیہ دواوین اور نعتیہ مجموعوں کے علاوہ مختلف شش ماہی، سہ ماہی یا ماہانہ منصۂ شہود پر آنے والے رسائل و جرائد میں بھی کثرت سے نعتیہ کلام شائع کیا جارہا ہے اور نعت نمبروں کی اشاعت کا بھی رجحان عام ہو رہا ہے۔

''الاحسن'' ایک دینی ماہ نامہ ہے جو الجامعۃ العربیہ احسن العلوم، گلشن اقبال، کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ زیر نظر شمارہ اس ماہ نامے کا نعت نمبر ہے۔

ابتداً ''معارف و محاسن'' کے عنوان کے تحت، الاحسن کے مدیر اعلیٰ جناب مفتی زرولی خان صاحب نے دین و دنیا کی تقریبات کے آغاز کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے اور پھر درود شریف پڑھا جائے اور پھر دعا مانگی جائے''۔ لیکن مولانا موصوف نے دینی محافل کو ''نعت شریف'' سے شروع کرتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے جو خلاف سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ مولانا نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ دعاؤں کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے کرنے کے بجائے درود شریف سے کیا جاتا ہے جو ان کے نزدیک درست نہیں ہے۔ انھوں نے ترمذی شریف کی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ایک آدمی نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر درود شریف پڑھا تو حضور ﷺ نے فرمایا... اب دعا مانگو قبول کی جائے گی''۔ اس ضمن میں راقم الحروف

صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کرے گا کہ ہماری محافل کا آغاز عموماً تلاوت قرآن پاک سے کیا جاتا ہے اور عموماً تلاوت کلام اللہ کو ہی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے بعض جگہ تلاوت قرآن کریم کے بعد نعت پڑھوا دی جاتی ہے۔ کہیں کہیں تلاوت کلام ربانی کے بعد حمدِ باری تعالیٰ بھی پیش کی جاتی ہے۔ البتہ درود شریف سے دعاؤں کے آغاز پر علمائے کرام ہی کوئی رائے دے سکتے ہیں۔

مفتی زرولی صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ملفوظات کا حوالہ دیکر یہ انکشاف بھی فرمایا ہے کہ انھیں ان کے نعتیہ مصرعے ''حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو!...'' کی جانب متوجہ کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ ''شہنشاہ'' کہنا ٹھیک نہیں، لیکن اعلیٰ حضرت نے جواب میں دیگر مصنفین کے حوالے سے اس لفظ کے استعمال کا جواز ثابت کرنا چاہا درآں حالیکہ اس لفظ کا استعمال از روئے حدیث ممنوع ہے... اس نکتے کی جانب بھی علمائے دین کی توجہ مبذول کروانا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ ضرور بہ ضرور اس مسئلے کو واضح فرمائیں!

مولانا زرولی کی تحریر کے بعد ''جناب نبی کریم ﷺ کی شخصیت اغیار کی نظر میں'' کے عنوان سے غیر مسلم مفکرین کے وہ اقوال نقل کیے گئے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کی شخصیت، سیرت اور پیغام کی تعریف ملتی ہے، مثلاً ''میری رائے میں محمد (ﷺ) کو انسانیت کا نجات دہندہ ماننا چاہیے'' (برنارڈ شا)۔

حمد ومناجات کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نعتیہ اشعار ہیں۔ پھر علمائے اُمت کے عربی قصائد اور فارسی قصیدے ہیں۔ پھر ترتیب وار اولیائے اُمت کے فارسی قصائد، غیر منقوط (اردو نعتیں)، علمائے امت کی اردو نعتیں، شعرائے امت کی اردو نعتیں، مشہور ومعروف نعتیں، پختون شعرا کی نعتیں، پنجابی شعرا کی نعتیں، سندھی شعرا کی نعتیں، پاکستان میں بولی جانے والی دیگر زبانوں کی نعتیں، ہندو شعرا کا نعتیہ کلام، سکھ شعرا کا نعتیہ کلام، شامل کیا گیا ہے۔ آخری بات... کلماتِ تشکر، کے ذیل میں ماہنامے کے نائب مدیر، محمد ہمایوں مغل کے رشحات قلم ہیں اور نعت نمبر کی تفصیلی فہرست پر یہ ۳۴۰ صفحات کا مجلّہ مکمل ہو گیا ہے۔

اجتماعی نوعیت کے کاموں کو تکمیلیت کے نقطۂ نظر سے کوئی نہیں دیکھتا کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہوتا ہے، تاہم ارادۃً ایسے نعت گو شعرا کو نظر انداز کرنا جن کی شہرت اسی صنف مقدس کی تخلیقی سرگرمیوں کے حوالے سے ہے، بڑی تکلیف دہ بات ہے۔ میں نے شفیق بریلوی اور دیگر بریلوی حضرات کے نعتیہ انتخابوں میں علمائے دیوبند کی نعتیہ شاعری کے نمونے دیکھے ہیں۔ اختلاف رائے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کسی خاص فن کی تحسین یا اس کی recognition سے پہلوتہی کی جائے اور اس

فن کے متخصصین کو نظر انداز کر دیا جائے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ صرف نعتیہ شاعری کا میدان ہی ایک ایسا میدان ہے جس میں ہر مسلک اور ہر نقطۂ نظر رکھنے والے مسلمان ایک دوسرے کے قریب نظر آتے ہیں اور اگر وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا جائے تو مزید قریب آسکتے ہیں۔ اس لیے میرے خیال میں ''الاحسن'' کے نعت نمبر میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں، محسن کاکوروی، کرامت علی شہیدی وغیرہم کو نظر انداز کرنا علمی و ادبی دیانت کے خلاف ہے۔ کیا نعت نمبر کے مرتبین کو ان لوگوں کے کلام میں کوئی نعت بھی شعری و شرعی تقاضے پوری کرتی ہوئی نظر نہیں آئی؟ علمی دنیا میں ایسے معاندانہ رویوں کے برملا اظہار سے معاشرے میں محبت بھری فضا قائم کرنے کی کوششوں کو دھچکا لگتا ہے لہٰذا اس قسم کی فروگذاشت کو مستحسن نہیں کہا جاسکتا۔

الجامعۃ العربیہ احسن العلوم (گلشن اقبال، بلاک نمبر۲، کراچی) کا یہ مجلّہ، صوری اور معنوی اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ نعتیہ انتخاب کا شعری و شرعی معیار بھی خاصی حد تک قابل قبول ہے۔ میں اس کاوش پر ادارے کے جملہ اراکین کو مبارکباد دیتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ میرے معروضات کو مثبت انداز میں ملاحظہ فرمایا جائے گا!

۳۴۰ صفحات پر مشتمل اس مجلد نعت نمبر کی قیمت صرف 200 / روپے ہے۔

طاقِ حرم / حفیظ تائب / مرتبہ محمد نعمان تائب

حفیظ تائب مرحوم و مغفور کا نام تخلیق، تحقیق اور ترویجِ نعت کی کوششوں کے حوالے سے دنیائے نعت میں ہمیشہ نمایاں رہے گا۔ وہ روایتی التزام کو برقرار رکھتے ہوئے شعر کے نئے امکانات کو اپنے شعرِ عقیدت میں اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ نعت گوئی کی فضا قائم کرنے کے لیے تادم واپسیں سرگرمِ عمل رہے۔

حفیظ تائب نے نعت نگاری میں ایک منفرد لہجہ اختیار کیا تھا۔ ان کے اسلوب میں دھیما پن، کومل لفظوں کا انتخاب اور شائستگی اور احتیاط کا ایک خاص سلیقہ جھلکتا ہے۔ مرحوم کی متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں ''صلوا علیہ وآلہٖ''، ''وسلموا تسلیما''، ''وہی یٰسیں وہی طٰہٰ'' اور ''کوثریہ'' اردو نعتیہ شاعری پر مشتمل ہیں اور ''سک متراں دی''، اور ''لیکھ'' پنجابی کا نعتیہ کلام ہے۔ مذکورہ تمام کتب کو بعد میں ''کلیاتِ حفیظ تائب'' کی شکل میں یکجا شائع کیا جاچکا ہے۔ ''حاضریاں'' کے عنوان سے تائب صاحب کا پنجابی نثری سفرنامۂ حج وعمرہ، ''حضوریاں'' کے عنوان سے حاضری اور حضوری کی کیفیات

سے لبریز اردو پنجابی کلام بھی منصۂ شہود پر آچکا ہے۔ اب اُن کے فاضل نواسے جناب محمد نعمان تائب نے "طاق حرم" کے نام سے اپنے نانا کا کلام مرتب کردیا ہے۔ طاق حرم میں ایک حمد، انتالیس اردو اور دو فارسی نعتیں، گیارہ کوثریہ (سہ مصرعی نعتیں) اور اٹھائیس نعتیہ فردیات شامل ہیں۔

حفیظ تائب کا شگفتہ لہجہ، پرتیقن انداز اور شعر عقیدت کا سُبھاؤ ملاحظہ ہو:

کیوں گردشِ دوراں سے ہراساں ہو مرا دل
جب چہرہ کشا ہے کرمِ سرورِ عالم

یقیناً ان کی تقدیروں کے تارے جگمگا اٹھے
مسافر جو رہِ طیبہ میں بن کر نقشِ پا بیٹھے

تیرا جمال جاں فزا زینتِ بزمِ لامکاں
تیرا وجود باصفا باعثِ رونقِ جہاں

شوقِ طیبہ دل میں ہے بے بال و پر ہوتے ہوئے
غیر کا منہ کیوں تکیں ان کی نظر ہوتے ہوئے

یا ذکر ہے مروت و خلقِ حضور کا
یا بات بوئے گل کی، نسیمِ سحر کی ہے

آقا کی چشمِ لطف و عنایت سے پوچھیے
تائب جو منزلت مری اِس چشمِ تر کی ہے

"طاق حرم" میں ڈاکٹر ضیاء الحسن نے تقدیم لکھی ہے جب کہ فلیپ پر مشفق خواجہ، ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی، بشیر حسین ناظم اور امجد اسلام امجد کی گراں قدر آرا دی گئی ہیں۔

۱۱۲ر صفحات پر مشتمل یہ خوب صورت مجلد کتاب مکتبۂ تعمیر انسانیت، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور سے طلب کی جاسکتی ہے۔ کتاب کی قیمت ۱۵۰ر روپے ہے جو کتاب کے صوری حسن اور معنوی جمال کے لحاظ سے مناسب ہے۔

خلدِ نعت/ آصف بشیر چشتی

آصف بشیر چشتی کا نام دنیائے نعت میں ایک معروف نام ہے۔ فیصل آباد کو 'شہر نعت' کے درجے تک پہنچانے والے شعرا اور اہلِ علم حضرات کی فہرست میں ان کا نام نمایاں ہے۔ چشتیہ سلسلے

سے روحانی نسبت نے آصف بشیر چشتی کے ذوق نعت گوئی کو جلا بخشی اور تصوف کی وادیوں کی بادیہ پیمائی نے انھیں قلبی گداز اور عشق نبوی کی دولت گرانمایہ سے بہرہ ور کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری میں صرف لفظی دروبست نہیں ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ سے قلبی تعلق کی حسیت بھی ان کے شعر عقیدت کے حرف حرف میں پیوست ہے۔

آصف بشیر چشتی کی کتاب میں متنوع موضوعات نے شعری لباس میں اظہار پایا ہے لیکن ان کی دلی تمنا نعت کہنے اور کہتے رہنے کی ہے۔ یہی تمنا ان کی روح کا نغمہ بن کر شعروں میں ڈھل گئی ہے۔ اس تمنا کے مختلف روپ شعر عقیدت کے پھول بن کر گلستان نعت میں مہک رہے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نعت کہنے کا سلیقہ آگیا — پا گیا خلد بریں آصف جسے
یارب! فضل ترا ہوجائے — نعت شعار مرا ہوجائے
عشقِ سرکار کے توسل سے — نعت سرکار ہے وظیفۂ دل
نعت سرکار کے حوالے سے — آبرو اہل فن میں ہے میری
نعت کہوں تو دل کا میرے — سوکھا پیڑ ہرا ہوجائے

ولائے مصطفیٰؐ سے فیض پانے کی تمنا ہے
فضائے نعت کا ظلِ ہما ہونے کی خواہش ہے
ثنائیں آپ کی نوک زباں پر آکے ٹھہری ہیں
نوائے شوق کو بانگ درا ہونے کی خواہش ہے

☆

مجھے نعت کہنے کا یارا ملے — درِ مصطفیٰؐ کا سہارا ملے
نعت کہتے ہوئے دیکھا ہے کئی بار آصفؔ — میرے آنگن میں فرشتوں کی قطار آئی ہے
شکر خدا ملی مجھے آب و ہوائے نعت — دل ہے بہار عشق سے بادِ صبائے نعت
جلوت میں ہو کہ گوشۂ خلوت میں نعت ہو — جب بھی ہوا ے خدا مری قسمت میں نعت ہو

آرزو اتنی ہے آصف کی، جہاں کے مالک
وقت آخر بھی مرے، نعت ہی لب پر مہکے

میں نے نعت کہنے کی تمنا، نعت کہتے رہنے کی توفیق ملنے پر اظہار تشکر، نعت کے چمن میں

چھپاتے رہنے کی سرشاری اور بہجت و مسرت کے احوال سے مملو چند اشعار نقل کردیے ہیں تاکہ میرے اس دعوے کی دلیل فراہم ہوسکے کہ آصف بشیر چشتی صاحب کے تخلیقی مزاج کا بنیادی وصف ''نعت کہتے رہنے کی تمنا'' ہے۔ ظاہر ہے اس تمنا کی کنہہ ''عشقِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام'' ہے جس کے اظہار کے لیے نمونے کے طور پر صرف ایک شعر ہی درج کردینا کافی ہے:

مئے ولائے رسالت مآب کا نشہ
سرور و لطف و مے و انگبیں سے آگے ہے

تمنا کرنا تو ہر نعت گو کا حق ہے لیکن اس تمنا کے حصول کے لیے پرخلوص کوششیں کرتے رہنے کی توفیق ہر ایک کا مقدر نہیں۔ چشتی صاحب خوش نصیب ہیں کہ انھیں ان کی تمنا کے ثمر کے طور پر نعت کہنے کا سلیقہ، شعرِ عقیدت کو سنوارنے کا ہنر اور زبان و بیان کی نفاست کا خاصی حد تک شعور حاصل ہوگیا ہے۔ یہ اوصاف کسی کسی شاعر کو میسر ہوتے ہیں۔

کتاب بہت خوب صورت چھپی ہے۔ کاغذ انتہائی درجہ اعلیٰ ہے۔ ''خلدِ نعت'' پر تقریظیں لکھنے والوں میں معروف اسکالرز، پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر پروفیسر ریاض مجید، پروفیسر عارف رضا، محمد افضل خاکسار، پروفیسر سید یونس جیلانی، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، پروفیسر ریاض احمد قادری وغیرہم کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ منظوم خراجِ تحسین پیش کرنے والے حضرت میں حکیم محمد رمضان اطہر اور پروفیسر محمد طاہر صدیقی شامل ہیں جب کہ فلیپ پر جناب خالد اقبال یاسر کی تنقیدی رائے جلوہ آرا ہے۔ مجلس معین ادب (چشتیہ دربار شریف ۸، اسلامیہ پارک، چیاں، فیصل آباد) جمال صوری و معنوی سے لبریز کتاب شائع کرنے پر مبارک باد کی مستحق ہے۔ پونے دو سو صفحات پر مشتمل اتنی خوب صورت کتاب کی قیمت 250 روپے، بہت مناسب لگتی ہے۔

آسمانِ رحمت / اعجاز رحمانی

اعجاز رحمانی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے شعری عمل سے مملو بہت سے مجموعے منصۂ شہود پر آچکے ہیں جن میں شعرِ عقیدت کے نمونے زیادہ ہیں۔ ''آسمانِ رحمت'' ان کا پانچواں مجموعۂ نعت ہے۔ اس سے قبل (۱) اعجازِ مصطفیٰ (۲) پہلی کرن آخری روشنی (۳) افکار کی خوشبو، اور (۴) چراغِ حرا، کے ناموں سے نعتیہ شاعری پر مشتمل کتب شائع ہوچکی ہیں۔ اعجاز رحمانی نے نعتیہ شاعری میں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کے لیے جمالِ صوری کو بھی وسیلہ بنایا ہے لیکن بیش تر

اُسوۂ سرکار ﷺ پر نظر مرکوز رکھی ہے کیوں کہ یہی انسانیت کی رہنمائی کے لیے ضروری بھی ہے اور آج کی ضرورت بھی۔ حضور اکرم ﷺ کا جمال صوری تو اب پردے میں ہے اور صرف چند خوش نصیب صاحبانِ فتوح ہی رسول اللہ ﷺ کا جمال صوری دیکھ سکتے ہیں۔ہم ایسوں کے لیے اعجاز رحمانی کی اسی بات کو گرہ میں باندھ لینا کافی ہے:

بے مثال صورت تھی
لاجواب سیرت ہے

اعجاز رحمانی نے قرآن کریم کے مطالعے اور احادیث وسیَر و آثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو، شعری متون (Texts) کی بنت کے ہنگام پیش نظر رکھا ہے۔تب ہی انھیں ایسے ایسے اشعار کہنے کی توفیق میسر آئی ہے جن کی معنوی وسعت بے پناہ ہے مثلاً:

اللہ نے دیے ہیں اسباب زندگی کے
سرکار نے سکھائے آداب زندگی کے

اس شعر میں آیۂ قرآنی "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ" (یقیناً ہے تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ۔آیت ۲۱، سورہ احزاب۔۳۳) کے مفہوم کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔یا یہ شعر:

مانو نبی کی بات کسی عذر کے بغیر
محکم یقیں وہی ہے کہ جو بے گمان ہے

یہ شعر سورہ حشر کی آیت ۸ کی تفسیر معلوم ہوتا ہے"وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا"(اور جو کچھ دے تمھیں رسولؐ سو اسے لے لو اور جس سے روک دے تم کو رسولؐ، پس رک جاؤ (اس سے)"۔

اعجاز رحمانی کے شعرِ عقیدت کی پہچان ان کے بیان کی سادگی ہے۔وہ علامتی اور استعاراتی زبان کے منت کش ہوئے بغیر سیدھی سچی بات کہہ دیتے ہیں اور اس انداز سے کہ دل میں ترازو ہو جائے، مثلاً:

ہے دیارِ رحمۃ للعالمیں میں کیا کشش
آدمی اک بار جائے، عمر بھر جاتا ہے دل

جذبۂ حب نبی کی پرورش کرتے رہو
آدمی زندہ نہیں رہتا جو مر جاتا ہے دل
سوئے خیرالبشر آدمی کا سفر
زندگی کی طرف زندگی کا سفر

کتاب کا نام جس شعر سے اخذ کیا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

آپ کونین کی ضرورت ہیں
آپ ہی آسمان رحمت ہیں

اعجاز رحمانی کی نعتیہ تخلیقات میں ''بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم'' لے جانے کی تمنا چھلک رہی ہے جو عصر حاضر میں اسلامی دنیا کی ماحولیاتی آلودگی ختم کرنے کے لیے ہر صاحب دل کی آرزو ہے۔

کتاب میں ''اپنی بات'' کے زیر عنوان مصنف نے اپنے تخلیقی سفر کا احوال بیان کیا ہے۔ جناب خواجہ رضی حیدر نے تقریظ لکھی ہے اور انوار عزمی صاحب نے فلیپ پر اپنی گرانقدر رائے دی ہے۔

کل پاکستان حلقۂ ادب (C-21 چوتھی منزل، شیلوزون سینٹر، یونیورسٹی روڈ، گلشن اقبال، کراچی) کی پیش کش ہے۔ یہ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل مجلد کتاب، بہت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے اور اس کا ہدیہ ۲۵۰/روپے ہے۔

خوشبوتری جوئے کرم/ریاض ندیم نیازی

''خوشبوتری جوئے کرم'' کا اندرونی سرورق دیکھتے ہی یہ شعر اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے:

اعجاز نعت سرور کونین دیکھیے
خوشبو مثال ''جوئے کرم'' پھیلتی گئی

ریاض ندیم نیازی، ایک نوجوان شاعر ہیں جن کی پیدائش سبی (بلوچستان) میں ۱۳/اگست ۱۹۶۸ء کو ہوئی۔ لیکن ان کے شعر عقیدت کی پختگی، بیان کا سلیقہ، ان کی مشق سخن اور ریاضت فن کے لیے کی جانے والی محنت کے مظاہر دیکھ کر ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ ریاض کے علمی و ادبی انہماک کے اظہار کے لیے یہی بتا دینا کافی ہے کہ اب تک ان کی ۱۸ کتب نعتیہ اور

غزلیہ اشعار پر مشتمل منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور دو کتابیں وہ بچوں کے لیے بھی لکھ چکے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب میں نعتیہ اور منقبتی غزلیں اور قطعات ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نوجوان نے اپنی روحانی تربیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعت کے ساتھ ساتھ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور بزرگانِ عظام کی منقبتیں بھی کہی ہیں۔ میں یہ بات ایک سے زیادہ بار دہرا چکا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وجود پانے والا معاشرہ دکھانے کے لیے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اور مابعد کے ایسے بزرگوں کا ذکر بھی ضروری ہے جن کی سیرت میں اسوۂ سرورِ عالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی جھلک مشہود ہو۔ یہ کام نعت گو شعرا بڑی خوب صورتی سے کر سکتے ہیں۔ گو یہ کام اکثر نعت گو شعرا نے کیا ہے تاہم ریاض ندیم نیازی کا یہ وصف نمایاں ہے اس لیے مجھے اس پہلو پر کچھ عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ندیم کے شعر کی فنی خوبیاں جاننے کے لیے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میری بینائیاں عرش سے جا ملیں — دیدہ ور آئینہ دیکھتے رہ گئے
اس گنہگار نے نعت ایسی پڑھی — سارے مدحت سرا دیکھتے رہ گئے

گونجتی رہتی ہے احساس میں تیری آواز — صرف تو ہے مرا معیار مدینے والے

بدل جائیں گے یہ لعل و گہر میں ان کی رحمت سے
ہم ایسے اشک برسائیں گے جا کر ان کے کوچے میں

اے ندیم آرزو ہے کہ دیدار ہو — دل پہ نازل ہو نورِ جمالِ حرم
میری آنکھوں میں اتر کر اسے پڑھ کر دیکھو! — سچ جو پوچھو تو مرا دل ہے کتابِ صدیقؓ

میرے نزدیک کسی بھی فنی کمال کو اپنی خوشبو پھیلانے کے لیے کسی مڈل مین یعنی نقاد کی رائے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، تاہم عصری ماحول میں یہ بات عام ہوتی جا رہی ہے کہ نقادوں کی آرا بھی کتابوں میں شامل کی جائیں۔ چناں چہ ریاض ندیم نیازی نے بھی بہت سارے اہلِ فکر و نظر کی آرا اپنی کتاب کی زینت بنائی ہیں جن میں شہزاد احمد، مظفر وارثی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، امجد اسلام امجد، اصغر ندیم سیّد، جان کاشمیری، سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی، خالد محمود نقشبندی، ریاض حسین چودھری، سیّد ریاض حسین زیدی، سیّد محمد فصیح الدین سہروردی، الحاج اختر قریشی، علی رضا، احمد علی حاکم، محشر بدایونی، نور احمد میرٹھی، نقاش کاظمی، پروفیسر شرافت عباس، ساجد رضوی، ڈاکٹر نثار احمد نثار، پیرزادہ حمید صابری، اقبال طارق (بحرین)، سید نوید حیدر ہاشمی، ظریف احسن اور خالد شریف کے نام

شامل ہیں۔ راغب مراد آبادی اور قمر وارثی نے منظوم خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ان آرا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاض ندیم نیازی کے فن کو سراہنے والوں میں صرف راقم ہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ شامل ہیں۔

ماورئ پبلشرز (۶۰ روی مال، لاہور) کے زیر اہتمام شائع کی جانے والی ۲۴۰ر صفحات پر مشتمل یہ کتاب بڑی دیدہ زیب طباعت اور خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ چھپی ہے۔ اس مجلد کتاب کا ہدیہ صرف ۲۰۰/ روپے ہے۔

بہشت تضامین/ حافظ عبدالغفار حافظ

تخلیق شعر کے ہنگام اگر شاعر کا ذہن کسی دوسرے شاعر کے کلام کی طرف مائل ہو جائے اور کسی اور کے شعر کو وہ مزید وسعت دینا چاہے یا اس شعر کی منظوم تشریح کرنے کا داعیہ اس کے دل میں پیدا ہو جائے یعنی تخلیقی لمحات میں کسی دوسرے تخلیق کار کا ارژنگ ذہن وقلب وروح میں سماتا ہوا محسوس ہو تو شاعر اپنی شعری کاوش کا محور اسی کلام کو بنا کر اس میں کچھ ایسے اضافے کرنا چاہتا ہے کہ ایک جداگانہ تخلیق منصۂ شہود پر آجاتی ہے۔ کسی شاعر کا ایسا عمل تخلیق جس میں دوسرے شاعر کے کلام میں اس کا اپنا کلام شامل کرنا مشہود ہو، ''تضمین'' کی شکل اختیار کر لیتا ہے کیوں کہ تضمین کے معانی ہی شامل کرنے اور ملانے کے ہیں۔

شاعری کی دنیا میں تضمین کا عمل تقریباً ہر شاعر کے کلام میں کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا ہے۔ مثلاً کسی طرحی مصرعے پر گرہ لگانے یا کسی ایک مصرعے پر ایک سے زیادہ مرعوں کا اضافہ کرنے کے مظاہر اکثر دیکھے جاتے ہیں۔ بعض شعرا تضمین کاری کے عمل کو شعوری طور پر اختیار کرتے ہیں۔ نعت کی دنیا میں بھی ایسے کام بہت ہوئے ہیں مثلاً جان محمد قدسی کی نعت ع مرحبا سیّد مکی مدنی العربی پر بہت سی تضامین وجود میں آئی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ فی الحال مجھے نعت کی دنیا میں تضامین کی کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آنے والی ایک ہی کتاب یاد آرہی ہے جو ہلال جعفری صاحب کی کتاب تھی ''کشکول ہلال''... اب جناب حافظ عبدالغفار حافظ نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ حافظ عبدالغفار حافظ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں اور نعت ہی ان کا اختصاص ہے۔ اس سے قبل اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور سلام ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کی مکمل تضمین کرکے شائع کر چکے ہیں۔

حاصلِ مطالعہ

حافظ صاحب کی تضامین کو دیکھ کر ساختیات میں "تجدیدِ متن" کے نظریے کی طرف دھیان جاتا ہے۔ "رولاں بارتھ کا قول ہے کہ مصنف پہلے سے موجود لسانی اور ادبی خزانوں کو کھنگالتا ہے، اخذ و قبول کرتا ہے اور چلی آرہی روایت کو نئی شکل دیتا ہے"۔ راقم الحروف کا یہ موقف ہے کہ رولاں بارتھ کی یہ بات ہمارے تضمین نگاروں نے عملاً بھی ثابت کر دکھائی ہے۔ حافظ عبدالغفار نے بھی پہلے سے موجود متن (Text) کو کھنگالا ہے اور منتخب متن کو ایک نئی شکل میں ڈھال دیا ہے۔ یہ عمل تجدیدِ متن کا مظہر ہے۔

تجدیدِ متن کی اس کوشش میں حافظ عبدالغفار کی کامیابی کے مظاہر دیکھنے کی غرض سے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور سلام کے ایک دو اشعار کی تضمین ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کس خوبی سے ان اشعار کے گرد تخلیقی سطح پر ایک تشریحاتی ہالہ بنا ہے:

جس زباں سے فصاحت کے دریا بہیں
سامنے جس کے اہلِ زباں خم رہیں
کاٹ جس کی نہ کفار و مشرک سہیں
"وہ زباں جس کو سب 'کن' کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام"

'کن' کے اوراق کا پہلا مضموں کہوں
یا خدا کا انھیں سر مکنوں کہوں
چاہتا ہوں کوئی لفظ موزوں کہوں
"دل سمجھ سے ورا ہے مگر یوں کہوں
غنچۂ راز وحدت پہ لاکھوں سلام"

حافظ صاحب کے فنِ تضمین نگاری کے محاسن اجاگر کرنے کے سلسلے میں جن اصحاب نے قلمی کاوشیں فرمائی ہیں ان کے اسمائے گرامی ہیں "پروفیسر اکرم رضا، ڈاکٹر افضال احمد انور، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، راغب مرادآبادی، فہیم ردولوی اور منور علی چشتی"۔ راقم الحروف نے بھی اس حوالے سے چند سطور حوالۂ قرطاس کی تھیں جنھیں حافظ صاحب نے شاملِ کتاب کیا ہے۔

کتاب میں کل چوالیس تضامین ہیں جن میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کے مکمل متن کی تضمین بھی شامل ہے۔ نعت ریسرچ سینٹر، ۵۰۔بی، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی،

کراچی، کی پیش کش یہ کتاب معنوی لحاظ سے لائق مطالعہ اور صوری اعتبار سے دیدہ زیب ہے، جس کا ہدیہ ۲۵۰ روپے انتہائی مناسب لگتا ہے۔

تحیّت/شہزاد مجددی

علامہ شہزاد مجددی ایک عالم دین ہیں اور الحمدللہ اچھے شاعر بھی۔ علامہ کے تنقیدی رجحانات کے تبرکات مختلف رسائل میں وقتاً فوقتاً نظر سے گزرتے رہتے ہیں جو ان کی راست فکر، صائب انداز نقد اور غیر مبہم خیالات کی ترسیل کی صلاحیت کے آئینہ دار ہیں۔ ''تحیت'' علامہ مجددی کے حمدیہ و نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔

شہزاد مجددی صاحب کے کلام میں شاعرانہ اسلوب، زبان کی پاکیزگی و شگفتگی، متن کی راست سمتی اور بیان کی سادگی نے شعر عقیدت کو ایک خاص لطافت سے ہمکنار کر دیا ہے۔

ایک مضمون نعتوں میں اکثر شعروں کا متن بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں سے صرف محمد مصطفیٰ ﷺ واقف ہیں اور محمد ﷺ کی شان اللہ ہی جانتا ہے۔ اس مضمون کو بعض شاعر سلیقے سے بیان کر دیتے ہیں اور بعض معمولی انداز سے متن کی بنت کا ثبوت دیکر شعری آہنگ بگاڑ بھی دیتے ہیں۔ علامہ شہزاد مجددی نے اس متن کو بڑی خوبی سے شعری پیکر دیا ہے وہ فرماتے ہیں:

شہِ رسل کی حقیقت سے آشنا ہے وہی
اور اس کی ذات کا رکھتے ہیں مصطفیٰ ادراک

حرم پاک میں حاضری کے لمحات نے ''تحیت'' میں کچھ اس طرح شعری اظہار پایا ہے کہ حمد کی حمد ہوگئی اور حاضری کے لمحات میں کلمات تشکر کی ادئیگی بھی ممکن ہوگئی ہے:

روبرو ہے حرم تیری توفیق سے
در پہ حاضر ہیں ہم، تیری توفیق سے
تیرے دامان رحمت سے لپٹے ہیں ہم
تیرے فضل و کرم، تیری توفیق سے

''تحیت'' کا شاعر محبت کے تقاضوں اور اس کے مدارج طے کرنے کے قرینے سے آگاہ ہے اس لیے بڑی سادگی سے یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے:

طے کیے ایسے محبت کے مدارج ہم نے
رب کے محبوب سے محکم ہے عقیدت اپنی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور پرنور سیّد کونین ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر کیا ہے اور فرشتوں کو بھی اسی وظیفے میں مشغول بتا کر ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والوں کو حکم دیا ہے کہ تم بھی یہ عمل کرو۔ آیت صلوٰۃ کے اس حوالے کو بعض غیر محتاط شعرا اس طرح شعر کا متن بناتے ہیں جیسے وہ اس مقدس کام میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہو گئے ہیں۔ شہزاد مجددی چوں کہ ایک عالم دین ہیں اس لیے انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے اپنی محدودات کا بھی ذکر کر دیں:

میرا درود اور ہے، اس کا درود اور
کیسے بھلا میں خود کو شریک خدا کہوں

مدینے کی حاضری تو اکثر خوش بختوں کو نصیب ہو جاتی ہے لیکن وہاں سے واپس آ کر کچھ دن بعد وہ کیف قائم نہیں رہتا۔ خوش قسمت ہیں شہزاد مجددی کہ یہ کہہ سکتے ہیں:

بفیض کیف مسلسل کبھی یہ لگتا ہے
تمام عمر ہوئی ہے بسر مدینے میں

اسلام ایک مکمل نظام حیات اسی وقت قرار دیا جا سکتا ہے جب اس دین کے بعد کسی دین اور اس دین کے لانے والے نبی ﷺ کی نبوت کے بعد کسی اور نبی کا امکان باقی نہ رہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کو چوں کہ شیاطین کے گروہ کی طرف سے اکثر نئی نبوت کے اجرا کی بھونڈی کوششوں سے کمزور کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں اس لیے نعت گو شعرا پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنی نعتوں میں اس عقیدے سے مملو اشعار شامل کریں اور اپنے دعووں کے ساتھ دلیل بھی سپرد قرطاس کرتے رہیں۔ شہزاد مجددی نے یہ کام بڑی خوبی سے کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

کہا اللہ نے قرآں میں ختم المرسلیں ان کو
"عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں ہم ختم نبوت کا"
شہ کونین نے فرما دیا ہے 'لا نبی بعدی'
"عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں ہم ختم نبوت کا"
کسی کذاب کو جرأت نہ ہو پھر ایسے دعوے کی
"عقیدہ اس لیے رکھتے ہیں ہم ختم نبوت کا"

اپنے زعم میں صرف سرکار ﷺ کے ذکر کو کافی جاننا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے خیال سے غافل رہنا، مسلمانوں کو عمل بیزاری کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ایسا عقیدہ بھی لائق اصلاح

ہے۔ شہزاد مجددی نے اپنے عالم ہونے کا احساس کرتے ہوئے اپنا عقیدہ بھی بیان کیا اور قوم کو پیغام بھی دیا ہے:

جس ذات نے بخشی ہیں شہزادؔ ہمیں سانسیں

اس ذات کا دم بھرنا، سرکار کی سنت ہے

''تحیت'' میں شاعر کی راست فکری اور متن شعر کی بلا ابہام ترسیل کا ہنر دیکھ کر مسرت ہوتی ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

کتاب میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تقریظ، پروفیسر محمد اکرم رضا کی گراں قدر رائے اور راقم الحروف کے چند معروضات شامل ہیں۔

۲۳۲ صفحات پر مشتمل، دیدہ زیب ٹائٹل کی اس مجلد کتاب کا ہدیہ صرف ۱۸۰ روپے ہے۔ دارالاخلاص، مرکز تحقیق اسلامی (گلی نمبر ۱۹۔۴۹، ریلوے روڈ لاہور) اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مبارک باد کا مستحق ادارہ ہے۔

حدیث شوق/ رشید ساقیؔ

''حدیث شوق'' ایک بہت ہی مشاق کلاسیکل شعری روایت کے نمائندہ بزرگ شاعر کا دوسرا نعتیہ مجموعہ ہے جو حکومتی سطح پر بھی ایوارڈ کی صورت میں سراہا گیا ہے۔ ''تقدیس قلم'' ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ تھا جس پر انھیں صدارتی ایوارڈ پہلے بھی مل چکا تھا۔

رشید ساقیؔ صاحب زبان و بیان کے سلسلے میں روایت کے قائل اور تابع ہیں۔ لیکن ان کے اسلوب میں عصری شعری تقاضوں کے رنگ بھی نمایاں ہیں۔ ان کا کل کلام غزل کی ہیئت میں ہے اور بیش تر غزلیں، مضامین کے ربط اور بیان کے بے جھول انداز کے باعث غزل مسلسل کا روپ لیے ہوئے نظر آتی ہیں۔ ان کے کلام کی خوبیوں میں فصاحت، ندرت اور سادگی و صفائی بیاں کے جوہر نمایاں ہیں۔ چوں کہ وہ غزل کے مزاج شناس ہیں اس لیے ان کے کلام میں مصرعوں کی چستی اور اظہار کی برجستگی دیدنی ہے۔

رشید ساقیؔ صاحب کی خود اعتمادی اور خود اپنی شعری اقدار کی ترفع کی آگاہی اس بات سے نمایاں ہے کہ انھوں نے کسی نقاد کی رائے سے اپنی کتاب کو بوجھل ہونے سے بچایا ہے۔ نعتیہ شاعری کے لوازمات سے بھی رشید ساقی صاحب کما حقہٗ آگاہ ہیں۔ اسی لیے بڑے پر اعتماد لہجے میں

فرماتے ہیں:

ہر جادۂ ہستی میں ضیا بار ہوں ساقی
ہے نعت کی قندیل مرے دستِ ہنر میں

اب چھوٹی بحر کے چند اشعار میں فکری اصابت اور بیان کی سادگی و سلاست ملاحظہ ہوں:

آپ کی زندگی کا ہر پہلو — اک صحیفہ ہے دینِ محکم کا
آپ کے نورِ علم و حکمت سے — گوشہ گوشہ حیات کا چمکا
من و تو کا تضاد ختم کیا — دے کے احساس جذبِ باہم کا
آپ کے دم سے بزمِ ہستی میں — نام اونچا ہے نسلِ آدم کا

حضور ﷺ نے توحید کا پیغام دے کر انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے چھڑا کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف راغب کیا۔ اس خیال کو رشید ساقی صاحب نے اس اسلوب میں ڈھالا ہے:

بتایا آپ ہی نے یہ اصولِ بندگی ہم کو
خدا والے خدا کے سامنے ہی سر جھکاتے ہیں
شعورِ لا الٰہ آپ سے جن کو ہوا حاصل
وہ انساں کب بتوں کو کعبۂ دل میں بساتے ہیں

رشید ساقی صاحب کے کلام میں سیرتِ اطہر کو اپنانے کی تمنا جلوہ گر ہے، فرماتے ہیں:

آپ کے درسِ ہدایت پہ رہے میرا عمل
صورتِ حرفِ صداقت لبِ گویا میں رہوں
مجھ کو بھی آپ کی تقلید کی توفیق ملے
تاکہ میں بھی نگہِ خالقِ یکتا میں رہوں

ان چند اشعار سے شعرِ عقیدت کا اسلوب اور کلام کی پختگی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

''حدیثِ شوق'' جتنی معنوی سطح پر رعنا ہے اتنی ہی صوری لحاظ سے خوب صورت طباعت کا نمونہ ہے۔ ۳۹۶ صفحات پر مشتمل اس دیدہ زیب سرورق اور مضبوط جلد والی کتاب کی قیمت ۳۰۰ روپے ہے جو کتاب کی ضخامت، کاغذ کے معیار اور طباعت کے حسن کو دیکھتے ہوئے انتہائی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

پیپر کیمونی کیشن سسٹم (۲۔آصف پلازہ۔ ۱۰۶۔ بلیو ایریا، فضل حق روڈ، اسلام آباد) کے

ارباب بست وکشادا تنی خوب صورت کتاب کی پیش کش پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

فہرست کتب خانہ، نعت ریسرچ سینٹر/ محمد طاہر قریشی

ریسرچ اور تحقیق کے کاموں میں کسی ایک موضوع کی کتب کے مکمل کوائف کا یک جا مل جانا، ان کاموں میں منہمک اسکالرز کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ آج کل حمد ونعت کی تخلیقی لہر چلی ہوئی ہے۔ جن لوگوں نے کبھی اس وادی میں قدم رکھنے کا سوچا بھی نہیں تھا اب وہ بھی اس موضوع پر اپنی کتب مرتب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حمد ونعت کے تخلیقی ادب کی تیز رفتاری ہی نے ان موضوعات کی تحقیق کی طرف اہل علم کو متوجہ کیا ہے۔

نعت ریسرچ سینٹر کے کتب خانے میں حمد ونعت اور متفرق موضوعات پر اٹھارہ سو سے زائد کتب کا ذخیرہ موجود ہے، جن میں ۱۳۰۵ چھوٹے بڑے شعری مجموعے، ۱۷۵ کے لگ بھگ نثری کتب اور تین سو کے قریب رسائل وجرائد ہیں۔ کتب کے اس خزانے کی اب فہرست مرتب کردی گئی ہے تا کہ ریسرچ اسکالرز اور حمد ونعت سے علمی وابستگی رکھنے والے لوگ اس کتاب خانے سے استفادہ کر سکیں۔ حمد ونعت کی کتابوں کی فہرست سازی کا کام کچھ اہل ہمت نے اس سے قبل بھی کیا ہے جن میں غوث میاں اور راجا رشید محمود کے نام نمایاں ہیں۔ تاہم ان حضرات کی مرتب کردہ فہارس میں کتب کی فراہمی کے مراکز کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ چودھری محمد یوسف ورک قادری کی مرتب کردہ فہرست البتہ ان کے ذاتی کتب خانے (واقع شاہدرہ، لاہور) میں کچھ کتب کی موجودگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ لیکن انھوں نے بہت سی ایسی کتب کو بھی فہرست میں جگہ دیدی ہے جو ان کے پاس نہیں ہیں بلکہ ان کی تمنا ہے کہ مصنفین یا ناشرین انھیں وہ کتب فراہم کردیں۔ چناں چہ محمد طاہر قریشی کی مرتب کردہ فہرست کتب خانہ، اس اعتبار سے بالکل منفرد اور سود مند فہرست ہے کہ اس میں جتنی کتب کا اندراج ہے وہ سب کی سب، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی میں موجود بھی ہیں اور تحقیقی کام کرنے والوں کو ان کتب سے استفادہ کرنے کی دعوت عام بھی ہے۔

اس فہرست کی خوبی یہ ہے کہ اس میں شعری کتب، نثری کتب اور رسائل وجرائد کی الگ الگ فہرستیں ہیں اس کے علاوہ عنوانی اشاریہ بھی ہے اور ناموں کا اشاریہ بھی۔ معروف اسکالر جناب پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل کی رائے ہے کہ ''اس فہرست کو ایک انفرادیت، خصوصیت اور توجہ یوں بھی حاصل رہے گی کہ یہ فہرست اردو میں موجود دیگر اس نوع کی فہرستوں کے مقابلے میں فہرست

سازی کے جدید تر اور سائنٹفک اصولوں کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔"

نعت ریسرچ سینٹر کے ڈائریکٹر، سید صبیح الدین صبیح رحمانی، ایک متحرک (Dynamic) شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ بہ وقت کئی جہتوں میں کام کرنے کے عادی ہیں۔ دنیائے نعت کا منفرد کتابی سلسلہ "نعت رنگ" اپنے انقلابی نوعیت کے مضامین کی آب و تاب کے ساتھ، نعت ریسرچ سینٹر ہی کے زیر اہتمام، سید صبیح رحمانی کی زیر ادارت شائع کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی تنقیدی، تحقیقی اور تخلیقی نوعیت کی کتب بھی اس ادارے کے زیر اہتمام شائع ہو کر قبول عام کے درجے کو پہنچ چکی ہیں۔ اب سید صبیح الدین صبیح رحمانی کے زیر نگرانی کتابوں کی یہ فہرست بھی مرتب ہو گئی ہے جو اہل علم حضرات کی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ نئے اسکالرز کی تحقیقی ضرورتوں کو پورا کرنے کی جانب ایک راست قدم ہے۔

نعت ریسرچ سینٹر (بی۔۵۰، سیکٹر ۱۱۔اے، نارتھ کراچی، کراچی) کے زیر اہتمام شائع ہونے والی ۲۸۷ صفحات پر مشتمل، مضبوط جلد، دیدہ زیب سرورق، اچھے کاغذ اور خوشنما طباعت کے ساتھ اس حوالہ جاتی کتاب کی قیمت ۳۰۰ روپے رکھی گئی ہے، جو مناسب لگتی ہے۔

صلوا علی الحبیب ﷺ / محمد مسعود اختر

محمد مسعود اختر ایک ایسے خوش نصیب جوان ہیں جن کے بارے میں، پروفیسر ریاض احمد قادری کی تحریر سے معلوم ہوا کہ انھوں نے کسی کالج یا یونی ورسٹی میں باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ لیکن کالج میں پہلا قدم بطور معلم رکھا!

مسعود اختر کی شاعری میں انتہائی درجے کی پختگی، سنجیدگی اور شعری اقدار کی پاسداری جھلکتی ہے۔ انھوں نے غزل کے مزاج سے ہم آہنگ شعرِ عقیدت میں اپنے جذبات، احساسات اور فکری رجحانات کو اس طور سمویا ہے کہ دل سے بے ساختہ داد نکلتی ہے اور ان کی اس بات پر یقین پختہ ہو جاتا ہے:

توفیق ثنا ان کا کرم، ان کی عطا ہے
ہر اہلِ سخن نعت کے قابل نہیں ہوتا

اور یہ بات اس لیے آسانی سے باور کر لی جاتی ہے کہ نعت مسعود اختر کا حال ہے، یہ ان کے لیے صرف شاعری نہیں ہے کیوں کہ انھوں نے اس حقیقت کو پا لیا ہے:

یہ سرخوشی کہاں ہے کسی اور صنف میں
کیفیت سرور مثالی ہے نعت میں

نعت کہتے ہوئے انھوں نے اگر بحر رحمت کو چھلکتا ہوا دیکھا ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں لگتا:

جب بھی فریاد کے لہجے میں کہوں نعت نبی
بحر رحمت کو کناروں سے چھلکتا دیکھوں

مسعود اختر نے اپنی کتاب میں اپنا تعارف بھی نہیں دیا ہے اور نہ ہی خود کوئی نثری تحریر شامل کی ہے۔ البتہ چند معتبر اہل قلم نے ان کے شاعرانہ کمال کی بابت رائے دی ہے جو اس کتاب کی زینت بن گئی ہے۔ میں ان آرا میں سے چند جملے یہاں حوالے کے طور پر پیش کر کے ''صلوا علی الحبیب ﷺ'' کی شعری اقدار پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں:

> جذبات کے تقدس اور احساسات کی صداقت کے اعتبار سے مسعود اختر نے اساتذۂ نعت کی روح کو بڑی حد تک پالیا ہے اور یہی کیفیت بالخصوص نعت میں اساسی درجہ رکھتی ہے۔ (پیر سید نصیر الدین نصیر)

> محمد مسعود اختر کے یہاں فنی تلازمات میں بے حد احتیاط و التزام ہے۔ مجھے ایک شعر بھی کمزور یا ڈھیلا یا کم تر نظر نہیں آیا۔ (پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی)

> مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ محمد مسعود اختر کا نعتیہ دیوان ''صلوا علی الحبیب ﷺ'' ایک عمدہ مجموعۂ نعت ہے جو کسی عصری تقاضے یا مجلسی ضرورت کے تحت مرتب نہیں ہوا بلکہ اس میں شاعر کا ایمانی جذبہ نہایت قوت کے ساتھ موجزن ہے۔ (پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی)

> محمد مسعود اختر کے کلام میں دل کی زبان بولتی نظر آتی ہے اور بند نگاہیں دیکھتی محسوس ہوتی ہیں۔ (راجا رشید محمود)

> محمد مسعود اختر کی نعت جدید نعت کی معتبر اور قابل فخر مثال ہے۔ اس میں نوجوان شاعر کی فنی ریاضت جلوہ گر ہے۔ (پروفیسر ریاض احمد قادری)

راقم الحروف نے اپنے موقف کو دلیل کی روشنی فراہم کرنے کی غرض سے ان اہل قلم کی آرا سے چند جملے نقل کر دیے ہیں، جو نعت کی دنیا میں اعتبار کے درجے پر فائز ہیں۔ اب چند اشعار ملاحظہ فرمالیجیے:

یہ سکھایا نہیں گیا مجھ کو — عشق احمد تو میری فطرت ہے
خاندانی غلام ہوں ان کا — نعت کہنا مری وراثت ہے
ہے اسی در کی عطا ہر مرحلہ تعمیر کا — سوچ سے تجسیم تک، گفتار سے کردار تک
اک تبسم کی بھیک مل جائے — روشنی کم ہے یا رسول اللہ
بروزِ حشر سرِ پل صراط نعت کہوں — نگاہِ رشک سے دیکھیں سخن طراز مجھے
اک نام نگہبان ہو، اک ورد محافظ — پھر مرحلۂ حشر بھی مشکل نہیں ہوتا

سب زمانوں کو ضرورت ہے ترے پیغام کی
سب زمانوں کے لیے ہے اک ضرورت روشنی!

ایسے اشعار کہنے والا اگر یہ کہے:

غزل خود نعت میں ڈھلتی ہے اختر
سخن میں کیا حسیں ذوقِ نمو ہے

تو شاعر کے اظہار میں تعلی کی کوئی بات محسوس نہیں ہوتی۔

۱۴۴ر صفحات پر مشتمل یہ پروقار انداز سے چھپنے والا نعتیہ مجموعہ مخزن حمد و نعت (آئیڈیل ٹاؤن، سرگودھا روڈ، فیصل آباد) کی پیش کش ہے۔ مضبوط جلد اور دبیز کاغذ کے ساتھ اس کی قیمت ۱۵۰ر روپے بھی انتہائی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

مولود منظوم، مع انتخاب نعت و مناقب/سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی رترتیب مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری

کائنات کا نقشِ نخستیں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مبارک نور ہے اور آپ کی دنیا میں تشریف آوری آپ کے مقصد بعثت کی ابتدا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ بصیرت اور صاحبانِ مودت ہمیشہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت کے ذکر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ بقول مرتب کتاب مولانا سیّد الحق محمد عاصم قادری:

> محافل میلاد میں پڑھنے کے لیے بیان ولادت کو نظم کرنے کا رجحان عربی میں صدیوں سے چلا آ رہا ہے، غالباً وہیں سے فارسی کے راستے یا براہ راست اردو میں آیا۔ چناں چہ اردو میں 'میلاد نامے' اور 'مولود' لکھنے کی روایت رہی

ہے، حضرت (مصنف مولود منظوم مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی) نے بھی اردو میں ایک طویل میلاد نامہ نظم فرمایا ہے، جو چار سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔

یہ منظوم مولود نامہ بہت خوب صورت انداز میں لکھا گیا ہے۔اس میں شاعرانہ کمال بھی ہے، زبان و بیان کا جمال بھی ہے اور واقعات کی استنادی شان بھی جلوہ گر ہے۔نعتوں میں بہاریہ اشعار کہے گئے ہیں:

سنتے ہیں دل سے اہلِ دیں ذکر جو ہو حضور کا
کون وہ فخرِ مرسلیں یعنی جناب مصطفےٰ
سر سے قدم تلک حضور نورِ خدا کا ہیں ظہور
حق نے انھیں کیا ہے نور نور کا سایہ کیا بھلا
کیوں کر لکھوں اس شہ کو فلک رتبہ کہ رتبہ
معراج سے ہے ان کی بڑھا چرخِ کہن کا
کون سے سال میں، کس ماہ میں کس دن، کس شب
مسکن مست مدینہ کا بیاباں ہوگا

بحمداللہ مہِ میلادِ محبوبِ خدا آیا
ہلالِ دل کشا، مفتاحِ قفلِ مدعا آیا
مومنو پھر مہِ میلاد آیا
پھر مجھے عہدِ طرب یاد آیا
بحمداللہ زمیں پر وہ مکینِ لامکاں آیا
زمیں میں قبلۂ عالم ہو جس کا آستاں آیا
ماہ میلاد رسول اللہ ہے
ماہ میلاد رسول اللہ ہے
ماہ میلاد پیمبر کیا مبارک ماہ ہے
دھوم ہے برکت کی گھر گھر کیا مبارک ماہ ہے

مناقب اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور مناقب حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ مولود منظوم میں 'حمد رب'، تخلیق نور محمدی، حقیقت محمدی، ظہور نور محمدی، وسیلۂ آدم علیہ السلام، نور محمدی کی منتقلی، عبدالنبی نام رکھنا، حضرت عبدالمطلب کا زمانہ، نور محمدی حضرت عبداللہ میں، نور محمدی حضرت آمنہ میں، شب ولادت، مقامِ قیام، سلام، مقامِ قعود، محفلِ میلاد، مسئلۂ قیام، اور خاتمہ کے عنوانات کے تحت اشعار کہے گئے ہیں۔

مولود منظوم میں تاریخی سندات کے ساتھ محفل میلاد کے انعقاد کا جواز پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً:

ابنِ جوزی نے کہا جب بولہب
جس کے ذم میں سورۂ قرآں ہو تب
فرح کرنے سے شب میلاد کے
پائے ہے تخفیف وہ تعذیب سے
ہو مسلماں اُمتِ احمد سے جو
اور خوش حضرت کے وہ مولد سے ہو
صرف جو ہو اس کی قدرت میں کرے
خرچ احمد کی محبت میں کرے

میں قسم کھاتا ہوں بس اس کی جزا ‏ ‏ اس کو بے شک یوں ہی دیوے گا خدا
کہ اسے داخل کرے گا وہ کریم ‏ ‏ فضل سے اپنے بہ جنتِ نعیم

کتاب کے آخر میں کچھ فارسی کلام بھی ہے۔

۱۸۰ر صفحات کی یہ کتاب غیر مجلد ہے۔ قیمت کی جگہ یہ عبارت درج ہے ’’برائے ایصالِ ثواب، محترم احتشام احمد رزاقی و محترمہ سیدہ شمیم فاطمہ رزاقی (اورنگ آباد)‘‘ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں کے زیرِ اہتمام شائع کی جانے والی یہ کتاب مکتبہ جام نور، دہلی (بھارت) سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

نورالہدیٰ محمد ﷺ/ ڈاکٹر نثار احمد نثار

ڈاکٹر نثار احمد نثار ہمہ جہت ادبی اور سماجی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک مخلص ادبی خدمت گزار کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ اب انھیں اپنا شعرِ عقیدت ’’نورالہدیٰ محمد ﷺ‘‘ کے عنوان سے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس نعتیہ مجموعے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شاعر نے اپنی فکر کا جوہر بڑی سادگی اور سلاست کے ساتھ قرطاس پر منعکس کردیا ہے۔ موضوعاتِ نعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمتِ شان کے حوالے سے بھی اشعار ہیں اور عصری حسیت کے ملفوظی عکس بھی نظر آتے ہیں۔ دین سے سچی لگن اور دین پر چلنے کی پرخلوص آرزو بھی ڈاکٹر نثار کے شعری منظر نامے کا حصہ ہیں۔ ڈاکٹر نثار کے اشعار میں قرآن و احادیث کے مضامین بھی شعری بُنت میں آگئے ہیں، جن کے باعث شعری متون میں استنادی شان پیدا ہوگئی ہے۔ شاعر کی راست فکری اور سوزِ دروں نے خلدِ طیبہ میں قدم رکھنے کی آرزو کو سورج کی چمک اور لفظوں کو عشقِ نبوی کی مہک عطا کردی ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہلِ دانش نے ڈاکٹر نثار کے کلام کی خوبیوں کو سراہا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے لکھا ہے:

> ان کی نعتوں کے وہ اشعار جن میں حضور ﷺ کے اوصاف کی تعریف نظم ہوئی ہے، بالخصوص قابلِ مبارک باد ہیں مثلاً:
>
> سیرت خیر الوریٰ قرآن کی تفسیر ہے
> مظہر احکام رب ہیں سارے فرمانِ رسول

ڈاکٹر نثار کے یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

روشنی کیسے نہ ہوتی ان کے آنے سے نثارؔ
ظلمتِ شب رک نہیں سکتی سحر کے سامنے

احرامِ عشق سرورِ عالم ہے جسم پر
جز، ان کے، کوئی، کیوں مجھے پیارا دکھائی دے؟

دیکھیے کیسا کلاسیکل مزاج کا شعر ہوا ہے جس میں بیان کی سلاست بھی ہے اور شاعرانہ وقار بھی:

مریض ہجر کو تم لوگ کیا دوا دو گے؟
درِ نبی پہ مجھے لے چلو خدا کے لیے!

تعلیمِ نبوی اور شعارِ مصطفوی ﷺ کا اظہاری مرقع ملاحظہ ہو:

اہلِ ایماں کے لیے رہبانیت جائز نہیں
سنتِ سرکار ہے گھر بار سے وابستگی!

قابلِ ذکر اشعار کی تو اس مجموعے میں کمی نہیں لیکن تبصرے کی محدودات آڑے آرہی ہیں اس لیے یہ جان لیجیے کہ ڈاکٹر نثار کی اس کتاب پر گراں قدر رائے دینے والے اصحاب میں پروفیسر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، بھارت)، پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی (ملتان)، پروفیسر آفاق صدیقی، پروفیسر منظر ایوبی، پروفیسر انوار احمد زئی، جناب قمر وارثی اور جناب محمد اکرم کنجاہی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ منظوم خراجِ تحسین پیش کرنے والوں میں جناب راغب مرادآبادی اور صابر براری کے نام نمایاں ہیں۔

۲۰۸ صفحات پر مشتمل نعتوں کا یہ تحفہ، بزمِ یارانِ سخن (۴۰۳، رفیق سینٹر، عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی) کی جانب سے طباعت پذیر ہوا ہے۔ کاغذ بھی اعلیٰ ہے، طباعت بھی معیاری ہے اور سرورق بھی دیدنی ہے۔ قیمت صرف ۲۰۰ روپے ہے، جو بالکل مناسب لگتی ہیں۔

غلام محی الدین۔ کراچی

عہدِ نبوی ﷺ کی نعتیہ شاعری... ایک تعارف

ڈاکٹر شاہ محمد تبریزی قابلِ مبارک باد ہیں، جنھوں نے "عہدِ نبوی ﷺ" کی نعتیہ شاعری" پر، ایک ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم تحقیقی مقالہ لکھ کر، جامعہ کراچی کے، کلیہ معارفِ اسلامیہ سے، ڈاکٹر آف فلاسفی (Ph.D) کی ڈگری (سند) حاصل کی ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس موضوع پر، ڈاکٹریٹ کی سطح پر لکھا جانے والا یہ پہلا مقالہ ہے۔

انھیں اس مقالے کے لیے مواد کی تلاش اور کتب کی فراہمی کے لیے سخت جدوجہد اور شدید محنت کرنا پڑی اور بائیس سال کا طویل عرصہ اس کارہائے گراں میں صرف ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ نعتیہ وحمدیہ موضوع پر مضامین لکھتے لکھتے ذہن میں یہ بات سمائی کہ اس موضوع پر پی ایچ۔ ڈی کرنا چاہیے۔ مواد تو اچھا خاصا جمع کر ہی لیا تھا، لہٰذا ذہن بنایا، لو لگائی اور "عہدِ نبوی کی نعتیہ شاعری" کو موضوع بنا کر، کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی میں داخلہ لے لیا۔

انھوں نے تحقیق سے قبل اور دوران تحقیق کراچی کے تقریباً تمام بڑے کتب خانے اور اشاعتی ادارے کھنگالے۔ جہاں سے جو بھی کتاب یا مواد انھیں ملا، وہ لے لیا انھوں نے ایک ایک ہزار روپے کی ایک ایک کتاب خریدی ہے اور بیرون ملک سے بھی کتب منگوائیں، جن میں بیروت (لبنان)، قاہرہ (مصر)، دمشق (شام)، جدہ (سعودی عرب) اور ترکی اور لندن (برطانیہ) شامل ہیں۔ اس سلسلے میں جن شخصیات نے مواد کی فراہمی میں مدد فراہم کی۔ ان میں مدیرِ "نعت رنگ" معروف نعت گو و ثناخواں، سید صبیح الدین صبیح رحمانی اور جناب رشید وارثی (مرحوم) شامل ہیں۔ انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی اور اسٹیٹ بینک، کراچی کے کتب خانوں سے بھی خوب استفادہ کیا اور اس کام کے لیے 1986ء میں لاہور بھی گئے۔ اس کے علاوہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل،

کراچی کا کتب خانہ اور صدر نشین ادارہ، علامہ سید وجاہت رسول قادری اور جنرل سیکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کا بھی انھیں بھرپور تعاون حاصل رہا۔

''عہدِ نبوی ﷺ کی نعتیہ شاعری'' کا یہ علمی و تحقیقی جائزہ، سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں ڈیڑھ سو سے زائد صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ کا نعتیہ کلام یکجا کیا گیا ہے۔

باب اوّل: پانچ فصول پر مشتمل ہے۔ اس میں شاعری کے حوالے سے اسلام کا نقطۂ نظر، قرآن واحادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ شاعری، قرآن کی نظر میں معیوب نہیں اور یہ کہ، کون سی شاعری معتوب ہے اور قرآن کس شاعری کی مذمت کرتا ہے۔ ان آیات کریمہ کی تائید میں احادیث نبویہ پیش کی گئی ہیں۔

قرآن کریم، عہدِ نبوی ﷺ کا اولین نقش نعت ہے، جس میں نعت کے اصول وضوابط اور طریقۂ کار کی نشان دہی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نعت کہنے کے لیے بنیاد (Base) کیا ہونی چاہیے اور زبان واسلوب کیسا اختیار کرنا چاہیے۔

علمائے علم وفن کہتے ہیں کہ عربی ادب کی ابتدا بھی دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کے ادب کی طرح شاعری ہی سے ہوئی۔ یونانی تہذیب ہو یا مصری حیات۔ ان کی زندگیوں کا بڑا انقلابی حصہ شاعری ہی کی مرہونِ منت ہے۔ قدیم تواریخ میں بابل ونینوا بھی اسی تہذیب کا حصہ رہے ہیں۔ مزامیر داؤدؑ آج بھی ان کے مذہب کا حصہ ہے۔ مذہبی شاعری ہر تہذیب کا جزو حیات رہی ہے۔

ماقبل وبعد از اسلام، شاعری ہی اہل عرب کا ذریعۂ اظہار تھی بلکہ ان کی اولین زبان تھی، جس کا انھوں نے بھرپور استعمال کیا۔ قبل از اسلام شاعری ان کی مجبوری تھی، لیکن بعد از اسلام وہ ضرورت میں تبدیل ہوگئی، جیسا کہ پروفیسر نکلسن کہتا ہے:

> **In those days poetry was no luxury for the cultured few but the sole medium of literary expression.**

صحابہ کرامؓ، مُردہ دل اور خشک مزاج ہرگز نہ تھے، بلکہ وہ زندہ رَو تھے اور اپنی مجالس میں اشعار پڑھتے تھے۔ شعروسخن کی اس محفل کا مقصد، اسلامی ادب کو پروان چڑھانا تھا۔

اس باب میں شعر کی حکمت وعظمت، احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں، حضور ﷺ کا ذوق شعری اور آپ کی شعر فہمی پر روشنی ڈالی گئی ہے، گو کہ آپ شاعر نہ تھے، لیکن اعلیٰ ذوق شعری رکھتے تھے۔ رجزیہ اشعار پڑھنا آپ سے ثابت ہے اور اسی سبب آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں حضرت حسانؓ

کے لیے منبر بچھوائے اور نعتیہ اشعار سماعت فرمائے اور انھیں دعاؤں سے نوازا۔ آپ نے بہ فرمائش صحابہ کرامؓ سے اشعار سماعت فرمائے۔ آپ نے فرمایا: شعر میں حکمت اور دانائی بھی ہوتی ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ''کلمہ حکمت'' تو مومن کی متاع گم شدہ ہے۔

حضور ﷺ کی تفہیم شعری بھی اعلیٰ ذوق کی مظہر تھی۔ آپ نے معروف جاہلی شاعر، امراء القیس کے اشعار کو باعتبار موضوع ناپسندیدہ قرار دیا، لیکن اس کی شاعرانہ عظمت کو ''اشعر الشعرا'' کا خطاب دے کر اس کے کمالات شعری کا اعتراف فرمایا۔ اسی طرح جب آپ کے سامنے مشہور جاہلی شاعر، عنترہ بن شداد کا شعر پڑھا گیا، تو آپ نے اس سے ملنے اور اسے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔

حضور ﷺ شعر و ادب پر قدغن نہ لگاتے، بلکہ اس کی ترویج کے لیے صحابہ کرامؓ کی حوصلہ افزائی فرماتے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: مجھے میرے رب نے تعلیم ادب دی ہے اور پھر یہ کہ میں نے قبیلہ بنی اسد میں پرورش پائی ہے۔ ڈاکٹر عبدالحلیم لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا لفظ ''ادّبنی'' عربی ادب میں پہلی مرتبہ استعمال ہوا ہے، اس سے پہلے یہ لفظ عرب کی تاریخ شعر و ادب میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ (تاریخ ادب عربی)

اس باب میں ایک اہم بحث مسجد میں نعتیہ اور جنگی مواقع پر رزمیہ و رجزیہ اشعار کا پڑھنا بھی ہے۔ اس باب کا ایک اور اہم موضوع ''شعرائے خاندان رسالت ﷺ کی نعتیہ شاعری'' ہے جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ اس میں خاندان رسالت کے اڑتیس شعرا و شاعرات کا کلام دیا گیا ہے۔ حضور کے ساتویں نمبر کے دادا حضرت کعب (بن لوی) نے آپ کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ سال قبل، آپ کی نعت کہی، گویا نعت کی ابتدا آپ کے خاندان سے ہوئی۔ حضرت کعب، آپ کے اجداد میں اولین فرد ہیں جنھوں نے اپنی نعت میں، آپ کا اسم گرامی ''محمد'' پہلی مرتبہ استعمال کیا اور آپ کی چودھویں نمبر کے دادا، حضرت کنانہ (بن خزیمہ) پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اپنی نعت میں سب سے پہلے آپ کا اسم گرامی ''احمد'' استعمال کیا۔ یہ زمانہ ماقبل از اسلام و ولادت و بعثت کا ہے۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جنھوں نے آپ کی ولادت کے بعد سب سے پہلے اپنی نعت میں آپ کے اسم گرامی ''محمد'' کا استعمال کیا۔

عورتوں میں سب سے پہلی نعت آپ کی والدہ حضرت آمنہؓ نے اور مردوں میں سب سے پہلی نعت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کہی، علاوہ ازیں آپ کے چچا، چچازاد بھائی، آپ کی دادیاں، چچیاں، پھوپھیاں بھی بہترین شاعر و شاعرات تھیں۔ ان کا نعتیہ کلام بھی دیا گیا ہے، جب

کہ آپ کی ازواج مطہراتؓ اور آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ بھی عمدہ شاعرات تھیں، ان کا بھی نعتیہ کلام شامل مقالہ ہے۔

حضور ﷺ کے خاندان کے میں، آپ کے چچا ابو طالب اور آپ کے چچا زاد بھائی، حضرت علیؓ بن ابی طالب، دونوں صاحب دیوان شاعر ہیں جو کہ طبع شدہ ہیں۔ دیوانِ ابوطالب اور دیوانِ علیؓ عربوں ہی میں نہیں بلکہ عجم میں بھی معروف ہے اور پاک و ہند میں ان کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ یہ اعزاز خاندان بنو ہاشم (قبیلہ قریش) کے سوا کسی اور خاندان عرب یا قبیلہ کو حاصل نہیں کہ باپ، بیٹے دونوں صاحب دیوان شاعر ہوئے ہوں۔

آپ کا خاندان فن شعر و ادب سے مالا مال تھا۔ عربی زبان و ادب و مراثی و قصائد بالخصوص نعتیہ ادب کی ترویج و اشاعت اور نعت گوئی کی شروعات بعد از ولادت آپ کے خاندان سے ہوئی۔

اس باب کا ایک اہم موضوع جہادی اشعار بھی ہیں جن میں ہجویات و رزمیہ اشعار شامل ہیں۔ یہ باب اوّل آٹھ سو اٹھاسی حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

باب دوم: تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صحف قدیم، توریت و زبور و اناجیل میں مذکور نعوت نبویہ شامل ہیں اور کتب سماوی میں نعوت محمدیؐ کے عنوان سے انبیائے سابقین کی بشارتیں اور احبار و رہبان و کہان و کاہنات کی پیش گوئیاں (بشارات) شامل ہیں، یکجا کی گئی ہیں۔ اس باب کا بڑا حصہ عبرانی زبان پر مشتمل ہے۔ ان نعوت و بشارات عبرانیہ کا عربی، انگریزی اور اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اس باب میں دو صد انسٹھ (۲۵۹) حوالہ جات شامل ہیں۔

باب سوم: چھ فصول پر مشتمل ہے۔ اس میں ولادت و بعثت نبوی سے قبل کی نعتیہ شاعری کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں بالخصوص شاہ یمن تبع ثانی کی آج سے ڈھائی ہزار سال اور آپ کی ولادت سے ایک ہزار سال قبل کہی گئی وہ نعت رسول کریم شامل ہے، جس میں اس نے اپنے اسلام لانے کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ نعت شریف جب بدست حضرت ابوایوب انصاریؓ، آپ کی بارگاہ میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے ''اخی الصالح'' (نیک بھائی) کا خطاب عطا فرمایا۔ یہ نعت شریف اپنے تمام تر تاریخی شواہد کے ساتھ مقالہ میں شامل ہے۔

اس کے علاوہ اس باب کی ایک فصل جنات کی نعتیہ شاعری پر مشتمل ہے، جس میں جن کی وہ نعت بھی شامل ہے جس کے ذریعے مدینہ میں بعثت نبوی کی پہلی خبر پہنچی، اس کے علاوہ جنات کی

بشارات بہ شکل نعت اور قصیدۂ جنّیہ، جو حضرت عمرؓ (جن) کے نام سے معروف ہے، شامل مقالہ ہے۔

علاوہ ازیں ہواتفِ غیبی سے بشاراتِ مصطفیٰ ﷺ اور بتوں کی نعتیہ شاعری کو بھی اس باب میں شامل کیا گیا ہے، نیز عربی زبان کا پہلا با قاعدہ نعتیہ قصیدہ کس نے اور کب کہا؟ عبدالمطلب، ابو طالب یا ورقہ بن نوفل نے؟ اس پر بھی مدلّل بحث کی گئی ہے۔ عہدِ نبوی میں کہے گئے ان تینوں شخصیات کے قصائد، عربی نعتیہ ادب میں "بنائے قصائدِ نعت" کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس باب میں "قرآن کریم اور نعوت محمدی" بھی ایک اہم عنوان ہے، جس میں قرآن کریم میں بیان کی گئی نعوت محمدی ﷺ کو یک جا کیا گیا ہے۔ اس میں سینتالیس (۴۷) موضوعات پر ایک سو ستر آیاتِ نعوت درج کی گئی ہیں۔ یہ باب تین سو بیاسی حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

باب چہارم: چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں عہدِ نبوی ﷺ کی نعتیہ شاعری کے عنوان سے بعد از ولادت و بعثت بشاراتِ مصطفیٰ ﷺ کو یک جا کیا گیا ہے، جس میں جنات اور بتوں کی بشارات شامل ہیں۔ ان ہی بشارات کے ذریعے کئی نام ور صحابہ کرامؓ نے اسلام قبول کیا اور انھیں حضور ﷺ کی بعثت و ولادت کی خبر، انھیں اصنام و جنات کے ذریعے ملی تو انھوں نے کفر و شرک کی زنار سے نجات پائی۔

اس باب کی فصل سوم اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کی نعوت کو مع تذکرہ یک جا کیا گیا ہے۔ اس باب میں سرزمین حبشہ، مکہ اور مدینہ میں کہی گئی نعتیں شامل ہیں اور اس میں مدینہ میں کہی گئی وہ اوّلین استقبالی نعت بھی شامل ہے جو تمام نعتوں کا مصرعِ اول اور مطلعِ اوّل ہے: **طلع البدر علینا من ثنیات الوداع**

اس باب میں خلفائے راشدین کی نعتیہ شاعری بھی درج ہے۔ اس باب کا ایک اہم موضوع "خواتین کی نعتیہ شاعری" بھی ہے۔ یہ باب چار سو چھ (۴۰۶) حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

باب پنجم: تین فصلوں پر مشتمل اس باب میں، حضور ﷺ کے دفاع میں، میدان کارزار میں کہے گئے نعتیہ اشعار یک جا کیے گئے ہیں۔ اس کی فصل اول میں دربارِ رسالت ﷺ کے چار شعرا کا مفصل تاریخی نعتیہ جائزہ پیش کیا گیا ہے اور فصل دوم میں جہادی نعتیہ اشعار درج کیے گئے ہیں، جو دفاعِ رسول میں کہے گئے۔

نعتیہ شاعری کا ایک پہلو آپ کے دفاع میں کہے گئے وہ اشعار نعت بھی ہیں جو آپ کی حفاظت و نگرانی و نگہبانی کے لیے کہے گئے ہوں، خواہ وہ جنگ و جدل کے مواقع پر کہے گئے ہوں یا

دشمنانِ اسلام کی ہجو کی رد میں یا آپ کے شمائل وفضائل اور خصائل ومفاخر، ان اعدا کے مقابل بیان کرنے کے لیے کہے گئے ہوں یا دشمنوں کے سامنے آپ کی شان وعظمت، شرف وعز وقدر، فخر و بڑائی، جاہ وبلندی کو ظاہر کرنے کے لیے، ایسے تمام اشعار کا شمار، نعتیہ اشعار ہی میں کیا جائے گا اور اسے آپ کی نعت شریف ہی کہا جائے گا۔ صنف ادب میں اسے کوئی بھی نام دیا جائے اسم با مسمّٰی ''نعت'' ہی رہے گا۔ اس سلسلے میں پہلا نام اور پہلا کام آپ کے چچا حضرت ابو طالب کا ہے۔ زمانہ ابتدائے اسلام میں روئے زمین پر حضرت ابو طالب ہی کی وہ اوّلین ہستی و ذات تھی جس کے سائے میں شجر اسلام، سائبان وسایہ دار بنا۔

اس باب کا ایک اہم موضوع ''عہد نبوی کے غیر مسلم نعت گو شعرا وشاعرات'' ہیں جس میں مشرکین مکہ اور مشرکین مدینہ کی نعتیہ شاعری کو شامل کیا گیا ہے۔ یہود ونصاریٰ، کفار ومشرکین نے آپ کی بارگاہ میں جو نعتیں رقم کی ہیں، وہ عربی نعتیہ ادب کا اثاثہ ہیں، جو زبان وبیان کی پرکاریوں سے پُر ہیں۔ یہ باب سہ صد پینتیس حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

باب ششم: تین فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس باب میں عہد نبوی ﷺ میں صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ کی نثری نعوت کے نمونے شامل ہیں۔ دنیائے نعت، بلکہ تاریخ اسلام میں کہے گئے تمام نثری نعتیہ کلام میں، کسی خاتون کا کہا گیا سب سے بہترین واعلیٰ ترین، اوّلین وخوب صورت ترین نثری نعت کا طویل ترین، بے مثل و بے نظیر نمونہ، حضرت ام معبد الخزاعیؓ کی نثری نعت بھی شامل ہے۔ آپ تاریخ اسلام کی اوّلین وآخرین خاتون صحابیہؓ ہیں جنھوں نے حضور ﷺ کی طویل ترین نثری نعت بیان فرمائی ہے، گو کہ آپ شاعرہ نہیں تھیں لیکن آپ کو سراپائے رسول ﷺ نے شاعرہ بنا دیا۔ حضور اقدس ﷺ کا سراپا دیکھ کر آپ نعت کہنے پر مجبور ہوگئیں۔ الفاظ بول اُٹھے، جملوں میں ترنگ بج گئے۔ سراپائے حسن وجمال وکمالِ رسول ﷺ نے آپ کو نعت کہنے پر ایسا اکسایا کہ عربی ادب میں ''نعت کا سرتاج'' دے گئیں۔ آپ کی یہ نعت بتیس جزو (نثری جملوں) پر مشتمل ہے۔

اس باب کی فصل دوم بھی اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں نعتیہ شاعری میں ''سوانحی، حیاتی اور تاریخی عناصر کا ارتقا'' بیان کیا گیا ہے، جو کہ حضور نبی کریم ﷺ کے عہد میں وقوع پزیر ہوا اور عہد نبوی میں ہی اس صنف کو عروج حاصل ہوا۔ عہد نبوی کی نعوت میں آپ کی مکمل سوانح حیات اور آپ کی تاریخ حیات کا مکمل نقشہ موجود ہے جسے آپ کے عہد کے شعرائے اسلام نے منظوم ومنعوت کیا ہے۔ آپ کی والدہ حضرت آمنہؓ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب، آپ کے چچا حضرت

ابوطالب اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور آپ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب، کو اس صنف میں اوّلیت حاصل ہے۔

اس باب کا ایک اہم عنوان ''عہد نبوی ﷺ میں نعتیہ قصائد کا ارتقاء'' اور ''عہد نبوی ﷺ میں نعتیہ مراثی کا ارتقا'' بھی ہے۔ مرثیہ، قصیدہ اور عربی شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر یہ دو چیزیں عربی شاعری سے خارج کردی جائیں تو پیچھے کچھ نہیں بچتا، ادب رہ جائے گا، ادبیت ختم ہوجائے گی۔ عربی شاعری میں زبان و بیان کی چاشنی اسی میں ہے۔ نعتیہ ادب میں یہ اضافہ میراث، مالِ متروکہ کے طور پر شامل ہوئیں اور نعتیہ ادب کا دامن بھر گئیں۔ نبی کریم ﷺ کے وصال پر کہے گئے مراثی، اس کی اعلیٰ مثال ہیں۔

حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب عرب ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے اوّلین فرد تھے جنھوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی چھ بیٹیوں سے اپنا مرثیہ کہلوا کر سنا اور پھر اپنے مرنے کے بعد ان مراثی کو اس طرح پڑھنے کا حکم دیا جس طرز پر انھیں سنایا گیا تھا۔ یہ بھی ایک تاریخی ریکارڈ اور عربی ادب کی حقیقت اور فن شاعری میں سند ہے کہ کسی شخص پر اس کی چھ بیٹیوں، یعنی حضور ﷺ کی چھ پھوپھیوں نے، الگ الگ ردائف و قوافی پر مشتمل، اپنے والد یعنی حضور ﷺ کے دادا پر بے یک وقت چھ مرثیے پڑھے۔

مرثیہ عربی ادب کا خاصہ ہے، بعینہٖ اسی طرح، جیسے رجزیہ اشعار، میدان کارزار (جنگ) کا شعار ہیں اور حدی خوانی، بدوی زندگی کی علامت ہے۔ صحابہ کرامؓ و صحابیاتؓ نے حضور کے نہایت خوب صورت، زبان و بیان سے پُر نعتیہ مراثی رقم کیے۔ نعتیہ مراثی نعتیہ ادب کا ایک اہم جز ہیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ عہد اسلام، عہد نبوی ﷺ کے سب سے بڑے نعت گو شاعر، نعتیہ ہجو اور نعتیہ مراثی کے بانی شاعر، سب سے بڑے مرثیہ گو اور نعتیہ ادب میں شاہ کار مراثی تخلیق کرنے والے فرد ہیں۔ آپ نے حضور ﷺ کی وفات پر چار مراثی میں بیاسی اشعار کہے۔ پہلا مرثیہ اڑتالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس باب میں خواتین کے نعتیہ مراثی بھی شامل ہیں۔ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مراثی عربی نعتیہ ادب کا شاہ کار ہیں۔ یہ باب دوصد پینسٹھ حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

ساتواں باب: چار فصول پر مشتمل ہے۔ جس میں عہد نبوی ﷺ میں نعتیہ شاعری بحوالہ شمائل رسول ﷺ، سیرت رسول ﷺ، حدیث رسول ﷺ اور بحوالہ عشقِ رسول ﷺ شامل ہے۔ اس باب

کا ایک اہم موضوع ''عہد نبوی ﷺ کی نعتیہ شاعری کے ماخذات'' اور نعت صحابہ کے مضامین و موضوعات'' ہیں۔ ''عہد نبوی ﷺ اور عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کا علمی و تقابلی جائزہ'' بھی اس باب کا ایک اہم موضوع ہے۔ اس میں عہد حاضر کے شعرا کی نعتیہ شاعری میں ''زبان و بیان کی بے اعتدالیاں و بے احتیاطیاں'' بھی بیان کی گئی ہیں۔ یہ باب چھ سو چودہ (۶۱۴) حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

یہ مقالہ سات ابواب کی تیس فصول پر مشتمل ہے۔ اس میں کل تین ہزار ایک سو انچاس (۳۱۴۹) حوالہ جات درج ہیں، جب کہ اس مقالے کی تکمیل کے لیے عربی زبان کی پچانوے، اردو زبان کی ایک سو، فارسی زبان کی ایک اور انگریزی زبان کی چار کتب، یعنی کل دو سو (۲۰۰) کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم۔ لاہور

نعت گوئی اور اس کے آداب... ایک مطالعہ

نعت گوئی اپنے وجود کی تمام تر سچائیوں کے ساتھ ممدوحِ کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں قلبی اور قلمی حاضری اور باریابی کا نام ہے۔ جو شخص حاضری کے آداب سے واقف نہیں اُسے مقامِ حضوری نصیب نہیں ہوسکتا۔ جب تک روح میں طہارت، خیال میں پاکیزگی اور مقامِ نبوت سے مکمل شناسائی نہ ہو نعت گوئی کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ نعت محض مصرع تراشی، شعر سازی، لفاظی اور سخن آرائی کا نام نہیں یہ عطائے ربی ہے۔ اردو ادب کے مستند اساتذہ نے نعت گوئی کو بجا طور پر مشکل فن قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں:

نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ اس کی فضا جتنی وسیع ہے اُتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔

اور بقولِ عرفی:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قلم را

اے عرفی! اتنی تیزی نہ دکھا۔ یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں کہ آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔

قرآن مجید نے نعت نبی ﷺ کے ایک طرف اگر لاتشرکوا باللہ شیاء کی حد مقرر کردی ہے تو دوسری طرف اس قرآنی فرمان سے بھی تجاوز ممکن نہیں کہ لاترفعوا اصواتکم فوق صوتِ النبی۔ یعنی فضائل رسالت مآب ﷺ بیان کرنے میں نعت گو اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ اُلوہیت کی

سرحد میں داخل ہوجائے اور الفاظ کے انتخاب میں ایسی آزادی اختیار نہ کرے کہ ناموسِ رسالت ﷺ کا دامن تار تار ہوتا نظر آئے۔

درحقیقت سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ اقدس سے سچی محبت اور منصبِ رسالت کا حقیقی عرفان وہ کلید ہے جو درِ نعت گوئی کا قفل کھولتی اور فکری گمرہی اور شعری بے راہ روی کے دروازوں کو مقفل کرتی ہے۔ جب تک نعت گو شعرا عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر توحید و رسالت، عقیدے اور عقیدت شریعت اور شعریت عبد اور معبود کے حساس اور نازک رشتوں میں واضح امتیاز نہ کرلیں اور جب تک انھیں شعری اسلوب اور اظہار پر خلاقانہ قدرت حاصل نہ ہوجائے وہ صداقتِ بیان، حسنِ ذوق، جذباتِ عالیہ اور سوز و گداز کی صفات سے متصف نہ ہوجائیں اُس وقت تک وہ نعت گوئی کی نازک ذمہ داریوں سے کماحقہٗ عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔

ان تمہیدی سطور اور بنیادی معروضات کو پیش نظر رکھ کر ہی زیرِ تعارف کتاب کے مندرجات کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کتاب زیرِ تبصرہ عالمی اشاعتی ادارے دارالسلام نے چھاپی ہے۔ کتاب ۲۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

نعت کے قارئین کے لیے بالعموم اور محققین ناقدین کے لیے بالخصوص کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے لیکن سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ نعت گو شعرا کتاب کا نہایت توجہ اور انہماک سے مطالعہ فرمائیں۔ کتاب مباحث انگیز ہے اس پر اگر تنقیدی نشست منعقد کی جاسکے تو بہت سے قابلِ توجہ پہلو سامنے آئیں گے۔ میرے نزدیک نعتیہ تنقیدی ادب میں یہ کتاب ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

کتاب کے ٹائٹل پر درج جملہ ''حمد و نعت کے لطیف موضوع پر منفرد ادبی و تحقیقی کتاب'' کتاب کے مندرجات کا مختصر مگر جامع تعارف ہے۔

عرضِ ناشر کے زیرِ عنوان دارالسلام کے مینجنگ ڈائریکٹر عبدالمالک مجاہد نے کتاب کی اشاعت کے محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کے مؤلف پروفیسر عبداللہ شاہین نے ''سخن دل نواز'' کے تحت لکھا ہے:

> میں نے اپنے مبلغ علم کے مطابق مقدور بھر کوشش کی ہے کہ نہ صرف نعت کے خدوخال اور حدود و قیود کی نشان دہی کردوں بلکہ اصناف ''حمد و نعت'' کے مابین جو دبیز مگر نازک فرق اور بین حدِ فاصل ہے اس کو بھی واضح

کردوں تاکہ نعت گوئی اور نعت خوانی کی فضیلت حاصل کرنے والے
سعادت مند حضرات صفاتِ اللہ العالمین کو مناقب وشمائل رحمۃ للعالمین (ﷺ)
سے خلط ملط اور گڈمڈ کر کے کہیں جلی یا خفی شرک میں ملوث وجتلا نہ ہو جائیں
کہ شرک ایک ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

راقم نے کہیں پڑھا تھا کہ نعت لکھنا ہر طبع موزوں رکھنے والے صاحب علم کے امکان اور اختیار میں تو ہے لیکن اس کا حق ادا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ممدوح ﷺ کے مرتبہ شناس اور موضوع سے طبعی مناسبت نہ رکھنے والے کسی صورت اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ دارالسلام کے ریسرچ اسکالر عبدالولی نے کتاب کے "مقدمہ" میں کم وبیش انھی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

کتاب کا اسلوبِ تحریر مدلل، معتدل، منطقی اور دل نشیں ہے۔ ابواب کے عنوانات پر سرسری سی نظر ڈالنے سے ہی کتاب کے مجموعی مزاج اور منہاج کو سمجھا جاسکتا ہے۔ چنیدہ ابواب کے عنوانات ہیں۔

نعت کی تعریف، نعت کی تاریخ، موضوعاتِ نعت، نعت کی اہمیت، نعت کی حقیقت، ختم المرسل، امام الانبیا حضرت محمد ﷺ کی نعت قرآنی آیات ہیں۔ نعت گوئی اور شرک، مذاہب عالم اور دین حق، نعت کے مضامین پر ہندوستانی اثرات، نعت پر ہندی راگوں اور گیتوں کے اثرات، نعت پر فلمی گانوں اور دھنوں کے اثرات، حقیقی نعت کے چند نمونے، نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات کے زیرعنوان باب میں مؤلف رقم طراز ہیں:

> ابھی تک ہم نے نعت کے اصل منبع وسرچشمہ قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جو حقیقی نعت کا معیار اور کسوٹی ہے اور انھی ہر دو چشمہ ہائے نور وہدایت کی روشنی میں ہم حقیقی نعت گوئی کا بھی جائزہ لیں گے۔ چوں کہ نعت کا موضوع نہایت وقیع ووسیع ہے اس کی وسعت ایک طرف "عبد" سے دوسری طرف "معبود" سے ملتی ہے۔ چناں چہ شاعر کے پایۂ فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے حمد کی سرحدوں میں پہنچ گیا۔ دیکھیے کس طرح شاعر عبودیت سے ربوبیت اور نبوت سے اُلوہیت کی حدود میں نقب زن ہوتا ہے۔

اس کی مثال کے طور پر انھوں نے عبدالعزیز فطرت کا ایک شعر درج کیا ہے۔

"حقیقی نعت کے نمونے" یہ اس کتاب کا اہم باب ہے۔ اس میں مؤلف نے حضرت حسان

بن ثابتؓ، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، سیّدہ فاطمہ الزہراؑ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، مجذوب سہارن پوری، صفی لکھنوی، وزیرالحسن عابدی، عبدالرزاق اویسی، زاہد فخری، پروفیسر عنایت علی خان اور اپنی مکمل ایک نعت کے اشعار بطور مثال درج کیے ہیں۔ انھوں نے کتاب کے ایک باب ''مشرکین مکہ اور عقیدۂ ربوبیت'' میں اپنے موقف کی موافقت میں مولانا الطاف حسین حالیؔ کے ان اشعار کا حوالہ دیا ہے:

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رُتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر ... تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہے میں بھی ایک اس کا بندہ
(مسدسِ حالی)

نعت گوئی ایک ایسا حساس فن اور لطیف ہنر ہے جس میں بے حد احتیاط لازم ہے کہ شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے صرف وہی مفہوم اس شعر سے نکلے نہ کہ غزل کی طرح حقیقت اور مجاز میں جو چاہیں معنی اخذ کر لیے جائیں۔ اس کتاب میں ایسی بہت سی نعتوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کا طرزِ اظہار غزلیہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کم وبیش ہر ناقدِ نعت نے عامیانہ انداز کی ان غزل نما نعتوں کو حقیقی نعتیہ کلام سے فروتر گردانا ہے۔ اس انداز کی نعتوں میں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جنھیں اگر نعت کے عنوان سے پیش نہ کیا جائے تو ان پر غزل کا گمان ہوتا ہے۔ کتاب میں بہت سے مستند کلاسیکی اور معاصر نعت گو شعرا کے حوالے دے کر اُن کے اس نوعیت کے کلام کا محاکمہ کیا گیا ہے۔

کتاب میں اس امر کی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ موجودہ عہد میں بہت سی مبنی بر بدعات اور مشرکانہ روایات صنف نعت کا حصہ بنا دی گئی ہیں جن کی وجہ سے نعتیہ شاعری کا چہرۂ زیبا بُری طرح مسخ ہو گیا ہے اور اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ نعتیہ شاعری کو روایتی فضا سے نکال کر خالص ادبی دینی اور شعری معیارات کے تناظر اور شرعی مسلّمات کی روشنی میں پرکھا جائے۔

دلوں کے تاریک ایوانوں میں راست فکر نعتیہ شاعری نے یقیناً عقیدت ارادت اور

ہدایت کے چراغ روشن کیے ہیں۔ انسانی قلوب کو پیغام مصطفوی ﷺ سے مربوط اور منسلک کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے انقلابی پروگرام کی پیامبر ہو کر ہماری نعتیہ شاعری فکری انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ ہمیں نعتیہ شعری ادب کا مطالعہ محدود مسلکی مصالح سے بلند تر ہو کر کرنا چاہیے صرف اسی صورت اس نازک اور حساس صنفِ ادب سے انصاب ممکن ہو سکے گا۔

زیر تبصرہ کتاب کے "بیک ٹائٹل" پر درج تحریر بھی دیکھ لیجیے:

حیرانی کی بات ہے کہ برصغیر ہندو پاک میں ہندو کلچر کے زیر اثر بھجنوں اور گیتوں میں استعمال ہونے والے ہندی الفاظ تلازمات و مناسبات، علائم و رموز اور تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی نعتیہ مضامین میں ہونے لگا یہاں تک کہ ہندی راگوں کی لے اور گیتوں کے انداز پر نعتیہ شاعری ہونے لگی اور رفتہ رفتہ نوبت بہ ایں جا رسید کہ موجودہ عوامی نعتوں کا اکثر و بیش تر ذخیرہ فلمی گانوں کے زیر اثر لکھا، پڑھا اور موسیقی کے آلات محرکات کے ساتھ ٹی وی چینلوں پر گایا جانے لگا ہے۔ نیز صوتی آہنگ کو برقرار رکھنے کے لیے اللہ... اللہ... کے الفاظ کو غنائیت (Rhythm) کے طور پر استعمال کر لیا گیا ہے جو آدابِ نعت گوئی کے سراسر خلاف ہے جب کہ نعت اور اس کے آداب کا حقیقی نمونہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم، اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت رحمۃ اللہ کے عربی، فارسی اور اردو نعتیہ کلام میں ملتا ہے جس کا انتخاب اس کتاب میں موجود ہے۔

کتاب پر نظر ثانی ڈاکٹر اشفاق احمد ورک جیسے معتبر اور مستند محقق نے کی ہے اور مسودے کی قابلِ تصحیح باتوں کی درستی کر دی ہے۔ قارئینِ "نعت رنگ" سے اس کتاب کو متعارف کرانے کا مقصد اس کے مندرجات پر بحث کی دعوت ہے۔ توقع ہے "نعت رنگ" کے آئندہ شماروں میں ناقدینِ نعت ضرور اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے لیکن اس کے لیے کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ ناگزیر ہے۔ بالخصوص حضور اکرم ﷺ کی تاریخ پیدائش کی بحث (ص ۱۶۴) فوری توجہ کی طالب ہے۔

ہر لحظہ ترقی پہ ہے کیا شانِ محمد
اے صلِ علیٰ حُسنِ فروانِ محمد

(ماہر القادری)

مدحتیں

دھڑکن ہے محمد و محمد

اک لمحہ بھی رائیگاں نہیں ہے

(شبنم رومانی)

ﷺ

آمد سے رسول اکرم کی رحمت کا اجالا ہے
اشراک کی ظلمت چھٹنے سے وحدت کا اجالا ہے

ہر نعت نبی کے لفظوں میں مدحت کا اجالا ہے
الفاظ کے سارے حرفوں میں حرمت کا اجالا ہے

انفاس پہ قائم ہے سب ہی میرا نظم ہستی
اور تارِ نفس میں بھی سارا، الفت کا اجالا ہے

اقلیم محبت میں سب ہی تنویر ہے اشکوں کی
پر دل کی فضاؤں پر چھایا ، رقت کا اجالا ہے

دل درد میں ڈوبا ہے میرا، اور پرنم ہیں آنکھیں
اس سوختہ ساماں سینے میں ، حسرت کا اجالا ہے

گر آپ نہ ہوتے تو آقا، کیا ہُو کے سوا ہوتا
سب آپ کے باعث ہی جگ میں رحمت کا اجالا ہے

تھی صبح ازل روشن ساری لو لاک لما ہی سے
محشر میں بھی میرے آقا کی شوکت کا اجالا ہے

پیغامِ محمد ہی پھیلا ہر سو ہر اک جانب
دنیا میں یقیناً قرآں کی حکمت کا اجالا ہے

اصحابِ نبی برحق، سب ہی تابندہ ستارے ہیں
پھیلا دلِ گیتی میں سارا عترت کا اجالا ہے

اعمال میں ڈھلنے کو سارے احکامِ الٰہی ہیں
تکمیل کی اس خوبی میں بھی سنت کا اجالا ہے

بے خوف شفیقؔ اے دل بے شک، ہے قبر کی ظلمت سے
لاریب لحد میں بھی ان کی نسبت کا اجالا ہے

شفیق احمد شفیقؔ فاروقی (مدینہ منورہ)

ﷺ

بگولے رقص فرما تھے عرب کے ریگزاروں میں
جہنم کی ہوائیں ناچتی تھیں کوہساروں میں

عرب کی سرزمیں تپتے ہوئے پیتل کی صورت تھی
وہ دن کی روشنی میں ہول ناک آتش کی مورت تھی

سیاہی رات کی جب اپنی چادر لہلہاتی تھی
گناہوں کے نہ جانے کتنے دفتر کھول جاتی تھی

لٹیرے شیر تھے اس ریگ کے تپتے کچھاروں میں
نقب زن گدھ کی صورت پھر رہے تھے ریگزاروں میں

یہاں انسان خود انسانیت سے ناشناسا تھا
تباہی اس کی منزل تھی، تنزل اس کا منشا تھا

رذالت، ظلم، حق تلفی، جہالت اس کا شیوہ تھا
غرض ہر اک قدم تخریب کا ہی پیش خیمہ تھا

چلی بادِ صبا کچھ ایسے فاراں کی چٹانوں سے
گلابوں کی مہک آنے لگی صحرائی خاروں سے

مزین ہے اندھیری رات کی چادر ستاروں سے
جو بخشیں روشنی ذہنوں کو ایسے ماہ پاروں سے

ہوائیں اب بھی چلتی ہیں مگر تخریب سے قاصر
بگولے اب بھی اٹھتے ہیں مگر تعمیر کی خاطر

عرب کی سر زمیں اخلاص کا گہوارہ لگتی ہے
جہاں تخریب اب تعمیر کے سانچے میں ڈھلتی ہے

جو کل تک تھے لٹیرے آج ہیں انسانیت پرور
نقب زن تھے جو کل تک آج ہیں انسان کے رہبر

یہ اس معمار اعظم ہی کی سب تعمیر لگتے ہیں
جنھیں "خیرالبشر" کے نام سے ہم یاد کرتے ہیں

مظہر صدیقی (مالیگاؤں بھارت)

مدحتیں

صلی اللہ علیہ وسلم

درِ حضور سجا طشت روشنی کا ہے
چراغ بانٹنا منصب مرے نبی کا ہے

فضا میں امن کی ہر فاختہ رہے اُڑتی
سوال، خون میں ڈوبی ہوئی صدی کا ہے

سخن کی شاخِ ثنا پر گلاب کھلتے ہیں
بیاضِ نعت کا اسلوب دل کشی کا ہے

خزاں کا کب ہے مدینے میں داخلہ ممکن
ہر ایک پھول یہاں حسنِ دائمی کا ہے

نقوشِ پائے محمد کو چوم کر آئیں
یہی جواز ہواؤں سے دوستی کا ہے

کتابِ عشق کے اوراق سب منور ہیں
ضمیر شہر قلم نورِ سرمدی کا ہے

خدا کے بعد خدا کے نبی کی چوکھٹ ہو
طریق روزِ ازل سے قلندری کا ہے

ادب سے چاند ستارے یہاں اُترتے ہیں
حضور مرتبہ یہ آپ کی گلی کا ہے

نبی کا نام معطر دلوں کو کرتا ہے
نبی کا نام وظیفہ کلی کلی کا ہے

مرے حروف میں شامل ہے میرا ہر آنسو
جو لفظ میری لغت کا ہے عاجزی ہے

جو آفتاب مرے ہاتھ پر ہوا روشن
وہ آفتاب محبت کی شاعری کا ہے

مرے نصیب کا کیا پوچھتے ہو، ہم سفرو!
مرے نصیب میں موسم ثناگری کا ہے

عرب کی ریگِ مقدس کا احترام کرو
ہوا کے سر پہ عمامہ بھی برتری کا ہے

جوارِ لوح و قلم میں جو قافلہ اُترا
دھنک، گلاب، شفق اور چاندنی کا ہے

تمام رنگ الجھتے رہیں گے محشر تک
ازل سے سبز صحیفہ ہی آگہی کا ہے

ثنائے مرسلِ آخر کے پھول لایا ہوں
مرا تمام اثاثہ یہ زندگی کا ہے

زباں پہ قفل پڑے ہیں ہزار صدیوں سے
لباس، جسم پہ، سرکار، بے بسی کا ہے

پنپ رہا ہے غلاموں کی جھگیوں کو، حضور
حصارِ زر میں بگولا جو سرکشی کا ہے

دیے حضور، سرِشام بھی نہیں جلتے　　　　غبار خوف گھروں میں جو مفلسی کا ہے
فقیہِ شہر کو چیخیں سنائی کیا دیں گی　　　　حضور، دور مسلسل یہ بے بسی کا ہے
حضور، آبِ کرم سے بھرے رہیں دریا　　　　معاملہ یہ غریبوں کی تشنگی کا ہے
حضور، آپ کا محتاج ہر زمانہ ہے　　　　سلوک، آپ کا، سائل سے دلبری کا ہے
حضور، خوف زدہ اس لیے میں رہتا ہوں　　　　جہانِ نو کا ارادہ بھی خودکشی کا ہے
کھڑا ہوں آج بھی تاریخ کی عدالت میں　　　　کیا دھرا مرے اپنوں کی مخبری کا ہے
خدا کے حکم کی تعمیل ہر گھڑی ہو، ریاضؔ　　　　یہی تو مقصدِ واحد پیمبری کا ہے

خدا کا شکر بھی واجب ہے میری نسلوں پر
ریاضؔ نعت مقدر کسی کسی کا ہے

ریاض حسین چودھری (سیالکوٹ)

ﷺ

تابانیوں کا عرشِ عطا اُسوۂ نبی — تاریکیوں میں نورِ خدا اُسوۂ نبی
آفاتِ رنج و غم کی دوا اُسوۂ نبی — گلزارِ عافیت کی ہوا اُسوۂ نبی
جب دفعتہً میں غم کے بگولوں میں گھر گیا — دل پر نشاط کار ہوا اُسوۂ نبی
ثانی نہیں جہان میں اُن کی حیات کا — بے مثل و بے مثال رہا اُسوۂ نبی
قرآن پڑھ رہا ہوں میں سیرت کے نور سے — مجھ کو ہے آفتابِ صفا اُسوۂ نبی
ذرّوں کو جس نے رُوکشِ انجم بنا دیا — ہے قاسمِ کمال و سخا اُسوۂ نبی
برسا رہا ہے خیر سے کردار کے گہر — لاریب ایک نوری گھٹا اُسوۂ نبی
صحرائے غم کی دھوپ میں ہر نیم جان پر — ہے سائبانِ فضلِ خدا اُسوۂ نبی
سوچو تو کائناتِ کمال و جمال ہے — دیکھو تو ہے بہار فزا اُسوۂ نبی
دل پر سکون و کیف کے بادل برس گئے — کر کے وضو جو میں نے پڑھا اُسوۂ نبی
برسے گا تیرے دل پہ سدا آشتی کا ابر — اے دوست پڑھ کے دیکھ ذرا اُسوۂ نبی
اوروں کو دو جہان کی رعنائیاں ملیں — میں نے خدا سے مانگ لیا اُسوۂ نبی
ملکِ سخن کی روشنی ارشادِ مصطفیٰ — شہرِ عمل کا حسنِ ضیاء اُسوۂ نبی
بدکار، بدعمل ہو، کہ ہو بدنصیبِ وقت — ایسے مریض کی ہے دوا اُسوۂ نبی
انسان جس قدر بھی ہیں اس کائنات میں — اُن کے لیے ہے راہنما اُسوۂ نبی
آلامِ روزگار کی بارش کو کیا خبر — سر پر ہے میرے مثلِ ردا اُسوۂ نبی
جس کی ضیائیں دونوں جہاں کو محیط ہیں — ایسا ہے روشنی کا دیا اُسوۂ نبی
جس نے اُجالی زندگی سنت کے نور سے — اُس زندگی کی زیب و ضیاء اُسوۂ نبی

فضلِ خدا سے اُس کے مقدر سنور گئے		قسمت سے جس نے اوڑھ لیا اُسوۂ نبی
کل انبیاء کا فخر ہے کل اولیاء کا ناز		ہے افتخارِ اہلِ رضا اُسوۂ نبی
رحمت کی چھتریوں کے وہ سائے میں آگئے		جن کے دلوں کے در پہ کھلا اُسوۂ نبی
اُن کے نفس سے عہدِ خزاں پُر بہار ہے		جن پر مثالِ خلد کھلا اُسوۂ نبی
اقطاب و اتقیا بنے کچھ اصفیا ہوئے		جن کو بقدرِ ظرف ملا اُسوۂ نبی
جلتی ہیں اب بھی ان سے اندھیروں میں مشعلیں		رکھتے تھے اہلِ کرب و بلا اُسوۂ نبی
تلخابۂ عموم بنا اس کا خوش نما		جس شخص نے ادب سے پڑھا اُسوۂ نبی
سبطینؔ رہبروں کی مجھے رہبری ملی		جب سے ہے میرا راہنما اُسوۂ نبی

سبطینؔ کو جہان میں دونوں عزیز ہیں
وہ اُسوۂ رسول ہو یا اُسوۂ نبی

شاہ محمد سبطین شاہ جہانی (اسلام آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

نعتِ سرکار دوعالم کلکِ عنبر بار لکھ
مدحتِ سرکار میں ڈوبے ہوئے اشعار لکھ

اُس شہِ ہر دوسرا کو مطلعِ انوار لکھ
آمنہ کے لاڈلے کو سیّدِ ابرار لکھ

وہ شہِ ارض و سما و مظہرِ جود و سخا
بے کسوں کی لاج کو تو صاحبِ کردار لکھ

صدقہ پیارے نور کا ہم مانگنے والے کی خیر
میرے جیسوں کو بھی اُس کا طالبِ دیدار لکھ

جلوۂ صبحِ ازل تابائیٔ شامِ ابد
قصۂ معراج اس کی شان کا اظہار لکھ

وہ شفیع المذنبین وہ رحمۃ للعالمیں
اس کو صناعِ ازل کا اوّلیں شہ کار لکھ

جس زمیں پر آگئے سرکار کے نقشِ قدم
اُس زمیں کا ذرّہ ذرّہ محرمِ اسرار لکھ

باعثِ تکوینِ دوعالم ہے جس کی ذات پاک
حسنِ دوعالم اُسی کے سانس کی مہ کار لکھ

ایک عرصہ سے لیے پھرتا ہوں خواہشِ دید کی
ہے مجھے بھی چشمِ الطاف و کرم درکار لکھ

زندگی کی راہ میں نورِ یقیں شمعِ ہدیٰ
ہے وہ زندانِ لحد میں مونس و غم خوار لکھ

نعمتیں کونین کی بٹتی ہیں پیہم جس جگہ
قبلۂ اہلِ نظر وہ شاہ کا دربار لکھ

کاتبِ تقدیر! عشقِ مصطفیٰ کی بھیک دے
لذتِ عشقِ محمد سے ہوں دل سرشار لکھ

داورِ محشر رضاؔ کو اپنے لطفِ خاص سے
رحمۃ للعالمیں کا حاشیہ بردار لکھ

محمد اکرم رضاؔ (گوجرانوالہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

رب کی رحمت بھی اسے دیتی ہے داد آٹھوں پہر
جو شہِ کونین کو رکھتا ہے یاد آٹھوں پہر

ہو رہا ہے بالیقیں از فرش تا عرشِ بریں
بزمِ ذکرِ مصطفیٰ کا انعقاد آٹھوں پہر

اللہ اللہ کیا غمِ عشقِ رسولِ پاک ہے
جس کی سرشاری سے میں رہتا ہوں شاد آٹھوں پہر

چنتا رہتا ہوں مسلسل حرفِ توصیفِ نبی
بڑھ رہی ہے فکر و فن کی جائیداد آٹھوں پہر

پوچھیے ہم سے کہ پیہم بھیج کر ان پر درود!
پا رہے ہیں قلب و لب کیا کیا مفاد آٹھوں پہر

پانے والے سیرتِ آقا سے پیہم حوصلہ!
نفسِ امارہ سے ہیں محوِ جہاد آٹھوں پہر

از خیالِ مصطفیٰ، اشکوں کی ارزانی کے ساتھ
چاہتے ہیں دیدہ و دل اتحاد آٹھوں پہر

اسوۂ شاہِ اُمم سے ہیں یقیناً آشنا!
کر رہے ہیں جو ادا حق العباد آٹھوں پہر

رزقِ خاکِ کوئے طیبہ، میں بھی ہو جاؤں قمر
کروٹیں لیتی ہے دل میں یہ مراد آٹھوں پہر

قمر وارثی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

کرم کر مجھ پہ عکس آئینہ مدہم نہ ہوجائے
مری آنکھوں کی بینائی بھی آقا کم نہ ہوجائے

مجھے ایمانِ یاسر دے کٹا دوں راہ میں تیری
مری گردن کہیں باطل کے آگے خم نہ ہوجائے

گوارا ہی نہیں وہ آنکھ مجھ کو اپنے چہرے پر
محبت میں جو تیرا ذکر سن کر نم نہ ہوجائے

کوئی تریاق مولا زہر آلودہ فضاؤں میں
رگوں میں دوڑتا پھرتا لہو بھی سم نہ ہوجائے

منور کرتا رہتا ہوں اسے خونِ رگِ جاں سے
چراغِ دل فرنگی قمقموں میں ضم نہ ہوجائے

عطا کردے ہمیں تو فقر و سرمستی کی سلطانی
ضمیر اپنا بھی مانوسِ شکوہ جم نہ ہوجائے

بہم فرما دے شیرازہ خدارا اپنی اُمت کا
مآل کار فطرت بھی کہیں برہم نہ ہوجائے

عطا کر استقامت وادیٔ پُرخار ہے مولا
وفا کی راہ میں اختر کہیں بے دم نہ ہوجائے

سلیم اختر فارانی (گوجرانوالہ)

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY AZAMGARH U.P.

صلی اللہ علیہ وسلم

مرے ہونٹوں کو
کلمے کی روانی جس نے بخشی ہے
مرے ماتھے کو
سجدوں کی نشانی جس نے بخشی ہے
مری دولت میں
اوروں کا بھی حصہ جس نے رکھا ہے
مری سوچوں میں
یوم آخرت جس نے بسایا ہے
مرا محسن
مرا رہبر وہی ہے

ایس ایم عقیل (کرناٹک، بھارت)

ﷺ

صَرصَر کو صبا بنانے والا
اِک شخص تھا ہر زمانے والا

دن رات نبی کے کہہ رہے ہیں
سوتا ہے کہاں جگانے والا

کیا خیر تھا وہ خدا کا بندہ
بندوں کو خدا دلانے والا

وہ کتنا عظیم کارواں تھا
مکّے سے مدینے جانے والا

معراج کی شب خدا سے ملنے
وہ جسم کے ساتھ جانے والا

آ بیٹھا پھر اپنے بورئے پر
اللہ سے مل کے آنے والا

تمثیلاً دیکھ خلد دوزخ
تفصیلاً ہمیں بتانے والا

کہئے کہ کئے چراغ روشن
کہئے نہ اسے جلانے والا

ماجدؔ کو دکھا دیا نبی نے
معبود نظر نہ آنے والا

ماجد خلیلؔ (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

چلو آؤ دعا کرتے ہیں رب مقبول فرمائے
مدینے کا مسافر تو مدینے ہی میں مر جائے

ہمیں قرآں سکھاتا ہے کہ طالب رب سے بخشش کا
دیارِ مصطفیٰ کی راہ سے ہوتا ہوا آئے

وہ بن جائے نہ کیوں مرکز زمانے کے چراغوں کا
جو تارہ مہرِ محبوبِ خدا سے روشنی پائے

انھیں کی ذات پر بکھری ہوئی سوچیں سمٹ آئیں
انھیں کی فکر پر افکار کے اجرام گہنائے

جہاں میں آنے والے ایک اک انساں پہ لازم ہے
انھیں کو راہ بر رکھے، انھیں کا طرز اپنائے

محمد مصطفیٰ کے فیصلے انساں پہ احساں ہیں
صنادیدِ جہاں کی دو نہیں اس ضمن میں رائے

فرشتوں کو یقیناً رشک ہوگا اس عنایت پر
رسولِ حق سے کیا کیا آدمی نے مشورے پائے

محمد مصطفیٰ سے اک ذرا رُخ پھیرنے والا
دیا کیا، آفتابِ وقت بھی رستہ بھٹک جائے

اگر سمجھے تو اک اک اُمتی پر فرض ہے منظرؔ
جہاں بھی ہو محمد مصطفیٰ والا نظر آئے

منظر عارفی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

توصیف کے سفر میں مرا رہنما یقیں
تھی ابتدا اُمید تو ہے انتہا یقیں

انوارِ حق کا مطلعِ تاباں حضور ہیں
اُن کی حیات کا ہے ہر اک زاویہ یقیں

تقلید اُن کی منزلِ مقصود ہے مری
آئینہ دار دل کا ہے اُن پر مرا یقیں

چاہت میں اُن کی مل گئی ایمان و آگہی
میری محبتوں کا رہا مرکزہ یقیں

اُس کو نبی نے دامنِ رحمت میں لے لیا
جس کی بھی زندگی کی ادا بن گیا یقیں

سامانِ مغفرت کا شفاعت ہے آپ کی
دل سے کبھی ہوا نہ زباں سے جدا یقیں

کرتا ہوں میں دکھوں کا مداوا درود سے
مشکل میں آپ سے ہے مرا رابطہ یقیں

یومِ حساب مجھ کو بھی رکھیں نگاہ میں
ہے آپ کے کرم کا مجھے بے بہا یقیں

منزل کا راستہ ہے مرا ہم سفر امینؔ
اللہ اور اُس کے نبی پر مرا یقیں

رشید امینؔ (اسلام آباد)

صلی اللہ علیہ وسلم

تجلیٔ شہِ بطحا سے دو جہاں روشن
ہوئی ہے شمعِ رسالت کہاں کہاں روشن

خدا نے ذکرِ نبی کو دوام بخشا ہے
رہے گا ذکرِ نبی سے ہر اک زماں روشن

نبی کے ذکر کا میں اہتمام کرتا ہوں
انھی کے ذکر سے میرا بھی ہے مکاں روشن

ثنائے شاہِ دو عالم کا فیض تو دیکھو
قلم قلم ہے منور زباں زباں روشن

وہ بن کے آئے ہیں رحمت تمام عالم کے
ہوئی ہے دہر میں اُمیدِ بے کساں روشن

ہے کامیاب زمانہ انھی کی برکت سے
اُنھی کا فیض ہے اب ہے جہاں جہاں روشن

جہاں میں آمدِ ذاتِ حضور والا ہے
فضا فضا ہے درخشاں سماں سماں روشن

شرف حضور سے نسبت کا جن کو حاصل ہے
وہ ہستیاں ہیں زمانے میں بے گماں روشن

فقط زمین ہی اے دِلؔ نہیں ہوئی تاباں
ہوا ہے نورِ محمد سے آسماں روشن

امان خان دِل (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حصولِ سعادت بڑی بات ہے
ذکرِ شانِ رسالت بڑی بات ہے

محفلِ مصطفیٰ منعقد کیجیے
اُن کی بارانِ رحمت بڑی بات ہے

کوچۂ شاہِ دیں کی گدائی ملے
ایسا رُتبہ یہ شوکت بڑی بات ہے

وہ نبی جو ہے محبوبِ ربّ العلیٰ
اُس نبی سے محبت بڑی بات ہے

لَو شفیع الوریٰ سے لگا کر رکھو
روزِ محشر شفاعت بڑی بات ہے

قرب حاصل خدا کا بھی ہو جائے گا
شاہِ دیں کی اطاعت بڑی بات ہے

شکرِ ربی کہ آقا کی اُمت میں ہیں
دین و ایماں کی دولت بڑی بات ہے

اِذن اُن کا ملے یہ دعا کیجیے
اُن کے در کی زیارت بڑی بات ہے

گاہے گاہے سہی نعت کہتے رہو
یوں بھی شوقِ عبادت بڑی بات ہے

تیری قسمت بھی اے دؔل سنور جائے گی
اُن کی چشمِ عنایت بڑی بات ہے

امان خان دؔل (نیویارک)

صلی اللہ علیہ وسلم

نہایت پُرکشش اور خوب صورت ہے سرِ اقدس
مصور کے حسیں فن پر دلالت ہے سرِ اقدس

یہ وہ سر ہے جہاں موئے مبارک وجد کرتے ہیں
خمیدہ گیسوؤں کا باغِ رحمت ہے سرِ اقدس

کمالِ فہم و دانش اور بصیرت اس سے ظاہر ہے
وقار و تمکنت کی اک علامت ہے سرِ اقدس

سرِ انور کے اوپر سے پرندے کب گزرتے تھے
اُنھیں معلوم تھا شانِ اطاعت ہے سرِ اقدس

وجاہت اس قدر جیسے کسی سردار کا سر ہو
لئیقِ تاجدار و شان و شوکت ہے سرِ اقدس

بروزِ حشر قدر و منزلت اس کی عیاں ہوگی
امینِ زینتِ تاجِ شفاعت ہے سرِ اقدس

سرِ پُرنور ضخم الراس لکھا ابنِ عازب نے
مناسب اور بڑے سر کی وضاحت ہے سرِ اقدس

پرندو شور مت کرنا حضور آرام فرما ہیں
ابھی صدیق کے زانو کی زینت ہے سرِ اقدس

یہاں بالیدگی ہوتی رہی موئے مبارک کی
زمانے بھر میں یکتا کشتِ قدرت ہے سرِ اقدس

ابوجہل اس مبارک سر پہ پتھر مارتا کیسے
مرے قیوم کے زیرِ حفاظت ہے سرِ اقدس

شعور، ادراک اور عقل و خرد اس میں نمایاں ہیں
جہانِ حکمت و فہم و بصیرت ہے سرِ اقدس

سحاب اُن کے سرِ پُرنور پر سایہ فگن رہتے
رضائے رب سے محفوظِ تمازت ہے سرِ اقدس

کہا ہے اُمِّ معبد نے اسے لاتزریہ صعلہ
ہمہ اوصاف و شانِ جامعیت ہے سرِ اقدس

سرِ انور بہت زائد بڑا ہے اور نہ چھوٹا ہے
عروجِ حسن کی موزوں عبارت ہے سرِ اقدس

مرے معبود کو اُس بندگی پر کیوں نہ پیار آئے
خلوص و عجز کے سجدوں کی زینت ہے سرِ اقدس

جھکائیں سر تو اِرفع راسک ارشاد ہوتا ہے
اٹھائیں تو شفاعت کی ضمانت ہے سرِ اقدس

عظیم الہامہ ہند ابن ابی ہالہ نے لکھا ہے
دلیلِ عقل و فیضانِ فراست ہے سرِ اقدس

وہ سر ایسے بڑا ہے اعتدال اُس میں نظر آئے
ستائش جس کو زیبا وہ حقیقت ہے سرِ اقدس

نمازِ عصر واروں گا ادب ملحوظِ خاطر ہے
مری آغوش میں مائل بہ شفقت ہے سرِ اقدس

سرِ انور کی غسالہ جنابِ سیدہ حفصہ
مدد کرنا مرا عنوانِ مدحت ہے سرِ اقدس

عوام الناس کہتے ہیں اُحد میں ایک پتھر پر
زیارت کے لیے نقشِ محبت ہے سرِ اقدس

مبارک سر پہ کالی اور گھنی زلفیں مزین ہیں
بڑا دل کش گلستانِ فضیلت ہے سرِ اقدس

جو سر سرداری کے شایاں ہے، ابراہیم بیجوری
وہ ذہنی تقویت کی بھی علامت ہے سرِ اقدس

اگر ہے تذکرہ قرآن میں واللیل زلفوں کا
تو کہنے دو علم بردارِ آیت ہے سرِ اقدس

جنابِ عائشہ اب آخری دیدار بھی کرلو
کہ زیبِ رحلِ آغوشِ محبت ہے سرِ اقدس

یہ جملہ خوبیاں مقصود اس جانب اشارہ ہیں
کہ تیرے رب کی تابندہ کرامت ہے سرِ اقدس

مقصود احمد تبسم (متحدہ عرب امارات)

ﷺ

درودی ساعتوں کی ہے عطا الحمدللہ
گلِ مدحت مرے لب پر کھلا الحمدللہ

مرے پیشِ نظر ہے صبح دم مشکوٰۃِ مدحت
بہار آگیں ہے دل کی ابتدا الحمدللہ

طیور نعت کی پرواز ہے عالم میں ہرسُو
تقدس زا ہے ہر دل کی فضا الحمدللہ

درود پاک کے سائے میں نکلی ہے زباں سے
فضاؤں میں چمک اُٹھی دعا الحمدللہ

چراغِ مدحتِ آقا منڈیرے پر رکھا ہے
مؤدّب ہوگئی۔ سرکش ہوا الحمدللہ

مرے دامن میں ہے خیرات اُن کے نقشِ پا کی
مرے دل سے غمِ دنیا گیا الحمدللہ

عنایات و کرم کی انتہا ہے لحظہ لحظہ
زباں پر دم بدم ہے برملا الحمدللہ

مرے دروازے پہ لکھا ہے اُن کا نامِ نامی
ہے یہ دہلیز محفوظِ بلا الحمدللہ

مجھے اے نورؔ اب تاجِ شہی کی کیا ضرورت
مرے سر پر ہے اُن کا نقشِ پا الحمدللہ

نور محمد جرال (امریکا)

صلی اللہ علیہ وسلم

خرد کی تیرہ شبی کی اگر سحر ہوجائے
تو روح عشقِ محمد سے معتبر ہوجائے

یقیں کے ساتھ اٹھیں ہاتھ جو دعا کے لیے
قفس کی آہنی دیوار میں بھی در ہوجائے

خجل ہو قوم عمل پر تو مہرباں ہو ربّ
ہر آنکھ فرطِ ندامت سے خوں میں تر ہوجائے

لہک لہک کے جو آقا کا نام لیتے ہیں
اب ان پہ خُلقِ نبی کا بھی کچھ اثر ہوجائے

نبی کا عشق، عمل میں ڈھلے تو بات بنے
پھر امتحان کی مدت بھی مختصر ہوجائے

نفاذ دیں میں ہو مشکل تو چھوڑ دو مکہ
اسی اصول پہ پھر خیر کا سفر ہوجائے!

چلو رسولِ گرامی سے عرض کرتے ہیں
حضور! لطف کی اس سمت اک نظر ہوجائے!

یقیں ہے قوم ترحم طلب ہو آقا سے
تو بادِ لطف و کرم کا بھی رُخ ادھر ہوجائے

کبھی یہ قوم بھی حبل المتین، تھام سکے!
حرم کی سمت ہر اک فرد کی نظر ہوجائے!

دعا یہ صرف مری ذات تک نہ ہو محدود
ہر ایک آنکھ اسی سوزِ غم سے تر ہوجائے!

حکایتِ غمِ دل تُو عزیزؔ کہتا جا!
عجب نہیں کہ کوئی حرف پُراثر ہوجائے!

عزیز احسن (کراچی)

رمزِ معراجِ مصطفےٰ ﷺ

رات کے چھوٹے سے حصے میں سفر تا آسماں ☆
صرف آقا کے لیے دنیا میں ممکن ہو سکا
مصلحت یہ تھی کہ وہ دیکھیں سبھی آیاتِ حق
اور دیں انساں کو سارا علم خود دیکھا ہوا
عالمِ انسانیت میں صرف اک انساں ہیں آپ
جن کو ان کے رب نے خود دیدار کا موقع دیا
علم کے عین الیقین تک وسعتیں دیکھے کوئی
روشنی آفاق کی ہے مصطفےٰ تا مصطفےٰ

عزیز احسن (کراچی)

☆ (ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، بابرکت بنا دیا ہے ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔
(آیت ۔ ۱، بنی اسرائیل ۔ ۱۷) ترجمہ: ضیاء القرآن

صلی اللہ علیہ وسلم

رب کی رحمت بھی اسے دیتی ہے داد آٹھوں پہر
جو شہِ کونین کو رکھتا ہے یاد آٹھوں پہر

ہو رہا ہے بالیقیں از فرش تا عرشِ بریں
بزمِ ذکرِ مصطفےٰ کا انعقاد آٹھوں پہر

اللہ اللہ کیا غمِ عشقِ رسولِ پاک ہے
جس کی سرشاری سے میں رہتا ہوں شاد آٹھوں پہر

چنتا رہتا ہوں مسلسل حرفِ توصیفِ نبی
بڑھ رہی ہے فکر وفن کی جائیداد آٹھوں پہر

پوچھیے ہم سے کہ پیہم بھیج کر ان پر درود!
پا رہے ہیں قلب ولب کیا کیا مفاد آٹھوں پہر

پانے والے سیرتِ آقا سے پیہم حوصلہ!
نفسِ امارہ سے ہیں محوِ جہاد آٹھوں پہر

از خیالِ مصطفےٰ، اشکوں کی ارزانی کے ساتھ
چاہتے ہیں دیدہ و دل اتحاد آٹھوں پہر

اسوۂ شاہِ اُمم سے ہیں یقیناً آشنا!
کر رہے ہیں جو ادا حق العباد آٹھوں پہر

رزقِ خاکِ کوئے طیبہ، میں بھی ہوجاؤں قمر
کروٹیں لیتی ہے دل میں یہ مراد آٹھوں پہر

قمر وارثی (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

صرصر کو صبا بنانے والا
اِک شخص تھا ہر زمانے والا

دن رات نبی کے کہہ رہے ہیں
سوتا ہے کہاں جگانے والا

کیا خیر تھا وہ خدا کا بندہ
بندوں کو خدا دلانے والا

وہ کتنا عظیم کارواں تھا
مکے سے مدینے جانے والا

معراج کی شب خدا سے ملنے
وہ جسم کے ساتھ جانے والا

آ بیٹھا پھر اپنے بورئے پر
اللہ سے مل کے آنے والا

تمثیلاً دیکھ خلد دوزخ
تفصیلاً ہمیں بتانے والا

کعبے کہ کئے چراغ روشن
کعبے نہ اسے جلانے والا

ماجد کو دکھا دیا نبی نے
معبود نظر نہ آنے والا

ماجد خلیل (کراچی)

خطوط

وجہ تسکیں نہ زمیں ہے نہ زماں ہے ہم کو
نغمۂ نعت نبی راحتِ جاں ہے ہم کو

(افسر ماہ پوری)

خطوط

پروفیسر عمران۔ لاہور

اخبارات میں قارئین کے خطوط کے لیے ایک حصہ مختص ہوا کرتا ہے۔ جس میں واضح طور پر تحریر ہوتا ہے کہ ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ اگر آپ بھی کتب پر تبصرے کے لیے یہی تحریر درج کر دیتے تو آپ کے حق میں بہتر ہوتا۔ اس تحریر کی عدم موجودگی کے باعث نامعقول اور نامناسب تبصرے کی ذمہ داری براہِ راست آپ ہی پر عائد ہوتی ہے۔

''نعت رنگ'' میں خورشید ناظر صاحب کی کتاب پر کسی عارف منصور نامی شخص کا تبصرہ شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے انفرادی طور پر ایسا ادبی اجتہاد کیا ہے کہ پڑھ کر انگشت بدنداں ہوں۔ عارف منصور صاحب نے سیرت پاک ﷺ کے سلسلے میں کچھ نکات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں دو تین باتیں (۱) خورشید ناظر کے اشعار میں نہ اور کہ کا دوحرفی الفاظ کے طور پر استعمال کی بات (۲) لفظ وحی کے تلفظ کی بات اور (۳) تسامحات کی بات۔

سب سے پہلے میں تسامحات کی طرف آتا ہوں۔ عارف منصور کے ان میں سے بجز ایک سبھی اعتراضات درست ہیں نہ ہی کوئی وزن رکھتے ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لیے ان کے اعتراضات کو خدانخواستہ درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کے درست اور غلط اندارج کے باعث نبی کریم ﷺ کی حیات پاک کی وضاحت پر اس کا کوئی منفی یا مثبت اثر نہیں۔ اس لیے اتنی غیر اہم باتوں پر اس قدر زور لگانا تبصرہ نگار کے ان منفی ارادوں کی نشان دہی کرتا ہے جنھیں انھوں نے اس انتہائی اعلیٰ کتاب کے بارے میں اپنے تبصرے میں منعکس کیا ہے۔ ان ارادوں کے منفی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ادارے کو کتاب کی اشاعت کے تقریباً تین سال بعد اس سراسر غلط تبصرے کی اشاعت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

وحی کے بارے میں عارف منصور کی معلومات سے ان کی کم علمی مترشح ہے۔ اردو کے

بہت سے لغات ان کے علمی مرتبے کی وضاحت کے لیے موجود ہیں، شرط صرف یہ ہے کہ وہ مطالعے کی زحمت فرمالیں۔

نہ اور کہ کے بارے میں ان کے خیالات عالیہ کی تردید کے لیے چند اشعار درج کرتا ہوں جن میں خط کشیدہ الفاظ کو اساتذہ نے دو حرفی استعمال کیا ہے:

میر سوز — لے پھرا میں کہاں کہاں دل کو — نہ لگائے گیا جہاں دل کو

میر حسن — نہ ملا رہ نفاق کے مارے — کیا کریں ہم وفاق کے مارے
ہو چکا حشر بھی حسن لیکن — نہ جیے ہم فراق کے مارے

میر درد — جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

حفیظ جونپوری — ٹھہری ہے اب تو آپ کے وعدے پہ زندگی — وہ زندگی کہ جان ہے جس سے عذاب میں

آزاد سہارن پوری — نہ سمجھ مجھ کو رائیگاں نہ سمجھ — نہ سہی تیرے کام کا نہ سہی

ناصر کاظمی — نہ ملا کر اداس لوگوں سے — حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں

نہ اور کہ کو کیوں کہ شاعری میں کثرت سے یک حرفی استعمال کیا جاتا ہے اس لیے عارف منصور نے اپنی کم علمی کے باعث خورشید ناظر صاحب کو زخمی کرنے کے لیے ان الفاظ کو تیروں کے طور پر استعمال کر دیا۔ انھیں نہیں معلوم تھا کہ یہ تیر ان کی اپنی ذات پر ایسے بدنما داغ چھوڑ جائیں گے جنھیں وہ کسی طرح بھی دھو نہیں سکیں گے۔ لگتا ہے کہ عارف صاحب نے اپنی اہمیت میں اضافہ کرنے کے لیے ایک محبِ رسول ﷺ کی محبت کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کی بجائے اسے اپنی کم علمی کی لاٹھی سے مجروح کرنے کی کوشش کی جسے کسی طرح بھی اچھی بات نہیں کہا جاسکتا۔ خورشید ناظر صاحب کی کتاب میں نے اور میرے کئی صاحبِ علم دوستوں نے پڑھی ہے اس کتاب میں پروف ریڈنگ کی چند غلطیاں موجود ہونے کے علاوہ اور کوئی غلطی نہیں۔ آپ نے یہ تبصرہ شائع کرنے سے پہلے پڑھ لیا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ عارف صاحب کے اس تبصرے کی اشاعت کے بعد اہلِ علم کی ادارے کے بارے میں مثبت رائے ضرور متاثر ہوگی۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ زیادہ دعا۔

پروفیسر ڈاکٹر منور غازی۔ سعودی عرب

میرا نام ڈاکٹر منور غازی ہے۔ ایک مدت سے سعودی عرب میں مقیم ہوں۔ ”نعت رنگ“ کا قاری ہوں۔ چند روز کے لیے پاکستان میں آیا ہوا ہوں۔ سیرت پاک، تاریخ، ادب خصوصاً

شاعری میرے پسندیدہ موضوع ہیں۔ تفہیم کا شعور رکھتا ہوں۔ سیرت، تاریخ شاعری اور فن شاعری کی ایک بہت بڑی تعداد میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔ تسلسل اور دیانت داری سے مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ "نعت رنگ" میں جناب عارف منصور کا بلغ العلیٰ بکمالہ پر تبصرہ پڑھا۔ میں نے یہ عمدہ کتاب بار ہا پڑھی ہے۔ تبصرہ پڑھ کر حیرت زدہ ہوں۔

محترم تبصرہ نگار نے اپنی بات کا آغاز مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری کی کتاب "الرحیق المختوم" سے کیا۔ انھوں نے چند جملوں میں الرحیق المختوم کا پروفیسر عبدالجبار شاکر سے تعلق واضح کرتے ہوئے فتویٰ صادر فرمایا کہ بلغ العلیٰ بکمالہ کے شاعر جناب خورشید ناظر نے اپنی کتاب شاکر صاحب کی فرمائش پر لکھی جس کے لیے انھوں نے کتاب میں شاعرہ "پہلی بات" کے عنوان سے لکھی گئی تحریر کو اپنی مذکورہ رائے کا ذریعہ بنایا ہے۔ لگتا ہے کہ تبصرہ نگار محترم نے اس تحریر کو نہ تو توجہ اور نہ ہی صدق دلی سے پڑھا ہے ورنہ وہ جن بحرانوں کا شکار ہوئے، صدق دلی اور توجہ سے پڑھ لینے کی صورت میں وہ ان بحرانوں سے محفوظ رہتے۔ میں نے خورشید ناظر صاحب کی اس تحریر کو بار بار پڑھا ہے مجھے اس تحریر کے ایک لفظ سے بھی ثابت نہیں ہوا کہ شاعر نے اس قدر اہم اور عمدہ کتاب مولانا شاکر صاحب کی فرمائش پر تحریر کی بلکہ وہ تو لکھتے ہیں کہ روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے وقت انھوں نے دعا مانگی کہ ان سے کوئی ایسا کام لیا جائے جو آپ کو پسند ہو اور جس کے باعث وہ آپ کی شفاعت کے حق دار بن جائیں۔ اسی تحریر کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب یہ کتاب مکمل ہوگئی اور شاکر صاحب کو اس کے مکمل ہونے کا علم ہوا تو انھوں نے شاعر سے رابطہ قائم کر کے اس کتاب کی اشاعت کی خواہش کا اظہار کیا۔ محسوس ہوتا ہے کہ فاضل تبصرہ نگار پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب کے لیے دل میں کوئی "خصوصی جذبات" رکھتے ہیں جن کے زیر اثر انھوں نے ان کا نام آتے ہی غیر حقیقت پسندانہ الفاظ کی تلوار سونت لی اور اپنے تئیں جناب شاعر، پروفیسر شاکر صاحب، "الرحیق المختوم" اور زیر تبصرہ کتاب میں شامل مواد کو زخم زخم کرنے کے درپے ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سوائے ہوا میں تیغ زنی کرنے کچھ بھی نہ کرسکے بلکہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ اس کارروائی میں بحیثیت تبصرہ نگار اپنی شخصیت اور غیر جانب داری ہی کو مجروح کر سکے۔

فاضل تبصرہ نگار نے اپنے تبصرے میں لکھا کہ شاطر نے اپنی کتاب کا نوے فیصد مواد "الرحیق المختوم" سے لیا۔ اگر ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ فاضل تبصرہ نگار نے بجا فرمایا تو ان سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ خود صاحب الرحیق المختوم یا کسی بھی سیرت نگار نے اپنی کتاب کا

مواد کہاں سے لیا؟ جب سیرت پاک کی بھی کتب اپنا چراغ روشن کرنے کے لیے اس سے پہلے روشن ہونے والے چراغوں سے استفادہ کرتے ہیں تو ایسے میں خورشید ناظر نے کون سا گناہ کرلیا۔ سیرت کی کسی بھی کتاب کو اٹھا لیجیے، آپ دیکھیں گے کہ وہ مواد جو اس کتاب میں شامل ہے وہ تقریباً بھی دوسری کتب میں موجود ہے۔ سیرت پاک کی کون سی کتاب ہے جس میں زمانۂ جہالت، عرب کی تاریخ، آپ کا خاندان، دنیا میں آپ کی تشریف آوری، آپ کا بچپن، آپ کی جوانی، آپ کی مصروفیات، آپ کا کردار، آپ کی عبادات، آپ کو نبوت کی عطا، تبلیغ، مشکلات، ہجرت، مدنی زندگی، غزوات، فتوحات، ازواج مطہرات و صحابہ کرامؓ، دین حق کو پھیلانے میں آپ کی کوششوں، ان کی کامیابی، آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے وغیرہ جیسے موضوعات شامل نہیں۔ آپ زیر تبصرہ کتاب کا صدق دلی سے مطالعہ کریں تو محسوس ہوتا ہے کہ محترم شاعر نے گو سیرت کی بہت سی کتابوں سے بجا طور پر استفادہ کیا ہے لیکن قدم قدم پر اپنے منفرد انداز، قابلِ ستائش تحقیق اور قابلِ رشک تبصروں سے کتاب کو منفرد بنا دیا ہے لیکن اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے "خصوصی جذبات" کی بجائے صدق دلی اور غیر جانب داری اوّلیں شرط ہے۔

جناب خورشید ناظر نے اپنی تحریر پہلی بات میں حضرت حفیظ جالندھری کے شاہ نامہ اسلام میں حضرت انسؓ کے نام کے سلسلے میں حضرت حفیظ کو عظیم شاعر قرار دینے کے بعد صرف اتنی بات کی کہ انھوں نے حضرت انسؓ کے نام کو اصل حرکات و سکنات کے مطابق نظم نہیں کیا۔ فاضل تبصرہ نگار نے اس پر بات کرنے کی بجائے فوراً انھیں جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ کے جواب میں یہ لکھ کر بوجھوں مارنے کی ناکام کوشش کی کہ خورشید ناظر صاحب نے الفاظ "نہ" اور "کہ" کو دوحرفی الفاظ کے طور پر نظم کرکے اپنے کہے ہوئے سیکڑوں اشعار کو بے وزن کر دیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عارف منصور صاحب کی فن شاعری سے سرسری واقفیت پایۂ ثبوت کو پہنچی۔ ان حیرت انگیز خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے انھیں یہ یاد نہیں رہا کہ کوئی شعر یا مصرع صرف اس وقت بے وزن ہوتا ہے جب اس میں استعمال ہونے والے کسی لفظ کے حروف کو اس کی اصل تعداد اور حرکات و سکنات کے مطابق استعمال نہ کیا جائے سوائے ان حروف کے جنھیں فن شاعری کے تحت متحرک یا غیر متحرک کرنے یا غیر محسوب کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ فن شاعری کے تحت حروف علت اور کبھی کبھی حرف "ہ" کو غیر محسوب کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عروض کی کتب میں مذکورہ رعایت تو واضح طور پر موجود ہے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا کہ اگر ان حروف کو محسوب کر لیا جائے تو شعر بے وزن ہو جائے گا۔ یہ کتنی

مضحکہ خیز بات ہو گی کہ شاعر کو لفظ ''وہ'' کو ''و'' باندھنے کی اجازت ہے لیکن وہ اسے اگر ''وہ'' باندھے تو شعر بے وزن ہو جائے۔ یہی صورتِ حال الفاظ نہ اور کہ کے ساتھ ساتھ یہ، جو، تو، اس اور کئی دیگر الفاظ پر بھی صادق آتی ہے۔ الفاظ ''نہ'' اور ''کہ'' کے دو حرفی الفاظ کے طور پر استعمال ہونے اور محسوب ہونے کے سلسلے میں قدیم اور جدید عہد کے نامور شعرا کے کئی اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن زوائد سے بچتے ہوئے خدائے سخن میر تقی میر کا صرف ایک شعر تقطیع کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

تشنہ لب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی کی
تش نلب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی اے کبو د پانی کی
فاعلن فاعلن مفا عی لن
فاعلن فا علن مفا عی لن

میری اس گزارش سے فن کا شعور رکھنے والے بھی لوگ اتفاق کریں گے کہ وہ لفظ جو کسی شعر میں اپنے حقیقی وزن کے عین مطابق استعمال ہوا ہو اور جسے میر تقی میر نے اس کے حقیقی وزن پر باندھا ہو اسے کون ناروا قرار دے سکتا ہے۔ یہاں مجھے حفیظ جالندھری صاحب کا ایک مصرع یاد آرہا ہے:

تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمھیں بھلا سکے
تم نے ہمے بھلا دیا ہم نہ تمے بھلا سکے
مس تف علن، مفا علن مس تف علن مفا علن

صاحب بحر الفصاحت مولوی نجم الغنی صاحب رام پوری نے ہزج مسدس اخرب مقبوض مبغ کے ذیل میں ایک شعر تقطیع کے ساتھ درج کیا ہے جسے عارف منصور صاحب کے لیے ہو بہو درج کر رہا ہوں۔ شعر صہبائی کا ہے:

بیٹھا وہ رقیب کے جو پہلو میں اٹھا یہ دردِ دل کہ کھینچی آہ

تقطیع، بیٹھا و ''مفعول'' رقیب کے ''مفاعلن'' ج پہلو میں ''مفاعیلان'' اٹ ثا یہ ''مفعولن'' درد دل ''فاعلن'' کہ کچی اٰاہ ''مفاعیلان''۔

حوالہ: بحر الفصاحب، حصہ دوم علم عروض، مصنف مولوی نجم الغنی رام پوری۔ مرتب

سید قدرت نقوی، مجلس ترقی اردو، لاہور ص ۱۱۹

جناب عارف منصور کی عروض دانی اور علمی کمال پر اس وقت تو عش عش کرنے کو جی چاہا جب انھوں نے جناب خورشید ناظر کے بارے میں لکھا کہ انھوں نے "نہ" اور "کہ" کو دو حرفی یعنی بروزن "منع" نظم کیا ہے۔ انھیں ایسا لکھتے وقت شاید یہ معمولی سی بات بھی یاد نہیں رہی کہ "منع" سہ حرفی لفظ ہے جب کہ "نہ" اور "کہ" دو حرفی الفاظ ہیں۔ انھوں نے دو حرفی کے لیے سہ حرفی لفظ کی مثال دے کر اپنے علم کو جو چار چاند لگائے ہیں وہ ان جیسے منصب کے لوگوں کا ہی حصہ ہے۔ میں فن شاعری کے ایک طالب علم کے طور پر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "بلغ العلیٰ بکمالہ" میں شاعر نے ایک جگہ بھی مذکورہ دو الفاظ کے استعمال سے شعر کو بے وزن نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے ان دو الفاظ کو اہلِ فن کی جانب سے دی گئی رعایت کے زیر اثر یا تو یک حرفی یا پھر بجا طور پر دو حرفی الفاظ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ تمام قدیم اور جدید شعراء نے فن شاعری کی جانب سے دی گئی رعایت کے زیر اثر کیوں کہ "نہ" اور "کہ" اور دیگر کئی الفاظ کو بکثرت یک حرفی لفظ کے طور پر استعمال کیا ہے اس لیے جناب عارف منصور صاحب جیسے "علما" یہ سمجھ بیٹھے کہ انھیں صرف یک حرفی کے طور پر ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جو درست بات نہیں۔ وزن ہی کے ذیل میں آگے چل کر جناب عارف منصور نے لفظ "وحی" کے بارے میں لکھا ہے کہ شاعر نے اس کے حرف "ح" کو متحرک کر کے اس لفظ سے اپنے اشعار کو بے وزن کر دیا ہے۔

کسی لفظ کے تلفظ کے تعین کے لیے سب سے مستند ذریعہ لغت ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ فاضل تبصرہ نگار نے اگر خورشید ناظر صاحب کی تحریر "پہلی بات" کو توجہ سے پڑھا ہوتا تو انھیں تبصرہ لکھتے وقت یاد رہتا کہ انھوں نے ایک سے زیادہ تلفظ کے حامل الفاظ کے استعمال کے لیے کسی ایک لغت سے اجازت کی صورت میں بھی اس تلفظ سے استفادہ کیا ہے اور یہ استفادہ بالکل بجا بھی ہے۔ لفظ وحی کے ذیل میں اگر فیروز اللغات کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں لفظ وحی کے وسطی حرف "ح" کو متحرک لکھ کر باقاعدہ نوٹ دیا گیا ہے کہ یہ لفظ اردو میں اس تلفظ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کیوں کہ خورشید ناظر صاحب اردو ہی میں شعر کہہ رہے تھے اس لیے انھوں نے اپنے جن اشعار میں اسے متحرک "ح" کے ساتھ استعمال کیا ہے، ان اشعار کو بے وزن نہیں کہا جاسکتا۔ علاوہ ازیں یہ گزارش بھی عارف منصور صاحب کے علم میں اضافے کا باعث بنے گی کہ فیروز اللغات کے علاوہ نور اللغات، جناب ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رافع اللغات، سید شہاب الدین دسنوی اور فہمیدہ بیگم

ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو دہلی کی جامع اردو لغات اور وارث سرہندی کی علمی اردو لغت میں بھی لفظ وحی کے حرف "ح" کو متحرک لکھا گیا ہے۔

جناب عارف منصور صاحب نے اپنے تبصرے کو "فنی" بنانے کے لیے ہزاروں اشعار میں سے چند اشعار لکھ کر ان میں سے کچھ الفاظ کے نیچے خط کھینچ دیا ہے اور انھیں تعقید لفظی کا شکار ہونے والے اشعار قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے فاضل تبصرہ نگار کی طرف سے نشان دہی کے بعد ان اشعار کو سیاق و سباق کے ساتھ ایک بار پھر پڑھا تو مجھے ان کے ساتھ اتفاق کرنے کے لیے بے حد کوشش کے بعد بھی کوئی معقول وجہ ہاتھ نہ آسکی۔

فاضل تبصرہ نگار نے مندرجہ بالا خیالات کے اظہار کے بعد کچھ واقعات میں پائے جانے والے تسامحات کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عمارؓ کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو بجا ہے۔ اس موقع پر حضرت یاسرؓ کا نام نظم ہونا چاہیے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس سلسلے میں شاعر کی معلومات کمزور نہیں۔ اگر وہ سمجھتے کہ حضرت عمارؓ شہید ہوگئے تو وہ آگے چل کر صفحہ نمبر ۴۸۵ پر اُن کا ذکر دوبارہ نہ کرتے۔ ایسے ہی معاملات کے لیے انھوں نے اپنی تحریر "پہلی بات" میں واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ قارئین نشان دہی کر کے انھیں ممنون کریں۔ اتنے بڑے کام میں اس طرح کی بات کوئی بڑی بات نہیں۔ اس کے لیے اس قدر جذباتی ہونے اور جارحانہ انداز اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

جناب عارف منصور نے حضرت حارثؓ بن ابی مالہ کی شہادت کے بارے میں بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ میرے مطالعے کے مطابق رومانیہ کے سابق وزیر خارجہ کونسٹین ورجل جورجیو نے "محمد ایسے پیغمبر ہیں جنھیں پہچاننے کی ازسرِنو کوشش کرنی چاہیے" کے نام سے ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا جسے فروری ۱۹۹۳ء میں سیارہ ڈائجسٹ نے ترجمہ کر کے عکس سیرت نمبر کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس وقت مدیر اعلیٰ امجد رؤف خان تھے۔ اس کتاب کی عمدگی اور اس کے اعلیٰ معیار کے حاصل ہونے کی بابت ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ اور ڈاکٹر ایم۔ اے فاروقی کی تحریریں بھی کتاب کی ابتداء میں موجود ہیں۔ عکس سیرت نمبر میں حضرت حارثؓ کی شہادت کا واقعہ بالکل اسی طرح درج ہے جیسے حضرت خورشید ناظر نے نظم کیا ہے۔ یہ واقعہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۲۳ پر موجود ہے۔ علاوہ ازیں اس غلام جس نے سفر طائف کے دوران آپ کی خدمت میں انگور پیش کیے تھے، اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۸۵ پر اس کا نام عدس لکھا گیا ہے۔ اس نام کو کئی کتابوں میں مختلف انداز

میں لکھا گیا ہے، شاعر کو ان میں سے صرف ایک ہی نام نظم کرنا تھا اور انھوں نے اس نام کے سلسلے میں عکسِ سیرت کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے فاضل تبصرہ نگار میری ان گزارشات کی اگر تصدیق کر لیں تو مجھے خوشی ہوگی۔

کسی کتاب کو تحریر کرتے ہوئے مصنف واقعات کی ترتیب اور بیان میں اپنا ہی خاکہ مرتب کرتا ہے۔ سیرت پاک کے سلسلے میں اَن گنت کتب منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اب تک لکھی جانے والی کتب میں کیا ہم کسی ایک کتاب کے بارے میں بھی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب بہر طور مکمل ہے اور اس کتاب میں آپ کی ذات مبارک سے متعلق ہر واقعے، ہر لمحے اور ہر پہلو کا احاطہ ہو گیا ہے۔ اس صورتِ حال میں اگر کوئی واقعہ رہ جائے یا پھر اس قدر تفصیل کا حامل نہ ہو کہ ہر سطح کے قاری کی توقع پر پورا اترے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے باعث مصنف کی لاتعداد قابلِ تحسین کوششوں کو سراہنے سے بھی گریز کیا جائے۔ فاضل تبصرہ نگار کے رویے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے ایک ایک لفظ اور ترتیب کے ہر عمل کو صرف اپنی منشا کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی اس منشا کی سر مو عدم تکمیل کتاب کو عجب درجے پر لے آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی علمی، ادبی اور دیانتدارانہ رویہ نہیں۔ علاوہ ازیں کسی واقعے کے اسی طرح بیان کرنے پر جیسا کہ وہ کئی مستند کتب میں مذکور ہوا ان کے جذبات میں ناقابلِ فہم تموج پیدا ہو جاتا ہے اور وہ لفظوں کا بھونچال برپا کرنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ بات بھی ناقابلِ برداشت ہے کہ کوئی کسی کے فن، محنت اور محبت کی حقیقت کے آئینے میں تحسین کرے۔ ان سے گزارش کی جاسکتی ہے کہ وہ سیرت پاک کی کسی ایسی کتاب کا نام بتائیں جس کے بھی ابواب اور عنوانات مصرعوں کی شکل میں ہوں، یہ بھی مصرعے تا ہے، تی ہے، تے ہیں وغیرہ پر ختم ہوتے ہوں، جس میں اسما کو صرف کنیت نہیں، انھیں مکمل طور پر درج کرنے کی کوشش کی گئی ہو، جس میں نعوت کا ایک دریا موجزن ہو، جس کا اسلوب اتنا سادہ، دل نشیں اور ہر سطح کے قاری کے لیے اتنا آسان ہو کہ سیرت پاک کو سمجھنے کے لیے اسے کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں نے اس کتاب کو کئی بار پڑھا ہے، میری محترم تبصرہ نگار سے گزارش ہے کہ غزوہ احد کے تحت، اُحد کا کون فاتح تھا، کچھ اس پر بات ہوئی ہے، کے عنوان سے صفحہ نمبر ۳۰۶ پر نظم ہونے والے حصے کو پڑھیں اور بتائیں کہ کیا سیرت پاک کی کسی کتاب میں اس طرح کا تبصرہ موجود ہے۔ وہ صفحہ نمبر ۳۳۹ پر موجود آخری عنوان کی تفصیل پڑھیں اور بتائیں کہ بنو قریظہ کو سزا کے لیے جو جواز خورشید ناظر صاحب نے مہیا کیا ہے، اس سے

پہلے کہیں مذکور ہوا ہے؟ یہ اور اسی طرح کی ان گنت باتیں ایسی ہیں جو اس کتاب کو نا صرف منفرد بلکہ یقیناً شاہ کار کے درجے پر لے جاتی ہیں۔ وہ اس کتاب کو صرف اس لیے ناپسند نہ فرمائیں کہ اس کے ناشر پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب کے صاحبزادے ہیں جنھیں وہ مخصوص وجوہ کے باعث ناپسند کرتے ہیں۔ یہ کتاب، دنیا داری کی سبھی آلائشوں سے پاک ایک ایسے شخص نے لکھی ہے، جس کا نہ تو کسی گروپ سے تعلق ہے اور نہ وہ کسی شہرت کا بھوکا نظر آتا ہے بلکہ وہ صرف اور صرف محبت رسول کو اپنی زندگی اور آخرت کے لیے بہترین اثاثہ سمجھتا ہے۔ میں جناب عارف منصور صاحب سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے رویے پر نا صرف نظرِ ثانی فرمائیں بلکہ کتب پر تبصرہ کرتے وقت اس ''غیر معمولی کیفیت'' کا شکار نہ ہوا کریں جسے خورشید ناظر صاحب کی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے اپنے لیے مناسب سمجھا اور جس کے زیرِ اثر وہ کتاب کے ظاہری حسن تک کی تعریف کرنا بھول گئے۔ میں ان کی اس صلاحیت کا اعتراف کرتا ہوں کہ وہ خوشبوؤں بھرے طویل رستے کو طے کر لیتے ہیں اور انھیں خوشبو کا کوئی جھونکا متاثر نہیں کرتا۔ میں ایک بزرگ کی حیثیت سے انھیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ انھیں بہت سے مطالعے کی ضرورت ہے، انھیں کچھ وقت اچھی کتب پڑھنے پر صرف کرنا چاہیے۔ انھیں کسی فن کو مفروضوں کی بجائے، اس کے اصولوں کے مطابق پرکھنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے اور علمی معاملات پر بات کرنے کے لیے ''خصوصی جذبات'' سے گریز کرتے ہوئے انھیں غیر جانب داری سے دیکھنا چاہیے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ بلاوجہ عیب جوئی عیب جو کے لیے باعث رسوائی بن جاتی ہے۔ اچھے لوگ اچھے کاموں کی تحسین میں بخل سے کام نہیں لیتے کیوں کہ قاری ایسے بھی بے علم نہیں ہوتے کہ جو مکمل طور پر غلط تبصروں کے پس پردہ پائے جانے والے منفی رویے کو پہچان نہ سکیں۔

جناب صبیح الدین صاحب! میں اپنی گزارشات اس توقع کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آپ کتب کے تبصروں کے لیے ایسے حضرات کا انتخاب فرمایا کریں جو علم کی اس جہت سے واقف ہوں جس پر کتاب لکھی گئ، اور سب سے زیادہ یہ ضروری ہے کہ وہ غیر جانبدار ہوں۔ اگر آپ نے یہ احتیاط کر لی تو یہ ہم سب کے لیے بہتر ہوگا کیوں کہ آپ نے محبت رسول کا جو چراغ روشن کر رکھا ہے اُسے دنیا داری کے ہر پہلو سے اپنی لو کو بہر حال محفوظ رکھنا ہے۔

عباس رضوی۔ کراچی

برادرم مبین مرزا کے دفتر میں آپ سے ایک آدھ ملاقات ہوئی ہے اور آج تک بقول

شاعر: وہی ایک آدھ ملاقات چلی آتی ہے

سبب وہی سادہ اور نہایت عام فہم یعنی یہ کہ آپ قدسیوں کی محفل کے آدمی ہیں اور میں عاصیوں کا ہم نوالہ وہم...... خیر ہم پیالہ میں بھی نہیں ہوں مگر ان دونوں دنیاؤں کا آپس میں کبھی کبھار رابطہ یا اصطلاح جدید میں Inter Action ہو جائے تو ہرج ہی کیا ہے۔ میں آپ کے پرچے ''نعت رنگ'' کے عشاق میں سے ہوں اور اسی لیے غبار میر کی طرح دور بیٹھا ہوں۔ ہر چند کہ نعتیں کم لکھی ہیں مگر نعت گوئی کی سرشاری سے تھوڑا بہت واقف ہوں مگر میں اس سلسلے میں توفیقات کی بات نہیں کروں گا کہ سرکار دو عالم کی بارگاہ تو بارگاہ ہے جہاں سے کوئی سوالی خالی ہاتھ جاتا ہی نہیں۔ اور یہ کہ کوئی نعت کا قصد کرے اور اسے نعت عطا نہ ہو۔ میرا دل نہیں مانتا۔ میں نے دل کے حوالے سے دلیل تو پیش کر دی ہے مگر خوف زدہ ہوں کہ احباب اس پر خفا نہ ہو جائیں۔ اور یہ خوف سب سے زیادہ حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑی کا ہے جن کے تبحر علمی کا میں دل سے قائل ہوں اور جن کا علم ''نعت رنگ'' کے صفحات پر جابجا بکھرا ملتا ہے۔ شاید یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ میں حضرت علامہ کے لاکھوں مداحوں میں سے ہوں۔ میں ''نعت رنگ'' جیسے خوب صورت اور خوب سیرت جریدے کا اس لیے بھی قاری ہوں کہ اس جریدے نے نعت پر تنقید کے طلسم کو توڑ دیا ہے۔ ''نعت رنگ'' نے اس مسئلے کو خالص علمی اور ادبی انداز سے پیش کیا ہے اور نعت پر بحیثیت صنف سخن ہونے والے مباحث نہایت قیمتی اور علم افروز ہیں اور اب یہ بات قریب قریب طے پا گئی ہے کہ زبان و بیان اور دیگر لوازمات شعری پر گفتگو ایک تنقیدی عمل ہے اور یہ کہ اس صنف سخن کی حیثیت جس قدر مذہبی ہے کم و بیش اسی قدر ادبی بھی ہے۔ روایت تو یہ ہے کہ ''نعت رنگ'' کے حصہ خطوط میں صرف ان نعتوں اور مضامین پر بحث ہوتی ہے جو ''نعت رنگ'' میں شائع ہوتے ہیں مگر میں مدیر ''نعت رنگ''۔ قارئین ''نعت رنگ'' اور اراکین مجلس مشاورت (اس مجلس میں بلاشبہ بڑے بڑے صاحبان علم و کمال موجود ہیں) کی توجہ نعت کی عمومی صورت حال کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ میں جس موضوع پر توجہ کا طالب ہوں تو میرے مخاطب یہی لوگ یا اسی انداز فکر کے لوگ ہو سکتے ہیں میں آپ سب حضرات (محض حضرات سے خطاب اس لیے کہ میں نے اس حصے میں کسی خاتون کا خط نہیں دیکھا شاید خواتین کے لیے اس مردان خانے میں آنا منع ہے۔ حضرت علامہ کی توجہ بھی درکار ہے) کی توجہ دو ایسی نظموں کی جانب مبذول کراتا ہوں جن میں سے ایک کو حمد اور دوسری کو منقبت کا نام دیا گیا ہے اور یہ نظمیں ایک سرکاری ادارے یعنی اکادمی ادبیات پاکستان کے جریدے ''ادبیات'' کے خصوصی شمارے

اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی ہیں ان دونوں نظموں کے شاعر ہیں جناب محترم ظفر اقبال جو نہایت مشہور و معروف کالم نگار بھی ہیں اور صاحب طرز و صاحب اسلوب شاعر بھی۔ جناب ظفر اقبال نہ صرف زبان و بیان کی انفرادیت بلکہ ترکیب نحوی کے پرخچے اڑانے کے حوالے سے عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ شر پسندی اور شرانگیزی میں بھی ایک طرز حاصل کے موجد و بانی ہیں۔ (میں تو حیران ہوں کہ وہ ''رطب و یابس'' اور ''ہے ہنومان'' تک ہی کیوں محدود رہے۔ ان کے کسی شعری مجموعے یا ان کے کلیات کا نام ''شعر شرانگیز'' کیوں نہ رکھا گیا) قارئین ''نعت رنگ'' کی آسانی کے لیے جناب ظفر اقبال کی ''حمد'' ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

حمد

تو ہر شے کا مالک ہے
میں جو جو مانگتا ہوں
مجھے دے دے
پیشتر اس کے
تیرے گھر میں
سیندھ لگا کر
میں وہ سب کچھ
حاصل کرلوں

فارم کے اعتبار سے یہ نثری نظم ہے مگر میں مدیر و قارئین ''نعت رنگ'' سے مدد کا طالب ہوں کہ کیا یہ حمد ہے؟ بار بار قرأت کے بعد بھی اس میں صرف ایک ہی لائن ایسی نظر آتی ہے جسے حمد کہا جاسکے یعنی اس کی پہلی لائن ''تو ہر شے کا مالک ہے'' اور اس کے بعد جو کچھ ہے وہ مجھ کم علم کی نگاہ میں گستاخی بہ حضور رب کائنات ہے۔ کیا اللہ رب العزت سے مانگنے کا یہ طریقہ ہے؟ میرا سوال صرف یہ ہے کہ کیا حمد کے نام پر لکھی جانے والی نظموں کو ہمیں خاموشی سے برداشت کرتے رہنا چاہیے؟ کیا ''با خدا دیوانہ با...'' کا یہ مطلب ہے؟ کیا اکادمی ادبیات کی اس سلسلے میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا ظفر اقبال سے ڈرنے والے اللہ سے نہیں ڈرتے؟

اسی جریدے یعنی ادبیات کے خاص نمبر اپریل ستمبر ۲۰۰۸ء میں شائع ہونے والی ایک حمد اور ایک مناجات سے محض نمونتاً ایک ایک شعر۔ ذرا دیکھیے تو سہی کہ عبدیت کس حسن ادا سے حمد اور

مناجات کے پیکر میں ڈھلی ہے۔

متاعِ غم کو وہی آنسوؤں میں ڈھالتا ہے
جو موتیوں سے بھری سیپیاں اچھالتا ہے

(حمد نادر جاجوی)

تیری عظمت کی اور کیا ہو مثال
ماورائے خیال تیرا خیال

(مناجات۔ رفعت سلطان)

اور اب جناب ظفر اقبال کی ایک منقبت بھی ملاحظہ فرمائے۔

منقبت

آپ علم کا دروازہ ہیں
جو سب پر وا کشادہ ہے
لیکن بعض بدنصیب
اوّل تو اس میں داخل ہی نہیں ہوتے
اور اگر ہوں بھی
تو الٹے پاؤں
باہر نکل آتے ہیں

میں ایک اوسط درجے کا قاری اور شعر و ادب کا ایک ادنیٰ طالب علم منقبت کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ وہ نظم ہوتی ہے جس میں شاعر اپنے ممدوح کے فضائل و مناقب بیان کرتا ہے لیکن درج بالا منقبت کے شاعر نے صرف ابتدائی تین لائنیں۔ (مجموعی طور پر محض گیارہ الفاظ) ایسی لکھی ہیں جو منقبت کی ذیل میں آتی ہوں اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ منقبت نہیں ہے پھر یہ کہ اس میں کوئی فنی حسن یا شعری خوبی یا نثر کی کوئی تراشیدہ لائن بھی نہیں ہے۔ کیا اس طرح کی چیزوں کو حمد یا منقبت کے نام پر قبول کیا جاسکتا ہے؟ کیا ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ حمد یا منقبت کے نام پر جو چاہے لکھے؟ مدیر و قارئین "نعت رنگ" سے مدد اور رہنمائی کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ لاہور

''نعت رنگ'' کا صوری اور معنوی لحاظ سے حسین و جمیل تازہ شمارہ موصول ہوا۔ اس عنایت کے لیے دلی طور پر شکر گزار ہوں۔

آپ نے ''ابتدائیہ'' میں اختصار مگر جامعیت سے فروغ نعت کے سلسلے میں اپنی کاوشوں کا تعارف اور تذکرہ کر دیا ہے۔ اس سے ''نعت رنگ'' اور نعت ریسرچ سینٹر کی پوری تاریخ اور پورا پس منظر سامنے آ جاتا ہے۔ بلاشبہ آپ نے نعت گوئی کو پوری ایک تحریک بنا دیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ نیک نیتی اور بے لوث طریقے سے (جو کام) انجام دیا جائے، باری تعالیٰ اس میں برکت دیتے ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی نیا پہلو بھی ہم پیش کر سکیں۔'' یہ عرض کروں گا کہ جب کوئی علمی، ادبی یا فکری تحریک آگے بڑھتی ہے، نشوونما پاتی ہے تو بلاشبہ نئے نئے پہلو بھی سامنے آتے ہیں مگر ان نئے پہلوؤں کے معیار پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ نعت شناسی کی تحریک پھل پھول رہی ہے، خدا کرے یہ کلمہ طیبہ کی طرح پھلے پھولے۔ جسے قرآن حکیم نے ایک ''شجر طیبہ'' کے مماثل قرار دیا ہے، جس کی جڑیں مضبوطی سے زمیں میں جمی ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پیش نظر شمارے میں جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے جن نکات کی طرف توجہ دلائی ہے وہ بہت اہم اور قابلِ غور ہیں۔

گوہر ملسیانی۔ خانیوال

نعت گوئی ہو یا نعت فہمی، تحقیقِ نعت ہو یا تخلیقِ نعت، تائیدِ نعت ہو یا تنقیدِ نعت، عصر حاضر میں صنفِ نعت کے ایسے دل کش شعبے ہیں۔ جن پر قلمی کاوشیں مسلسل ثمر بار، شعلہ بار اور پُر بہار ہو رہی ہیں۔ سر زمین پاکستان ہی نہیں بلکہ اس کائنات کا ہر جہاں جہاں بنی نوع انسان اپنی زندگی کے مراحل طے کر رہا ہے، ''ورفعنا لک ذکرک'' کا ارشادِ ربانی وہاں قلب و نظر کا نور بن رہا ہے بلکہ نعت کے قلمکاروں کی نگارشات، تعلیمات اور تخلیقات حیاتِ انسانی کو دنیوی اور روحانی ثروتوں سے مالا مال اور وجدانی کیفیات سے پر جمال بنا رہی ہیں۔ صنف نعت کی تابندگی اور اس میں تبحر علمی کی رخشندگی اس دور کے ادب کو جگمگا رہی ہے۔ ہر ادنیٰ، اعلیٰ خاص و عام جو سخن سنج اور نغمہ طراز ہے مدحت کے سحاب کرم سے دھوپ کے صحرا میں خنک سایہ اور حیات پرور سرمایہ پا رہا ہے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ ''نعت رنگ'' کے مرتب سید صبیح الدین صبیح رحمانی اپنی محبت کی

کرنیں میرے ذوقِ نعت اور جمالِ افکار پر نچھاور کرتے رہتے ہیں۔ ان کی محبت ہے کہ وہ میرے شعورِ نعت کو منور اور فکرِ نعت کو بھی معطر کرتے رہتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر لکھنے کی تحریک مجھے ان کی نعت شناسی اور نعت گوئی سے ملی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی نعت کے حوالے سے گفتگو ہر اہلِ قلم کو مہمیز کرتی ہے اور ان کا اندازِ تخاطب کچھ ایسا رنگ عمیق رکھتا ہے کہ ان کی تجویز کے سامنے سپر ڈالے بغیر چارہ نہیں۔

انہی دنوں جب میں ایک اور ادبی منصوبے کی گرفت میں تھا تو ''نعت رنگ'' کا نیا مجلّہ ''رسول اللہ، محمد، حامد، احمد اور انا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' کا حسین و جمیل طغرا پیشانی پر سجائے آموجود ہوا، ساتھ ہی نعت کے حوالے سے مزید دو کتب میرے مطالعاتی تجسس کو مسحور کرنے کا ذریعہ بن رہی تھیں یقین جانیے، چند لمحے تو تحیر و تعجب کی تحویل میں رہا۔ مگر جمالِ مدحت روحِ روانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرہائے گہرانمایہ کی کشش نے مجبور کر دیا کہ آج جاری ادبی منصوبہ التوا کی نذر کیا جائے اور ''نعت رنگ'' کے گلہائے رنگارنگ، جملہ تخلیقات کے نور اور مدحت کے تنقیدی اور فنی منشور سے حظ اُٹھایا جائے، اپنی بصارت و بصیرت، عقیدت و محبت اور فراست و حکمت کو ''نعت رنگ'' کے لولوئے لالا کی ضیاؤں سے منور کیا جائے۔ چناں چہ جستہ جستہ نکہت مطالعہ سے قلب و نظر کو معطر کیا اور اطمینان و تسکین سے جاری کام کی تکمیل کے بعد ''نعت رنگ'' کے گلدستہ کی خوشبوئے عنبر فشاں سے مشامِ جاں کو مہکانے کا فیصلہ ہوا تاکہ سفرِ نعت کے مختلف مراحل میں عشق و مودّت کی فراوانی اور حسن و لطافت کی ضوفشانی سے فہم و ذکا کی پیاس بجھائی جائے۔

''نعت رنگ'' کا ابتدائیہ ہی اس قدر جامع اور Thought Provoking ہے کہ نعت کے شعبے سے متعلق ہر اہلِ قلم کو متاثر کرتا ہے۔ صبیح رحمانی صاحب نے نعت گوئی، نعت فہمی اور تنقیدی بصیرت کا ایک ایسا گراف بنا کر پیش کر دیا ہے اور اس میں نمائندہ نعت نگاروں، نعت کے محاسن و معائب پر قلم اٹھانے والوں اور سخن نعت کو دیگر اصناف سخن کی طرح معیاری بنانے کے لیے تنقیدی نظر رکھنے والوں کو اجاگر کر دیا ہے۔ ان کی کاوش سے زیورِ طباعت سے مزین ہونے والی کتب کا تذکرہ بھی اس شمارے کی زینت بنا ہے اور ان کے علاوہ فروغِ نعت کے لیے اٹھائے گئے اقدامات بھی ہر اہلِ فکر کو طمانیت عطا کرتے ہیں۔ صبیح رحمانی کی یہ تمام محنت قابلِ ستائش ہے۔

صبیح رحمانی کے ابتدائیہ کے آغاز کی چند سطور خصوصاً قابلِ غور ہیں۔ ان کا اعادہ کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

نعت درود و سلام کے پیکر شعری کا نام ہے۔ سیرت اطہر سے اکتساب شعور کا
سب سے بڑا وسیلہ، اور وسیلہ جلیلہ سے عطا ہونے والی روشنی کا ہر سطح پر
اطلاق اسی صورت ممکن ہے کہ ہم تاجدار کائنات کی ذاتِ اقدس سے قلبی و
روحانی روابط کو فروغ دیں اس طرح ہمارے شب و روز کا دامن خیر کی
روشنیوں سے بھر سکتا ہے۔

ان چند سطور میں صبیح رحمانی نے دریا کو کوزے میں بند کر کے اس کی تشریح و تفصیل کو قاری کے سپرد کر دیا ہے میرے فہم و فراست نے اس اجمال سے جو اخذ کیا ہے، وہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کچھ یوں ہے۔

بعثتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض و غایت اور آپ کا فرضِ منصبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعا کے جواب میں خالقِ کائنات کا یہ ارشاد ہے:

یقیناً بڑا احسان کیا ہے اللہ نے مومنوں پر کہ انہی میں سے ان میں ایک
رسول بھیجا جو پڑھ کر سناتا ہے انھیں اللہ کی آیات اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور
ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گم راہی
میں تھے۔ (آل عمران۔۱۶۴)

یہ فریضہ جو اللہ تعالی نے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا ہے، آپ کی تعلیمات کے مطابق ہر اہلِ دیں اور متعلقین نعت کو پیغام دیتا ہے کہ تعلیم قرآن اور اس کی حکمت کے انوار کو نعتوں اور نعت گو شعراء کے متعلق لکھتے اور تنقید کرتے ہوئے قلمکاروں کو خیال میں رکھنا ہوگا۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے حکم ربانی ہے:

جس نے رسول اکرم کی اطاعت کی سو درحقیقت اس نے اللہ کی اطاعت کی
اور جو منہ موڑ گیا تو ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔ (ایضاً ۸۰)

اب ذرا ابتدائیہ کی ان سطور پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے، میرے خیال میں قلبی اور روحانی روابط میں یہ عملی روابط بھی شامل ہیں کہ صفِ نعت کو صرف رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی تعریف اور آپ کی محبت و عقیدت تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ آج کے اس پُر آشوب دور میں آپ کے ملاوائے مصائب اور پر تکالیف حالات میں آپ کے اقدام حسنہ کی ضوفشانی نعت کے اشعار میں چمک دمک دکھائے یہ چند سطور تعلیمات نبوی کا مکمل طور پر احاطہ کرتی ہیں اور سخن وری بلکہ نقد و نظر

کی تحریری ریاضت کرنے والوں کی بھی رہنمائی کرتی ہیں۔

''نعت رنگ'' کے اس شمارے میں موضوعات کی بوقلمونی ہے۔ مباحث میں تنوع ہے اور اسلوب میں جدت ہے۔ ہر مقالہ جامع خیالات، واضح تصورات اور ندرت محاکات رکھتا ہے۔ سارے مقالات ومضامین جدید فکری، نظری اور تنقیدی منہاج کے آئینہ دار ہیں اور ان سب مباحث سے نعتیہ کلام کو معیاری بنانے اور اصناف سخن میں نعت کو اعلیٰ مقام پر فائز کرنیکی جستجو ہے۔

اگرچہ ''نعت رنگ'' روزِ اول ہی سے ارتقائے نعت کی جدوجہد میں بے بدل اور بے مثال ہے اور ماضی کی روایات کو عصر جدید میں معیاری اور پُر وقار بنانے کا داعی ہے۔ اس کے مقالات نے موضوع روایات، ضمیاتی حکایات کو حقائق کے منافی ثابت کیا ہے اور نقد ونظر کے شجر ممنوعہ کو نئے دور میں سرسبز وشاداب بنا کر سان پر چڑھانے کی سعی کی ہے۔ تنقید کے معیارات پر بحث کی ہے، اور جس طرح دیگر اصناف ادب کو پرکھا جاتا ہے، نعت کو بھی پڑتال کے نئے زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت کو محسوس کیا ہے یہ ''نعت رنگ'' کا (بڑا) کام ہے۔ اس کی ادبی خدمات کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے صائب نظر تنقید نگاروں کی علمی وادبی بصیرت، فکری وجامعیت اور سخن طرازی کی لطافت سے نعت کی اسلوبی، معنوی اور تاثراتی دنیا میں انقلاب عظیم برپا کرنے کی کوشش کی ہے۔

موجودہ شمارے میں جملہ مقالاتِ تحقیق وتنقید اور مضامین، نعت گوئی، اسلوبِ نعت، معیارِ نعت، تاریخ نعت اور نعت شناسی پر ایسی تحریریں ہیں جو تاریخ اردو ادب کا زریں باب بنیں گی خصوصاً جناب عزیز احسن، جناب پروفیسر محمد اکرم رضا، جناب شہزاد احمد، جناب محمد شہزاد مجددی اور جناب رشید وارثی کے مقالات نعتیہ ادب کے جواہر پارے ہیں۔ نعت ادب کو نکھارنے کی سعی کرنے والی ٹیم عصر حاضر میں نعت کے حوالے سے علمی، فکری، ادبی اور تنقیدی مفکرین کی سرخیل کہی جاسکتی ہے۔ انھیں صنف نعت سے محبت ہے پھر ہر ایک کا اسلوب بیان دل کش اور فکر انگیز ہے اور ان کو ''نعت رنگ'' کے حصار میں لاکر ان سے نعتیہ ادب کے گہر ہائے گرانمایہ حاصل کرنا سید صبیح رحمانی کا نمایاں کارنامہ ہے۔

''نعت رنگ'' کی تاخیر سے آمد ایسے پُر فکر اور پُر کشش مقالات کی روشنی میں زیادہ محسوس نہیں ہوتی۔ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل ''نعت رنگ'' فکر ونظر کو رعنائی عطا کرتا ہے اور قاری کو نعتیہ ادب کی علمی، تحقیقی اور فکری مئے طہور سے سرشار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شمارے کے تمام اہلِ قلم اور اس کے مرتب جناب صبیح رحمانی کی محنتوں، ریاضتوں اور محبتوں کو قبولیت سے نوازے۔ ایں دعا از من و

از جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر سراج احمد قادری۔ بھارت

مجھے آج بے پناہ خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کی ناراضگی نے مجھ سے ایک بہت بڑا کام لے لیا۔ مفسر قرآن حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری پر مضمون حاضر خدمت ہے۔ دیر آمد درست آید شرف قبولیت سے نوازیں۔

محترم! میں آپ سے اپنی پریشانیوں کو کس الفاظ میں بیان کروں اگر آپ قریب ہوتے تو میں بذات خود حاضر ہو کر اپنی پریشانیوں کو آپ سے بیان کرتا۔ میں جس محکمے میں ملازم ہوں وہاں چھٹی نام کی کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کہ اتوار اور دوسرے چھٹی کے دنوں میں بھی آفس جانا پڑتا ہے اور شام کو کب واپسی ہوگی نہیں کہہ سکتا۔ دوسرے یہ کہ میں شگر کا مریض ہوں۔ مجلّہ "نعت رنگ" کے لیے اس بار مضمون نہ لکھ پانے کا بے حد افسوس تھا مجھے اس لیے کہ میں دلی طور "نعت رنگ" کے لیے مضمون لکھ کر خوشی محسوس کرتا ہوں میں نے درمیان میں ڈرتے ڈرتے آپ کو ٹیلی فون کیا تھا جب کہ مجھے اس نسبت عظیم (سیّد) سے بے پناہ امید تھی آپ نے فرمایا تھا کہ "نعت رنگ" کا شمارہ بھیجا جا رہا ہے مگر افسوس کہ تاہنوز میں اس کی زیارت سے محروم ہوں۔ جب کہ میں احباب میں اس کا ذکر بس ہی خندہ پیشانی سے کرتا ہوں۔ میری ایک سوچ ہے کہ اکابر اہل سنت نعت گو حضرات کی نعتیہ شاعری کا تعارف ہونا چاہیے اور خصوصاً جن کی شاعری یقیناً شریعت کی روشنی میں ہے میں عنقریب ہی حضرت مفتی رجب علی نانپاروی کی نعتیہ شاعری پر ایک مضمون آپ کی خدمت میں ارسال کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔

مجھے امید ہے کہ اب میرے اور بند نوازشوں کا دروازہ کھل جائے گا اور مجلّہ "نعت رنگ" کے مذکورہ شمارہ کے علاوہ ادارے کی دیگر مطبوعات سے نوازیں گے اور بقیہ احوال اچھے ہیں۔ احباب کو سلام عرض ہے۔ جواب و دعا سے نوازیں۔

کامران جاوید عرفانی

عارف منصور نے خورشید ناظر کی لکھی ہوئی منظوم سیرت پاک "بلغ العلیٰ بکمالہ" پر جو تبصرہ کیا ہے، پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی، اس لیے عارف منصور کے مکمل تبصرے پر تو میں بات نہیں کر سکوں گا لیکن ان کے تبصرے کے کچھ نکات جن کا تعلق فن شاعری سے ہے، ان پر

بات کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کیوں کہ اس سلسلے میں عارف صاحب غلطی پر ہیں۔

فن شاعری سے متعلق نکات کی طرف آنے سے پہلے میں تبصرہ نگار پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سیرت پاک کی جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے لیے مصنفین کو اس موضوع پر ان سے پہلے لکھی گئی کتابوں ہی سے اکتساب فیض کرنا پڑا ہے ایسے میں خورشید ناظر پر عارف صاحب کی محض اس لیے ناراضی بالکل غلط ہے کہ انھوں نے کئی کتابوں سے فیض حاصل کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ تبصرہ نگار نے اس کتاب پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ ٹھان کر قلم اٹھایا ہے کہ وہ اس کتاب کو شاعری کی ایک ناکام کوشش قرار دیں گے۔ مجھے یوں بھی محسوس ہوا ہے کہ انھوں نے یہ "خوشگوار فرض" طویل مگر ناپختہ منصوبہ بندی سے سرانجام دیا ہے۔

عاف منصور نے خورشید ناظر کی طرف سے الفاظ "نہ" اور "کہ" کو غلط وزن "فع" یعنی دو حرفی کے طور پر باندھنے کے باعث ان کے اشعار کو بے وزن قرار دے دیا ہے۔ انھوں نے لکھا کہ ان الفاظ کو آتش ہی کے زمانے سے یک حرفی باندھا جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے موقف کی خود تردید کر دی کیوں کہ آتش سے پہلے کی شاعری میں اگر کسی شاعر نے ان الفاظ کو حسب ضرورت کبھی یک حرفی اور کبھی دو حرفی باندھا اور اسے غلط نہیں سمجھا گیا تو یہ کسی بھی شخص کا منصب نہیں بنتا کہ انھیں صرف یک حرفی باندھنے کو لازم قرار دے دے۔ عروض کی تقریباً سبھی کتابوں میں ان لفظوں پر کوئی بحث نہیں کی گئی۔ عارف منصور جیسے ایک آدھ نامعتبر عروضیے نے ان الفاظ کے بارے میں غلط رائے دی ہے جسے دسیوں اساتذہ کے اشعار غلط ثابت کر رہے ہیں۔ ان اشعار میں ان الفاظ کو دو حرفی یعنی "فع" کے وزن پر باندھا گیا ہے۔ ان اشعار کا تعلق آتش سے پہلے اور آتش کے بعد کے دور سے ہے:

شاعر	شعر	حوالہ	تقطیع
بیدل حیدری	نہ سہی آشیاں، قفس ہی سہی سر تو آخر کہیں چھپانا ہے	اُن کہی، ص ۱۹	نہ سہی آ شیا قفس ہس ہی سر ت آخر کہے چپا نا ہے
حالی	نہ ملا کوئی غارت ایماں رہ گئی شرم پارسائی کی	دیوانِ حالی ص ۱۵۹	نہ ملا کو اغارتے ای ما رہ گئی شر مپارسا ئی کی
غالب	نہ سنو گر بُرا کہے کوئی نہ کہو گر بُرا کرے کوئی	دیوان غالب	نہ سنوگر برا کہے کوئی نہ کہوگر براکرے کوئی

درد	جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا		جگ مکوئی نٹک ہسا ہوگا کہ نہس نے مرودیا ہوگا
میر تقی میر	ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ لے جاتے دل کو خاک میں اس آرزو کے ساتھ	نقوش میر تقی میر نمبر ص ۵۹۳	ہم جانتے (مستفعلن) تو عش قنہ (مستفعلن) کرتے کسو (مستفعلن) کساتھ (فعول) لے جاتدل (مستفعلن کو خاکے (مستفعلن) اس آرزو (مستفعلن) کساتھ (فعول) (مستفعلن مس تف علن ۳ بار فعول ایک بار)

ان اشعار کو پڑھ کر عارف منصور کو خورشید ناظر کے اشعار کے بارے میں اپنے جاری کردہ فتویٰ کو واپس لے کر اپنی رائے اور معلومات درست کر لینا چاہیے۔

خورشید ناظر نے اگر لفظ وحی کو بکسر دوم باندھا ہے تو درست ہے کیوں کہ اردو میں یہ لفظ اس تلفظ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے جس کی تصدیق اردو کے کئی مستند لغات سے کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں احمد فراز کا یہ شعر (شعر کے خیال سے میں متفق نہیں ہوں) عارف صاحب کے تبصرے کو باطل قرار دینے میں ضرور اپنا کردار ادا کرے گا۔

شعر بھی آیتوں سے کیا کم ہیں
ہم پہ مانا وحی اترتی نہیں

(غزل بہانہ کروں، احمد فراز، ص ۵۶)

عارف منصور نے خورشید ناظر کے جن اشعار پر تعقید لفظی کی تہمت لگائی ہے وہ بھی درست نہیں۔ عارف صاحب کو یہ جان لینا چاہیے کہ اردو شعرا میں سے تقریباً سبھی بظاہر کہیں کہیں تعقید لفظی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عارف منصور اگر تعقید کا بغور مطالعہ کرتے تو انھیں اس کی چار قسمیں نظر آتیں۔ ان چار قسموں میں سے بہت سے اشعار تعقید مستحسن کے زمرے میں آتے ہیں۔ میں نے خورشید ناظر کے تبصرے میں موجود مصرعوں کو دیکھا ہے، مجھے ان میں تعقید کا کوئی فاش پہلو ہرگز دکھائی نہیں دیا۔ لگتا ہے کہ عارف منصور نہایت کمزور مطالعہ رکھنے والے تبصرہ نگار ہیں۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوا ہے کہ انھوں نے یہ تبصرہ کسی کی فرمائش یا پھر کسی بغض یا تعصب کے زیر اثر لکھا ہے۔ کوئی بھی باشعور شخص اس تبصرے کے پس پردہ پائے جانے والے محرکات کا بڑی آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ مجھے مندرجہ بالا نکات کے سلسلے میں ان کا تبصرہ پڑھ کر یقین ہو رہا ہے کہ ان کا باقی ماندہ تبصرہ بھی ان کے

غیر متوازن طرزِ عمل کا عکاس ہے جو ایک غلط اور غیر پسندیدہ طرزِ عمل ہے۔ سچی بات تو یہ بھی ہے کہ اس تبصرے کو شائع کرنے میں ہر طرح کی بے احتیاطی واضح ہو رہی ہے جو اچھی بات نہیں۔ اگر آپ میری یہ تحریر شائع نہ کر سکیں تو اس کی ایک نقل عارف منصور کو بھجوا دیں۔ شاید وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔

مستجاب ظافر۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا ۲۱ واں شمارہ خوش قسمتی سے کہیں سے دستیاب ہو گیا اور میں اس کے اب تک کئی مضامین پڑھ چکا ہوں۔ نعت کے حوالے سے ایسی کاوش مجھ ناچیز کی نظر سے کبھی نہیں گزری۔

اس شمارے میں تقریباً ہر مضمون ہی قابلِ تعریف ہے... یہاں ایک بہت اہم بات کی طرف آپ حضرات کی توجہ دلانا چاہوں گا اور وہ یہ ہے کہ اس انتہائی قابلِ احترام کاوش کا نام ''نعت رنگ'' ہے۔ دونوں حروف میں وقفہ لازم ہے۔ کوئی مجھ سا کم فہم بھی جلدی میں اس وقفِ لازم کو نظر انداز کر دے تو بے ادبی کا مرتکب ہو جائے۔ اس پر توجہ فرمائیں!

ڈاکٹر افضال احمد انور کے مقالے ''اردو نعت کا ہیئتی مطالعہ'' کا جو تجزیہ آپ نے فرمایا ہے اس نے مقالے میں مزید دلچسپی بڑھا دی۔ اللہ ڈاکٹر صاحب کو مزید حوصلہ عطا فرمائے!

شاہانِ دکن کی نعتیہ شاعری، ایک اچھا تحقیقی مضمون ہے۔ اسی طرح ''غیر مسلم شعرا کی اسلامی شاعری اور نور احمد میرٹھی''، ''ہندو شعرا کی منظوم سیرت نگاری''، ''جمال محسنِ انسانیت ﷺ نعت کے آئینے میں'' غرض ہر مضمون خوب ہے۔

اسی شمارے میں ایک مضمون ''اردو نعت میں ضمائر کا استعمال'' ہے جس نے میری توجہ ذرا زیادہ ہی اپنی جانب مبذول کروائی۔ مضمون کا ایک جملہ ہے ''مسلمانوں کو اپنے رسول ﷺ سے جو والہانہ عشق ہے...'' (ص ۲۷)۔ یہاں ایک لفظ ''اپنے'' نے ''خاتم النبیین، رحمت للعالمین، رسول اللہ ﷺ'' کو صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا۔ حالانکہ خود غیر مسلم شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

فاضل مضمون نگار بھی خوب جانتے ہیں کہ رسول ﷺ صرف مسلمانوں کے ہی رسول نہیں، کل کائنات کے رسول ہیں۔ آپ کی شریعت تا قیامت اور قیامت کے بعد تک رہے گی۔ یہ اہتمام

حق تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے۔

جناب رشید وارثی نے مقالہ ''اردو نعت میں ضمائر کا استعمال'' لکھا ہے مگر پورے مضمون میں بھٹکتے ہی رہے ہیں۔ لگتا ہے وارثی صاحب اپنے مضمون میں اپنے خیالات مجتمع نہیں کر پائے!

صفحہ نمبر ۳۱ پر ایک شعر لکھا ہے:

حکمت نے دروازہ ''ان'' امی کی دستک پر کھولا
''جن'' کا خلق نمونہ ٹھہرا تعلیم قرآنی کا

یہاں ''ان'' اور ''جن'' لکھنے سے جو صورت حال پیدا ہوئی اس کی وضاحت وارثی صاحب قطعی نہ کر سکے!...اس کے کیا معنی ہیں؟

صفحہ ۳۶ پر مفسرینِ قرآن کے حوالے سے ''تو''، ''تم''، ''تجھے''، کے استعمال کو جائز ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں یعنی اگر اللہ کے لیے یہ ضمائر صحیح ہیں تو...؟ معاً بعد وارثی صاحب نے لسانیات کی طرف توجہ فرمائی ہے اور صفحہ نمبر ۴۰ اور ۴۱ پر ڈاکٹر اشفاق انجم (بھارت) کے مضمون کا اقتباس دے کر صفحہ نمبر ۴۶ پر ڈاکٹر موصوف کی بات آگے بڑھائی ہے۔ پھر وارثی صاحب نے خود ہی سورۂ حجرات کی آیات کا حوالہ دیا۔۔۔۔ کم از کم مجھ ناچیز کی عقل حیران ہے کہ وارثی صاحب کہنا کیا چاہتے ہیں۔ اس پورے مضمون میں دوسرے شعراء اور خود وارثی صاحب کے اشعار کے حوالے ہیں... میرا عرض کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ کے اصحابِ کرام رضوان اللہ کو جو آداب سکھا رہے ہیں وہ ہمارے ملک کے متاخرین شعرائے کرام کے لیے نہیں ہیں؟۔۔۔ یہ سب اوٹی ہیں؟۔۔ حیرت ہے!!!

اگر پورے مضمون کا مقصد وہی تھا جو خلاصے کے طور پر صفحہ نمبر ۴۸ پر وارثی صاحب نے دیا ہے، تو پھر مضمون لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ یہ مضمون قطعاً ایک علمی اور ادبی مضمون نہیں ہے بلکہ خواہش نفس کے تحت لکھا گیا ہے۔ علماء، ادبا، شعراء اور ناقدین کو اس طرح بھٹکنا نہیں چاہیے۔ جو کہیں لکھیں، واضح ہو، خود پر بھی، سننے اور پڑھنے والوں پر بھی۔

خطوط میں سب سے پہلا خط جناب شمس الرحمان فاروقی صاحب کا ہے۔ محترم فاروقی صاحب نے ''نعت رنگ'' کے معیار کو پسند فرمایا ہے اور ساتھ ہی تنقید بھی کی ہے۔ زیادہ تر بات جو انھوں نے کی ہے وہ تعمیری ہے، وہ ''نعت رنگ'' کے معیار کو مزید بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس خط میں فاروقی صاحب نے ''نعت رنگ'' کے انیسویں شمارے کے حوالے سے ہونے والے مذاکرے کا ذکر فرمایا ہے اور جناب عزیز احسن کے ایک شعر کو نشانۂ تنقید بنایا ہے۔ عزیز احسن کا شعر ہے:

زکوٰۃ سیرتِ اطہر کی چاہتا ہے عزیزؔ
گدائے خُلق ہے آقا، یہ زر نہیں رکھتا

فاروقی صاحب نے اس شعر پر تین اعتراضات فرمائے ہیں: (۱) ذاتِ رسول ﷺ پر (نعوذ باللہ) زکوٰۃ فرض ہے (یا سیرتِ پاک کو زکوٰۃ میں عطا کردیں) (۲) شعر دولخت ہے۔ (۳) گدائے خُلق کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔

میں اپنی معروضات بڑے مؤدبانہ انداز سے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

(۱) فاروقی صاحب نے زکوٰۃ کو دینی اصطلاح کے طور پر پڑھا ہے اور اردو میں اس کے استعمالات کا خیال نہیں رکھا۔ اس ضمن میں ناچیز نے اردو لغت بورڈ کی طرف سے شائع ہونے والی لغت دیکھی تو وہاں یہ مطالب سامنے آئے (الف) اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن۔ (۲) صدقہ۔ خیرات۔ دان۔ (۳) چنگی محصول (۴) معینہ تعداد میں اللہ کے کسی اسم جمالی یا جلالی کا ورد۔ نقش و تعویذ کی بھی زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

میرے خیال میں عزیزؔ احسن کے مذکورہ شعر میں زکوٰۃ ان معانی میں استعمال ہوا ہے جن کا ذکر لغت میں معانی (۲) کے تحت آگیا ہے۔ علاوہ ازیں محترم فاروقی صاحب نے "خلق" کے "خ" پر غالباً زبر لگا کر اسے پڑھا اور اس کا مفہوم بھی اسی طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ میرے خیال میں یہ لفظ "خُلق" (خ پر پیش) ہے۔ اس لیے اب معنی یہ ہوئے کہ شاعر رسول ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے خُلق (یاد رہے خ پر پیش ہے) کی خیرات مانگ رہا ہے۔ اگر ان معانی کو پیش نظر رکھ کر شعر کی قراءت کی جائے تو نہ تو یہ شعر دولخت معلوم ہوگا اور نہ ہی مطلب کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آئے گی۔

میں نے "نعت رنگ" کا پہلی بار مطالعہ کیا ہے اور پہلی بار ہی آپ کی محفل میں حاضری کا شرف بھی حاصل کر رہا ہوں۔ اگر مناسب سمجھیں تو نعت رنگ میں کہیں اس خط کو بھی شامل فرمالیں!

سمیعہ ناز لیڈز۔ یوکے

اُمید ہے کہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے خیریت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آج اگر قلم اُٹھا کر کچھ لکھنے کی جسارت کر پا رہی ہوں تو تشکر کے طور پر۔ صبیح جی میرے شوہر پرویز اقبال صاحب اور میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کے مشکور اور ممنون ہیں کہ

آپ نے ہمارے تعاون کو بصد ممنونیت کے قبول کیا جو کسی عظیم اعزاز سے کم نہیں ہے۔ بلاشبہ ہم اس قابل نہیں ہیں کہ اس قدر خوب صورت اور لازوال زمہ داری کو اُٹھا پاتے لیکن جس ذات والا کے صدقے اور نسبت سے یہ کام آج تک ہو رہا ہے وہی نسبت حوالہ بنی ہے اور انشاء اللہ آخرت میں یہ سب کام ہمارے لیے توشہ آخرت ہوگا۔

اس خط کو لکھنے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ تمام عالم اسلام کو اس بات کی آگہی ہو کہ نعت رنگ کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور اسے ہر کوئی پڑھنا چاہتا ہے۔ اور تمام عالم اسلام کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے ماشاء اللہ پاکستان، انڈیا، میں تو ازحد مقبولیت ہے۔ جس کی ہم سب کو بہت خوشی ہے اور اب اللہ تعالیٰ کے کرم سے نعت ریسرچ سینٹر کے قیام سے بہت راہیں کھلیں گی اور مزید روشن ہوں گی۔

صبیح رحمانی صاحب میں بہت اعزاز و تکریم کی بات سمجھتی ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں اس عظیم سعادت کے ساتھ منسلک ہوئی اور کچھ کر گزرنے کا اک حسین موقع عطا ہوا بلکہ یوں کہوں تو بہتر ہوگا کہ میرے پروردگار عظیم نے بار بار یہ سعادت عطا کر دی۔ یو کے انگلینڈ کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ جس میں خواتین کا نعتیہ مشاعرہ اور محفل نعت کا خصوصی طور پر انتظام کیا گیا۔ میں نے اس تقریب کا انعقاد ۱۷ جنوری ۲۰۰۹ کو بالخصوص بہت اعلیٰ پیمانے پر یو کے کے شہر لیڈز میں کیا جس میں یو کے کے مختلف شہروں سے خواتین شاعرات اور نعت خوانوں نے شرکت کی جن میں ناٹنگھم، برمنگھم، ہڈرسفیلڈ، باٹلی، بریڈفورڈ، ڈیوزبری اور لیڈز شامل ہیں۔ اس تقریب کا عظیم مقصد ''نعت رنگ'' اور نعت ریسرچ سینٹر یو کے کو متعارف کروانا تھا جو کہ میرے نزدیک ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس تقریب میں ''نعت رنگ'' کے تمام شمارے اور اس کے متعلق شائع ہونے والی کتب بھی تمام شرکا کے لیے موجود تھیں۔ استقبالیہ خطاب میں نے دیا جس میں میں نے ''نعت رنگ'' کے اجراء سے لے کر نعت ریسرچ سینٹر تک بات کی اور اس میں خصوصاً نعت رنگ کے بیسویں شمارے سے میں نے ایک سبق آموز مقالہ جو کہ محمد اکرام شاہ اوسلو کا تحریر کردہ ہے چند اقتباسات کے ساتھ اس میں شامل کیا اور جو موقع کی مناسبت سے بہت اچھا لگا۔ اور آپ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کے ''نعت رنگ'' اس قدر وسیع و وقیع جریدہ ہے کہ اس پر کچھ منٹ، کئی گھنٹے کیا کئی دن بھی بات کرنے کے لیے کم ہیں۔ میں آپ کی بہت ممنون ہوں کہ آپ نے اس قدر مصروف ہونے کے باوجود بھی اس

تقریب میں بذریعہ فون شرکت کی اور تمام مہمانوں اور انتظامیہ کا بطور خاص شکریہ ادا کیا اور سب کو مبارک باد بھی دی۔ میں نے بطور خاص لیڈز ریڈیو اور نور ٹی وی برمنگھم کی خدمات حاصل کیں تا کہ ''نعت رنگ'' اور نعت ریسرچ سینٹر کو بالخصوص برطانیہ میں اور اس کے ساتھ تمام عالم اسلام میں متعارف کروایا جا سکے اور ماشاء اللہ اس تقریب کو بہت پزیرائی ملی اور بہت سراہا گیا ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اور لیڈز یو کے کی تاریخ میں ایک اہم علمی اور ادبی نوعیت کی یادگار تقریب قرار پائی۔ اس تقریب کے سپانسرز میں سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جن میں لوکل بزنس والوں کے ساتھ ساتھ افتخار قریشی صاحب (بک سینٹر بریڈفورڈ) اشتیاق میر صاحب لیڈز (رائٹ ٹریک فوڈز) جیسے بڑے بزنس والوں نے بھی بہت تعاون کیا جس کے لیے میں ان کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔

اس خوب صورت اور کامیاب تقریب کے پورے چھ ماہ کے بعد نعت ریسرچ سینٹر لیڈز یو کے کے زیر اہتمام ۱۲ر جولائی ۲۰۰۹ء کو ایک اور تقریب کا میں نے خصوصاً انتظام کیا جس کا نام بھی ایک کتاب کے ٹائٹل نام پر رکھا، ''نعت رنگ اہلِ علم کی نظر میں'' اس تقریب کی بے حد افادیت اور ضرورت نظر آئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ تمام کام بخیر وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچے۔ اس تقریب کا خاص مقصد یہ تھا کہ ''نعت رنگ'' کی متعلقہ کتابوں کو منظر عام پر لایا جائے اور یو کے میں بسنے والوں تک اس علمی اور ادبی ذخیرے کو متعارف کروایا جائے۔ اس تقریب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا اور پہلے حصے کا آغاز بک ایگزبیشن سے شروع ہوا جس میں مہمانوں کو تمام کتب سے روشناس کروایا گیا۔ خصوصاً ''نعت رنگ اہل علم کی نظر میں'' اس کتاب پر باقاعدہ بات چیت کی گئی اور مزید معلومات بھی فراہم کی گئیں۔ اس بک ایگزبیشن میں ان سب کتب کو متعارف کروایا جن میں سرفہرست:

''نعت رنگ'' اہلِ علم کی نظر، میں نعت کیسے کہوں، نعت اور تنقیدِ نعت، شہپر توفیق، اعشاریہ ''نعت رنگ''، ''غالب اور ثنائے خواجہ''، اس کے علاوہ تمام ''نعت رنگ'' کے شمارے بھی اس ایگزبیشن میں موجود تھے۔ ان سب کتب کے ساتھ ایک اور خوب صورت کتاب بھی بصد شوق احترام وتکریم شامل کی گئی، جس کی سب شرکا محفل نے بہت پزیرائی کی اور جو نعت ریسرچ سینٹر لیڈز یو کے کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے بلاشبہ صبیح رحمانی صاحب وہ آپ کی کتاب ''سرکار کے قدموں میں'' ہے جس کا انگریزی زبان میں ترجمہ سارہ کاظمی نے کیا اور نعت ریسرچ سینٹر لیڈز یو کے کو اس کتاب کے پبلشر ہونے کا خصوصی اعزاز بھی حاصل ہوا۔

تقریب کے دوسرے حصے میں ایک نعتیہ مشاعرے کے ساتھ ساتھ خواتین کی محفلِ نعت بھی ہوئی۔ نعتیہ مشاعرے کی خصوصی مہمان مشہور و معروف شاعرہ صدف مرزا جو ڈنمارک سے بطور خاص تشریف لائیں اور اس میں شرکت کر کے اس کو عزت بخشی اور اپنے خوب صورت حمد و نعت کے کلام سے بھی سب کو مشرف کیا۔ اس تقریب میں مقامی شاعرات و نعت خوان خواتین نے بھی شمولیت کی اور اس تقریب "نعت رنگ اہلِ علم کی نظر میں" کے آخری حصے میں پاکستان اور بین الاقوامی شہرت یافتہ نعت خوان شہباز قمر فریدی جو اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے بصد افتخار اس میں شرکت فرمائی اور تمام شرکائے محفل کو اپنی خوب صورت اور پُر سوز آواز میں ثنائے مصطفےٰ ﷺ سے مستفید کیا اور دلوں کو سرور بخشا۔ شہباز قمر فریدی نے میری کتاب خزینۂ نور سے تین منتخب نعتیہ کلام جن میں سے دو اردو کے اور ایک پنجابی کا کلام بہت محبت اور عقیدت کے ساتھ تمام حاضرین مجلس کو پیش کیا۔ جس کے لیے میں ان کی ممنون ہوں۔

"نعت رنگ" نمبر ۲۱ بہت تاخیر اور طویل انتظار کے بعد ملا لیکن اُسے پڑھتے ہی ساری تشنگی مٹ گئی۔ ہمیشہ کی طرح یہ شمارہ بھی اپنی مثال آپ ہے اور بلاشبہ کسی بھی کام کو سرانجام دینے کے لیے اس کی لگن اور خلوص نیت شرط ہے ورنہ ایسے علمی، ادبی اور روحانی کام سرانجام نہیں دیے جا سکتے، نبی اکرم ﷺ کا یہ کرم خاص ہے کہ "نعت رنگ" میں لکھنے والوں اور کام کرنے والوں کو یہ خوب صورت لگن عطا ہوئی، تاکہ وہ سیّد المرسلین، راحۃ العاشقین ﷺ کی ثنا و توصیف کو دُنیائے نعتیہ ادب میں علمی، ادبی، فکری اور فنی سطح پر عام کر سکیں۔ میرے نزدیک "نعت رنگ" میں چھپنے والا ہر حرف اور ہر لفظ اپنی قدر و قیمت میں بے مثال ہے، کیوں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی توصیف و مدحت جیسے گراں مایہ اشعار، مضامین اور مقالات میں استعمال ہوتا ہے۔

ابتدائیہ ہمیشہ کی طرح ہی اک نئے آہنگ، فکر انگیزی اور چونکا دینے والی نگارشات سے مزین ہے۔ اس میں آپ نے "نعت رنگ" کے اشاعتی سفر آغاز سے لے کر شمارہ نمبر ۲۱ تک کی اشاعت کا ذکر خیر کیا۔ اقلیم نعت سے چھپنے والی کتب کا حوالہ بھی پیش کیا جو بلاشبہ نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے نہایت مثبت قدم تھا جس سے تحقیقی و تنقیدی امکانات کو مزید وسعت ملی۔ آپ نے نعت ریسرچ سینٹر کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسے منظم کیا اور اس کی افادیت کے گواہ تمام ارباب اہلِ علم و فکر ہیں۔ اور وہ تمام کتب جو اس کے زیر اہتمام پایہ تکمیل تک پہنچیں اور جن کی اشاعت آپ نے پورے وثوق، لگن اور دیانتداری کے ساتھ انجام دی۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ نعت کی بہت بڑی

خدمت ہے جو آپ نے پچھلے سال ۲۰۰۹ء میں پوری جان فشانی کے ساتھ انجام دی۔ اور اتنی ساری کتب کو نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے پیش کیا جس کے لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

نئے دکھ کے حوالے سے آپ کی جملہ تحریریں پڑھ کے دل بہت افسردہ ہوا۔ کہ نعت سے منسلک خواہ وہ نعت لکھنے والے ہوں یا نعت کو پڑھنے والے ہوں کتنی ہی عظیم شخصیات اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر اپنے ابدی مقام تک پہنچ گئیں۔ اللہ کریم ان کے احسن اعمال اور مدحت سرورِ کونین ﷺ، احمد مجتبیٰ ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے ان کے درجات کو بلند فرما کر اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

اس شمارے میں تمام مقالات و مضامین اس قدر عمدہ ہیں کہ بار بار پڑھ کے بھی جیسے تشنگی رہ جاتی ہے۔ تمام مضامین ایک سے ایک بڑھ کر ہیں جن میں ''اردو نعت میں ضمائر کا استعمال'' رشید وارثی صاحب کی ایک خوب صورت کاوش جو سدا یاد رکھی جائے گی اور جو نعت لکھنے والوں کے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوگی۔ گوہر ملسیانی کا مضمون ہمیشہ کی طرح بہت عمدہ ہے اپنے نام کے اعتبار سے بخوبی حق ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ دل جیسے سجدہ ریز اور آنکھیں اشکبار ہوتی جاتی ہیں جیسے جیسے جمال مصطفےٰ ﷺ کی ضوفشانیاں نعت کے آئینے سے ضوریز ہوتی ہیں۔ تمام تحقیقی مقالات بے مثل ہیں جس میں سرفہرست پروفیسر محمد اکرم رضا، شہزاد احمد کے تحقیقی مقالے ہیں۔ سب سے بڑھ کر جو مفصل تحقیقی مقالہ تمام اہل علم و فکر کو پڑھنے کو ملا وہ ڈاکٹر شبیر احمد قادری اور ڈاکٹر محمد ارشد اویسی کی ایک عظیم کاوش ہے۔ جسے پڑھ کر بہت تسکین ملی کہ مدحت مصطفےٰ ﷺ کو گورنمنٹ کے حلقوں میں ایک بنیادی پزیرائی حاصل ہوئی جو کہ بہت پہلے سے ہی رائج ہو جانی چاہیے تھی لیکن کہا جاتا ہے:

''دیر آید درست آید''

نعت شناسی پر لکھے گئے سب مضامین دل موہ لینے والے ہیں اس قدر خوب صورت تحریریں ہیں کہ الا ماشا اللہ! ہر ایک مضمون پر بات کرنا میرے جیسی کم فہم کے بس کی بات نہیں ہے لیکن پھر بھی کچھ کہے بغیر قلم رکے گا نہیں کیونکہ وہ مضامین جن ہستیوں کے بارے میں تحریر کیے گئے ہیں اور جنھوں نے انھیں احاطۂ تحریر میں لانے کی سعی کی ہے بلاشبہ بہت ہی گرانقدر کام کیا ہے۔ جن میں ڈاکٹر سید محمد یحییٰ نشیط کی تحریر ''ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کی نعت شناسی'' پروفیسر اقبال جاوید کی تحریر ''نظیر لدھیانوی کی نعت شناسی'' اور ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی کی تحریر ''ڈاکٹر سراج احمد قادری کی نعت شناسی'' شامل ہیں اور کچھ ایسے مضامین بھی ہیں جن سے صرف نظر کر کے اور کچھ کہے بغیر

آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔

عزیز احسن نے ''پروفیسر اقبال جاوید کی نعت شناسی'' پر جو مضمون نعت رنگ کے قارئین کو پیش کیا ہے ایک عمدہ کاوش ہے۔ انھوں نے پروفیسر اقبال جاوید کے بارے میں ایک خوب صورت اقتباس نقل کیا ہے۔

''مخزن نعت'' میں ''عرض تمنا'' کے تحت لکھتے ہیں:

اگر میں شاعر ہوتا تو نعت کہتا، مگر وہ عطیۂ ربانی ہے جو عطا ہوتا ہے۔ لیا نہیں جاتا پھر سوچا کہ میں اگر نعت کہہ نہیں سکتا تو کم از کم وہ قلم تو چوم سکتا ہوں جنھیں فطرت نے نعت گوئی کی توفیق بخشی ہے۔ کہ شاید عقیدت کے یہ بوسے میرے لیے توشۂ آخرت ہو جائیں۔

سجا کر لختِ دل سے کشتیِ چشمِ تمنا کو
چلا ہوں بارگاہِ عشق میں لے کر یہ نذرانہ

یہ مضمون اپنے اندر اس قدر گراں مایہ خوبیاں سمیٹے ہوئے ہے کہ کس کس بات کو بیان کیا جائے۔ خط کی طوالت کے باعث صرف ایک اور اقتباس کا بیان ضرور کرنا چاہوں گی جو دل کو چھو گیا۔ عزیز احسن پروفیسر اقبال جاوید کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔ کہ محمد متین خالد صاحب کی کتاب شہیدانِ ناموسِ رسالت ﷺ کی تقدیم بعنوان ''سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا'' لکھتے ہوئے تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنے کی تڑپ رکھنے والوں کے کچھ واقعات اس طرح حوالۂ قرطاس کیے ہیں کہ قاری پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے:

اللہ تعالیٰ ناموسِ نبوت ﷺ کے تحفظ کے سامان خود فراہم کیا کرتے ہیں۔ ہم ایسے لوگ تحریریں لکھتے اور تقریریں کرتے رہ جاتے ہیں۔ اور قدرت کسی سادہ دل کے جگر میں آگ لگا کر اس کے ایمان کو عمل کا خوش رنگ نقش بنا دیتی ہے۔ کہ لالے کی حنا بندی فطرت کا محبوب مشغلہ ہے۔

دہد حق، عشقِ احمد بندگانِ چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ، بادۂ نوشیدۂ خود را

نعت شناسی پر ایک اور مضمون جس نے دل کو تازگی بخشی وہ ہے ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی کی خوب صورت تحریر ''محمد اکرم رضا کی نعت شناسی'' صبیح رحمانی صاحب میں آپ کی اور ڈاکٹر صاحب کی

بہت ممنون ہوں کہ یہ تحسین آمیز تحریر تمام قارئین کی نذر کی۔ نعت رنگ بلاشبہ عطیۂ خداوندی کے سوا اور کچھ نہیں جس میں اس قدر دل آویز تحریریں اپنی جگہ پاتی ہیں اور دلوں کو عشق محمد ﷺ سے گرماتی اور سرور عطا کرتی ہیں۔ "محمد اکرم رضا کی نعت شناسی" کو بار بار پڑھنے پر بھی تشنگی نہیں جاتی کہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ کی نعت شناسی کا کیا ہی عالم ہے۔ دل عقیدت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ کہ میرے رب غفور و رحیم نے اتنے بلند پایہ فکر و نظر کے لوگ اس دنیا میں بھیجے جو اس قدر خوب صورت لکھتے ہیں اور نہ صرف نعت کہنے ہی کی نہیں اس میں مزید غور و فکر کی تمیز و توفیق بھی عطا کر دی ماشاء اللہ!

ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی محمد اکرم رضا کی نعت شناسی کے حوالے سے کچھ یوں رقم طراز ہیں۔ "نعت گو شاعر کی فکر کو شعری سرخروئی کے لیے کثیر الجہات ہونا ضروری ہے۔ پروفیسر محمد اکرم رضا ہمہ وقت نئے سے نئے عنوانات تلاش کرتے ہیں۔ ان کے بیش تر مقالات کا خمیر عصر حاضر کے تقاضوں سے اُبھرا ہے۔ بارگاہ رسول ﷺ میں استمداد طلبی ہو یا آرزوئے شفاعت رسول ﷺ اُمت اسلام کی بے بسی ہو یا نعت کی جدت افکار، شعرا کے احساسات کی وسعت میں اضافے کا ذکر ہو یا جذبۂ عشقِ مصطفےٰ ﷺ، شوق تحریر نعت ہو یا ماضی اور حال کی نعتیہ شاعری میں تفاوت، عصر حاضر میں نعت کی ارتقا پزیری کا مسئلہ ہو یا احترامِ حضور ﷺ کے تقاضوں کی داستان، انھوں نے درجنوں موضوعات کی محفل سجائی ہے۔ "نعت رنگ" کراچی کے مدیر اعلیٰ سید صبیح الدین صبیح رحمانی اس حوالے سے پروفیسر رضا کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ایک طرف تو ان کی نثری تحریروں نے ان کی شخصیت اور تعارف کو توضیح اور توسیع بخشی ہے دوسری طرف شعری جہات نے ان کی ذہنی روش اور فکری رویّوں کو پایۂ استقرار بخشا ہے۔ خصوصاً ان کی نعتیہ شاعری کی تب و تاب خاصی متاثر کن اور دلوں کو چھو لینے والی ہے۔ جس میں علم اور شاعری ساتھ ساتھ چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس خوش آئند رفاقت نے ان کے کلام میں توازن اور سلیقے کی شمعیں روشن کر دی ہیں۔

"محمد اکرم رضا کی نعت شناسی" کے بعد "رشید وارثی کی نعت شناسی" اور وہ بھی پروفیسر محمد اکرم رضا کی خوب صورت تحریر کی صورت میں ایک عقیدتوں بھری تحریر پڑھنے کو ملی۔ اس میں پروفیسر صاحب نے رشید وارثی صاحب کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جو مجھے از حد پسند آیا اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ صرف اور صرف ایک عاشق رسول ﷺ ہی سمجھ سکتا ہے اور لکھ سکتا ہے۔ اس لیے آپ سب سے شیئر

کرنے کو جی چاہا۔

بات دراصل یہ ہے کہ عشق ہی وہ جوہر ہے جو انسان کو مؤدب بناتا ہے اور اس جوہر کی تاثیر ہی ممدوح کی تعریف میں کہے جانے والے اشعار کو الفاظ و معانی کا نورانی پیکر عطا کرتی ہے اور اگر دل متاعِ عشق سے محروم ہے تو نہ صرف نعت نگاری کے تقاضے پورے نہیں کیے جاسکتے بلکہ حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی برتنے سے تمام اعمال کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از لطفِ اب

نعتیہ تذکرہ نگاری اور ''نعت رنگ'' کے عنوان سے شہزاد احمد نے کراچی سے بہت ہی خوب صورت ''نعت رنگ'' کے ۲۰ شماروں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا ہے جو کہ میں سمجھتی ہوں ایک نہایت ہی عمدہ کاوش ہے۔ جس سے نئے قارئین کرام کو ''نعت رنگ'' میں چھپنے والی ان تحریروں سے بہت استفادے کا موقع ملے گا۔

فکر و فن میں ڈاکٹر محمد علی اثر کی دونوں نگارشات تحسین آمیز اور نہایت ہی عمدہ ہیں۔ ''حضرت خواجہ بندہ نواز کی نعت گوئی'' اور ''کلامِ شائق میں زیارت مدینہ کی آرزو''۔ اسی طرح عزیز احسن، ظفر علی راجہ، پروفیسر منظر ایوبی نے بھی بہت عمدہ نگارشات سے ''نعت رنگ'' کے فکر و فن کے ایوان کو سجایا۔

''نعت رنگ'' اتنا وقیع جریدہ ہے کہ اس کے کسی بھی مضمون یا مقالے پر بات کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اور یہ عنایت ربانی کا ایک ایسا بے بہا خزانہ بن چکا ہے جس میں ایسے ایسے ہیرے، موتی اور لعل و جواہر بند ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ خواہ وہ مدحتیں ہوں، تحقیقی و تنقیدی مقالے، مضامین، تذکرہ نگاری ہو، نعت شناسی کے جوہر ہوں یا پھر مطالعات نعت اور خطوط کا منفرد تسلسل۔ سب کچھ ہی بے مثل ہے۔ ماشاءاللہ!

مطالعات نعت میں صبیح رحمانی صاحب آپ کا یہ سرسری جائزہ بہت عمدہ کاوش ہے اور جن باتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے اور جن باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اُمید ہے اللہ رب العزت آپ کے اس احسن عملِ خیر کو مزید وسعت اور توفیق دے گا تاکہ ڈاکٹر افضال انور کے کام کو تمام اہلِ علم و

فکر کے لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ان جذبوں کو استقامت عطا کرے اور مزید توفیقات عطا فرمائے۔ آمین!

حاصلِ مطالعہ ہمیشہ کی طرح لاجواب ہے اور جن کتابوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے بلاشبہ عارف منصور کی یہ نہایت ہی خوب صورت پیش کش ہے۔ ان میں بیشتر کتابوں کا مطالعہ کرنے کا مجھے بھی شرف حاصل ہے۔ ''نعت نگر کا باسی''، ''غالب اور ثنائے خواجہ''، ''شہپر توفیق''، اشاریہ ''نعت رنگ''، ''نعت میں کیسے کہوں'' اور جس کے لیے صبیح رحمانی صاحب آپ کی خصوصی طور پر ممنون ہوں کہ یہ تمام کتب ارسال فرمائیں۔

''نعت رنگ'' نمبر ۲۱ میں میرے خط کو پہلی بار شامل اشاعت ہونے کا شرف حاصل ہوا جس کے لیے میں آپ کی اور ''نعت رنگ'' کے جملہ معاونین کی مشکور ہوں۔ کہ انھوں نے میرے خط کو ''نعت رنگ'' جیسے خوب صورت علمی و ادبی جریدے میں جگہ دی۔ مجھے مطلقاً بھی اندازہ نہیں تھا کہ میرا خط شامل اشاعت ہو پائے گا کیوں کہ میرے اندر وہ علمی و ادبی بصیرت قطعاً نہیں ہوسکتی جتنی کہ ''نعت رنگ'' سے جڑے لوگوں کی ہے ماشاء اللہ۔ جہاں تک ''نعت رنگ'' کے خطوط کی بات ہے تو وہ سراسر علمی و ادبی نوعیت کے ہی ہوتے ہیں جن سے ایک قاری کو بہت سی ایسی باتوں کا علم ہوتا ہے جو شاید سب کی نظر میں نہ آئیں لیکن اہلِ علم و ادب علمی اور فنی نکتۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور پھر اس کو سب کے علم میں لایا جاتا ہے جو کہ بہت ہی احسن عمل ہے۔ اور بلاشبہ یہ اس جریدے کا ایک منفرد پہلو ہے۔ اور اس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ بفضل رب غفور و رحیم یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

سب سے آخر میں جو بات شیئر کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ آپ کی کتاب ''جادۂ رحمت'' جس کا انگلش ترجمہ ڈاکٹر منیر احمد مغل صاحب نے تحریر کیا ہے الحمدللہ! ایک بار پھر بصد افتخار نعت ریسرچ سینٹر یو کے کو اس کتاب کے پبلشر ہونے کا شرف ملا ہے۔

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

''نعت رنگ'' کا ۲۱ ویں شمارہ جو ۲۰۱۰ء کے ابتدائی مہینوں میں شائع ہوا، میرے پیش نظر ہے۔ یہ شمارہ ایک سال بعد مجھے آیا ہے یعنی خاصی تاخیر سے۔ اس بار اس کی ضخامت بہ نسبت پچھلے شمارے کی زیادہ ہے اور یہ کوئی ۷۰۴ صفحات پر محیط ہے۔

''مضامین و مقالات'' کے تحت سب سے پہلا مضمون رشید وارثی صاحب کا ہے جنھیں مرحوم لکھتے ہوئے دُکھ ہو رہا ہے۔ اس کا عنوان ہے ''نعت میں ضمائر کا استعمال'' اس میں آقا حضور اکرم ﷺ کے لیے نعتوں میں ''تم، ترا، اس'' وغیرہ کے استعمال پر بحث کی گئی ہے۔ دراصل یہ مضمون ان حضرات کی تشفی کے لیے لکھا گیا ہے جنھیں ایسے ضمائر کے استعمال پر اعتراض ہے۔ اس سے قبل اسی مضمون پر جناب ابوالخیر کشفی مرحوم بھی ایک مضمون لکھ چکے ہیں جس میں انھوں نے اپنے ضمائر کے استعمال کے لیے مدلل بحث کی تھی۔ ان کے مضمون کا تذکرہ رشید صاحب نے بھی اپنے مضمون میں کیا ہے، ساتھ جناب سحر انصاری کے اس جملے کا بھی ذکر ہے جو انھوں نے حنیف اسعدی صاحب کے نعتیہ مجموعے کے دیباچے میں لکھا تھا۔ رشید صاحب نے کشفی صاحب کے مضمون سے اس کا اقتباس اپنے مضمون میں شامل کیا ہے، وہ یہ ہے:

> لفظ ''آپ'' کے بارے میں جناب سحر انصاری نے حنیف اسعدی کی تضمینوں پر گفتگو کرتے ہوئے ان کے نعتیہ مجموعے ''آپ'' میں لکھا ہے۔
> کتاب کا نام ''آپ'' شاید میں نے تجویز کیا تھا۔ سامنے کا لفظ ہے حضور کے لیے ہمیشہ استعمال ہوتا رہا ہے لیکن کسی مجموعے کا نام ''آپ'' نہ رکھا جاسکا۔ یہ سعادت حنیف اسعدی کے حصے میں آئی اور غالباً یوں آئی کہ انھوں نے نعت گوئی میں یہ التزام رکھا ہے کہ حضور کے لیے ''تو تراق'' کے صیغوں کو ترک کردیں۔

آگے رشید وارثی صاحب نے کشفی صاحب کے ''ردِ عمل'' سے بھی اقتباس دیا ہے:

> لفظوں کے معنی محض لغت یا اپنے وہم اور مذاق میں تلاش نہ کریں زندگی اور زبان کے عام اور زندہ استعمال میں تلاش کیجیے۔ سحر صاحب ذمہ دار اہلِ قلم ہیں لیکن ''تو تڑاق'' کا لفظ استعمال کرکے انھوں نے خاصانِ محمد ﷺ کی توہین کی ہے اور ایک نعتیہ مجموعے کو سوقیانہ لفظ سے داغ دار کیا ہے اور ذرا یہ بھی دیکھیے کہ جو لفظ (آپ) سحر صاحب میرے لیے استعمال کریں اور میں ان کے لیے وہ بارِ عظمتِ محمدی کو کیسے سہار سکتا ہے؟''

کشفی صاحب کی تحریر میں ''ذمہ دار'' والی بات دیکھ کر ایک لطیفہ یاد آرہا ہے۔ ایک صاحب نے کسی فرم میں ملازمت کے لیے درخواست دی۔

انٹرویو کے لیے بلائے گئے۔ فرم کے افسر نے ان کے کوائف دیکھتے ہوئے ان سے کہا، ''مسٹر! آپ نے شاید ہمارا اشتہار غور سے نہیں دیکھا، اس میں واضح کر دیا گیا تھا کہ ہمیں ایک ''ذمہ دار'' آدمی کی ضرورت ہے۔'' ان صاحب نے حیرت سے افسر کو دیکھا اور بولے، ''اسی لیے تو میں نے آپ کے ہاں درخواست دی تھی۔ آپ دیکھ لیں میرے کوائف۔ میں نے پہلے جتنے بھی اداروں میں کام کیا ہے سب نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ان کے ہاں ہونے والی ہر بات کا ذمہ دار میں ہی تھا۔

دوسرا مضمون گوہر ملسیانی صاحب کا ہے۔ ''جمال محسن انسانیت نعت کے آئینے میں'' اس کے بارے میں میں کیا کہوں۔ اس میں بہت سی ایسی نعتوں اور بہت سے ایسے اشعار کو ڈالا گیا ہے جو اپنی کم زوری کی وجہ سے مضمون کو سنبھالا نہیں دے سکے ہیں۔ ان میں زبان کے سقم بھی ہیں اور خیال کی کم زوریاں بھی۔ صرف چند ایک پیش ہیں:

۱۔ مصرع ہے: مرے نبی کی 'نوائے باطل گر، ر، ُبھری' (باطل گداز؟)

۲۔ مکہ کے سرداروں اہلِ طائف نے۔ کیسے کیسے ظلم نبی پر ڈھائے ہیں'' (یہ شعر سپاٹ سا ہے نثر جیسا۔ اور جمال محسن انسانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔)

۳۔ مصرع ''انھیں کے نقش پا سے گنبدِ بے در چمکتا ہے۔ (ذرا شاعر کا علو خیال ملاحظہ ہو۔)

۴۔ ''لے جاؤں لحد میں میں تمنائے محمدؐ'' (اس میں ''میں میں'' پر توجہ دیں)

جمال محمد مصطفیٰ ﷺ کے بیان کے لیے اعلا درجے کی نعتیں اور عمدہ اشعار کی ضرورت تھی جو اس مضمون میں نہیں ملتے۔

میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ یہ سب کیا لکھا گیا ہے۔ صحابی عربی تھے اور نعت کا مقطع انھوں نے فارسی زبان میں دامن اُحد کی ریت میں لکھ دیا۔ عجب ہی ماجرا ہے کچھ۔

رسالے کے ''فکر و فن'' کے حصے میں پانچ عدد نعت گو شعرا کے کلام کے محاسن لکھے گئے ہیں۔ تبھی سب کے سب تقریظی ہیں۔ ان میں عزیز احسن صاحب کا مضمون جو جناب احسان اکبر پر ہے اس لائق ہے کہ اس پر کچھ گفتگو کی جائے۔ اُمید تو یہی تھی کہ مضمون ''ناقدانہ'' ہوگا مگر یہ ''فدویانہ'' ثابت ہوا۔ عزیز احسن صاحب لکھتے ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر احسان اکبر کا شعر عقیدت میرے لیے شعری و شرعی اعتبار سے

نہ صرف قابلِ قبول ہے بلکہ انتہائی درجے پر لائقِ تحسین ہے۔ کیوں کہ ان کی شاعری اسلوبیاتی سطح پر دل میں ترازو ہو جانے والی اور Content کے حوالے سے سندِ قبول پانے کی حامل ہے۔

یہ بیان بتا رہا ہے کہ مضمون نگار اپنے ممدوح سے کس حد تک متاثر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تاثر کے تلے دبے مضمون نگار سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ معروضی انداز میں تنقید کا حق ادا کر سکے گا۔ عزیز احسن صاحب کو اپنے ممدوح کے کلام میں ''اسلوبیاتی سطح پر نزاکتوں کا از حد خیال نظر آتا ہے۔ سو ذرا اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

انھوں نے جناب احسان اکبر کی شاعری کے جو نمونے کوٹ کیے ہیں، ذرا ان میں سے یہ مصرع دیکھیے:

وہ جو کوئی کچھ نہیں جانتا وہ بھی جانتا ترا نام ہے

''جانتا ترا نام ہے'' یہ کون سی زبان ہے؟ کیا اس مصرع کا Construction شعری اعتبار سے اچھا کہا جا سکتا ہے۔ فیصلہ آپ خود کریں۔

اب ایک اور مصرع دیکھیے کوئی تقویٰ نہ کوئی پاس فضیلت اپنے کہنا تھا کہ اپنے پاس کوئی فضیلت ہے۔ نہ تقویٰ اور شعر میں ''کوئی پاس فضیلت اپنے'' لکھا گیا۔ یہ تنقید کی ایک بڑی مثال ہی انھیں شاعر کے عجزِ بیان کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ اس بیان کو اسلوبیاتی سطح پر دل میں ترازو ہو جانے والا کہا جا سکتا ہے مگر اس Sense میں نہیں جس میں عزیز احسن صاحب نے لکھا ہے۔

اور دیکھیے، یہ مصرع: فنِ نعت کوئی ہنر نہیں یہ ہے قلب و چشم کی حاضری

اس میں ذرا ''فنِ نعت'' پڑھیے۔ کیا اس میں عیبِ تنافر کی جھلک نہیں ملتی؟

اب ایک مصرعے کا آخری حصہ دیکھیں۔ ''ہیں بشر تو مگر ساتھ اللہ کے آپ کے مشترک تیس نام ایک ہیں''

اور مشترک تیس نام سے اندازہ لگائیں کہ یہ مصرع اپنے اندر کیا ''خوبی'' رکھتا ہے۔

اب یہ مصرع ملاحظہ ہو۔ ''دیں دنیا کے درد کا مرہم ﷺ''

''دیں و دنیا'' کیسا لگ رہا ہے۔ یہ آسانی سے ''دنیا و دیں'' لکھا جا سکتا تھا۔ اس سے سلاست پیدا ہو جاتی ہے اور ''دیں دنیا'' کا مفہوم دین دنیا سے الگ ہے یہ بھی دیکھیں۔

ایک مصرع اور دیکھیں: ''پیام آپ کو بہ کو آ گیا''

''کو بہ کو آنا؟'' کیا اسی طرح بولا جاتا ہے؟ کو بہ کو پھیلنا، پہنچنا تو چل سکتا تھا مگر یہ ''آنا''؟

کیا اسلوبیاتی سطح کی بلندی یہی ہے؟

ایک مصرع اور دیکھیں: ''پتھروں بیچ زمی کا اکھوا کھلا''

اکھوا پھوٹنا محاورہ ہے کھلنا نہیں۔ پھول کھلتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ مثالیں کافی ہیں جن کی بنیاد پر مضمون کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس مضمون کا نام ''اسلوب شناس شاعر'' رکھا گیا ہے جب کہ صاحب اسلوب وغیرہ ہونا چاہیے تھا۔ اس کا ''رمز'' سمجھ میں نہ آسکا۔

اب ہم دوسرے تقریظی مضمون کی سمت رجوع کریں گے۔ یہ مضمون جناب پروفیسر منظر ایوبی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک نعت طاہر سلطانی کی حمدیہ شاعری پر ان کی جانب سے نچھاور کیے ہوئے پھولوں جیسا ہے۔ اس میں بھی مضمون نگار اپنے ممدوح کے ''لب ولہجہ کی پاکیزگی اور اسلوب کی طہارت'' میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ اس حد تک اسے ممدوح کے کلام میں تمیحی اشاروں کے غیر محتاط رویوں کا ذرا بھی پتا نہیں چل سکتا ہے۔ اس نے جوشِ عقیدت میں اپنے ممدوح کا یہ شعر بھی کوٹ کردیا ہے:

کس کو ادراک جہاں تو ہے وہاں کوئی نہیں
تو ہی موسیٰ کا عصا مصر کے بازار میں تو

شاعر محترم نے اس میں اللہ تعالیٰ کو موسیٰ کا عصا قرار دے دیا ہے۔ ''تو ہی موسیٰ کا عصا''

اب کچھ ذکر ظفر علی راجا صاحب کے مضمون ''انور سدید کی حمد و نعت''

مجھے اس کا عنوان خاصا دلچسپ محسوس ہو رہا ہے۔ اسے توجہ سے پڑھیں۔

یہ مضمون بھی تحسینی ہے اس میں مضمون نگار نے بعض بعض بغیر احتساب کیے تعریف کے لائق قرار دے دیے ہیں۔

یہ شعر دیکھیں:

نعت پیغبر آخر لکھوں
دل کو ہے فکر کہ کیوں کر لکھوں

اس میں ''آخر'' پر توجہ دیں (یعنی خ ر پر زیر ہے) جب کہ ''آخر'' کے معنی آخری نہیں

بلکہ ''اور'' ایک دوسرا ایک اور وغیرہ ہیں۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

زادِ حیات اسوۂ نبی کریم ہے
انور سدید کا ہے یہ ارمان یارسول

اس شعر کی نثر بنائیے۔ یارسول انور سدید کا ارمان ہے کہ زادِ حیات اسوۂ نبی کریم ہو۔

لگتا ہے اسوۂ نبی کریم کوئی اور چیز ہے۔ جس کی فرمائش رسول سے کی جارہی ہے۔ حالاں کہ کہنا یوں تھا کہ یارسول انور سدید کا ارمان ہے کہ ان کا زادِ حیات آپ کا اسوہ ہو۔ شاعر اچھی طرح بات لکھ نہیں سکا اور پھر ذرا ''اسوۂ نبی کریم'' پر توجہ دی۔ یہ ''اسوۂ نبی کریم'' ہونا چاہیے جو اس شعر میں فٹ ہی نہیں ہو رہا ہے۔ راجا صاحب نے اس تحریر پر بہت محبت بھری نظر ڈالی ہے۔

ایک اور شعر دیکھیں:

میں خزاں دیدہ شجر ہوں پہ یقیں ہے مجھ کو
مجھ پہ برسے گا ان کا گھٹا کی صورت

''خزاں دیدہ'' کے بجائے محل ''خزاں رسیدہ'' کا تھا اور کیا خزاں رسیدہ شجر پر گھٹا نہیں برستی؟ بات اس طرح کہی گئی ہے گویا یہ کوئی امر محال ہوتا ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

میں انائے ذات میں کرتا رہا ہوں پرورش
توڑ ڈالا اب مگر یہ سلسلہ تیرے لیے

نہیں معلوم کہ انائے ذات میں کیا پرورش کرتے رہے تھے؟ یہ شعر اچھا تو نہیں کہا جاسکتا۔

ان باتوں کے باوجود ایک بات ضرور کہنے کی ہے کہ جناب انور سدید کی ''شاعری'' سے ان کی نعتیہ شاعری کہیں اچھی ہے۔ ان کی اس شاعری سے مجھے راجا صاحب کے مضمون کے ذریعے تعارف حاصل ہوا ہے۔ راجا صاحب کا یہ مضمون بہر حال اچھا لکھا ہوا ہے اور جو کلام کوٹ کیا گیا ہے اس کا بڑا حصہ اچھے اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کا کریڈٹ انور سدید صاحب کو جاتا ہے۔

اب ذرا ''مطالعاتِ نعت'' کا حصہ دیکھتے ہیں۔ اس میں 3 عدد مضامین ہی ں جو تین اہلِ قلم کی کتابوں کے جائزے سے متعلق ہیں۔ انھیں جائزہ تو نہیں کہا جاسکتا البتہ یہ ''تعارفیہ'' ضرور کہے

جا سکتے ہیں۔ اس میں عارف منصور صاحب کے لکھے کتابوں پر تبصرے بھی شامل ہیں۔ عارف منصور کے تبصرے Balanced ہوتے ہیں ان پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

رسالے کا وہ حصہ جو "مدحتوں" سے متعلق ہے اس میں اس چھتیس شعرا کی نعتیں شامل ہیں افسوس یہ حصہ حسب سابق کوئی اچھا Impact نہیں دے رہا ہے۔ امجد اسلام امجد، خورشید رضوی (ایک نعت) سجاد سخن، ریاض حسین چودھری، راجندر سکسینہ، قاضی عنایت الرحمٰن، ناز قادری اور رشید امین کی نعتیں قدرے بہتر ہیں۔ ورنہ اس میں ایک بڑی تعداد میں ایسی نعتیں ہیں اور ایسے اشعار موجود ہیں جسے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

(۱) ہر ایک نبی انھیں کے لیے ایک ولی انھی کے لیے
وہ کنز خفی حدیث پڑھو خدا بہ خدا نبی کے لیے

(۲) اپنے تو ہے ہر غم کی دوا شہر نبی میں

(۳) ہو دیدہ پر نم (دیدۂ نہیں دیدہ پرنم، اور یہ دیدہ کیسا لگ رہا ہے؟)

(۴) لفظ یثرب میں کہاں ہے کوئی خوبی و کمال
اس لیے کہنا پڑا تھا آپ کو طیبہ حضور

(۵) مجھ کو پکڑیں نہ اگر فضلِ خدا دیکھیں تو

اسی حصے میں ایک "زبردست" نعتیہ نظم بھی ہے جس کا عنوان ہے، "سنہری گرد طیبہ" چند لائنیں ملاحظہ ہوں:

(۱) کہ ہم، ہمارے گزشتہ کو۔ پرت پرت سامنے سے دیکھیں۔ (کہ ہم ہمارے" کے بارے میں کیا خیال ہے؟)

(۲) تمھاری راہ فرار کے نقش پا تلاشیں (راہ فرار پر توجہ دیں۔ یہ بیان نبی کے لیے ہے اور راہ فراد کے نقش پا کیا ہوتے ہیں۔

(۳) جہاں بہ نفس نفیس تم خود... ڈٹے ہوئے تھے۔ (ڈٹے ہوئے پر توجہ دیں)"

(۴) کہ گرد نے ہی شکم مبارک (" شکم مبارک پر" توجہ دیں یہ شکم مبارک نہیں ہے)

(۵) یہی تمھاری دعا کے نخل اثر ہے جس کی گداز سمجھیں (شاعر کے علو خیال کو دیکھیں اور الفاظ کے میل جول کو سمجھیں)

یہاں شعرا کے نام نہیں دیے جارہے ہیں بات صرف ان کی ''تخلیقات'' کی ہو رہی ہے جو رسالہ کے مدحتوں کے سیکشن میں اپنی چھب دکھا رہی ہیں۔

رسالہ کا آخری حصہ ''مکتوبات'' کا ہے۔

ماجد خلیل صاحب نے چند سوالات پوچھے ہیں۔ ان کے جوابات تو صرف کوئی ''جید عالم'' ہی دے سکتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اور ڈاکٹر رشید امجد کے خطوط ہیں۔ ایک خود کو قلمی معاونت سے قاصر پاتا ہے دوسرا ارف مدیر کو ''شاباشی'' دینے پر قناعت کر کے نکل گیا ہے۔ ان سے اور توقع بھی کیا جاسکتی تھی۔ غالب عرفان صاحب نے چارٹ بنا کر چند مدحتوں کے اندر پائے جانے والے سقم کی نشان دہی کی ہے لیکن ''اصل'' کہیں نہیں لکھا کہ پتا چل سکتا، آیا ان کے اعتراضات درست ہیں یا نہیں۔ ان کے چارٹ میں ''سوتی'' اور تناظر کے الفاظ لکھے ہیں جو غالباً کتابت کی غلطیاں ہیں یہ صوتی اور تنافر رہے ہوں گے۔ رسالے میں کتابت کی بہت غلطیاں ملتی ہیں۔ دراصل پروف خوانی توجہ سے نہیں ہو رہی ہے۔ ایسی غلطیاں بعض اوقات اشعار کا حلیہ ہی بگاڑ دیتی ہیں اور نثر میں ان کے سب معنی مطالب خبط ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا مسئلہ اس لیے اُٹھتا ہے کہ مدیر گرامی (یعنی جناب سیّد صبیح الدین رحمانی مدظلہ) حضرت داغ سے کم نہیں ہیں۔ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے۔ متعدد بار گزارش کی گئی کہ حضور پر چار سال بھر بعد لانے کے بجائے ہر تین ماہ بعد لائیں۔ سات سو کے بجائے ساڑھے سو صفحات پر ہی قناعت فرمائیں... مگر... ویٹو پاور جس کے پاس ہوتے ہیں اس سے تو کوئی جیت نہیں سکتا۔

''مقدار'' کا اپنا رعب ضرور ہوتا ہے مگر ''معیار'' کی بات دوسری ہے۔

رسالے میں جہاں پروف خواں کی سہل پسندی نظر آتی ہے۔ وہیں اس کی ''محنت خاص'' کو بھی دیکھا جاسکتا ہے، مثلاً جناب صبیح الدین رحمانی کی نعت میں ایک مصرع ہے:

میں اور بارگاہِ رسالت پناہ کی

اس میں (یقینی طور پر) پروف ریڈر نے بارگاہ کی وہ تلے زیر لگایا ہے اور مصرع کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ اسی طور سے انھوں نے بہ صد محبت عزیز احسن صاحب کے مضمون کے عنوان ''اسلوب شناس شاعر'' میں اسلوب کی ب تلے زیر لگا کر اس کے معانی مطالب میں قابل قدر اضافہ فرما دیا ہے۔ یہ ''زیر'' فہرست میں بھی اپنی بہار دکھا رہا ہے۔

اس جگہ ایک غلطی کا ازالہ کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پچھلے شمارے میں راقم الحروف

نے ماجد خلیل صاحب کے ایک شعر کو تحسینی کلمات کے ساتھ کوٹ کیا تھا۔

اک لفظ سے بنے ہوئے جہاں میں
اک نام سے روشنی ہوئی ہے

حقیقتاً یہ شعر سقیم ہے۔ اس کا پہلا مصرع بحر سے خارج ہے۔ ایک رکن اس میں بڑھ گیا ہے۔ راقم الحروف کی اس غلطی کی سمت توجہ عزیزی عزیز احسن نے دلائی تھی میں ان کا ممنون ہوں۔

خطوط کے حصے میں جناب تنویر پھول کا خط بھی توجہ چاہتا ہے۔ دراصل خطوط وہی چھپنے چاہئیں جن میں جریدے کے مضامین اور شعری حصے پر خیال افروز باتیں کی گئی ہوں۔

☆

عطیاتِ کتب برائے
نعت ریسرچ سینٹر

شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	سن اشاعت	ناشر
۱۔	پاکستان کے نعت گو شعرا (جلد سوم)	سیّد محمد قاسم	۲۰۱۰ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۲۔	بہشت تضامین	حافظ عبدالغفار حافظ	۲۰۱۰ء	نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۳۔	مرے سرکار کی خوشبو	کوثر یاسمین	۲۰۱۰ء	انسٹیٹیوٹ آف پالیسی ریسرچ ملتان
۴۔	چراغِ حرا	ناز قادری	۲۰۰۹ء	اثبات ونفی پبلی کیشنز، کولکاتا، بھارت
۵۔	نذرِ رسول	دانش عناتی	۲۰۰۵ء	روہیلکھنڈ لٹریری سوسائٹی، رامپور
۶۔	الہام	عبدالصمد خطیب	۲۰۰۳ء	شہباز ندیم ضیائی، دہلی، بھارت
۷۔	انبساطِ کل	عبدالصمد خطیب	۲۰۰۶ء	حمد ونعت اکیڈمی، نئی دہلی، بھارت
۸۔	دعائے کل	نعیم جلال پوری	۲۰۰۸ء	کاروانِ اردو، الٰہ آباد، بھارت
۹۔	سحابِ رحمت	عزم سہریاوی	۲۰۰۸ء	جید پریس، بلی ماران، دہلی
۱۰۔	صلوعلیہ وآلہ	علقمہ شبلی	۲۰۰۴ء	اثبات ونفی پبلی کیشنز، کولکاتا، بھارت
۱۱۔	خلق عظیم	ظفر جنکپوری	۲۰۰۲ء	دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد، بھارت
۱۲۔	فروغِ نوا	رئیس احمد نعمانی	۲۰۰۹ء	زبیدہ خاتون، علی گڑھ، بھارت
۱۳۔	توفیقِ ثنا	صوفی عبدالعزیز قادری	۲۰۰۲ء	نصرت ظہیر، نئی دہلی، بھارت
۱۴۔	کردار کی خوشبو	عبدالعزیز یاس چاندپوری	۲۰۰۷ء	مصنف خود، نئی دہلی، بھارت
۱۵۔	تحائف اشرفی	سیّد علی حسین اشرفی میاں	۲۰۰۴ء	جمعیۃ الاشرف اسٹوڈنٹس مومنٹ کچھوچھوی، بھارت
۱۶۔	حمد کہوں تو ہوا جیارا	ابرار کرت پوری	۲۰۰۸ء	مصنف خود، نئی دہلی، بھارت
۱۷۔	تجلیاتِ سخن	سیّد محمد مدنی اختر کچھوچھوی	۲۰۰۴ء	سیّد محمد خالد انور، لکھنؤ، بھارت
۱۸۔	عقیدت پارے	ابرار کرت پوری	۲۰۰۷ء	حمد ونعت اکیڈمی، نئی دہلی، بھارت
۱۹۔	پیغامِ حق	رہبر جون پوری	۲۰۰۸ء	مصنف خود، بھوپال، بھارت
۲۰۔	یارسولِ عربی	اختر اندوری فدائی	۲۰۰۹ء	بلال پبلی کیشنز، کراچی
۲۱۔	نعتیہ تروینیاں	محمد شرف حسین انجم	۲۰۱۰ء	ندارد...کراچی
۲۲۔	محمد رسول اللہ	گہر اعظمی	۲۰۰۹ء	جہان حمد پبلی کیشنز، کراچی

۲۳۔	حمد ربِ ذوالجلال	طاہر سلطانی	۲۰۱۰ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۲۴۔	صلی اللہ علیہ وسلم	محمد امین ساجد سعیدی	ندارد	کتاب برائے لاہور
۲۵۔	مدحت (کتابی سلسلہ)	سرور حسین نقشبندی	۲۰۱۰ء	نعت فورم انٹرنیشنل، لاہور
۲۶۔	مستند نعتیہ کلام	قاری محمد اسحٰق ملتانی	۱۴۱۳ھ	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
۲۷۔	تجلیات	حافظ مظہر الدین	۲۰۰۹ء	حریم ادب راول پنڈی
۲۸۔	جلوہ گاہ	حافظ مظہر الدین	۲۰۰۹ء	حریم ادب، راول پنڈی
۲۹۔	بابِ جبریل	حافظ مظہر الدین	۲۰۰۹ء	حریم ادب، راول پنڈی
۳۰۔	ارحم الراحمین	تنویر پھول	۲۰۰۵ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۳۱۔	سلام ربی علی نبی	شفیق احمد فاروقی	۲۰۰۹ء	طیب گروپ آف انڈسٹریز، فیصل آباد
۳۲۔	جانِ دو عالم	محمد رفیق مغل	۲۰۰۹ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۳۳۔	چراغِ مصطفوی	سراج الدین سراج	۲۰۰۶ء	بزمِ سراج الادب، کراچی
۳۴۔	سوغاتِ کشکول	مظفر سعیدی	۲۰۰۹ء	جھوک پبلشرز، ملتان
۳۵۔	ریاض المناقب	سیّد غلام معین الحق گیلانی	۲۰۰۳ء	بزمِ علم و ادب، اسلام آباد
۳۶۔	محسن موجودات	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	انٹرنیشنل درود و سلام فاؤنڈیشن، کراچی
۳۷۔	آفتابِ نیم شب	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	انٹرنیشنل درود و سلام فاؤنڈیشن، کراچی
۳۸۔	معلم عالم	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	حسرتی میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، کراچی
۳۹۔	آیاتِ درود	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	حسرتی میموریل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، کراچی
۴۰۔	معراجِ قلم	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	انٹرنیشنل درود و سلام فاؤنڈیشن، کراچی
۴۱۔	تسبیح کریمین	ظفر ہاشمی	۲۰۰۶ء	انٹرنیشنل درود و سلام فاؤنڈیشن، کراچی
۴۲۔	وہی یاسین وہی طاہا	مختار احمد کاشف	۲۰۱۰ء	عظیمی پبلی کیشنز، لاہور
۴۳۔	موجِ طہور	بہزاد لکھنوی	۱۹۴۱ء	ساقی بک ڈپو، دہلی، بھارت
۴۴۔	مفہوم سورۂ رحمٰن	مسعود عظیم آبادی	۱۹۸۷ء	شاعر خود، کراچی
۴۵۔	یٰسین والقرآن الحکیم	مسعود عظیم آبادی	۱۹۹۱ء	احباب پبلشرز، کراچی
۴۶۔	شہرِ نعت (شمارہ:۱۶)	آصف بشیر چشتی	۲۰۰۹ء	مجلس معین ادب، فیصل آباد
۴۷۔	ماہ نامہ کاروانِ نعت	محمد ابرار حنیف مغل	اپریل ۲۰۱۰ء	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور
۴۸۔	ماہ نامہ کاروانِ نعت	محمد ابرار حنیف مغل	دسمبر ۲۰۰۹ء	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور

۴۹۔ ماہ نامہ کاروانِ نعت	محمد ابرار حنیف مغل	مارچ ۲۰۱۰ء	ادارہ کاروانِ نعت، لاہور
۵۰۔ تحیت	شہزاد مجددی	۲۰۱۰ء	دار الاخلاص، لاہور
۵۱۔ لیکھ	حفیظ تائب	۲۰۱۰ء	مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
۵۲۔ طاقِ حرم	حفیظ تائب	۲۰۱۰ء	القرآن انٹر پرائزز، لاہور
۵۳۔ خوشبو تری جوئے کرم	ریاض ندیم نیازی	۲۰۱۰ء	ماورا بکس، لاہور
۵۴۔ التجا	حسن اکبر کمال	۲۰۰۲ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۵۵۔ سیّدِ دنیا و دیں	عبد الحمید قیصر	۲۰۰۹ء	مکی دار الکتب، لاہور
۵۶۔ صحرا بھی گلزار لگے	شبنم کمالی	۲۰۰۵ء	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
۵۷۔ صنف ہزار رنگ	میرزا امجد رازی	۲۰۰۹ء	نعت اکادمی، فیصل آبادی
۵۸۔ گلدستہ مثنوی	جلال الدین احمد امجدی	۱۹۹۲ء	نذیر سنز پبلشرز، لاہور
۵۹۔ خلدِ سخن	ریاض حسین چودھری	۲۰۰۹ء	القمر انٹر پرائزز، لاہور
۶۰۔ مطلع انوار	محبوب الٰہی عطا	۲۰۰۹ء	مثال پبلشرز، فیصل آباد
۶۱۔ زہے مقدر	نورین طلعت عروبہ	۲۰۱۰ء	دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد
۶۲۔ اللہ کی سنت	منظر عارفی	۲۰۰۹ء	سخن پبلی کیشنز، کراچی
۶۳۔ جسم کراچی روح مدینہ	تنویر احمد سوز	۲۰۱۰ء	حرا فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی
۶۴۔ جہانِ اجاگر	نثار علی اجاگر	۲۰۰۸ء	فرید پبلشرز، کراچی
۶۵۔ الحمد للہ (حمد)	ڈاکٹر محبوب راہی	۲۰۱۰ء	اسباق پبلی کیشنز، پونا، بھارت
۶۶۔ برلبِ کوثر	ڈاکٹر محبوب راہی	۲۰۱۰ء	اسباق پبلی کیشنز پونا، بھارت
۶۷۔ عشقِ کبریا عشقِ رسول	عبد الحفیظ قادری	۲۰۰۷ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۶۸۔ خیابانِ نعت	اقبال عالم	۲۰۱۰ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۶۹۔ سائبان	حیات نظامی	۲۰۱۰ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی
۷۰۔ محمد علی اثر کی حمدیہ اور نعتیہ شاعری	ڈاکٹر راحت سلطانہ	۲۰۰۹ء	نرالی دنیا پبلی کیشنز، دہلی، بھارت
۷۱۔ قلم کی سجدہ ریزیاں	محمد علی اثر	۲۰۱۰ء	نشاط پبلشرز، حیدر آباد، بھارت
۷۲۔ اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	رشید وارثی	۲۰۱۰ء	نعت ریسرچ سینٹر، کراچی
۷۳۔ سوئے حرم	ارشد صابری	۲۰۱۱ء	جہانِ حمد پبلی کیشنز، کراچی

حسن اختر
کی
مطبوعات
حرفِ راز
ہدیۂ دل
البیان
AL-BAYAN
ملنے کا پتہ
عبید حسن اختر
0300-8213221

FALAK
BASMATI RICE
رمضان کریم
اسکریچ کیجیے اور جیتیے -
عمرہ ٹکٹ
Ramadan Offer
فلک رائس پریمیئم، سلیکٹ اور اسپیشل کے
ہر 5 کلوگرام پیک پر
FALAK
PREMIUM
5kg
* Offer Valid till 30th September, 2011
Matco
since 1964
www.matcorice.com

نعت ریسرچ سینٹر

نعت کے ادبی فروغ اور تحقیقی ضرورتوں کے پیشِ نظر کراچی میں ''نعت ریسرچ سینٹر'' کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس ادارے کے ذریعے ہم نعت شناسی اور نعت فہمی کا جذبہ بیدار کرنے اور فروغِ نعت کے لیے درج ذیل منصوبوں پر کام کرنے کا آغاز کر چکے ہیں۔

۱۔ حمد و نعت پر اب تک تمام زبانوں میں شائع ہونے والے تخلیقی، تحقیقی، تالیفی اور تدوینی نوعیت کے کاموں کو یکجا کیا جا رہا ہے، جس میں غیر مطبوعہ دواوین، مقالے اور کتابیں بھی شامل کی جا رہی ہیں۔

۲۔ حمد و نعت کے مختلف ترجیحی کورسز، سیمینار، مقابلے، مباحثے، مشاعرے اور محفل منعقد کیے جا رہے ہیں۔

۳۔ کتبِ حمد و نعت بالخصوص تحقیقی مقالوں کی اشاعت کی حوصلہ افزائی اور ان کی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور انہیں اشاعت کے بعد دنیا کے اہم تعلیمی اداروں اور لائبریریوں میں بھیجا جا رہا ہے۔

۴۔ حمد و نعت کے حوالے سے نمایاں تحقیقی اور تنقیدی کتابوں پر ایوارڈ پیش کرنے اور سال کے بہترین حمدیہ نعتیہ مجموعوں پر ایوارڈ دیے جانے کا منصوبہ بھی زیرِ غور ہے۔

۵۔ حمد و نعت کی آڈیو وڈیو لائبریری قائم کی گئی ہے۔

۶۔ نعت گو شعرا اور نعت خوانوں کے تذکروں کی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے تاکہ نعت گوئی اور نعت خوانی کے ارتقائی سفر کا عہد بہ عہد جائزہ لیا جا سکے۔

۷۔ اہم اور ممتاز نعت گو شعرا پر مقالے اور کتابیں لکھوائی جا رہی ہیں تاکہ تاریخِ ادب میں ان کے کارناموں کا بھرپور تعارف ہو سکے۔ ہمیں اس عظیم کام کو وسعت دینے کے لیے آپ کے مزید تعاون کی ضرورت ہے۔

برائے عطیات

A/C Title : NAAT RESEARCH CENTRE
A/C No : 0120031965
Allied Bank Limited, Buffarzone Branch (0719)
Karachi Pakistan

خط و کتابت کے لیے

B-50, Sector-11/A North Karachi-75850 Pakistan
E-mail : Sabeehrehmani@gmail.com
Naatrc@gmail.com
www.naatresearchcenter.com
Mobile:+92-3332457575